Presented by: Rana Jabir Abbas

تاریخِ تشیّع

تحریر: سیّد حسین محمد جعفری

ترجمہ: سیّد مسلم عباس زیدی

jabir.abbas@yahoo.com

ناشر

اِمامیہ پبلی کیشنز، پاکستان

35 - حیدر روڈ ○ اسلام پورہ ○ لاہور۔ فون : 7119027

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Knowledge for All

SABIL-E-SAKINA

۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تاریخ تشیع
مصنف	:	سید حسین محمد جعفری
مترجم	:	سید مسلم عباس زیدی
کمپوزنگ	:	نثار حسین بلتستانی
مطبع	:	معراج دین پرنٹرز
ناشر	:	امامیہ پبلیکیشنز
باردوم	:	مارچ 2001ء
تعداد	:	550

ملنے کا پتہ

العصر اسلامک بک سنٹر

35۔ حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور۔

فون: 042:7119027

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فہرست

باب نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
	مقدمہ	1
باب اول	تشیع کی فکری بنیادیں	9
باب دوئم	سقیفہ اولین آثار	53
باب سوئم	علیؑ اور پہلے دو خلفاء	109
باب چہارم	رفقائے علیؑ کا ظہور ثانی	149
باب پنجم	کوفہ شیعہ سرگرمیوں کا مرکز	187
باب ششم	امام حسنؑ کی خلافت سے دست برداری	233
باب ہفتم	شہادت امام حسینؑ	307
باب ہشتم	سانحہ کربلا کا ردِ عمل	391
باب نہم	امامت شرعی کی جدوجہد	413
باب دھم	امامت حضرت امام جعفر صادقؑ	453
باب یازدھم	عقیدہ امامت	503
	فہرست بنیادی ذرائع	551

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقدمہ

ڈاکٹر حسین محمد جعفری آج کل کراچی یونیورسٹی میں مطالعہ پاکستان کے شعبہ کے صدر ہیں۔ اس سے قبل وہ ملائیشیا اور لندن کے علاوہ بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں اسلامک سٹڈیز کے صدر رہے ہیں۔ آپ نے لکھنؤ سے پی ایچ ڈی کی اور پھر لندن سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ان کا شمار ان اہل علم میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی علمی تحقیق میں بالخصوص اسلامیات کے مطالعہ میں صرف کردی۔ خداوند عالم نے ان کو یہ توفیق مرحمت فرمائی۔ کہ وہ مذہب شیعہ کے آغاز اور اس کی نشوونما کے بارے میں ایک ایسی کتاب لکھیں جو مستند بھی ہو اور جس قسم کی کتاب عربی یا فارسی میں بھی موجود نہ ہو۔ اس کتاب میں انہوں نے مذہبی تعصب سے بالکل ہٹ کر تاریخی نقطۂ نظر سے اس بات کا جائزہ لیا ہے تشیع کا آغاز کیسے ہو اور اس کی نشوونما کیونکر واقع ہوئی۔ اس کتاب میں انہوں نے سرکار رسالتمابؐ کے زمانے سے امام جعفر صادقؑ کے زمانے تک کے حالات کا جائزہ لیا ہے اس جائزہ میں جو کاوش انہوں نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ سے پردہ اٹھایا جائے۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس میں بنیادی طور پر حقائق کو روشن کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن لکھنے والے کے ذاتی تعصّبات اور ذاتی رویوں کی بنا پر اس پر مختلف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قسم کے رنگ چڑھتے ہیں۔ بدقسمتی سے اسلامی تاریخ میں یہ رنگ کچھ زیادہ ہی گوناگوں اور گہرے ہیں اس کا سبب واضح طور پر یہ ہے کہ اسلامی تاریخ لکھنے والوں نے یہ کتابیں بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں تحریر کی تھیں جب ہر آن یہ خدشہ سامنے رہتا تھا کہ کب حکمران کی مرضی کی خلاف ورزی میں ان کی گردنوں پر تلوار مسلط ہو جائے اور قتل و غارت کے بعد ان کی لاشوں کو جلا دیا جائے اور ان کی قبروں کو مسمار کر دیا جائے' اس سلسلے میں عبد اللہ بن زبیر' محمد نفس الزکیہ' زید شہید وغیرہ کے نام زیادہ مشہور ہیں' تاریخ تو تاریخ بعض دوسرے معاملات میں بھی حکام وقت اور ان کے پروردہ علماء کی مرضی کے خلاف کوئی بات نکل جانے سے ان مصنّفین پر قیامت ٹوٹ پڑتی تھی۔ شہید اولؒ' شہید ثانیؒ' شہید ثالثؒ' تاریخ لکھنے نہیں بیٹھے تھے لیکن حقیقت اور نام نہاد علماء دین کی سرگرمیوں میں ان کو اپنی جان کی قربانی پیش کرنا پڑی۔ یوں سمجھیے کہ اس دور میں ہر مصنف کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانا اور رکھنا پڑتا تھا۔ کبھی حکمران ناراض ہوتا تھا کبھی اس کے حاشیہ بردار برا فروختہ ہوتے تھے۔ کبھی ان کے زیر اثر عوام کالانعام اپنی جہالت کی بناء پر لکھنے والوں کی زندگیوں کے خلاف مطالبات کیا کرتے تھے۔

لہٰذا جو تاریخ لکھی گئی اس میں اس کی بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ حکمران طبقہ ناراض نہ ہو' اور ان کے زیر اثر عوام الناس کی جہالت میں ابال نہ آئے اگرچہ تاریخ واقعات کو اجاگر کرتی ہے اور حقائق کو روشن کرتی ہے تاہم سیاسی اثرات کی بنا ہر ہر دور میں لکھی گئی تاریخ اپنے اندر تضادات بھی لئے بیٹھی ہے۔

کسی کہنے والے سے ایک دل چسپ بات کی کہ اگر جھوٹ بولنا ہو تو زور سے بولو اور بار بار بولو' تاکہ سننے والے اس جھوٹ کو سچ سمجھنا شروع کر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دیں۔ تاریخ اسلام کے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی بات ہو رہی ہے' اس تاریخ میں جھوٹ کے علاوہ الزام تراشیاں بھی ہیں' تہمتیں بھی ہیں' خوشنودی حاکم کا جذبہ بھی ہے۔ عوامی اعتقادات کی خلافت ورزی سے نمٹنے کا خیال بھی ہے' نتیجہ یہ ہے کہ آج جب ہم پرانے ادوار کی تاریخ پڑھتے ہیں تو الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یہ تضادات کیوں ہیں' جن کو واضح کرنا دور جدید کے مؤرخ کی ذمہ داری ہو جاتی ہے' لیکن پرانے خیالات اس طرح ذہن میں بیٹھ گئے ہوتے ہیں ان کو دور کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔

ڈاکٹر حسین محمد جعفری ایسی جوئے شیر لانے کے درپے ہوئے ہیں' اب خیال واثق ہے کہ وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

یہ کتاب ان لوگوں کو چونکانے کا باعث بھی ہو سکتی ہے جن کی علمی معلومات صرف مجالس میں ذاکروں اور مجلس خانوں کے اقوال پر مبنی ہے اور جنہوں نے تاریخ کے اصلی متون کو کبھی نہیں دیکھا۔ دراصل یہ کتاب روشن فکر اور پڑھے لکھے طبقے کے لئے ہے۔ جن کے ذہنوں میں تاریخی حقائق کچھ دھندلے دھندلے موجود ہیں' اس کتاب کے ذریعے سے وہ دھندلے حقائق روشن ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر اس کتاب کے ایک باب میں اس بات سے بحث کی لوگوں نے جائز امام کسے سمجھا صرف مجلس سننے والوں کے ذہنوں میں یہ تصور آ ہی نہیں سکتا کہ آئمہ اھل بیتؑ کے مقابلے میں بھی کچھ دعویدار کھڑے ہو گئے تھے۔ امام زین العابدینؑ کے مقابلے میں محمد بن حنفیہ نے امامت کا دعوی کیا یا لوگوں نے انہیں امام بنا لیا۔ اور اس کے بعد انہوں نے امام زین العابدینؑ کی امامت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا لیکن جن لوگوں نے محمد بن حنفیہ کو امام گردانا تھا وہ لوگ کیسانیہ کے نام سے مشہور ہوئے اور بعض خود غرض مصنّفین نے ان کا ذکر بڑے زور شور سے کیا اسی طرح زید شہید نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امامت کا دعوی نہیں کیا تھا اور بعض قرائن بتاتے ہیں کہ انہوں نے جو قیام فرمایا وہ امام محمد باقرؑ بن امام جعفرصادقؑ کی مرضی سے تھا جن لوگوں کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ امام پر لازم ہے کہ باطل کے مقابلے میں تلوار اٹھائے انہوں نے اس بنا پر حضرت زید کو امام بنا لیا اور ان کے نام سے ایک باقاعدہ فرقہ زیدیہ مشہور ہوا جس کے پیروکار اب تک یمن میں موجود ہیں۔ حضرت زید شہید اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ لہٰذا علماء ان کی قدر پہنچانتے تھے۔ انہوں نے اپنے کسی بیان میں اپنے آپ کو امام نہیں کہا' مگر مجالس میں ان چیزوں کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ لوگ جو صرف مجالس تک محدود رہتے ہیں اور کسی مستند کتاب کو سونگھ کر بھی نہیں دیکھتے ان کے نزدیک امام جعفرصادقؑ اور حضرت زید شہید کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونا لازم ہے۔ اس کتاب میں اسی قسم کی بحث ملے گی۔ اور اس کے انداز میں وہ طریقہ نہیں ہے جس میں کہا جاتا ہے "روایت ہے" "بیان کیا جاتا ہے" "علماء فرماتے ہیں" "کتب مقاتل میں لکھا ہے" وغیرہ وغیرہ میں جن میں کہیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ کس نے کہا' کہنے والے کی علمی حیثیت کیا تھی' کیا کہا کس جگہ کیا' اگر کتاب میں لکھا ہے تو کتاب کی سند کیا ہے جن حالات میں شیعہ زندہ رہے ہیں ان میں ان کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ ان چیزوں کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔ وہ تو اپنی جان بچانے کے لئے سو طرح کے جتن کرتے تھے۔ علامہ مجلسیؒ ہمارے بہت جید عالم ہیں۔ انہوں نے بحارالانوار کے نام سے حدیثوں کو جمع کیا کتاب میں یہ دعوی کسی نے نہیں کیا کہ یہ ساری حدیثیں صحیح ہیں بلکہ یہ اشارہ ضرور کیا کہ اگر زندگی نے مہلت دی تو میں ان حدیثوں کی چھان پھٹک کر کے بتاؤں گا کہ کون سی حدیث صحیح ہے۔ یہی حالت ہماری کتب اربعہ کی ہے کہ ان میں حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔ اور بس ظاہر ہے جس شخص کو حالات کا علم نہیں اس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے سامنے اس کا ذکر کیا جائے تو وہ پریشان ہو گا کہ نہیں علامہ مجلسیؒ کی بیان کردہ حدیث پر تنقید۔ تاریخ میں یہ باتیں یوں نہیں آتیں اس میں ہر واقعہ کی اصل کو دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر حسین محمد جعفری کی کتاب تاریخ کی کتاب ہے اس میں ہر بات کی سند بتائی گئی ہے اور اس کے ساتھ یہ نہیں کیا گیا کہ طب کے کسی مسئلے پر تانگے والے کی رائے پیش کی جائے۔ اس قسم کی باتیں تقریباً ہر بات میں ملیں گی جس پر کم معلومات رکھنے والے حضرات چونکیں گے اس چونکانے کا مطلب ان کے علم کو گہرائی اور گیرائی دینا ہے تاکہ ان میں اور بالکل ان پڑھ لوگوں میں فرق رہے ایک صاحب نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ ڈاکٹر حسین محمد جعفری اسماعیلی ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے۔ فرمانے لگے کہ انہوں نے صرف امام جعفر صادقؑ تک بات کی ہے باقی آئمہؑ کو چھوڑ دیا ہے میں نے ان کی خدمت میں گزارش کی کہ حسین محمد جعفری آئمہ اہل بیتؑ کی سوانح عمریاں نہیں لکھ رہے تھے وہ شیعوں کی ابتدا اور اس کے ارتقاء کے بحث کر رہے تھے۔ یہ تشیع امام جعفر صادقؑ کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے اپنا تشخص منوا چکا تھا اس لئے اہل تشیع کو جعفری بھی کیا جاتا ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ باقی آئمہ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہ امام جعفر صادقؑ تک شیعہ فقہ کے بنیادی اصول روشن ہو کر سامنے آ گئے تھے۔ اس لئے شیعوں کو جعفری بھی کہا جاتا ہے اس قسم کی غلط فہمیاں ہمارے عوام الناس میں موجود ہیں اور اس کا حل صرف وہ کتابیں ہیں جو انہیں حقائق سے آشنا کریں۔

اس کتاب کا نواں باب چونکنے والوں کو چونکانے میں زیادہ قابل توجہ ہے۔ کیونکہ اس میں اس امر سے بحث ہے کی گئی ہے کہ موروثی امامت کو دو نمبر کے دعوے داروں کے مقابلے میں کتنی جدوجہد کرنا پڑی۔ ائمہؑ نے جن

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ادوار میں زندگی گزاری ہے ان کا عام مجلس سننے والوں کو احساس نہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ عہد رسالتمآبؐ ہی سے شیعہ ایک گروہ کی حیثیت سے اپنے آپ کو مشخص کر چکے تھے۔ مگر انہیں یہ احساس تک بھی نہیں کہ ان نام نہاد شیعوں نے اپنی شیعیت کے باوجود کس طرح بات بات پر آئمہؑ سے منہ موڑا۔ اور تو اور جناب امیرؑ کے خطبات نہج البلاغہ میں پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ امیر المومنینؑ ان دوستوں سے کس قدر شاکی تھے۔ ایک خطبے میں انہوں نے کہا ہے کہ ان کا (اہل شام) کا امام باطل ہے لیکن وہ اس کی ہر بات پر عمل کرتے ہیں تم جانتے ہو کہ تمہارا امام حق ہے، لیکن تم اس کی اطاعت کرنے میں کوتاہی کرتے ہو۔ اسی طرح ایک اور جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کوفہ کے باہر ایک کنویں کی منڈیر پر منہ رکھ کر اپنے پالنے والے سے درخواست کرتے ہیں اے خداوندا! مجھے ان لوگوں سے پناہ دے۔ ایک اور خطبے میں جناب امیرؑ اہل عراق سے نجات حاصل کرنے کے لئے دعائیں فرماتے ہیں اس کا ایک اور ثبوت جنگ صفین میں حکم کے مقرر کرنے پر ملتا ہے کہ حضرت علیؑ عبد اللہ ابن عباس یا مالک اشتر کو حکم بنانا چاہتے تھے مگر جاہل عوام نے ابو موسیٰ اشعری جیسے شخص کو حکم بنا دیا جو حضرت علیؑ سے معزولی کا حکم حاصل کرنے کے بعد بھی منبر پر ڈٹا رہا جب تک کہ حضرت مالک اشترؒ نے آکر اسے نہایت تلخ انداز میں اسے منبر سے اتارا اور دارالامارہ سے باہر نکال دیا۔ ظاہر ہے اس شخص پر اعتماد کیونکر کیا جا سکتا تھا لیکن امیر المومنینؑ ان لوگوں کے شور و شر سے زچ ہو کر مجبور ہو گئے کہ ابو موسیٰ اشعری کو حکم بنا دیں جب کہ وہ وقت کے بے وقوفوں میں کوئی جواب نہیں رکھتا تھا اور جس کے مقابلے میں عمرو ابن عاص جیسا کائیاں شخص امیر شام کی طرف سے حکم تھا۔ اس کا نتیجہ خود تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو نہروان کی لڑائی لڑنا پڑی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صرف یہی نہیں بلکہ عوامی عقل کے بودے پن کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ جب شام کی فوجوں نے نام نہاد قرآن مجید نیزوں پر اٹھا لئے تو کسی نے یہ نہ سوچا اور نہ آج سوچتے ہیں کہ اس زمانے میں قرآن مجید نہ مصباح القرآن میں چھپے تھے نہ چاند کمیٹی چھاپتی تھی کہ جس کو ایک نیزے پر اٹھا لیا جائے۔ اس دور میں قرآن مجید ہرن کی کھال پر اونٹ کی ہڈیوں پر اور اس قسم کی اور چیزوں پر لکھا جاتا تھا' اس کے اتنے نسخے کہاں سے آ گئے کہ پوری فوج نے اسے نیزوں پر اٹھا لیا' اس بیان کی غرض یہ ہے کہ ہمارے آئمہ کی قدر و منزلت اس دور کے تشیع کے دعوے داروں کے نگاہ میں وہ نہ تھی جو آج ہے جب جناب امیرؑ کی یہ کیفیت تھی تو اس کے بعد کے آئمہؑ کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امام حسنؑ نے صلح کیوں کی (اگر اسے صلح کہا جائے) کیوں کہ دنیا کی لڑائیوں کے بعد جو صلح ہوتی ہے اس میں فتح حاصل کرنے والی فوج شکست کھانے والی فوج کو شرطیں ماننے پر مجبور کرتی ہے۔ اور یہاں یہ صورت تھی کہ شام کی فوج کا سربراہ بار بار امام حسنؑ سے صلح کی درخواستیں کرتا تھا اور بالآخر ایک قسم کے ورق پر دستخط کر کے مہر لگا کر اپنے گواہوں کی شہادتیں نقل کر کے امام حسنؑ کے پاس بھیج دیتا ہے کہ جو شرطیں وہ لکھنا چاہیں وہ لکھ لیں اسی زمانے میں امام حسنؑ کو ان کی فوج کے ایک شخص نے نیزہ مارا اور وہ تقریباً تین ماہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے بھائی کے گھر میں علاج کے لئے پڑے رہے۔

ان حالات کو دیکھ کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام حسینؑ کے بعد اور امام جعفر صادقؑ کے دور تک کسی شخص نے امام معصومؑ کے سامنے آنے کی جرات نہیں کی۔ محمد نفس الزکیہ جو امام حسنؑ کی اولاد میں سے تھے اس کی ایک مثال ہے۔ ہمارے ان ائمہؑ (امام زین العابدینؑ' امام محمد باقرؑ اور امام

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جعفر صادقؑ) کو شیعوں کے تشخص کو مشخص کرنے کے لئے بڑے صبر و تحمل اور کاوشوں سے کام لینا پڑا۔ امام زین العابدینؑ کے پاس چند دوست رہ گئے تھے اگرچہ اہل مدینہ ان کی عزت بہت کرتے تھے اس کے باوجود محمد حنفیہ کی کھلی یا خاموش امامت کے دعوی کو تسلیم کرنے والے بھی خاصے تھے۔ یہی حالت امام محمد باقرؑ کی تھی گنے چنے چند لوگ ان کے گرد جمع تھے جن میں جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کا نام نمایاں ہے۔ یہ باتیں جب ہمارے مجلسی قارئین پڑھیں گے تو انہیں تعجب بھی ہو گا، حیران بھی ہوں گے، ان کے دل میں شکوک و شبہات بھی پیدا ہوں گے ان کی خدمت میں یہی گزارش ہے کہ تاریخ کی حقیقتوں کو جاننے کے لئے اسی قسم کا حوصلہ چاہیئے جس کا ثبوت ہمارے ائمہؑ نے دیا انہوں نے کسی سے جھگڑا نہیں کیا کسی کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ خاموشی سے ان کو سمجھاتے رہے۔ اگر وہ بھی زید شہید یا محمد نفس الزکیہ یا اسی قسم کے سادات کے انداز کو اختیار کرتے، تو تشیع پہلی صدی ہی میں ختم ہو چکا ہوتا۔ ڈاکٹر حسین محمد جعفری نے اس بات کو ہم تک پہنچانے کے لئے اپنے قلم کو بہت سنبھال کے استعمال کیا ہے اس لئے قارئین سے بھی یہ توقع ہے کہ وہ بھی اسی صبر و تحمل سے اس کتاب کو پڑھیں گے جس سے ان کی عقل میں وسعت پیدا ہو گی اور حقائق سے آشنائی ان کی قسمت کو روشن کرے گی، ہمارے سامنے تو امیر المئومنینؑ کا مشہور قول موجود ہے کہ۔ "جب کوئی حدیث سنو تو اسے عقل کی میزان میں تول لو لیکن یہ عقل راویوں کی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ وہ عقل جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہو اس لئے کہ راوی بہت ہیں اور عقل کی روشنی میں حقائق کو دیکھنے والے بہت کم۔"

پروفیسر سید سجاد رضوی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب اول

تشیع کی فکری بنیادیں

ملت اسلامیہ کی شیعہ سنی فرقوں میں تقسیم کو عام طور پر محض سیاسی اختلافات کے حوالے سے دیکھا گیا ہے اور یہ محسوس کیا گیا ہے کہ امت مسلمہ کے (ابتدائی) قائدین کے ساتھ اسی سیاسی طرف داری کے نتیجہ میں یہ دونوں گروہ وجود میں آئے ہیں جو آگے چل کر حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان ایک خانہ جنگی جیسے تنازعہ کی صورت اختیار کر گئی۔ وہ خانہ جنگی جس نے ایک طرف تو بنی امیہ کے اقتدار کو مضبوط کیا اور دوسری طرف مبینہ طور پر شیعیت بطور مذہبی تحریک کے آغاز کی علامت بنی جسے عام مسلمانوں سے ایک مختلف الخیال تحریک سمجھا گیا۔ اس قسم کی تاویلات ایک عمیق و اہم صورت حال کو معمولی قرار دینے کی سنگین کوشش دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح وہ افراد جو شیعیت کی سیاسی ماہیت پر زور دے رہے ہیں وہ ریاست اور چرچ یا کلیسا اور سیاست کی علیحدگی کے سلسلے میں جدید مغربی فکر کو ساتویں صدی کے عرب معاشرہ پر محمول کرنے کے کچھ زیادہ ہی خواہش مند نظر آتے ہیں۔ جہاں نہ صرف اس قسم کی فکر ناقابل قبول ہے بلکہ مکمل طور پر ناقابل فہم بھی ہے اس

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قسم کا طرز فکر شیعیت کو ایک بے ساختہ تحریک قرار دیتا ہے حالانکہ شیعیت اسلامی معاشرہ میں ایک بتدریج ابھرتی ہوئی اور پروان چڑھتی ہوئی تحریک کا نام ہے۔ مغربی دنیا کا جدید تصور کہ مذہب "ایک خالص روحانی تحریک ہے" کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ مذہب انسان کی معاشرتی زندگی سے پوری طرح وابستہ رہا ہے اور اس کا انسان کی سیاسی زندگی سے بھی کچھ کم تعلق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کی خالص مذہبی تعلیمات جیسا کہ عام طور پر محسوس کی جاتی ہیں، سیاسی تناظر سے ماورا نہیں ہیں[۱۵]۔

حضور نبی کریم ﷺ جس طرح بنیادی طور پر ایک مذہبی و روحانی معلم و پیغمبر تھے اسی طرح اپنے مخصوص حالات میں ایک دنیاوی حاکم و مدبر بھی تھے۔ اسلام اپنی ابتدا ہی سے نہ صرف ایک مذہبی نظم و ضبط کا مرقع ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک سماجی و سیاسی تحریک بھی رہا ہے۔ نبی نوع انسان تک اللہ کا دین پہنچانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ و فرستادہ پیغمبر کی حیثیت سے سرکار دو عالم ﷺ اسلام کو بنیادی طور پر ایک مذہبی عقیدہ محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جن حالات و ماحول میں اسلام ظہور پذیر ہوا اور پلا بڑھا وہ اس کو ایک سیاسی کیفیت کا حامل بھی قرار دیتا ہے۔ بعینہٖ شیعیت جبلی و فطری طور پر ہمیشہ ہی سے سیاسی و مذہبی دونوں افکار کی حامل رہی ہے اور یہ لازم و ملزوم دونوں پہلو اس کی تاریخ میں ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ للذا یہ کہنا مشکل ہو گا کہ اپنی بقا و حیات کے کسی بھی دور میں سیاسی و مذہبی شیعہ دو الگ وجود رہے ہیں۔ اسلام کے مذہبی و تنظیمی ارتقا کی ابتدائی تین چار صدیوں میں کوئی بھی اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں میں تمام مذہبی مباحث ہمیشہ ہی سے سیاسی و سماجی حوالے سے ہوتے رہے ہیں۔ جب ہم اسلام میں مذہبی عقائداور سیاسی ضابطوں کے درمیان باہمی ممکن تعلقات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دیکھتے ہیں کہ طرف داران حضرت علیؑ کے دعاوی اور نظریاتی اصول و رجحانات سیاسی پہلو کے مقابلے میں دینی رخ کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات بالکل متناقص دکھائی دیتی ہے کہ وہ جماعت جس کے تقاضے زیادہ تر مذہبی و روحانی التزامات پر مبنی تھے (جیسا کہ ہم جلد ہی تفصیل میں جائزہ لیں گے) اس کے آغاز و اصل پر ایک روایتی سیاسی لیبل چسپاں کر دیا جائے۔

موجودہ باب میں لفظ شیعہ کی اصطلاح کو اس کے تاریخی ارتقا کے پیش نظر لفظی معنی سے یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ جماعت، گروہ، ساتھی، طرف دار یا عرف عام میں حمایتی[2] سے تعبیر کیا جائے گا اور انہی معانی میں یہ لفظ قرآن حکیم میں بھی متعدد مرتبہ استعمال ہوا ہے[3] حضرت علیؑ اور ان کے خانوادے کے عقیدت مندوں کی مخصوص اصطلاح کے طور پر اور مذہب اسلام میں سواد اعظم کے مدمقابل گروہ کے اپنے عملی مفہوم میں یہ اصطلاح بعد میں مروج ہوئی۔ تاریخ اسلام کے اوائل میں راسخ العقیدہ سنی یا رافضی شیعہ کے الفاظ استعمال کرتا ہوا کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا بلکہ ان دونوں کو دو مبہم یا غیر واضح نقطہ ہائے نظر کہا جا سکتا ہے جو آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے اور بالآخر ان کے درمیان ایک ناقابل عبور دیوار کھڑی ہو گئی۔ شیعہ اصطلاح کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہاں ہمارا اصل مقصد حضرت علیؑ کے ساتھ اس طرف داری کے پس منظر پر نظر ڈالنا اور عرب معاشرہ کے اس دور میں اس طرف داری کی ابتداء کی چھان بین کرنا ہے جس میں اسلام ظہور پذیر ہوا اور اس طرح نتیجتاً یہ واضح کرنا مقصود ہو گا کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی یہ طرز فکر یا طرز عمل واضح ہونا شروع ہو گیا تھا۔

تاریخی تقاضوں کے پیش نظر شیعہ اسلام کے کسی بھی مطالعہ کی ابتدا اس مسلم ملت کی نوعیت اور ساخت و پرداخت سے کرنا ہو گی جس کی نبی اکرم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ مدینہ منورہ میں تشکیل شروع ہوئی تھی۔ یہ ملت نہ تو ثقافتی پس منظر و روایات کے اعتبار سے اور نہ سماجی و سیاسی اداروں کے اعتبار سے ایک مربوط و ہم آہنگ ملت قرار دی جا سکتی تھی۔ مختلف افراد یا گروہوں کا کسی نئے نظام کے تحت یک جا ہو جانا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ ان کی پختہ اقدار یا روایات بالکل ختم ہو گئی تھیں یا کسی حد تک تبدیلی قبول کر چکی تھیں۔ لہٰذا یہ بات فطری تھی کہ مسلم امہ کی تشکیل کرنے والے مختلف عناصر کی بعض اقدار، نظریات و میلانات، نئے مذہبی نظام کے پہلوؤں میں اپنا اثر ضرور دکھائیں نتیجتاً کوئی بھی فرد یہ توقع کر سکتا ہے کہ مسلم امہ میں تمام موضوعات، خاص طور پر غیر بنیادی قسم کے مسائل پر بجائے ایک یکساں انداز فکر کے ایک قسم کے تنوع کا اظہار ہو گا نبی پاکؐ اور ان کے مشن کو مختلف گروہوں میں ارتباط کے لئے ایک بنیادی و مرکزی عنصر کے طور پر تسلیم ہی کر لیا گیا ہو۔

پس اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے بعض حضرات کا حضرت علیؑ کی حمایت کی طرف جھکاؤ ان خیالات و رجحانات کا ایک منطقی نتیجہ تھا جو مدینہ میں موجود مسلم امہ کے ذہن میں پرورش پا رہے تھے۔ اس امہ میں مکہ کے دونوں قریشی گروہوں البطاح (جو کعبہ کے اردگرد کے علاقوں میں رہنے والے تھے) اور قریش لظواہر (جو مکہ کے مضافات کے رہنے والے تھے) نیز مدینہ کے رہنے والے جو بنی اوس و بنی خزرج میں منقسم تھے، سب شامل تھے۔ یعنی جنوبی عرب کی نسل سے تعلق رکھنے والے دونوں قبیلے جو اپنی اصل سرزمین کے خواص سے ابھی تک متصف تھے اور مدینہ کے اردگرد کے صحرائی قبائل اور بعض وہ عرب و غیر عرب بھی جو دور دراز کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، جیسے حبشہ کے رہنے والے بلالؓ اور فارس کے رہنے والے سلمانؓ۔ یہ سب کے سب اسلام کے سایہ عاطفت میں ایک مشترک معاشرہ کی تشکیل کر رہے تھے۔ لیکن

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب ہم کسی ایسے مسئلہ پر غور کرتے ہیں جو ان کے مابین مشترک تھا تو ہمارے لئے اس معاشرہ میں شامل ہر گروہ کے مزاج اور رجحان کو زیر بحث لانا ضروری ہے، نہ کہ کسی ایک قومیت، گروہ یا علاقے کے رہنے والوں کے خیالات و رجحانات کو۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنا ہو گی کہ مختلف اصل و نسل سے تعلق رکھنے والے عرب اور مختلف سماجی تہذیبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے عرب اسلام کو، کم از کم اس کے آغاز میں یقیناً اپنے مخصوص سماجی و اخلاقی خیالات کے حوالے سے دیکھتے ہوں گے۔

تمام عرب معاشرہ خواہ خانہ بدوش ہو، خواہ سکونت پذیر ہو، ایک قبائلی نظام میں منسلک تھا اور العصبیہ (عصبیت) یعنی قبیلے سے وفاداری کسی بھی معاشرتی تعلق کے مقابلے میں سب سے اہم تعلق قرار پاتی تھی۔ قبائلی زندگی کے باقی تمام پہلوؤں کے مقابلے میں العصبیہ کا یہی جذبہ قبل از اسلام کی شاعری میں ایک مستقل فکر اور شدت اظہار کو فراہم کرتا تھا۔ قبائلی نظام دراصل مشترک اسلاف کی حقیقی یا فرضی نسل میں ہونے پر مبنی تھا، وہی اسلاف جن کے حوالے سے اس نسل یا قبیلے کے اراکین کی تہذیبی حیثیت کا تعین ہوتا تھا۔ وہ افراد جو اپنے اسلاف کو عظمت کی ایک علامت کے طور پر فخریہ پیش نہیں کر سکتے تھے ان کی معاشرتی حیثیت گھٹیا سمجھی جاتی تھی۔ اور وہ اکثر تحقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے لہٰذا عرب معاشرتی شعور میں مشترک آباء و اجداد کا ادراک مرکزی نکتہ قرار پاتا تھا اور کسی قبیلے کی عزت و عظمت کسی دوسرے قبیلے کی عزت و عظمت کے مقابلے میں اس کے آباء و اجداد کی عزت و عظمت پر مبنی ہوتی تھی۔ کسی فرد یا قبیلے کی طرف سے عزت و احتشام کا دعویٰ مخصوص طور پر اس کے آباء و اجداد پر منحصر تھا اور لفظ "حسب" اس قسم کے کسی بھی مطالبہ یا دعویٰ کے لئے مستعمل تھا۔ عرب ماہرین لسانیات اس لفظ کی وضاحت اسلاف

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے مشہور و معروف کارناموں کی تفصیل سے کرتے تھے[4] ۔ اس تشریح کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ لفظ حسب شجرہ نسب میں شامل ددھیالی اور ننھیالی[5] سلسلے کے بزرگوں کے کارناموں کو اپنے معانی میں شامل نہیں کرتا۔ اگر کسی کے اسلاف کے عظیم الشان کارنامے قابل تذکرہ ہوتے اور ان کی اولاد ان کو فخر سے گنوا سکتی تو ان کا حسب یا شرف اعلیٰ و ارفع سمجھا جاتا۔ جیسا کہ ایک عام کہاوت سے واضح ہے "الحسب یا شرف الضخم"[6] جس کا مطلب ہے وہ رفعت و عظمت جو آباء و اجداد کے عظیم الشان کارناموں میں نسل بہ نسل اضافوں سے گہری و پختہ تر ہوتی چلی جاتی ہے[7] ۔ چنانچہ ایک مشہور عرب شاعر نابغہ الزبیانی یوں نغمہ سرا ہوتا ہے:

"اس سے قبل اس کے باپ نے اور اس سے بھی پہلے اس
کے دادا نے عظمت حیات کے شان دار نمونے تعمیر کیے ہیں
۔"[8]

ایک عرب قبیلہ جس کے افراد کی تعداد زیادہ ہوتی مگر اس کے حق میں اس کے اسلاف سے متعلق شہرہ آفاق کارنامے برائے نام ہوتے تو وہ معاشرتی معیار میں پست درجہ قرار پاتا' بلکہ یہ قبیلہ ان لوگوں کی نظر میں جو اپنے آباء و اجداد کے شان دار کارنامے زیادہ گنوا سکتے تھے' حقیر گردانا جاتا تھا۔ چنانچہ عرب شاعر ضمرہ یوں کہتا ہے:

"سعد اور مالک کی نسل میں جو مشترک اولاد پیدا ہوئی ہے۔
ان میں سے بعض تو اپنے شعلوں سے قبیلہ کو منور ہی نہیں
کرتے اور وہ کسی کام کے نہیں۔"[9]

ایک ایسے سخت قبائلی نظام میں جیسا عربوں کا تھا' اسلاف کے شاندار کارناموں کی شہرت ہی سرمایہ افتخار اور دعویٰ کے قابل فضیلت تھی۔ اس

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طرح کے شرف و منزلت کو کوئی بھی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کے مقابلے میں اپنے بلند رتبہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے ایک درخشندہ باب تصور کرتا تھا بلکہ کسی ایک قبیلے کی کوئی خاص شاخ اس قبیلے کی کسی دوسری شاخ کے مقابلے میں ایسے شرف و منزلت پر فخر و مباہات محسوس کرتی تھی اور اسی بنیاد پر دعوائے قیادت بھی کرتی تھی کہ اس کے اپنے باپ دادا کے خاص کارنامے دوسری شاخ کے باپ دادا کے کارناموں سے زیادہ ممتاز ہوئے۔ اسلاف کی یہ شہرت اولاد کے لئے محض شجرہ نسب کی آرائش ہی نہ تھی بلکہ ہر فرد کے لئے انفرادی اہمیت کی حامل تھی اور انفرادی اعزاز کا دعویٰ کرنے کے لئے بھی بڑی اہمیت رکھتی تھی[10] چنانچہ نعمان بن المنذر بادشاہ حرا نے ایک محفل میں عمار بن احمیر بن بہدلہ سے، جس نے حاضرین میں دعویٰ فضیلت کیا تھا، پوچھا:

"کیا تم اپنے قبیلے کے اعتبار سے تمام عربوں میں اعلیٰ ترین ہو؟"

اس نے جواب دیا:

"معد رفعت و منزلت اور تعداد میں سب سے بلند تر ہیں،
ان میں نزار سب سے آگے ہیں نزار میں مضر بڑھ کر ہیں،
مضر میں خندف، خندف میں بنی تمیم، ان میں عوف اور
عوف میں خاندان بہدلہ سب سے بلند ہے۔ اگر محفل میں
کسی کو اعتراض ہے تو مجھ سے مقابلہ کر سکتا ہے"[11]

عرب نہ صرف جسمانی صفات کو موروثی سمجھتے تھے بلکہ وہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ اعلیٰ اوصاف بھی بعض نسلوں میں جبلی طور پر موجود ہوتے ہیں چونکہ اخلاقی اوصاف خون میں منتقل ہوتے رہتے ہیں[12] لہٰذا کسی بھی فرد کے بہترین اوصاف وہ ہوتے ہیں جو اس کے اعلیٰ وارفع اسلاف سے اُسے ورثہ میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ملے ہوتے ہیں۔ عرب موروثی منزلت اور اس منزلت میں جس کا ذاتی لیاقت کی بنیادوں پر دعویٰ کیا گیا ہو' واضح فرق کرتے تھے۔ اول الذکر عظیم معاشرتی منزلت کا ایک ذریعہ تھی جب کہ موخر الذکر کی بہت کم اہمیت تھی۔ دوسرے الفاظ میں اپنی ذات کے لئے اعلیٰ مقام کا دعویٰ کرتے ہوئے ذاتی شہرت و اہمیت کی چنداں قیمت نہ تھی۔ صرف موروثی شہرت اور موروثی لیاقت ہی معاشرہ میں صحیح وقار کی سند تسلیم کی جاتی تھی۔[13]

قبل اسلام کی شاعری میں ایسے بہت سے حوالے ملتے ہیں جہاں موروثی شرافت و خصائص کو ایک مضبوط و بلند و بالا عمارت سے تعبیر کیا گیا ہے جو کسی کے آباؤ و اجداد اپنی اولاد کے لئے تعمیر کرتے تھے[14]۔ باعث شرم سمجھی جاتی تھی وہ اولاد جو اس عمارت کو خراب کرتی ہے[15] لہٰذا اولاد پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے اعلیٰ کارناموں اور شرافت کی خاندانی شہرت کو اپنے لئے بطور ایک مضبوط و مسلسل محرک کے برقرار رکھیں چنانچہ ظہور اسلام سے بہت پہلے سے لفظ سنت کی اصطلاح اسی مفہوم میں استعمال ہو رہی تھی[16] اسلام کے آنے کے بعد بھی یہ اصطلاح اتنی ہی اہم رہی لیکن اس کی جگہ سنت نبویؐ کے آ جانے سے اس کا مفہوم یکسر بدل گیا۔ تاہم اس پہلی نسبت (سنہ) کے مخصوص رجحانات عرب مسلم معاشرہ کے بعض حلقوں میں پھر بھی جوں کے توں موجود رہے۔

پس عرب معاشرہ میں جس میں اسلام ظہور پذیر ہوا' سب سے زیادہ مراعات یافتہ وہ فرد تھا جو علی الاعلان یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ وہ ایسے اسلاف کی نسل سے ہے جنھوں نے ایسی کوئی سنت نہیں چھوڑی جو غیر معروف ہو۔ عرق تک تلاش کرنے کی قابلیت کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا' (اس کی جمع عروق ہے۔) عرق کے معنی ہیں جڑ یا اصل یا اس کی جمع "اعراق" یا "عروق" کسی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انسان کے اسلاف کے معنی بھی دیتی ہے۔ چنانچہ کسی انسان کی اپنے اعلیٰ اسلاف سے موروثی خصوصیات کا ذکر کچھ اس قسم کے اقوال میں ملتا ہے جیسے "شرافت و سخاوت اس کا خاندانی ورثہ ہیں" [17] اعلیٰ خون نے اسے اپنے اسلاف کے ہم پلہ کر دیا ہے [18]۔

پس یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عربوں کے مذہبی جذبات میں خاندانی پاکیزگی، اعلیٰ کردار اور اخلاقی خصوصیات بطور "سنت" کے ایک اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ عربوں کا مذہب جو تقریباً تمام جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں اپنی قدرو منزلت کے اعتبار سے مختلف ہوتا چلا جاتا تھا، دراصل قبائلی علامات ہی کی پرستش تھا جنھوں نے بعد میں مختلف مظاہر فطرت کی نمائندگی کرتے ہوئے متعدد خداؤں کا روپ دھار لیا تھا۔ اس طرح کا قبائلی معبود ایک مقدس پتھر کی شکل میں جب نصب کیا جاتا تو وہ اس قبیلے کے اپنے معبد کا رب کہلانے لگتا۔ اللہ جو اہل مکہ کی عبادت گاہ کا سب سے بڑا معبود قرار پایا، وہ "رب الکعبہ یا رب ھذا البیت" [19] کہلانے لگا۔ یہ بات یہاں اہم ہے کہ لفظ "رب" زیادہ تر کسی بھی عبادت گاہ کے منتظم یا متولی کے لئے بہ نسبت کسی معبود کے استعمال ہوتا تھا۔

مذہبی پیشواؤں کی کوئی منظم درجہ بندی نہ تھی بلکہ مختلف عبادت گاہوں میں مختلف خانوادوں کے افراد سرپرست ہوتے تھے۔ یہ منصب تولیت موروثی پاک بازی کی شہرت کے مطابق اگلی نسلوں میں منتقل ہوتا رہتا تھا [20] اس بت کی معجزانہ طاقت سے وابستہ قرار دیا جاتا تھا جس کی خدمت وہ بزرگ کرتا تھا اور یہ بزرگی و تقدس اس اعلیٰ نسل (شرف) سے سختی سے مترادف ہوتی تھی جن اشراف اسلاف کی نسل سے ہونے کا اس فرد کو فخر حاصل ہوتا۔ کسی خانوادے کی رفعت و شرافت موروثی ہونے کی وجہ سے وہ مذہبی پیشوا جن کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طویل خدمات ہوتی تھیں، قبل از اسلام طبقہ امراء میں شمار کئے جاتے تھے۔ عربوں کے عقائد میں، خاص طور پر جنوبی علاقے کے عربوں میں، اس قسم کی امارات کے آثار یوں پائے جاتے تھے کہ بعض خانوادوں کے افراد میں کرشماتی و طلسماتی یا روحانی طاقت (شرف) موجود ہے۔ کسی معبد یا کسی گھر (بیت) کی تولید اور جاہ و حشم (شرف) لازم و ملزوم سمجھے جاتے تھے[21] نتیجتاً عالم عرب میں مذہبی پیشوائیت اور قبیلے کی سربراہی حتی کہ بادشاہت تک، ایک دوسرے سے منسلک سمجھے جاتے تھے۔ بلکہ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عالم عرب میں سیاسی قیادت تک بھی بنیادی طور پر ایک مذہبی پیشوائی کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ جنوبی عرب میں بادشاہت کا وہ سلسلہ جسے "مکرب" کہتے ہیں، کلیسائی بادشاہت کا واضح ثبوت ہے جو بیک وقت دینی و دینوی اختیار و اقتدار کی مالک بن جاتی تھی۔

سیاسی فرماں رواؤں کے خانوادے سیاسی ذرائع سے غلبہ حاصل کر کے طبقہ امراء میں شامل ہو سکتے تھے لیکن پھر بھی مذہبی پیشوائیت کے سلسلہ نسب سے ہم سری نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً بادشاہان کندہ کا مرتبہ رب کے تین معزز مذہبی پیشواؤں کے خانوادوں کے بعد شمار ہوتا تھا۔ اہل قریش میں ہاشم بن عبد مناف سے رتبہ میں کمتر یہ تین خانوادے بنی تمیم سے الزرارہ بن عدس، قبیلہ فزاری سے الحذیفہ بن بدر اور قبیلہ شیبان سے ذوالجدین بن حمام تھا۔ جہاں تک بادشاہان کندہ کا تعلق ہے وہ اہل البیوتات میں شمار نہ ہوتے تھے حالانکہ بادشاہ تھے۔[22]

یہ ظاہر ہے کہ مذہبی پیشوائیت کا یہ رتبہ سیاسی قیادت کی بنیاد تھا لیکن جب سیاسی قیادت ایسے خانوادوں میں آئی جو مذہبی پیشوا نہ تھے تو اس تبدیلی نے پھر بھی ان پر بعض مذہبی فرائض کی ذمہ داری عائد کی، مثلاً یہ قائدین

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معبودوں اور انسانوں کے درمیان شفاعت کا وسیلہ سمجھے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ سربراہی قبیلہ اور خداؤں کی خدمت مترادف المعنی موضوع بن چکے تھے۔ جو قبیلہ کی سربراہی کرتے تھے وہی قبیلہ کی عبادت گاہ (بیت) کے متولی بھی ہوتے تھے۔ وہی اہل البیت کہلاتے تھے۔ یعنی "گھر والے" یا ان کو فلاں فلاں قبیلے کا بیت[23] بھی کہتے تھے اور یہی سربرآوردہ خاندان مل کر عالم عرب کی شرافت و عظمت کا سرمایہ سمجھے جاتے تھے۔ یعنی بیوتتہ العرب[24] حتیٰ کہ بعد تک بھی جب کہ اہل بیت کے معنی آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مخصوص ہو گئے تھے اصطلاح بیوتات العرب قبائلی امارت اور عظمت کے مفہوم میں کئی صدیوں تک برقرار رہی[25]۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں ہم بنو ہاشم کے مقام و منزلت کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، نہ صرف اہل مکہ میں بلکہ اس وسیع تر حلقہ اثر میں جو دور دراز کے لوگوں کے ساتھ سالانہ میلوں کے موقع پر، جیسے عکاظ یا حج کعبہ کی وجہ سے ان کے وسیع تر روابط سے پیدا ہوتا تھا۔ بعض مغربی محققین نے متشککانہ انداز میں یہ اعتراض کیا ہے کہ آیا پیغمبر اسلامؐ کے آباء واجداد وقار منزلت، شرافت و عظمت، اثر و رسوخ میں اتنی ہی اہمیت کے مالک تھے جتنا کہ "اخبار و احوال" دلالت کر رہے ہیں۔ وہ عموماً دعویٰ کرتے ہیں کہ بنو ہاشم کی اہمیت کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے اس احتمال کی بنیاد یہ قرار دی جاتی ہے کہ بنو عباس ہاشم کی اولاد تھے اور بنی امیہ، ان کے حریف، جن سے انہوں نے اقتدار چھینا تھا عبد الشمس کی اولاد تھے اور یہ کہ مورخین نے جو بنی عباس کے زیر حکومت تاریخ قلم بند کر رہے تھے، موخر الذکر کے ساتھ معاندانہ برتاؤ کیا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہاشم اور ان کے خاندان کو، جو بنی عباس کے مورث اعلیٰ تھے، مروجہ تاریخوں میں ان کے استحقاق سے زیادہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس سارے مفروضے پر کافی تنقید کی جا سکتی ہے۔ اخبار و احوال میں تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات بہت حد تک غلط ہے اور یہ کہ کسی سنگین غلط بیانی کو مفروضہ قرار دینے کی کوئی بنیادی وجہ نہیں۔ نیز یہ کہ اس طرح محمدؐ عربی کے آباء و اجداد کو کسی خاص آرائش کلام کے ساتھ پیش نہیں کیا گیا[26]۔

اس سلسلے میں عبد مناف اور عبد الدار کے والد قصی تک گفتگو بڑھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جن کے لئے متفقہ تاریخی شواہد موجود ہیں کہ وہ مذہبی و سیاسی دونوں اعتبار سے مکہ اور مدینہ کی سب سے بلند و بالا بلا مقابلہ شخصیت کے حامل تھے[27]۔ قصی کے انتقال کے بعد عبد الدار کو ان کے والد کا جاہ و حشم ورثہ میں ملا مگر وہ جلد ہی وفات پا گئے۔ ان کے اپنے بچے اتنے کم عمر تھے کہ اپنے حقوق و اختیارات کو موثر طور پر قابو میں نہ رکھ سکے۔ عبد مناف جو قصی کے چھوٹے بیٹے تھے، اپنے بڑے بھائی عبد الدار کے شروع ہی سے ایک طاقتور حریف تھے۔ لہٰذا عبد الدار[28] کے انتقال کے بعد انہوں نے بالآخر اپنے والد کے بعض بڑے بڑے مراتب اپنی ذات میں مرکوز کر لئے اور اس طرح عبد مناف کی اولاد کو ان کے باپ کا اثر و رسوخ ورثہ میں مل گیا۔ ان میں ہاشم کو حالانکہ وہ سب سے چھوٹے بیٹے تھے، سب سے زیادہ معزز امور، جو کعبہ سے متعلق تھے، یعنی الرفادہ اور السقایہ سپرد کئے گئے۔ یعنی حجاج کو آب و طعام فراہم کرنا[29]۔ ابتدائی روایات کی ان اطلاعات کو مشکوک سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ ہاشم نے اپنی زندگی میں رفاہ عام کے کاموں سے اور اطراف و اکناف عرب سے حج بیت اللہ کے لئے آنے والے حجاج و زائرین کے ساتھ اپنی شاندار مہمان نوازی سے بہت زیادہ کامیابی و قدر و منزلت حاصل کر لی تھی[30]۔ ہاشم کی وفات پر ان کے بھائی المطلب نے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان کی جگہ سنبھالی۔ کچھ عرصہ کے لئے یوں محسوس ہوا کہ المطلب کے زیر قیادت ان کے خاندان کی قسمت کا ستارہ ڈوبنے لگا ہے لیکن جلد ہی ان کی خوش بختی نے عبد المطلب بن ہاشم کی سرکردگی میں پھر زور پکڑا جنہوں نے اپنی والدہ کے زیر عاطفت مدینہ منورہ میں پرورش پائی تھی اور جن کو بعد میں ان کے چچا المطلب مکہ لے آئے تھے۔[31]

ہاشم کے باقی دوسرے بیٹے بغیر اولاد نرینہ انتقال کر گئے لہٰذا عبد المطلب نے خاندان کی باگ دوڑ سنبھال لی جس کا مطلب یہ ہوا کہ فی الحقیقت نو ہاشم اور بنی عبد المطلب ایک دوسرے میں ضم ہو گئے۔ البتہ یہ بات یہاں مناسب نہیں دکھائی دیتی کہ آیا خاندان بنو ہاشم اتنا ہی متمول تھا اور مکہ کے داخلی حالات پر اتنا ہی اثر انداز تھا جتنا کہ وہ اس سے قبل تھا۔ وہی مورخین جن کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کے آباء و اجداد کو بہت زیادہ سازگار حالات میں دکھانے کے سلسلے میں حمایتی اور طرف دار گردانا جا رہا ہے' یہ کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ عبد المطلب کو اپنے دور اقتدار کے اوائل میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ الرفادہ السقایہ جیسے مہتمم بالشان منصبوں نے خانوادہ بنو ہاشم کو ایک مستقل اور مقتدر اثر و رسوخ کا مالک بنا دیا تھا اور ان منصبوں کے باعث دور دور تک پھیلی ہوئی ان کی نیک نامی کا لازمی نتیجہ تھا کہ اہل مکہ پر بنو ہاشم کا احترام لازم و واجب ہو چکا تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عبد المطلب[32] زبردست قوت عمل اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ یہ اوصاف مکہ کے تاجر طبقہ امراء میں اہمیت حاصل کرنے کے لئے ازبس ضروری تھے۔ انہوں نے قدیم چاہ زم زم دوبارہ قابل استعمال کر کے اپنی منزلت میں زبردست اضافہ کر لیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کعبہ کے نگہبان اعلیٰ کا مرتبہ حاصل کر چکے تھے اور مروجہ قوانین کے مشہور و معروف منصف کے طور پر تسلیم کیے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاتے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کی مقدس ترین عبادت گاہ کی اہم خدمات کے واحد منتظم کی حیثیت سے وہ اگر مکہ کی بزرگ ترین شخصیت نہ سہی تو کم از کم نمایاں ترین افراد میں ضرور تسلیم کئے جاتے تھے۔ ابن ہشام اور ابن سعد اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ "تاحین حیات وہ قریش کے قائد و رہنما تھے" اور یہ کہ "شرف و بزرگی میں وہ اس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہوئے جو ان کے آباء و اجداد میں سے کسی کو بھی حاصل نہ ہوا تھا۔ وہ اپنے ہم وطنوں میں بہت زیادہ قدر و منزلت اور عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔[33]"

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد ان کے پس ماندگان میں ان کے سب سے بڑے فرزند ابو طالب اپنے والد کی اس منزلت کے وارث ہوئے۔ تاہم یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ابو طالب اپنے آباء و اجداد جیسی قوت و مرتبت کے مالک ثابت نہ ہوئے اور نتیجتاً ان کا خاندان مکہ کے طبقہ امرا کے ممتاز افراد میں قریب قریب اس شاہانہ اقتدار و برتری سے محروم ہو گیا جو اس کو اس مرکزی حلقہ میں پہلے حاصل رہی تھی۔[34] تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ عروج بنی ہاشم کے اس مادی انحطاط نے لوگوں کے ذہن سے ان کے تاب ناک ماضی قریب کی یادوں کو یکسر محو کر دیا۔ شاندار روایات کی حامل تین چار نسلوں کے اس جانشین کا احترام خاص طور پر مکہ کے باہر کے قبائل کے ذہن میں اتنی جلدی ماند نہ پڑ سکتا تھا۔ حرم کعبہ جو ازمنہ قدیم سے عبادت گاہ چلا آ رہا تھا، جزیرہ نمائے عرب کا اہم ترین اور عزیز ترین مرکز پرستش تھا[35]۔ اس کے السقایہ اور امارۃ البیت (نگہبان کعبہ) کے منصب قرآن پاک تک میں مذکور ہیں[36] مکہ میں حاجیوں کو پانی فراہم کرنا، جہاں پانی کی کافی قلت تھی، لازماً منفعت بخش کام تھا اور آب زم زم، حرم کعبہ کے تقدس کا جلد ہی جزو بن گیا تھا جو نہ صرف سال بہ سال آنے والے حاجیوں کی ضرورت تھا بلکہ مکہ میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قیام کرنے والے بڑے بڑے تجارتی قافلوں کی بھی ضرورت میں شامل تھا۔[37] بہت سے قدیم تذکرہ نگاروں نے کعبہ کے ہمہ گیر اثر و رسوخ اور اہل مکہ کے وسیع تر حلقہ تعلقات کے متعلق کافی تفصیلی ذکر کیا ہے کیونکہ مکہ جنوب میں یمن کے تجارتی قافلوں کا' انتہائی شمال میں دومتہ الجندل کے تجارتی قافلوں کا اور دوسرے دور دراز علاقوں کے قافلوں کا مرکز تھا اور عکاظ کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جو عربوں کے سالانہ میلوں میں سب سے بڑا میلہ تھا۔ لہٰذا یہ امر فطری ہے کہ حرم کعبہ کے ساتھ وابستہ ان تنظیمی و تکریمی خدمات اور خاندان بنو ہاشم کی اتنی طویل مدت سے ان کی انجام دہی نے اس خاندان کے نام و نمود و وقار و احترام کو دور دراز تک' جہاں جہاں سے زائرین و حجاج اور ان کے قافلے آتے جاتے ہوں گے' پہنچا دیا ہو گا۔ لہٰذا یہ نتیجہ باآسانی نکالا جا سکتا ہے کہ محمدؐ عربی کے منصہ شہود پر آنے کے وقت ان کا خاندان بنو ہاشم کے سلسلہ نصب کی دیرینہ پیشوایانہ عظمت و نام و نمود کو ضرور برقرار رکھے ہوئے تھا ان کے خاندان کی مادی و سیاسی خوشحالی کسی حد تک روبہ زوال ہی سمجھی جاتی ہو۔ مکہ میں بنی ہاشم کی موجودہ نسل کی مالی و سیاسی قوت میں اچانک زوال کم از کم نفسیاتی طور پر بیرون مکہ کے افراد کے ذہن سے ان کی سابقہ تین نسلوں کے کارہائے نمایاں اور نیک اعمال کو محو نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا عام طور پر تمام عالم عرب میں بنو ہاشم کو مکہ کی عبادت گاہ کا نگہبان یعنی اہل بیت تسلیم کیا جاتا تھا۔[38]

دراصل یہ تھا وہ خاندانی پس منظر جس میں محمدؐ عربی بطور پیغمبر خدا اور خالص ابراہیمی و اسمعیلی مذہبی سنت[39] کے بحال کرنے والے کے طور پر مبعوث ہوئے' وہ سنت جو امتداد زمانہ نے مسخ و مکدر کر رکھی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نہ صرف عربوں کے جد امجد اور قبائل کے مقتدا تسلیم کیے جاتے تھے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بلکہ بلاد مکہ کے بانی اور عبادت گاہ کعبہ کے موسس بھی مانے جاتے تھے۔ یہ روایت کوئی مسلم افسانہ سازی ہرگز نہ تھی۔ اگر یہ بات دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت پہلے کی تسلیم شدہ حقیقت نہ ہوتی تو قرآن پاک میں ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر اس کا حوالہ نہ دیا جاتا اور نہ ہی قبل از اسلام کعبہ کے ارد گرد کے بعض مقامات کو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے اسمائے گرامی کے ساتھ وابستہ کیا جاتا[40] جب کہ ہم سب کے علم میں یہ بات موجود ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی اس وابستگی کی گہری اور ہر دل عزیز روایت سے بخوبی باخبر تھے' وہ کعبہ جس سے عرب عمومی اعتبار سے اور آپ کے آباء و اجداد کی چار نسلیں خصوصی اعتبار سے بڑا قریبی تعلق رکھتی تھیں۔ ابن خلدون اس حقیقت کی یوں نشان دہی کرتے ہیں کہ قیادت کا کسی ایک ہی خاندان میں چار پشتوں تک تسلسل ایک بہت غیر معمولی اور نہایت مہتم بالشان واقعہ سمجھا جاتا تھا[41]

وہ تمام عوامل جن کا مندرجہ بالا سطور میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر اس پس منظر کا جزو لاینفک ہیں جن کا مسئلہ نیابت رسولؐ کو سمجھنے کے لئے جاننا ازبس ضروری ہے جیسا کہ اب تک بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس مسئلہ کو محض ساتویں صدی کے مکی معاشرہ کے حوالے سے نہیں دیکھا جانا چاہیئے کیونکہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے وصال کے وقت عالم عرب کے اطراف و اکناف سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد پر مشتمل تھی جن کا پس منظر' ان کی اقدار اور ان کے نظریات' متعدد و متنوع نوعیت کے حامل تھے۔ لہٰذا یہ بات بالکل فطری تھی کہ مختلف لوگ اس مسئلہ کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھیں۔ وہ طریق کار جو اس مسئلہ نیابت کو حل کرنے کے سلسلے میں محفل سقیفہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال اور ان کی تدفین کے دوران کے وقفہ میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اختیار کیا گیا' آئندہ ہماری گفتگو کا مرکز نظر ہو گا۔ البتہ مجملاً یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہو گا کہ جو فیصلہ سقیفہ میں کیا گیا وہ عربوں کی' یا کم از کم حاضرین میں موجود ایک اہم گروہ کی قدیم روایات اور عمومی طرز عمل کے عین مطابق تھا۔

نبی کریم ﷺ کے انتقال کے وقت امت جن دو بڑے گروہوں پر مشتمل تھی اس میں ایک تو شمالی و وسطی عالم عرب کے وہ افراد شامل تھے جن میں قبیلہ قریش زیادہ اہم اور نمایاں تھا اور دوسرے جنوبی عرب سے تعلق رکھنے والے وہ افراد شامل تھے جن میں بنو قیلہ وغیرہ تھے جن کی دو بڑی شاخیں بنی اوس و بنی خزرج یثرب میں آباد تھیں۔ یہ انصار یا مددگار کہلاتے تھے کیوں کہ انہوں نے محمد عربی اور اسلام کو رسول پاک ؐ کے مشن کو نازک ترین موقع پر پناہ دی تھی اور انہیں مسکن فراہم کیا تھا۔ جنوب سے اور شمال سے تعلق رکھنے والے ان عربوں کے درمیان زندگی کے ہر شعبہ میں اختلافات مثلاً معاشرتی' ثقافتی' معاشی' مذہبی' جغرافیائی بلکہ غالباً نسلی و آبائی سطح پر بھی اتنے جانے پہچانے تھے کہ یہاں ان کی کسی تفصیلی صراحت کی ضرورت نہیں ہے۔

گولڈزیہر Goldzi her[42]' ویل ہاؤزن Well hausen[43]' نکلسن Nicholson[44] اور بہت سے دوسرے نمایاں محققین نے بڑی دقت نگاہ سے اس موضوع کی مکمل چھان بین کی ہے۔ یہ بات بہرحال قابل ذکر ہے کہ تمام عربوں کو ایک ثقافتی وحدت تصور کر لینا نہایت فاش غلطی ہے۔ وہ ایسی وحدت کبھی بھی نہیں رہے شمالی و وسطی عرب صحرا کی وجہ سے ایک دوسرے سے منقطع رہے اسی طرح جیسے جنوبی عرب بقیہ عالم عرب سے الربع الخالی کی وجہ سے علیحدہ رہا۔ نہایت مختلف معاشی و جغرافیائی حالات نے ان دو قریبی نسلوں کے ارتقا کے ہر پہلو پر اپنا لازمی اور فطری اثر چھوڑا۔ جنوبی و وسطی عرب کے باشندے اہل حجاز اور کوہستان نجد کے رہنے والے جنوبی عرب میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

اہل یمن کے مقابلے میں کردار و عمل میں، سماجی و سیاسی اور سماجی و مذہبی دستور و رواج میں بالکل مختلف انداز میں پلے بڑھے تھے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرح یہ دونوں گروہ مذہبی حساسیت اور افکار و خیالات میں بھی ایک دوسرے سے بہت زیادہ اختلاف رکھتے تھے جنوبی عرب کے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب علاقوں کے لوگوں پر مذہبی احساسات زیادہ غالب تھے جب کہ شمالی عرب سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں مذہبی جذبات کا واضح فقدان تھا۔ مثال کے طور پر جنوبی عرب کے ایک شہزادے نے اپنی منت سے تعلق رکھنے والے کتبہ میں خداؤں یا دیوتاؤں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے دشمنوں کے مقابلے میں اسے فتح مند کیا۔ اور اکثر جانبازوں اور جنگ جوؤں نے ہر اس کامیابی کے سلسلے میں جو انھوں نے حاصل کی اپنے خدائی مددگاروں کے لئے منتی یادگاریں تعمیر کیں، جنوبی عرب میں موجود یادگار نشانیوں کا مرکزی خیال یہی اپنے اپنے خداؤں کے لئے متشکرانہ و مودبانہ احساسات ہیں۔ اس کے بالکل برعکس شمالی عرب کے جنگ جو عمومی طور پر اپنے تلوار اور اپنے ساتھیوں کی بہادری پر فخر کرتے تھے۔ وہ اپنی کامیابی کے لئے خدائی طاقتوں کے تشکر کی پابندی تک گوارا نہ کرتے تھے اگرچہ وہ اس قسم کی طاقت کو تسلیم کرنے کے یکسر منکر بھی نہ تھے[45]، حتی کہ ان میں نیم گرم مذہبی جذبات کی خفیف سی مقدار بھی ان جنوبی عربوں کے اثرات کے بغیر نہیں قرار دی جا سکتی جو شمال میں جا بسے تھے[46]۔ مذہبی جذبات میں یہ فرق قدرتی طور پر مذہبی سربراہی کے انداز میں منعکس ہوا تھا۔ شمالی عرب میں سربراہان یا شیوخ کا انتخاب ہمیشہ بزرگی یا لیاقت قیادت کے اصول پر ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں کبھی کبھی اور بھی دوسرے قابل لحاظ امور شامل ہو جایا کرتے تھے جیسے شرافت ذات اور نسلی وقار وغیرہ، لیکن شمالی عرب میں ان دونوں چیزوں کی اہمیت کم تھی۔ اس کے برخلاف جنوبی علاقوں کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عادی تھے۔ یہی وہ حقیقت ہے کہ یثرب میں آباد جنوبی عرب کے اوس و خزرج کے قبائل نے ایک ایسی فضا قائم کی جو مذہبی فکر کے لئے ہم آہنگ تھی اور جو محمد ﷺ عربی کی کامیابی کے لئے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ للذا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ شمالی عرب کے عربوں کی اکثریت نے اسلام کو کم از کم ان کو قبولیت کے ابتدائی دور میں ایک ایسا سماجی و سیاسی نظام سمجھا جو نبی پاکؐ کے تعلیم کردہ مذہب پر مبنی تھا کیونکہ وہ ہمیشہ ہی سے مذہبی رجحانات کے لئے سرد مہر رہے تھے، جب کہ بنی اوس و بنی خزرج نے، جو جنوبی عرب سے متعلق تھے، اسلام کو ایک بنیادی مذہبی نظام سمجھا جس سے ایک سماجی و سیاسی تحریک بھی منسلک تھی کیونکہ وہ اپنے ثقافتی ماضی میں، چاہے وہ ماضی بعید ہی سہی، مذہب کے لئے بہت حساس تھے۔ للذا ان کے لئے کم از کم ابتدائی والہانہ رد عمل میں ان کی اسلام کی طرف رغبت ایک نئے طرز عمل اور شعور کی اہمیت رکھتی تھی۔

جس وقت رسول خداؐ نے رحلت فرمائی تو آپؐ کی جانشینی کے مسئلے کے متعلق یہ عام تاثر تھا کہ اس میں سیاسی و مذہبی قیادت دونوں شامل ہیں، ایک ایسا تاثر یا اصول جس کو عرب پوری طرح جانتے تھے حالانکہ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کو اور کبھی دوسرے کو حسب معمول مختلف درجہ اہمیت دیتے تھے۔ بعض اذہان کے لئے نیابت رسول ﷺ یا خلافت زیادہ تر سیاسی نوعیت کا موضوع تھا۔ بہ نسبت مذہبی کے اور بعض دوسروں کے نزدیک اس کی نوعیت خالص مذہبی تھی بہ نسبت سیاسی کے۔ اکثر مسلمانوں نے جنہوں نے ابو بکرؓ کو فوری طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ سربراہ کے جانشین کی تقرری کے روایتی طریقہ کار کو اس نئی تعبیر کے حوالے سے دیکھا تھا جو خلیفہ اول نے اس سلسلے میں کی تھی جس کا ہم عنقریب جائزہ لیں گے۔ ان لوگوں نے بہت حد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تک، بے شک مکمل طور پر نہ سہی، اس مسئلے میں دینی اصول کو اور کسی مخصوص خانوادے کے وراثتی تقدس کے نظریہ کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ یہ مفروضہ عمر ابن خطابؓ کے اس بیان سے تقویت پاتا ہے جو انہوں نے عبد اللہؓ ابن عباس کے روبرو دیا:

"لوگ یہ نہیں چاہتے کہ نبوت و خلافت دونوں خاندان بنو ہاشم میں اکٹھی ہو جائیں" [47]

ہمیں یہ قبول کرنا ہو گا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ دونوں اس بات سے واقف تھے کہ امت کا ایک گروہ وراثتی تقدس کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ دونوں کو لازماً یقین تھا کہ اگر ابو بکرؓ کے چناؤ کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اتحاد ملت کو سنگین خطرہ لاحق ہو گا۔ پھر بھی انہوں نے موضوع خلافت کو کعبہ کی سرداری سے علیحدہ رکھنا ضروری سمجھا جو کہ بنو ہاشم کے موروثی تقدس میں متبرک امانت تھا۔

کچھ اور دوسرے افراد بھی تھے، خاص طور پر وہ جن کا جنوبی عرب سے تعلق تھا، جو سمجھتے تھے کہ مکہ میں قیادت مذہبی پیشوائیت کے اختیارات کے ساتھ عبد مناف کے قبیلے میں بنوہاشم کے ورثہ میں آئی ہے [48] گو کہ عبد المطلب کی وفات کے بعد امیہ کے کنبے نے سیاسی معاملات میں بنی ہاشم کی شان کو کسی حد تک دھندلا کر دیا تھا۔ لیکن محمد ﷺ عربی کا پیغمبر خدا کے طور پر اور عالم عرب میں کل اختیارات کے مالک کے طور پر جو عروج تھا اس نے بنی ہاشم کو پھر وہی اقتدار و قوت عطا کر دیے تھے جو ایک ایسی حقیقت تھے جسے ابو سفیان نے سقوط مکہ (فتح مکہ) کے وقت نبی پاک ﷺ کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے تسلیم کر لیا تھا۔ لہٰذا بعض صحابیوں کی نظر میں نبی پاک ﷺ کے جانشین کا ایک سادہ منطقی انتخاب بنی ہاشم میں سے ہونا چاہیئے تھا اور ان کے نزدیک

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مسلمان معاشرہ کے قائد کی جانشینی کا سارا مرحلہ ایک بہت ہی مذہبی اہمیت کا حامل تھا۔ سیاسی حکمت عملی کے علاوہ اور دوسرے نہایت عمیق مذہبی امور کا اس مسئلہ خلافت کے لئے ملحوظ خاطر رکھنا ضروری تھا۔ یہ لوگ جن کو ہم زیادہ تشریعی اصولی ذہنیت کا حامل قرار دے سکتے ہیں' اس سلسلے میں ابوبکرؓ اور ان کے حامیوں کی فراہم کردہ وضاحت سے متفق نہ تھے۔ اس لئے' جیسا کہ عنقریب توضیح کی جائے گی' یہ لوگ معاشرہ کی قیادت کو من جملہ تمام دوسرے امور کے ایک مذہبی فریضہ ہی سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں محمد عربیؐ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے اصل دین و ملت کے بحال کرنے والے تھے۔ لہٰذا ان میں ان کے قبیلے کا موروثی تقدس اپنے نقطہ عروج پر تھا۔ قرآن حکیم نے بھی اس نقطہ نظر کی زبردست تائید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے کہ:

"بے شک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ کو' آل ابراہیمؑ کو آل عمرانؑ کو تمام عالم پر برگزیدہ فرمایا[33]۔"

تمام مفسرین و شارحین نے متفقہ طور پر وضاحت کی ہے' جیسا کہ اس آیت میں حوالہ بھی دیا گیا ہے' محمد عربیؐ آل ابراہیمؑ کے چشم و چراغ ہیں۔ لہٰذا ان کے انتقال پر ان کا جانشین صرف ان ہی کے خاندان سے ہونا ضروری تھا جس کا ان ہی آسمانی اصولوں اور ان ہی صفات سے متصف ہونا ضروری تھا۔

اس سلسلے میں خاندان ابراہیمی کا عالی مرتبت اور ان کی نیک نامی کا قرآن پاک میں تذکرہ انتہائی غور طلب ہے' خداوند تعالیٰ کی جانب سے جن کی عزت افزائی دین الٰہی کے لئے ان کی گراں قدر خدمات اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ہے۔ تمام ادوار و احوال حیات میں انبیاء کرام نے اس امر کا خاص خیال رکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا خاص انعام یعنی عہدہ نیابت جو نبی نوع انسان کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نسلوں میں رہے۔ ان کے بال بچے اور ان کی نسلیں موحد و دیندار رہیں۔ قرآن پاک انبیاء کرامؑ کے متعلق برابر یہ تذکرہ کر رہا ہے کہ اس سلسلے میں وہ اپنی نسلوں کے لئے دعاگو ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت و رحمت کو اپنے سلسلہ نسب میں جاری رکھنے کے آرزو مند ہیں۔ ان دعاؤں کے جواب میں قرآن پاک کی آیات براہ راست ثبوت فراہم کر رہی ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت خاص (یعنی عہدہ نیابت) انبیاءؑ کی اولاد کو عطا کی جاتی رہی ہے کہ وہ اپنے اسلاف برگزیدہ کے منشور و نقوش کو برقرار رکھیں' اپنے آبائے طاہرین کی نیک سیرت کی سچی مثال بنیں اور نیکی کی راہیں جو انبیاء کرامؑ نے قائم کی ہیں ان پر مستعدی سے گامزن رہیں۔ انبیاءؑ کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص کا اظہار کرنے کے لئے قرآن پاک میں چار اصطلاحات متواتر استعمال ہوتی ہیں:

1۔ ذریت
2۔ آل
3۔ اہل
4۔ قربیٰ

ذریت :۔

لفظ ذریت کے معنی ہیں بال بچے' نسل' براہ راست آل و اولاد۔ لفظ ذریت قرآن پاک کی 32 آیات میں استعمال ہوا ہے یا تو یہ انبیاءؑ کی اس تشویش سے متعلق استعمال ہوا ہے کہ ان کی اولاد ان کے راستے پر رہیں یا یہ کہ ان کا منصب ہدایت ان کی نسل ہی میں باقی رہے۔ یہ لفظ اکثر ان آیات میں استعمال ہوا ہے جہاں انبیاءؑ دعویٰ کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نیک شعاری کے ایک مثالی نمونے کے لئے انبیاء ماسلف کی براہ راست اولاد سے چنا ہے۔

کسی بھی نبی کی اپنی ذریت (نسل) کے لئے یہ تشویش اس آیت میں نمایاں طور پر منعکس ہوتی ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے مطلع کیا گیا کہ:

"میں تم کو انسانوں کا امام بناؤں گا۔" (11-24)

جس پر حضرت ابراہیمؑ نے التجا کی:

"اور میری ذریت میں سے۔"؟

تو خداوند تعالیٰ نے جواب دیا:

"میرا عہد (یا مرتبہ) ظالموں (بدکاروں) کو نہیں پہنچتا۔"

ایک ایسی ہی دوسری آیت میں جناب ابراہیمؑ خداوند تعالیٰ سے دعا گو ہیں:

"اے میرے رب! میں نے تیرے مقدس گھر کے قرب و جوار میں اپنے کچھ بال بچوں کو ایسے مقام پر آباد کیا ہے جو بے آب و گیاہ ہے اس لئے کہ (اے میرے مالک) وہ یہاں تیری عبادت کیا کریں۔ لہٰذا لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما اور ان کو پھلوں کی خوراک عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔" (14:37)

یہ دعا مستجاب ہوتی ہے اور اللہ جل جلالہ اعلان فرماتا ہے:

آدمؑ کی ذریت میں سے وہ بھی انبیاء تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے انعام خاص سے نوازا اور ان کو بھی نوازا جن کو ہم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نوحؑ کے ساتھ (کشتی نوح) بچا کر لے گئے اور ابراہیمؑ و
اسماعیلؑ کی ذریت میں بھی (جن کو ہم نے عہدہ نبوت سے
نوازا) اور وہ بھی جن کو ہم نے ہدایت دی اور منتخب فرمالیا
(اپنے لئے) (19:59)

آل :-

لفظ آل کی اصطلاح جس کے معنی قریب تر یا قریب ترین پشت یا نسل سے رشتہ دار' ایک ہی باپ دادا کی اولاد یا ایک ہی انسان کے کنبہ کے افراد یا اہل خاندان' کے ہیں' قرآن پاک میں ۲۶ مقامات پر انبیاءؑ کی اولاد کے معنی میں استعمال ہوئی ہے' یا ان کے لئے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے انعام خاص کے مستحق ہوئے اور رشد و ہدایت کے سلسلے میں انبیاءؑ کے جانشین ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اولاد ابراہیمؑ سے ہونا مندرجہ بالا سطور میں آمدہ ایک آیت سے مشرح ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں ہم ایک دوسری آیت سے اس طرح باخبر ہوتے ہیں:

> "کیا تم سے لوگ اس فضل کی وجہ سے جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے؟ مگر یقیناً ہم ہی نے آل ابراہیمؑ کو کتاب عطا فرمائی ہے' حکمت و دانش عطا کی ہے اور ان کو ایک عظیم ملک عطا فرمایا ہے۔" (4:54)

اھل :-

لفظ اھل جو قرآن پاک میں بار بار آیا ہے' کم و بیش وہی معنی رکھتا ہے جو لفظ آل رکھتا ہے حالانکہ اپنے معنی کی وسعتوں میں کسی بھی شہر کے

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باشندوں، آبادی، کسی گروہ (یا جماعت) یا پیروکاروں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ جب لفظ بیت کے ساتھ مرکب بناتا ہے یعنی اہل البیت تو کسی خاص گھرانے یا بیت میں رہنے والے خاندان یا ایک ہی خاندان کی اولین اولاد کے معنی رکھتا ہے۔ اس مرکب صورت میں لفظ اہل بیت خاص طور پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی اولاد کے معنی میں آیا ہے۔ آیت میں ہم اس طرح مطلع ہوتے ہیں

"اللہ تو چاہتا ہے کہ اے اہل بیتؑ (محمدؐ) تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور تم کو مکمل طور پر پاک و پاکیزہ بنا دے۔" ۳۳:۳۳

قرآن پاک کے تمام مفسرین و شارحین اس رائے پر متفق ہیں کہ اس آیت میں اہل بیتؑ کی اصطلاح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کی دختر حضرت فاطمۃ الزہراؑ، آپؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد علی مرتضیٰؑ اور آپؐ کے دو عزیز ترین نواسوں حسنؑ و حسینؑ کے لئے استعمال ہوئی ہے۔

قربیٰ :-

چوتھی اصطلاح قربیٰ ہے جس کی اصل قرب بمعنی قربت ہے۔ قربیٰ کا مطلب قریبی یا خونی رشتہ یا رشتہ دار یا اہل خاندان ہے۔ جس طرح لفظ اہل بیت کی وضاحت کی گئی ہے لفظ قربیٰ بھی قرآن پاک میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریبی رشتہ داروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یہ وہی نعمت و فضل ہے جس کی بشارت خداوند تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اعمال

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صالح بجا لاتے ہیں۔ اے نبی اللہ (محمد عربی ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کا (کار رسالت) کوئی اجر نہیں چاہتا سوائے (اپنے) قرابت داروں (قربیٰ) کی مودت کے۔"
(42:23)

تمام مفسرین قرآن اس آیت پر اپنے تبصرہ میں متفق الرائے ہیں کہ یہاں لفظ قربیٰ سے نبی کریمؐ کے قریبی رشتہ دار مراد ہیں، یعنی فاطمۃ الزہراؑ، علی مرتضیٰؑ، حسنؑ اور حسینؑ۔ واحد اختلافی کیفیت یہ ہے کہ سنی شارحین نبی پاکؐ کی ازواج کو بھی قربیٰ میں شامل کرتے ہیں جب کہ شیعہ مفسرین ازواج کو شامل نہیں کرتے۔

ان آیات کی کل تعداد جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے مختلف انبیاءؑ کے خاندانوں پر خاص رحمت کے عطا ہونے کے سلسلے میں آئی ہیں یا رحمت خاص عطا کرنے کی دعا کرنے کے سلسلے میں آئی ہیں، قرآن پاک میں تقریباً ایک سو سے اوپر ہے۔ اس سے ہم دو نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لے کہ قرآن پاک ایسے الفاظ میں نازل کیا گیا ہے جو صرف ساتویں صدی عرب کی ثقافتی فضا کے حوالے سے مروجہ تھے تو اس صورت میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی نبی کے خانوادے کے تقدس کا نظریہ اس وقت تک عمومی طور پر مسلمہ اصول تھا۔ دوسری بات جو اس سے بھی اہم تر ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں اس اصول کے مستقل تواتر نے بعض مسلمانوں کے ذہن میں یقیناً اس تاثر کو قائم کیا ہو گا کہ خاندان محمدؐ کو باقی دوسروں پر مذہبی و دینی فوقیت و استحقاق امتیازی حاصل ہے۔

بنی تیم بن مرہ ابو بکرؓ کا قبیلہ یا بنی عدی بن کعب، عمرؓ کا قبیلہ کسی بھی مذہبی حیثیت سے کبھی باعث احترام نہیں قرار پاتا تھا۔ پس وہ افراد جو (خلافت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و نیابت کے مسئلہ پر) دینی اصول پر زور دے رہے تھے ان دو اشخاص (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کو محمدؐ عربی کی جانشینی کے امیدوار کے طور پر تسلیم نہ کرتے تھے۔ ان کے خیال میں ایسا کوئی بھی امیدوار صرف بنو ہاشم ہی سے ہو سکتا تھا جن میں علی مرتضیٰؑ کی شخصیت اب تک سب سے نمایاں تھی۔ وہ ہاشم کے پڑپوتے اور عبد المطلب کے پوتے اور محمدؐ عربی کے چچا ابو طالبؑ کے صاحبزادے تھے جنہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے باپ کی سی محبت و شفقت دی تھی جو ان کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ علی مرتضیٰؑ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین، نزدیک ترین ساتھی تھے کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قحط مکہ کے زمانے میں علی مرتضیٰؑ کے سرپرست رہے تھے۔ اس کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے پہلے اور دوبار مدینہ میں حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا تھا[50] حضرت علیؑ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے[51] جس طرح حضرت خدیجہؑ سب سے پہلی خاتون تھیں جو ایمان لائیں۔ حضرت علیؑ فاطمۃ الزہراؑ کے، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واحد وارث دختر تھیں، شوہر تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے والد بزرگوار تھے جن سے حضرت محمد مصطفیٰؐ والہانہ محبت کرتے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰؑ کی ذات گرامی میں یہ راسخ محاسن ان کو محمد عربیؐ کے خاندان اور اصحاب دونوں میں ایک ممتاز و منفرد، برتر وفائق مقام کا مالک بنا رہے تھے اور اس حیثیت نے ان کو ایسا حلقہ احباب فراہم کر دیا تھا جو محمد عربیؐ کی حیات ہی میں علیؑ کے لئے ایک خاص جوش و جذبہ اور لحاظ و احترام کے ساتھ وقف ہو چکا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ شیعہ نبی پاکؐ کی زندگی میں ہی مکتب تشیع کے وجود میں آنے کا دعوی کرتے ہیں۔ بالکل ابتدائی حصہ کے انتہا پسند جیسے سعد الاشعری اور النوبختی واضح طور پر تحریر کرتے ہیں کہ تشیع (علیؑ کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ذاتی صفات کی خاص تائید و تحسین کے مفہوم میں) محمدؐ عربی کی زندگی ہی میں ظاہر ہو چکا تھا۔[52] یہ نظریہ کہ حضرت علیؑ میں منصب خلافت کے لئے بہتر صلاحیتیں موجود ہیں نبی پاک ﷺ نے دور میں ہونے والے بعض واقعات کے تسلسل سے، جن میں نبی پاک ﷺ نے حضرت علیؑ کے لئے مخصوص اہتمام کا اظہار فرمایا مزید تقویت پاتا ہے۔ حضرت علیؑ کے احترام و استحقاق کے ارتقا کی وضاحت کے لئے ان میں سے بعض واقعات کا بیان کرنا ضروری ہے۔

1۔ اپنے مشن کے آغاز ہی میں جب یہ آیت

"اپنے قبیلے، اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ"

(۲۶:۲۱۴)

نازل ہوئی تھی (محمدؐ عربی پر پہلی وحی نازل ہونے کے تین سال بعد اور خدیجہؑ علیؑ اور ابو بکرؓ کے داخل اسلام ہونے کے بعد) نبی پاک ﷺ کے تمام بنی عبد المطلب کو جمع فرمایا اور ان کو اپنے مشن سے آگاہ کیا۔ اپنے کام کی وضاحت کرنے کے ساتھ انہوں نے اپنے مقصد کی کاربرآری کے لئے امداد و حمایت چاہی۔ تعاون و اعانت کی بجائے رسول پاک ﷺ کو استہزا کا نشانہ بنایا گیا۔ اس سلسلے میں واحد استثنا علی مرتضیٰؑ تھے جنہوں نے باوجود ۱۳ سال کے سن کے بڑی پر جوش حمایت کا یقین دلایا۔[53]

۲۔ علیؑ و محمدؐ کے درمیان دینی بھائی چارہ کا امتیازی استحقاق جس کا پہلے بھی تذکرہ کیا جا چکا ہے، ان واقعات کے تسلسل میں خصوصی طور پر شمار کیا جانا چاہیئے۔ رسول پاک ﷺ نے علی علیہ السلام کو اپنے دینی بھائی کے طور پر (اخوت) ہجرت سے پہلے اور پھر دوبارہ مدینہ میں اختیار کیا تھا۔ یہ ایک ایسی مسلمہ تاریخی حقیقت تھی (اور ہے) کہ کوئی مؤرخ اس کی تردید نہیں کرتا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ جب رسول پاک ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو بدر و خیبر دونوں میں علم بردار اسلام مقرر فرمایا تو اس کا نتیجہ صحابہ کرام کی نظر میں سوائے حضرت علی علیہ السلام کے مرتبہ کو بلند کرنے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔[54]

۴۔ تبوک کی مہم کے موقع پر نبی پاکؐ کا حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا نائب نامزد فرمانا حضرت علیؑ کے حق کا ایک اور ثبوت تھا[55] یہ اسی موقع و محل کی بات ہے جب نبی پاکؐ سے ایک مشہور حدیث مروی ہے جس میں حضرت رسول پاک ﷺ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا تھا:

"تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ،
سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"[56]

یہ روایت جو واقعہ تبوک سے وابستہ ہے تقریباً تمام مورخین و محدثین سے مذکور و مروی ہے۔ جب ہم یہ پاتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی ذات و مشن اور سابقہ اکابر انبیاءؑ کے مشن و ذات کے درمیان بہت سی مشابہتوں کا تذکرہ کر رہے ہیں تو ہم اس روایت کو تسلیم کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں اس موضوع پر متعدد آیات ہیں جہاں حضرت موسیٰؑ خداوند تعالیٰ سے یوں عرض کرتے ہیں:

"اور میرے خاندان (اہل) سے ہارون کو میرا وزیر بنا دے
جو میرا بھائی ہے اور اس کے وسیلے سے میری طاقت میں
اضافہ فرما دے اور میرے کام میں اسے میرا شریک بنا
دے۔" (۲۰:۲۹-۳۲)

حضرت نبی کریم ﷺ کا اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دینا، بغیر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کسی ہارون کے قطعاً نامکمل رہتا اور ظاہر ہے کہ آپ کے خاندان میں کوئی اور ایسا فرد نہ تھا سوائے حضرت علیؑ کے جو بطور ہارونؑ ان کی رفاقت کر سکتا۔

۵۔ اس سلسلے کا ایک اہم واقعہ لوگوں تک سورہ برآت کی ترسیل تھا (سورہ ۹) ہجرت کے نویں سال رسول پاک ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو حاجیوں کے قائد کے طور پر مکہ بھیجا۔ ان کی مکہ روانگی کے بعد نبی پاک ﷺ پر سورہ برآت لوگوں تک، خاص طور پر مشرکین تک پہنچانے کے لئے نازل ہوئی۔ جب لوگوں نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ سورۃ ابوبکرؓ تک بھجوائیں گے تاکہ وہ آپؐ کی جگہ اس کو لوگوں تک پہنچا دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں میں اس کو نہیں بھیجوں گا سوائے ایسے فرد کے ذریعہ جو میرے خاندان کے لوگوں میں سے ہوگا" (رجل من اھل بیتی) رسول اللہؐ نے اس کے بعد حضرت علیؑ کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ ان کا ذاتی اونٹ لے کر فوراً مکہ کے لئے روانہ ہو جائیں اور آنحضرتؐ کی جگہ قرآن کے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔[۵]

ان واقعات کی صداقت یا وثوق کو مشکوک سمجھنے کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔ ان کو تمام مکاتب فکر کے مصنفین نے تواتر کے ساتھ لکھا ہے اور یہ واقعات اپنے تناظر میں قابل اعتماد بھی دکھائی دیتے ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی انسان انتہائی محتاط رویہ یا تشکیک اختیار کرنا چاہے تو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علیؑ کے حق میں یہ واقعات اتنی کثیر اشاعت حاصل کر چکے تھے کہ ابتدائی دور کے مؤرخین و محدثین کی اکثریت نے ان واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ واقعات کے اس تسلسل میں غدیر خم کی مشہور و معروف، خواہ متنازعہ روایت ہی سہی اور جس کو شیعہ انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہیں، ارادتاً نظر انداز کی گئی ہے۔ یہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

واقعہ ایک جگہ کے نام سے موسوم ہے جسے غدیر خم کہتے ہیں۔ یہ پانی کا ایک جوہڑ تھا یا دلدل تھی جہاں کچھ سایہ دار درخت بھی تھے اور جو مکہ سے چند میل پر مدینہ کو جانے والے راستہ پر واقع تھا۔ یہاں سے لوگ اپنی مختلف منازل کی طرف بکھر جاتے تھے۔ جب حضور نبی اکرمؐ حجتہ الوداع سے واپس آ رہے تھے تو حاجیوں کے سامنے، جو مکہ سے آپ کے ہم رکاب تھے، ایک اعلان کرنے کے لئے آپ ﷺ ۱۸ ذی الحج (۱۰ مارچ ۶۳۲ء) کو غدیر خم کے مقام پر ٹھہرے جس جنکشن سے سب کو اپنی اپنی منازل کی طرف منتشر ہونا تھا۔ نبی کریمؐ کے حکم سے آپؐ کے لئے ایک خاص قسم کا منبر تعمیر کیا گیا جو درختوں کی شاخوں سے بنایا گیا تھا۔ نماز ظہر کے بعد رسول پاک ﷺ اس منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ ﷺ نے ایک جم غفیر کے سامنے ایک عوامی رابطے کے طور پر اپنا آخری خطبہ دیا۔ یہ واقعہ آپؐ کے وصال سے تقریباً ۳ ماہ قبل پیش آیا۔ حضرت علیؑ کا ہاتھ تھامتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے اپنے عقیدت مندوں سے پوچھا کہ آیا میں اختیارات اور ذاتی حیثیت میں باقی تمام ایمان لانے والوں سے برتر ہوں یا نہیں؟ مجمع نے بیک آواز کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ بالکل ایسا ہی ہے۔" تو پھر آپؐ نے اعلان فرمایا:

"جس جس کا میں مولا ہوں (سرپرست، آقا، راہبر، سردار، دوست) علیؑ بھی اس کا مولیٰ ہے (من کنت مولا، فھذا علی مولاہ) اے میرے خدا ہو جا دوست اس کا جو علیؑ کا دوست ہے [illegible] ہو جا دشمن اس کا جو علیؑ کا دشمن ہے۔ (اللھم وال من والاہ وعلا من عاداہ)

جہاں تک اس واقعے کی صداقت کا تعلق ہے اس کی نہ تو تردید کی گئی اور نہ ہی کبھی اس کے وثوق پر اعتراض کیا گیا یہاں تک کہ محتاط سنی ماہرین تاریخ تک کی طرف سے اعتراض نہیں ہوا۔ جنہوں نے خود اپنے قلم سے اسے تحریر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا۔ ان میں سب سے نمایاں امام احمد بن حنبل ہیں جنہوں نے اپنی کتاب مسند میں اسے تحریر کیا۔ ترمذی' نسائی ابن ماجہ' ابو داؤد اور باقی تمام سنی مصنفین نے اسے لکھا ہے۔ ابن اثیر نے اپنی کتاب "اسد الغابہ" میں' ابن عبد البر نے اپنی کتاب "استیعاب" میں اور اس کے ساتھ ساتھ باقی تمام سوانح نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حتی کہ ابن عبد ربہ تک نے اپنی کتاب "عقد الفرید" میں اور جاحظ نے اپنی کتاب "عثمانیہ" تک میں اسے لکھا[58] ہے

غدیر خم کی روایات اتنی کثرت سے ملتی ہیں اور مختلف مکاتب فکر کے راویوں نے ان روایتوں کی اتنے وسیع انداز میں تصدیق کی ہے کہ ان کے مستند و معتبر ہونے کو شک کی نگاہ سے دیکھنا بے معنی ہے۔ ابن کثیر[59] نے جو سنی نقطہ نگاہ کے بڑے سخت حامی ہیں' اس روایت کو سات صفحات پر لکھا ہے۔ اور کثیر تعداد میں مختلف اسناد جمع کی ہیں جن میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔ نیز ابن کثیر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ معروف مورخ الطبری نے اپنی نامکمل "کتاب الفضائل" جلد ۲ میں (جس کے متعلق یاقوت نے اپنی کتاب ارشاد میں صفحہ ۴۵۲ جلد ۶ میں ذکر کیا ہے) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت علی علیہ السلام کے حق میں غدیر خم کے مقام پر خطبہ کو شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ دور جدید کے ایک محقق حسین علی محفوظ نے غدیر خم کے موضوع پر اپنی دقیق تحقیقات میں دستاویزاتی ثبوت کی فراہمی کے ساتھ لکھا ہے کہ اس روایت کو کم از کم ۱۱۰ صحابہ کرام' ۸۴ تابعین' ۳۵۵ علماء کرام' ۲۵ مورخین' ۲۷ محدثین' ۱۱ مفسرین' ۱۸ ماہرین مذہب اور ۵ ماہرین زبان و ادب نے بیان کیا ہے[60]۔ ان میں سے اکثر افراد کو بعد کے اہل سنت نے اپنے ہم خیالوں میں شمار کیا ہے۔

ہارووتز Horovitz[61] اور گولڈزیہر Goldziher[62] غدیر خم کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

موضوع پر اپنے مطالعاتی نتائج یوں بیان کرتے ہیں کہ اس روایت کی سب سے اولین شہادت کمیت (المتوفی ۱۲۶ھ ۴۳۷ یا ۷۴۴ء) کے اشعار ہیں جو ان محققین کی نظر میں بلاشبہ کمیت کا ہی کلام ہے۔ ان دو محققین کا کمیت سے پہلے کی کسی شہادت سے انکار کرنا ان کے اس متشککانہ مفروضہ پر مبنی ہے کہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاعر حسان بن ثابت کے اشعار، جو عین اس موقع پر کہے گئے، خود ان کے تسلیم نہیں کیے گئے۔ تاہم شیعہ ذرائع نے اور بعض سنی مسلمہ و مستند علما نے بھی حسان بن ثابت کے اشعار کو اس سلسلہ کا اولین ثبوت قرار دیا ہے جو انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے فی الفور کہے[63] اور اس وقت جب لوگ علی مرتضیٰؑ کو مبارک باد دے رہے تھے، ان اشعار کو پڑھ کر سنایا۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ حسان ہجرت کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس تاریخی پہلے حج میں ہم سفر تھے اور یہ کہ یہ شاعر رسول پاکؐ کی سرگرمیوں کے تمام نمایاں مواقع پر اشعار کہا کرتے اور پڑھا کرتے تھے یہ بات انتہائی بعید از قیاس ہے کہ یہ موقع حسان نے تحریر میں محفوظ کئے بغیر جانے دیا ہو جب کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باضابطہ شاعر، واقعہ نگار بھی تھے۔

البتہ بعض ان ذرائع نے جن سے عام طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ کے لئے استفادہ کیا جاتا ہے، جیسے ابن ہشام، طبری اور ابن سعد نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ وہ یا تو غدیر خم کے مقام پر نبی پاکؐ کے قیام کو گول کر جاتے ہیں اور اگر زیر قلم لاتے بھی ہیں تو اس حدیث (من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ) کا تذکرہ ہی نہیں کرتے۔

Veccia Vaglieri ان چند مصنفین کے اس رویہ کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ وہ شیعوں کے اختلافی نقطہ نظر کے لئے مواد فراہم کر کے،

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو ان کلمات و بیانات کو حضرت علیؑ کے حق خلافت کے سلسلے میں اپنے موضوع فکر کی تقویت کے لئے استعمال کرتے تھے سینوں کی دشمنی مول لینے سے جو اس وقت بر سر اقتدار تھے' بظاہر خوفزدہ تھے۔ نتیجتاً محمد عربیؐ کے مغربی سوانح نگار جن کا کام ان ہی ماخذ پر مبنی تھا' غدیر خم کے مقام پر ہونے والے اس واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر ضرور خطاب کیا تھا اور انہوں نے وہ مشہور کلمات ضرور اپنی زبان مبارک سے ادا کئے تھے کیونکہ اس واقعہ کا اندراج مجملاً یا مفصلاً محفوظ کر لیا گیا ہے' نہ صرف یعقوبی جیسے افراد' جن کی ہمدردیاں علوی مفادات کے لئے مشہور و معروف ہیں' بلکہ جمع احادیث میں جن کو مذہبی استناد حاصل ہے' جیسے مسند احمد ابن حنبل نے لکھا ہے۔ اور اس سلسلے میں احادیث اتنی متوارد و متواتر ہیں اور مختلف اسناد سے اتنی مستند و مصدقہ ہیں کہ ان کو رد کرنا ممکن نہیں ہے۔[۳۵]

سینوں اور شیعوں کے درمیان واقعہ غدیر خم کی صداقت نہ تو کبھی وجہ اختلاف رہی تھی' نہ ہے اور جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں حوالہ جات دیئے گئے ہیں علی مرتضیٰؑ کے حق میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان کبھی متنازعہ فیہ نہیں رہا۔ اصل اختلاف لفظ مولا کی تعبیر و توضیح میں ہے جو رسول پاکؐ نے استعمال کیا ہے۔ شیعہ اس لفظ کو بالکل غیر مبہم انداز میں بمعنی آقا' قائد اور سربراہ کے تسلیم کرتے ہیں' لہٰذا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامزد جانشین کے واضح معنی قرار دیتے ہیں۔ برعکس اس کے سنی اس لفظ کی تعبیر دوست کے معنی میں کرتے ہیں یا قرابت دار اور معتمد خاص کے معنی مراد لیتے ہیں[۳۶]۔ بے شک عربی کے بہت سے الفاظ کی معنوی فراوانی اور نتیجتاً معنی کا ابہام ان دونوں تعبیروں کی معقولیت کا جواز بنتا ہے۔ سنی اس روایت کو قبول کرتے ہوئے ادعا کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس لفظ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے صرف یہ مطلب تھا کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کو اپنے عم زاد اور اپنی واحد زندہ رہ جانے والی دختر کے شوہر کا احترام کرنے اور محبت کرنے پر آمادہ کر رہے تھے۔ مزید برآں یہ کہ سنی ان حالات کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ جنھوں نے نبی پاک ﷺ کی اس تشویق کو ضروری قرار دیا اس طرح کہ بعض لوگ یمن کی مہم کی غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں علی مرتضیٰؑ کے سخت طرز عمل پر باتیں بنا رہے تھے جو کچھ عرصہ قبل علی مرتضیٰؑ کے زیر قیادت اختتام پذیر ہوئی تھی اور جہاں سے حضرت علیؑ مع دوسرے افراد کے، جنھوں نے اس مہم میں شرکت کی تھی، براہ راست مکہ آئے تھے تاکہ رسول پاکؐ کے ساتھ حج میں شریک ہو سکیں۔ دراصل اپنے داماد کے خلاف ان فاسد جذبات کو دور کرنے کے لئے آپؐ نے یہ لب ولہجہ اختیار کیا[۵۵] اس تاویل کو بعینہٖ تسلیم کر لینے کے باوجود یہ حقیقت برقرار رہتی ہے کہ رسول پاک ﷺ کا اس غیر معمولی انداز میں اعلان کہ شخصیت و حاکمیت میں حضرت علیؑ کو اپنے ہم پلہ قرار دینا شیعہ دعاوی کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

روایت غدیر خم کی تلاویلات کی متنازعہ نوعیت سے قطع نظر بعض اصحاب رسول ﷺ کے خیال میں واقعات محولہ بالا رسول پاک ﷺ کے علی مرتضیٰؑ کی طرف جھکاؤ کو ظاہر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں گو کہ نبی پاک ﷺ نے واضح طور پر نہ تو حضرت علیؑ کو اپنا جانشین نامزد کیا' نہ وہ نامزد کر سکتے تھے' غالباً شمالی عرب کے اس رسم و رواج کے تحت کہ کسی قوم کے قائد کا انتخاب اس کی قوم پر چھوڑ دیا جائے۔ ایک خیال کے مطابق حضرت علیؑ کی راہ میں ایک رکاوٹ وفات رسول ﷺ کے وقت ان کی عمر کا مقابلتاً کم ہونا تھا۔ البتہ ہمارے تاریخی ذرائع یہ بتانے میں ناکام نہیں ہیں کہ گو قبل طلوع اسلام مکہ کی "سینیٹ" (ندوہ)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صرف بزرگوں ہی کی کونسل تھی تاہم سردار قریش قصی کے بیٹے عمر کی اس پابندی سے مستثنیٰ ہونے کا خصوصی اختیار رکھتے تھے اور اپنی جواں عمری کے باوجود کونسل میں قبول کئے جاتے تھے۔ اور اس کے بعد کے زمانہ میں تو زیادہ فراخ دلانہ مراعات بھی مروج ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔ ابوجہل کو باوجود اس کی نوعمری کے اس کونسل میں قبول کیا گیا اور حکم بن حزم کو، جب کہ وہ صرف ۱۵۔۲۰ سال کا تھا اس کونسل میں قبول کیا گیا[۶۷]۔ ابن عبدربہ ہمیں بتاتے ہیں کہ دور جاہلیت میں مکہ کے عربوں کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔ جب بھی کوئی لڑائی ہونے والی ہوتی تھی تو وہ سرداروں کے لئے ووٹ ڈالتے تھے اور ان میں سے ایک کو بادشاہ چن لیتے تھے، چاہے وہ نابالغ یا عمر رسیدہ انسان ہی کیوں نہ ہوتا۔ پس فجار کے دن بنوہاشم کی باری کی وجہ سے اور انتخاب کے نتیجہ میں العباس، جو اس وقت محض بچے تھے، منتخب ہوئے اور سب نے علامت محافظ کے طور پر ان کو اپنی ڈھال پر بٹھا دیا[۶۸]۔ وصال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت علی مرتضیٰؑ صرف ۳۰ سال کے تھے اور بعض ذرائع کے مطابق ۳۶ سال کے تھے۔

نتیجہ کلام یہ ہوا کہ اس نظریہ نے کہ جانشینی کا سوال بنیادی طور پر محض سیاسی نوعیت کی نسبت مذہبی و دینی نوعیت کا تھا اور بنوہاشم کے وراثتی تقدس کے مقبول عام احساس نے، مع ان واقعات کے جو علی مرتضیٰؑ کی حمایت میں رسول پاکؐ کی حیات طیبہ میں رونما ہوئے، مسلم معاشرہ کی قیادت کے جانشین کے متعلق اس تاثر کی تطہیر کر دی جسے صحابہ کرامؓ کی ایک خاصی تعداد نے محسوس کیا کہ علی مرتضیٰؑ عہدہ و منشور الٰہی کو سالم و محفوظ رکھنے کے سلسلے میں زیادہ مناسب شخصیت کے مالک تھے سقیفہ کے واقعات کے دوران گرماگرم بحثوں میں، جو رسول عربیؐ کے وصال کے فوراً بعد شروع ہوئیں، ان صحابیوں نے اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں ہرگز پس و پیش محسوس نہ کی اور نتیجتاً رونما ہونے والا اختلاف، جس کی طرف

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہم ابھی رجوع کرنے والے ہیں' وہ اس صورت حال کی ابتدا تھا جس کو آگے بڑھ کرامت مسلمہ کی سنی شیعہ مستقل تقسیم میں نموپذیر ہونا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات باب نمبر1

(1) ڈبلیو منٹگمری واٹ: Islamic Political Thought
(ایڈنبرا 196A) ص 26

(2) LANE: Lexicon

(3) مثلاً قرآن پاک سورۃ 19 آیت 69
قرآن پاک سورۃ 28 آیت 15
قرآن پاک سورۃ 37 آیت 83

(4) ابن قتیبہ: رسایل البلاغہ ص 360۔

(5) اغانی جلد اول ص 45۔

(6) اغانی جلد اول ص 72۔
یاقوت: معجم البلدان جلد سوئم ص 519۔

(7) اغانی جلد دھم ص 300۔

(8) دیوان النابعہ الذبیانی مولف شکری فیصل (بیروت 1968) ص 165

(9) مفضلیات 93 بند 14۔

(10) مفضلیات 31 بند 4
"بخدا میرے چچا زاد تم حسب و نسب میں مجھ سے بہتر نہیں ہو"
"لَا اَفْدَلْتَ فِیْ حَسَبِیْ"

(11) ابن قتیبہ حوالہ محولہ بالا ص 348۔ عقد الفرید جلد سوئم ص 332۔

(12) اغانی جلد اول ص 31۔

(13) عمر بن کلثوم: معلقہ۔ اشعار 40۔ 52۔ 55۔ مفضلیات 40 بیت 44۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مفضلیات 87 بیت 2 زهیر بن ابی سلمی معلقہ ...... ص 26۔
اغانی جلد دھم ص 300

(14) عبید معلقہ بند 83۔ عمر بن کلثوم۔ معلقہ بند 52۔

(15) اغانی جلد 22 ص iii

(16) محولہ بالا بند 81۔

(17) Lexicon:lane جلد 5 ص 2020 بعد۔

(18) یاقوت محولہ بالا جلد سوئم ص 471۔

(19) القرآن سورۃ 104 آیت 3

(20) ابن ہشام جلد اول ص 126۔

(21) اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو طہٰ حسین کی کتاب Melanges میں R.B.Sergeant's کا مضمون
enclave in Arabia" "Haram and Hawtah,
the sacried مولفہ عبد الرحمٰن بدوی (قاہرہ 1962) ص 42 بعد۔
اور "The saiyids of Hadramawt" شائع شدہ
school of oriental and Africon Studies
Bulletin of the کی ص 21 (لندن 1957ء)(BSOAS)
اور ابن درید: اشتقاق ص 173۔

(22) ابن درید کی کتاب محولہ بالا ص 238۔
اغانی جلد 19 ص 128۔
عقد الفرید جلد سوئم ص 331 و بعد'

(23) ابن ہشام جلد اول ص 143' 145۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عقد الفرید جلد سوئم ص 313' 333 اور اس کے بعد۔
ابن درید حوالہ محولہ بالا۔
Sergeant کا مضمون Haram and Hawtah ص 43۔

(24) EI [2] مضامین
"اهل بیت" و بیوتات العرب۔

(25) Sergeants حوالہ محولہ بالا۔

(26) Muhammad at Macca: w.Montgomery watt
(اکسفورڈ 1953) ص 31۔
اور Sgiyids of Hadramant از Sergeant ص 7

27۔ ابن ہشام جلد اول ص 131۔ ازرقی: اخبار مکہ جلد اول ص 64 وبعد۔
ابن سعد جلد اول ص 69 وبعد۔ عقد الفرید جلد سوئم ص 312 وبعد۔

28۔ ابن سعد جلد اول ص 74۔
ازرقی: اخبار جلد اول ص 66 جو لکھتا ہے۔
عبد مناف کے پاس ارفادہ۔ السقایہ اور القیادہ (مکہ کی قیادت) تینوں تھیں۔

29۔ ابن ہشام جلد اول ص 143 فٹ نوٹ۔ ابن سعد جلد اول ص 78۔
ازرقی: اخبار جلد اول ص 67 لکھتا ہے۔
عبد مناف کے بعد ارفادہ اور السقایہ کے منصب ہاشم کے پاس اور القیادہ کا منصب عبد الشمس کے پاس منتقل ہو گئے۔

30۔ ابن ہشام حوالہ محولہ بالا۔ ابن سعد حوالہ محولہ بالا۔

31۔ ابن ہشام جلد اول ص 145 وبعد۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابن سعد جلد اول ص 81 وبعد۔

32۔ بحوالہ Montgomery Watt کی کتاب Muhammad al- Mecca ص 31۔

33۔ ابن سعد جلد اول ص 85۔ ابن ہشام جلد اول ص 150۔

34۔ بحوالہ $E_1{}^2$ مضامین: ابو طالب۔

35۔ قرآن میں ایک مکرر الوقوع نقطہ نظر جس کی زیادہ وضاحت سورہ دوئم آیات 127-126۔

36۔ القرآن سورہ نہم آیات 19۔

37۔ محمد حمید اللہ کا مضمون "The City State of Mecca" (Islamic Culture) میں جلد بارہ (1938) ص 266۔

38۔ ابن ہشام جلد اول ص 145۔ طبری جلد اول ص 2786 وبعد

39۔ قرآن سورہ دوسرا آیات 135 تا 137۔

40۔ قرآن سورہ دوسرا آیت 125۔

41۔ ابن خلدون: مقدمہ جلد اول ص 289 Von Kremer (Staatsiders des Islam)

ترجمہ خدا بخش Politics in Islam (لاہور 1920) ص ۱۰

42۔ Muhammedanische Studien ترجمہ C.R.Barbar و S.M.Stern بنام Muslim Studies (لندن 1967) جلد اول ص 100۔ 79۔

43۔ M.weir مترجم کتاب Arab kingdomand its fall The (کلکتہ 1927) جابجا اس کتاب میں پایا جاتا ہے۔

44۔ A literary History of the Arabs (کیمبرج 1969)

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ص 1 و بعد۔

45۔ Muslim Studies :Goldziher جلد اول ص 12۔ 13۔

46۔ اسی کتاب میں ص 14

47۔ طبری جلد اول ص 2769 و بعد۔

48۔ خلافت کے مسئلہ پر حضرت علیؑ کے حامیوں کی اکثریت کا جنوبی عرب سے تعلق تھا اور مذہبی اہلیت کی بناء پر حضرت علیؑ کے حق کا دفاع کرنے میں وہ بہت واضح تھے۔

49۔ قرآن سورۃ ۳ آیت 33

50۔ ابن ہشام جلد اول ص 262 وبعد و ص 150 وبعد۔

بلاذری جلد اول ص 270۔

ابن حبیب: محبر ص 70۔

51۔ بقول ابن اسحاق جس وقت حضور نبی کریمؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی حضرت علی مرتضےٰؑ کی عمر دس سال تھی اور وہ سب سے پہلے فرد تھے جو حضور نبی کریمؐ اور جناب خدیجہؑ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے (بحوالہ ابن ہشام جلد اول ص 262۔ و بلاذری جلد اول ص 112) البتہ وہ چند ابتدائی مؤرخین جو حضرت ابوبکرؓ کا مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کا ذکر کرتے ہیں وہ ایسا حضرت علیؑ کی عمر کے کم ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں دیکھئے استیعاب جلد سوئم ص 1090 فٹ نوٹس۔ جو اس نظریہ کی تائید میں مختلف راویوں کے متعدد اقوال و احادیث پیش کرتی ہے کہ حضرت علی مرتضےٰؑ ہی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور حضور نبی کریمؐ کے ساتھ نماز گزار ہوئے جبکہ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے فرد تھے جنھوں نے لوگوں کے سامنے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سب سے پہلے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

52۔ سعد الاشعری: فراق ص 15۔ نوبختی: فراق ص 23۔

53۔ مسعودی: مروج الذہب جلد دوم ص 277۔
مزید ملاحظہ ہو تفسیر طبری۔ ابن کثیر۔ اور ثعلبی (آیت 214 سورۃ 26 کے ذیل میں)

54۔ ابن ہشام جلد دوم ص 264۔ جلد سوئم ص 349
استیعاب جلد سوئم ص 1079۔ عقد الفرید جلد چہارم ص 312۔

55۔ ابن ہشام جلد چہارم ص 163۔

56۔ ابن ہشام وہی جلد وہی ص۔ امام بخاری: صحیح جلد دوم ص 194۔
نوبختی: فراق ص 19۔ عقد الفرید جلد چہارم ص 311۔
استیعاب جلد سوئم ص 1099 وبعد۔

57۔ ابن ہشام جلد چہارم ص 190 (جس کو مورخین و راویان احادیث کی کثرت نے مکرر و متعدد بار لکھا ہے)

58۔ جدید ایڈیشن Encyclopedia of Islam (لیڈن 1960) میں Veccia Vaglieri کا مضمون "غدیر خم" ملاحظہ ہو۔
جہاں بالکل صحیح حوالہ جات متذکرہ بالا کتابوں کے متعلق ماسوائے عقد الفرید جلد چہارم ص 311 کے دیئے گئے ہیں۔

59۔ البدایہ و النہایہ (قاہرہ 1348۔ 1351ھ) جلد پنجم ص 20A۔ 214۔

60۔ تاریخ الشیعہ (کربلا تاریخ نامعلوم) ص 77۔
جدید دور میں غدیر خم پر ضخیم کتابیں منصہ شہود پر آئی ہیں جیسے کہ امینی کی الغدیر ہے جو 38 جلدوں میں ہے۔ الموسوی کی عبقات الانوار

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے جو 34 جلدوں میں ہے۔ جو تمام کی تمام احادیث کے راویان (الرجال) پر مشتمل ہیں۔

61۔ انسائکلو پیڈیا آف اسلام محولا بالا کا مضمون "کمیت"۔

62۔ اسی کتاب کا مضمون غدیر خم۔

63۔ امینی: غدیر جلد دوم ص 32۔ مزید ملاحظہ ہو علامہ آملی: اعیان الشیعہ جلد سوئم میں، ص 524 تا 532۔

64۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام محولہ بالا کا مضمون غدیر خم۔

65۔ ابن کثیر حوالہ محولہ بالا۔

66۔ یہی کتاب یہی حوالہ۔

67۔ ازرقی: اخبار مکہ جلد اول ص 65۔ ابن درید: اشتقاق ص 97۔

68۔ عقد الفرید جلد سوئم ص 315۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب دوم

سقیفہ۔ اولین آثار

مذہب اسلام میں شیعہ رجحانات کے آغاز کو متعین کرنے کی کسی بھی کوشش کے سلسلے میں ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس ابتدائی واقعہ کا تفصیلی جائزہ لیا جائے جس کے دوران یہ رجحانات منظر عام پر آئے۔۔۔۔۔ کسی بھی قوم کی تاریخ ہر اعتبار سے چاہے سیاسی ہو یا ثقافتی' مذہبی ہو یا آئینی' ایک غیر منقطع سلسلہ ہوتی ہے۔ کسی بھی مذہبی یا سیاسی تنظیم یا مذہبی روایات میں کسی خاص نقطہ نظر کا ادراک ممکن ہی نہیں ہے جب تک اس کے اولین واضح و روشن اظہار کے حوالوں کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔

تاریخی اعتبار سے واقعہ سقیفہ شیعہ نقطہ نظر کے ظہور سے غیر منقطع طور پر منسلک ہے۔ سقیفہ' جس کے نام سے یہ اہم واقعہ موسوم ہے' مدینہ میں ایک پرانی بیٹھک یا چوپال تھی جہاں لوگ اپنے اہم معاملات و مسائل پر بات چیت کرتے اور ان کا حل ڈھونڈتے تھے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے انتقال کی خبر ملتے ہی مدینہ کے باشندے اپنے سربراہ کے انتخاب کے لئے اکٹھے ہوئے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں انصار کو مہاجرین کے ایک گروہ نے حضرت ابو بکرؓ کو امت کا واحد راہنما قبول کرنے کی خواہش ماننے پر مجبور کیا۔ سقیفہ کے اس اجتماع میں حضرت علیؑ کے حق خلافت کی حمایت میں کچھ آوازیں بلند ہوئیں۔ پس لفظ سقیفہ کو مسلمانوں میں پہلی تفریق کا اساسی محور قرار دیا جا سکتا ہے۔ شیعہ تاریخ اور آغاز اسلام کے بعد کی تبدیلیوں کی تلاش کے سلسلہ میں اس واقعہ' سقیفہ کو نظرانداز کرنا یقیناً غلط فہمیوں اور غلط نتائج فکر کو جنم دیتا ہے۔ پس سرگزشت سقیفہ کا مطالعاتی جائزہ ایک اشد تاریخی ضرورت ہے اور ایسا کرنا' وہاں اٹھائے گئے نکات و حقائق کا تعین بھی ہو گا جنہوں نے آگے چل کر اسلام میں شیعہ نظام فکر کی بنیاد رکھی۔

واقعہ سقیفہ کے خدوخال بیان کرنے کی کسی بھی کوشش سے پہلے تاریخ نگاری کا ایک مخصوص مسئلہ سنجیدگی سے زیر غور لانا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ کے پہلے جانشین کے انتخاب کے وقت کیا واقعات رونما ہوئے' ان کی صحیح تفصیل بتانے والی روایات کی صداقت پر بخوبی اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ موضوع نیابت کی خود اپنی متنازعہ نوعیت اور اس واقعہ کے خام مواد میں بنیادی مشکلات ایسی کسی بھی تحقیق کو کہیں مشکل بنا دیتی ہیں۔ یہ دقت اور بھی سنگینی اختیار کر لیتا ہے جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی اولین معلومات' جو اب تک باقی ہیں' تاریخ اسلام کی دوسری صدی کے اول نصف سے پہلے باقاعدہ طور پر ضبط تحریر میں لائی ہی نہیں گئیں یعنی پہلے دو عباسی خلفا کے دور حکومت میں اس واقعہ کو سرکاری توجہ نصیب ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلم معاشرہ میں شیعہ و سنی گروہ بندی مسلمانوں کی جڑوں میں سرایت کر چکی تھی اور دونوں گروہ ایک دوسرے پر اسلام کے صراط مستقیم سے بھٹک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جانے کی الزام تراشیاں کر رہے تھے۔ ان حالات میں یہ قرین امکان دکھائی دیتا ہے کہ مختلف حلقوں کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کی روداد سے متعلق اپنے اپنے متعلقہ مفادات کے تحفظ کے لئے مختلف اطلاعات فراہم کی جا رہی ہوں گی۔ لہٰذا ان مورخین کی اطلاعات کو کوئی بھی شک کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے جو شیعہ مسلک فکر سے ہمدردی رکھتے تھے جیسے ابن اسحاق' مسعودی اور یعقوبی وغیرہ کی اطلاعات جو شیعہ طرف داری پر مبنی تھیں اور اسی طرح سے ابن سعد' بلاذری اور طبری تک کی اطلاعات کہ وہ سنی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ مندرجہ بالا تمام ابتدائی روایات کی ایک دقیق و باریک چھان بین ظاہر کرتی ہے کہ واقعہ سقیفہ کے مجموعی خدوخال اور ضروری نکات تقریباً یکساں انداز میں بیان کئے گئے ہیں' البتہ تفصیلی تذکروں میں خام مواد استعمال کرنے کے سلسلے میں اور کبھی کسی پہلو کو اور کبھی کسی دوسرے پہلو کو اہمیت دیتے ہوئے اختلاف کیا گیا ہے۔ یہ اختلاف متعلقہ مورخین یا ان کے راویوں کے کسی ایک طرف یا دوسری طرف جھکاؤ کی واضح علامت ہے۔ البتہ ان اختلافات کی' چاہے مشکل ہی سے سہی چھان پھٹک کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ان چند مورخین کی اطلاعات کو جو کسی ایک نقطہ نظر کی شدت سے حمایت کرتے ہیں' دوسرے مخالف مورخین کے بیانات سے تقابل کرتے ہوئے آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔

اس قسم کے کسی بھی مطالعہ کے لئے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ سب سے ابتدائی روایات جو ہمارے علم میں آئی ہیں اور معقول بھی ہیں' ان کا استنباط کیا جائے اور ان کو کھنگالا جائے تاکہ دوسرے مورخین سے تقابل کی کوئی بنیاد فراہم ہو سکے۔ واقعہ سقیفہ سے متعلق سب سے پہلی تصنیف محمد ابن اسحاق ابن یاسر (المتولد ۸۵ھ / ۷۰۴ء متوفی ۱۵۱ھ / ۷۶۸ء) کی ہے جن کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر اسلام کی سب سے پہلی جامع سوانح عمری ہے۔ ان کی جمع کردہ معلومات گو کہ مختصر و معقول ہیں، لیکن اس واقعہ کے تمام ضروری اجزاء فراہم کرتی ہیں حالانکہ اپنے فوراً بعد آنے والے مختلف مورخین کی تفصیلی و اختلافی اطلاعات کو وہ زیر بحث لائے ہی نہیں ہیں۔ ابن اسحاقؒ کے بیانات کا ایجاز و اختصار یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کا کام زیادہ تر نبی کریمؐ کی حیات طیبہ اور آپؐ کی روش اعمال سے متعلق ہے۔ لہٰذا واقعہ سقیفہ کی پوری تفصیل ان کے کام کی حدود سے باہر ہے۔ نیز یہ کہ بہرحال یہ واقعہ قلم بند ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غالباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین سے قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ یہ حقیقت ان کی نوشتہ سوانح عمری کے آخری ابواب کی ترتیب سے بھی واضح ہے جو کچھ اس طرح ہے:

۱۔ پیغمبر اسلامؐ کی ناسازئ طبع

۲۔ آپ کا وصال

۳۔ حالات سقیفہ بنی ساعدہ

۴۔ انتظامات تجہیز و تکفین رسالت مابؐ

ابن اسحاق پہلے تو اس واقعہ کو بغیر اسناد کا حوالہ دیئے ہوئے چند سطور میں متعارف کراتے ہیں[۲]۔

دراصل ابن اسحاق کا معمول یہ ہے کہ پہلے وہ کسی روایت سے متعلق تمام اطلاعات کو مجمل و سادہ انداز میں جمع کر کے بیان کرتے ہیں جو بعد میں آنے والی تفصیلی حکایت کے لئے ایک تمہید کا کام دیتی ہے۔ اس انداز تحریر میں وہ اپنے استاد زہری کے وفادار شاگرد ثابت ہوتے ہیں جو روایات کو مجملاً پیش کرنے کے لئے اولین مورخ ہیں۔[۳] پس ابن اسحاق کے ہاں بیان واقعات سقیفہ کے سلسلے میں جو ایک تعارفی پیراگراف دکھائی دیتا ہے وہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسرے مورخین نے مختلف اور اسناد (تسلسل راویان) سے ذرا بدلے ہوئے الفاظ و طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ابن اسحاق تمام واقعہ ایک مفرد طویل روایت کے انداز میں بیان کرتے ہیں جو قریباً تین ساڑھے تین صفحات پر محیط ہے۔[۲۵] اور واقعہ کے تمام ضروری جزئیات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ روایت چند خصوصی توجیہات کی مستحق ہے۔ اول یہ کہ ساری کہانی خلیفہ دوم کی زبانی ہے (یعنی ان کے اپنے الفاظ میں ہے) جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کے اپنے خطابات جمعہ میں سے ایک سے ماخوذ ہے۔ عمرؓ چونکہ مذہبی آداب و تکلفات کے بہت سخت ناظم و نافذ تھے' اس وجہ سے نماز ہائے جمعہ میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد حاضری دیتی ہو گی اور اس سلسلے میں ان کی تشریحات کو مہاجرین و انصار کے حلقوں میں ایک وسیع اشاعت ملی ہو گی۔ للذا ان کے نام سے بعد میں وابستہ کی جانے والی خود ساختہ کہانیاں حقیقت ہو ہی نہیں سکتیں۔ دوم یہ کہ حضرت عمرؓ کا یہ خطبہ ابن اسحاق کے بعد میں آنے والے مورخین کی اکثریت نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے' جیسے کہ طبری بلکہ بلاذری وغیرہ نے بھی' جو عام طور پر سنی نقطہ نظر کی حمایت میں بڑے مخصوص و منتخب انداز میں لکھتے تھے۔ سوم یہ کہ یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے ماوٗرا ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے اس سنگین لمحہ میں خود ایک اہم ترین کردار ادا کیا ہے' یعنی سقیفہ کے اس تاریخ ساز واقعہ میں انہوں نے پیش قدمی کا اظہار کیا اور حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کے روح رواں کے طور پر کام کیا۔ للذا ان کے اپنے الفاظ میں ایک متفقہ طور پر تسلیم شدہ اطلاع کتنی زیادہ تاریخی اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ چہارم یہ کہ ابن اسحاق اس روایت کی ابتدا ان الفاظ سے کرتے ہیں: اس سلسلہ میں یہ واقعات (سقیفہ) "عبد اللہ ابن ابی بکرؓ نے خود مجھے بتائے۔" یہ حوالہ اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بیانات کے علاوہ ابن اسحاق دوسری اطلاعات اور تفصیلی احوال سے بھی باخبر تھے، لیکن بغرض اختصار صرف اس خبر کو منتخب کیا جس کو انہوں نے پایہ استناد پر فائز سمجھا اور اسے اتنا جامع سمجھا کہ پورے واقعہ کو سمیٹ سکے۔

تاریخ ابن اسحاق میں اس واقعہ کی اسناد براہ راست کلیتاً" و خالصتاً مدنی راویوں پر مشتمل ہیں اور اعتماد و یقین و ذاتی علم کے لفظ "حدثنی" سے اس روایت کی ابتدا ہوتی ہے۔ مستند راویوں کا بیان اس طرح شروع ہوتا ہے:

"عبداللہ ابن ابی بکر نے مجھے بتایا کہ اس کو ابن شہاب زھری نے بتایا جسے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے بتایا اور جن کو عبداللہؓ ابن عباس نے بتایا۔"

یہ دونوں افراد یعنی عبداللہ ابن ابی بکرؒ (المتولد ۶۰ھ/۶۷۹ء متوفی ۱۳۰ھ/۷۴۷-۷۴۸ء) اور زہریؒ (المتولد ۵۱ھ/۶۷۱ء المتوفی ۱۲۴ھ/۷۴۲ء) نبی کریمؐ کے بعد کی تیسری نسل سے تھے، (تبع تابعین) اور راویان حدیث کی دوسری نسل سے تھے۔ یہ دونوں افراد مسلمان تاریخ نگاری کے بانی شمار ہوتے ہیں۔ ان دونوں نے اپنا مواد اور معلومات براہ راست تابعین سے حاصل کی تھیں اور تابعین وہ جو اپنی جواں سالی میں واقعات کے عینی شاہد تھے یا جنہوں نے نبی کریمؐ کے صحابہ کرامؓ سے براہ راست معلومات حاصل کی تھیں۔ اسلامی تاریخ نویسی کے موضع پر نبیہ ایبٹؒ (Nabia Abbot) اور دوسرے افراد کی جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ بات اب انتہائی وثوق و استناد کو پہنچ چکی ہے کہ سیرت سرکار دو عالمؐ، ان کے غزوات اور ان کی روش عمل کو، جن کو مجموعی طور پر سیرت کہا جا سکتا ہے، آپؐ کے بعد پہلی نسل نے تاریخی تحقیق کا موضع قرار دے لیا تھا۔ اس سلسلے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں ایسے اسمائے گرامی سامنے آتے ہیں جیسے آبان [7] (المتولد ۲۰ھ /۶۴۱ء المتوفی ۱۰۰ھ /۷۱۸ یا ۷۱۹ء) خلیفہ سوم عثمانؓ کے فرزند' عروۃ ابن زبیر بن العوام [8] (المتولد ۲۳ھ / ۶۴۴ء المتوفی ۹۴ھ / ۷۱۲ یا ۷۱۳ء) اور وہب بن منبہ [9] (المتولد ۳۴ھ / ۶۵۴ یا ۶۵۵ء المتوفی ۱۱۰ھ /۷۲۸ یا ۷۲۹ء) اور دوسرے افراد۔ تاریخی تحقیق میں یہ دلچسپی تیسری نسل تک بہت زیادہ زور پکڑ چکی تھی۔ ابن اسحاق کے اساتذہ میں سے کم از کم دو عبد اللہ بن ابو بکر اور زہری ایسے افراد ہیں جن کی کتب سیرت و مغازی میں تاریخی تحقیق اپنی بلندیوں کو چھو چکی تھی۔ للذا یہ فرض کرنا بالکل قرین عقل ہے کہ اسلام میں تاریخ نویسی کے ان دو پیشرووں نے واقعہ سقیفہ میں ضرور دلچسپی لی ہو گی جو بانی اسلامؐ کی رحلت کے وقت پیش آنے والا اہم ترین واقعہ تھا۔ اس طرح یہ بات بھی بالکل قرین ہے کہ ابن اسحاق نے واقعہ سقیفہ کو اسی طرح بیان کرنا کیوں مناسب سمجھا جس طرح ان کے دو معززاور قریبی اساتذہ سے انہیں ملا تھا بہ نسبت دوسرے ذرائع کے حوالوں کے' خاص طور پر جب واقعہ سقیفہ میں اس کی دل چسپی صرف ان حالات تک محدود تھی جو نبی کریمؐ کے وصال سے متعلق تھے۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ یہ دونوں ماہرین' بالخصوص زہری' بعد کی ان تمام کتب میں موجود ہیں جو واقعہ سقیفہ کو بیان کرتی ہیں۔ بلاذری اور طبری' جن کی اس واقعہ میں دل چسپی صرف ان واقعات تک محدود نہیں ہے' جو انتقال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہیں' وہ ان دونوں ذرائع کا اپنے بیانات میں اس احساس کے ساتھ حوالہ دیتے ہیں کہ سقیفہ تاریخ اسلام کے اہم ترین واقعات میں سے ایک واقعہ ہے۔

ابن اسحاق کے بیان میں زہری کی سند عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں [10] جو زہری کے چار نہایت معتمد و معزز اساتذہ میں سے ایک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہیں۔ ان چاروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں سعید بن المسیب[11] (۹۴ھ / ۷۱۲ یا ۷۱۳ء) جن کے سامنے زہری نے دس سال زانوئے تلمذ طے کیا' اور عروۃ بن الزبیر' آبان بن عثمان اور عبید اللہ بن عبد اللہ۔ یہ چاروں افراد فقہ' سیرت اور مغازی جیسے موضوعات پر نہایت معروف و ممتاز اور مستند علمی شخصیات شمار ہوتے ہیں۔ زہری نے اپنے ان اساتذہ کے لئے نہایت عقیدت و احترام کا اظہار کیا ہے۔ وہ ان اساتذہ کو "علم کے چار سمندر" یا "قریش کے چار سمندر"[12] قرار دیتے ہیں۔ آبان کو چھوڑ کر باقی تین مدینہ کے ساتھ نہایت معروف و ممتاز اور نامی گرامی قانون دانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے تلامذہ سے زبانی روایات بیان کرنے کے علاوہ ان چاروں کی اگلی نسلوں کے لئے کتب تاریخ لکھنے کا مقام بھی حاصل رہا ہے۔ تاریخ اسلام کے ان چار نامور علماء میں ہماری دلچسپی کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ ان میں سے ایک یعنی زہری ابن اسحاق کے مستند راویوں میں سے ہمارے سامنے آتے ہیں بلکہ اور دوسرے مورخین کی اسناد میں بھی' جنہوں نے واقعہ سقیفہ قلم بند کیا ہے' برابر مذکور ہیں۔

عبد اللہ ابن عباسؓ[13] کے متعلق یہاں کچھ کہنا بہت ضروری ہے۔ یہ ہجرت سے تین برس پہلے پیدا ہوئے اور انہوں نے ۶۸ھ / ۶۸۷ یا ۶۸۸ء میں انتقال کیا۔ یہ ابن اسحاق کی تحریروں میں حتمی سند یا شہادت کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور ابن اسحاق کے بعد آنے والے دوسرے مورخین و محدثین کی حکایات سقیفہ میں بھی برابر ان کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ ان کی شخصیت کے تعارف کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اور ہر مکتب فکر کی نظر میں عبد اللہ ابن عباسؓ بطور ایک مسلم الثبوت ماہر علم دین کے مستند و معتبر مقام کے مالک رہے ہیں' چاہے تفسیر کلام پاک موضوع ہو یا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کوئی اور شعبہ علم ہو جس کی مدینہ میں آبیاری ہوئی ہے۔ دراصل وہ علم و فضل کے مدنی اسکول کے مسلمہ بانیوں میں سے ایک تھے جس مکتب فکر نے خود کو مذہبی علوم کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ مسلم، بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ان کے بعد آنے والے دوسرے ماہرین نے ان کی بیان کردہ روایات کو متفقہ طور پر درست تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اپنی فاضلانہ تحقیق میں، جس کی صداقت بیان کو سب تسلیم کرتے تھے، اکابرین صحابہ سے استفسار کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق معلومات جمع کیں تھیں[14]۔ نہ صرف انہوں نے واقعہ سقیفہ کا خود مشاہدہ کیا ہو گا بلکہ انہوں نے اپنے والد عباس ابن عبد المطلبؑ سے حاصل کی ہوئی معلومات بڑی احتیاط سے محفوظ رکھی ہوں گی عباسؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اور بلاشبہ اس تنازعہ میں بھی شریک تھے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد پورے مدینہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ لہٰذا یہ بات قطعاً تعجب خیز نہیں ہے کہ واقعہ سقیفہ بیان کرنے والے تمام ذرائع میں ان کا ذکر موجود ہے۔

دوسرا قابل ذکر نام جو واقعہ سقیفہ کے مصنف کے طور پر بیان ہوتا ہے وہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد ہے (المتولد ۱۶۸ھ / ۷۸۴ یا ۷۸۵ء) جس نے نبی پاکؐ سے لے کر اپنی وفات (المتوفی ۲۳۰ھ / ۸۴۴ء یا ۸۴۵ء) تک کی تمام اہم شخصیات پر مبنی اولین جامع اور باقاعدہ سوانح عمری کی کتاب "الطبقات الکبیر" لکھی یعنی (مختلف درجے کے افراد کی کتاب)۔ اپنی تصنیف کو ترتیب دیتے ہوئے سب سے پہلے وہ مسلمانوں کی پہلی نسل کے افراد کی زندگیوں اور ان کی روش اعمال پر اظہار خیال کرتا ہے جن میں خاص طور پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین ساتھی شامل ہیں۔ ابن سعد سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ ابو بکرؓ کے سوانح حیات پر ۱۴۱ صفحات[15] پر مبنی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفصیل قلم بند کرتے ہوئے واقعہ سقیفہ کو اپنے پیش رو ابن اسحاق سے زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کرے گا۔ مگر وہ تو اس واقعہ کی روداد میں سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتا حالانکہ ابو بکرؓ کے تمام احوال حیات میں شاید یہ سب سے اہم اور سب سے نتیجہ خیز واقعہ ہے۔ وہ ان تمام اطلاعات کو نظر انداز کرنے کی واضح کوشش کرتا ہے جو انتخاب ابو بکرؓ کی متنازعہ نوعیت کی عکاسی کرتی ہیں اور بڑے محتاط انداز میں صرف ان روایات کو منتخب کر لیتا ہے جو وقت وصال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاشرہ کی قیادت کے لئے ابو بکرؓ کی بعض مسلمہ فضیلتوں اور لیاقتوں کو روشن کرتی ہیں۔ وہ خلیفہ اول کی صفات، ان کی خدمات اسلام اور ان کے ان فضائل کی جو محمد عربیؐ کی فوری جانشینی کے لئے موزوں و مناسب تھے، تعریف و تقدیس کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت علیؑ کی سوانح عمری لکھتے ہوئے بھی وہ یہ ہی اصول فن استعمال کرتا ہے کہ حضرت علیؑ بھی اپنے وقت پر عہدہ خلافت کے لئے بہترین امیدوار تھے۔ وہ اس طرح اسلام کی تیسری صدی کے آغاز میں سنی روایات اور مورخین کے مدنی مکتب فکر کی اصلیت کی خالص نمائندگی کرتا ہے۔ یہ دونوں تصورات وہ تھے جن کی مرجعی اصول پر تعمیر کی گئی تھی۔ تیسری صدی میں اپنی زیادہ ترقی یافتہ و مصفی شکل میں یہ اصول کسی بھی مسلمان سے مطالبہ کرتا تھا کہ وہ ہر اس گفتگو سے احتراز کرے جو اس عزت و وقار کو داغ دار کرتی ہے جس کا اسلام کی ابتدائی شخصیات، خاص طور پر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مستحق سمجھا جاتا ہے۔ ابن سعد کی سوانح عمری ابو بکرؓ کا مطالعہ کرنے والا ہر فرد اس بات کو فوراً محسوس کرے گا کہ مصنف صرف اپنے ممدوح کے بہترین اوصاف و صفات پیش کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ابن سعد کی معلومات و مواد کی ترتیب کا ایک مختصر خاکہ یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ وہ اپنے قاری کو واقعہ سقیفہ سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

متعلق کیا طرز فکر دینا چاہتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے قبیلہ۔۔۔۔۔۔' خاندان۔۔۔۔۔۔' نام اور لقب پر دو صفحات لکھ کر ابن سعد اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہے[16] حتیٰ کہ اس سوانحی تفصیل میں اس کا زیادہ تر زور حضرت ابو بکرؓ کے لقب الصدیق (سچا) پر صرف ہوتا ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے اپنے بیان میں ایک روایت داخل کرتا ہے کہ محمد عربیؐ کی ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز (معراج) کے بعد' جس کے متعلق ان کو اندیشہ تھا کہ لوگ تسلیم نہ کریں گے' جبریل امینؑ نے انہیں یقین دلایا کہ یہ کام حضرت ابو بکرؓ انجام دیں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔ دوسرے حصہ میں' جس کا عنوان ہے' "ابو بکر کا اسلام لانا"[17] پانچ روایات ہیں' جو سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ' حضرت ابو بکرؓ پہلے فرد ہیں جو محمد عربیؐ کی رسالت پر ایمان لائے اور مکمل طور پر ان متعدد روایات کو نظر انداز کر دیتا ہے جو حضرت علیؑ کے مسلم اول ہونے کو بیان کرتی ہیں۔[18] اس کے بعد تیسرا حصہ آتا ہے جس کا عنوان ہے "بیان غار اور ہجرت مدینہ۔"[19] اس میں ابن سعد ۲۶ روایات بیان کرتا ہے۔ یہ روایات حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ساتھ ابو بکرؓ کی قریبی دوستی کو نمایاں کر کے پیش کرتی ہیں کہ وہ "دو میں سے ایک تھے" جب حضرت محمد مصطفی ﷺ نے مدینہ جاتے ہوئے غار میں پناہ لی تھی اور یہ کہ ان نازک لمحات میں حضرت ابو بکرؓ کی خدمات بہت گراں قدر ہیں۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے قیام مدینہ سے متعلق چند ایک روایات کے فوراً بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے دینی بھائی چارہ کی بات چھیڑ دیتا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کے اس اعلان کا تذکرہ کرتا ہے کہ ماسوائے مرسلینؑ و انبیاءؑ ابو بکرؓ و عمرؓ جنت میں جانے والے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔ اس کے بعد ان روایات کا ذکر آتا ہے جو نبی پاک ﷺ کی حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خصوصی عنایات سے متعلق ہیں، جیسے کہ نبی پاک ﷺ کا حکم دینا کہ ابو بکرؓ کا گھر مسجد نبوی ﷺ سے ملحق بنایا جائے جب کہ دوسروں کو اس اعزاز سے محروم رکھا گیا۔ پھر یہ کہ حضرت ابو بکرؓ نے تمام غزوات میں رسول پاک ﷺ کا دفاع کیا اور رسول پاک ﷺ نے جنگ تبوک میں ان کو علم بردار اسلام مقرر فرمایا۔ اس حصہ میں آخری پانچ روایات نبی پاکؐ کے ان بیانات کا تذکرہ کرتی ہیں کہا اگر وہ کسی کو اپنے دوست کے طور پر منتخب کرتے تو وہ ابو بکرؓ کے علاوہ کسی کو ایسا نہ قرار دیتے، نیز یہ کہ "میری قوم میں کوئی بھی مجھے ابو بکرؓ سے زیادہ عزیز نہیں ہے" اور یہ کہ "میرے بعد میری قوم میں سب سے زیادہ مستعد و پرجوش ابو بکرؓ ہی ہے۔"

اس کتاب کا چوتھا باب جس کا عنوان ہے "اس نماز کا بیان جس کی امامت کرانے کے لئے پیغمبر خداؐ نے اپنی رحلت سے قبل ابو بکرؓ کو حکم دیا"[20] غالبًا ابن سعد کے طرز فکر کی واضح ترین علامت ہے۔ اس مقام پر ابن سعد ۱۰ روایات بیان کرتا ہے۔ جن میں پہلی پانچ وہ ہیں جو رسول پاکؐ کے اس اصرار کو ظاہر کرتی ہیں کہ دوران علالت پیغمبرؐ صرف ابو بکرؓ ہی امامت نماز کرائیں۔ اس کے بعد کی تین روایات حضرت محمد مصطفیؐ سے قلم و قرطاس طلب کرنے سے متعلق ہیں تاکہ وہ اپنی وصیت لکھ سکیں اور ان کے اس حکم کو بیان کرتی ہیں کہ ابو بکرؓ ہی ان کے بعد ان کے جانشین ہوں گے تاکہ لوگ اس موضوع پر کسی قسم کا شک یا اختلاف نہ کریں۔ جب عبد الرحمان ابن ابو بکرؓ قلم و قرطاس لینے کے لئے باہر گئے تو لوگوں نے کہا "بیٹھ جاؤ! کون ابو بکرؓ پر اختلاف کر سکتا ہے۔" نویں روایت حضرت عائشہ بیوہ رسول پاکؐ سے متعلق ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا: اے ام المومنین رسول پاکؐ نے اپنے جانشین کے طور پر کسے مقرر کیا تھا؟" تو انہوں نے جواب دیا: "ابو بکرؓ" تو۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پھر جب ان سے پوچھا گیا کہ "ابو بکر کے بعد" تو انہوں نے کہا "عمر" اور پھر ان سے پوچھا گیا کہ "عمر کے بعد" تو انہوں نے جواب دیا "ابو عبیدہ بن جراح" جس پر پوچھنے والا خاموش ہو گیا۔ اس طرح یہ باب دسویں روایت پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ جو موضوع زیر بحث کی سمت آتے ہوئے بیان کرتی ہے کہ رسول پاکؐ ۱۳ دن تک علیل رہے۔ "جب بھی وہ اپنے آپ کو بہتر محسوس کرتے تھے خود امامت کراتے تھے اور جب ان کی طبیعت ٹھیک نہ ہوتی تو حضرت ابو بکرؓ امامت کراتے تھے۔" یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ دو غیر اہم روایات کے ماسوا یہ تمام روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں جو حضرت ابو بکرؓ کی دختر نیک اختر تھیں اور جن کی علیؑ و فاطمہؑ سے رقابت و ناپسندیدگی جانی پہچانی حقیقت ہے۔

ہر وہ فرد جو ابن سعد کی کتاب کے اس باب کا مطالعہ کرے گا فوراً یہ محسوس کرے گا کہ مصنف کے پیش نظر ایک مخصوص ہدف ہے جو اس نے اپنے لئے متعین کر رکھا ہے۔ یہ باب تمام کا تمام اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بڑی احتیاط سے تیار کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ، نبی پاکؐ کی عنایات و اشارت کے ذیل میں دنیا سے رخصت فرمانے والے پیغمبرؐ کی جانشینی کے بلاشک و شبہہ بہترین واحد و مستحق امیدوار تھے۔ مصنف اس سلسلے میں اتنا جذباتی ہو جاتا ہے کہ اس باب کے مرکزی موضوع ہی سے ہٹ جاتا ہے اور ایک دوسری روایت میں جسے واقعہ سقیفہ کے ضمن میں ہونا چاہیئے تھا، انصار کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے حق میں حضرت عمرؓ کے دلائل کا ذکر چھیڑ دیتا ہے جو حضرت ابو بکرؓ کی امامت نماز پر مبنی تھے۔ یہ روایت بیان کرتی ہے کہ "جب رسول پاکؐ کا وصال ہوا اور انصار نے (سقیفہ میں) تجویز کیا کہ آؤ ہم اپنے میں سے ایک قائد کا انتخاب کرلیں اور تم اپنے (مہاجرین میں سے) میں سے، تو عمر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے کہا: "اے جمعیت انصار کیا تم نہیں جانتے کہ پیغمبرؐ نے نماز میں لوگوں کی قیادت کے لئے ابو بکرؓ ہی کو مقرر کیا تھا؟" انصار نے جواب دیا "ہاں۔" "تو کیا تم خود کو ابو بکرؓ پر ترجیح دو گے؟ اس پر انصار نے کہا کہ ہم ابو بکرؓ پر خود کو ترجیح دینے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔"[21]

اس باب کے فوراً بعد ابن سعد واقعہ سقیفہ کی طرف آتا ہے۔ اپنے سے ماقبل و مابعد کے مورخین کے برعکس وہ اس باب کو "احوال سقیفہ یا امر سقیفہ" کا نام نہیں دیتا بلکہ اس کا عنوان "بیان بیعت ابو بکرؓ (ذکر بیعت ابو بکرؓ)" قرار دیتا ہے۔ یہ حقیقت کوئی شخص نظر انداز نہیں کر سکتا کہ سابقہ چار ابواب میں ابن سعد اپنے قاری کے لئے ایک ایسا نفسیاتی پس منظر تیار کرتا ہے کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کو اب تک شمار کی گئی ان کی صفات کی بنیاد پر غیر متنازعہ تسلیم کرے۔ وہ موضوع سقیفہ پر ۱۵ روایات[22] کا اندراج کرتا ہے جن میں سے صرف چھ براہ راست یا بالواسطہ طور پر واقعہ سقیفہ سے متعلق ہیں۔ پہلی روایات بتاتی ہے کہ جب نبی اکرمؐ کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس آئے اور کہا "اپنا ہاتھ لاؤ تاکہ میں تم سے اپنی عقیدت کا اظہار کروں (تمہاری بیعت کر لوں) کیونکہ رسول پاکؐ نے تم کو اس امت کا امین قرار دیا تھا۔" ابو عبیدہ بن جراحؓ نے جواب دیا: "اے عمرؓ جب سے تم مسلمان ہوئے ہو میں نے تم کو کبھی اتنا بھٹکا ہوا نہیں پایا۔ کیا الصدیق کے ہوتے ہوئے بھی تم میری بیعت کرو گے جو غار میں دو میں سے دوسرے تھے؟" دوسری روایات کم و بیش اسی سے مشابہ ہے۔

تیسری روایت زیر نظر موضوع پر ابن سعد کے انداز بحث کی ایک مخصوص مثال ہے۔ اس حکایت میں انہوں نے حضرت عمرؓ کے مسجد نبویؐ میں طویل خطبہ سے ایک مختصر سا فقرہ لیا ہے جسے ابن اسحاق اور دوسرے مورخین

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے ایک تین صفحاتی روایت کی صورت میں بیان کیا تھا۔ ابن سعد کا یہ جزوی اقتباس کچھ اس طرح ہے: "ابن عباسؓ نے کہا' میں نے ابو بکرؓ کی بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے لوگ اس طرح عقیدت و وابستگی کا اظہار کریں جیسا انہوں نے ابو بکرؓ سے کیا ہے۔" چوتھی روایت میں ابن سعد اس موضوع پر پیدا ہونے والے تنازعہ کو مزید نظر انداز نہ کر سکا لیکن اسکو بھی اس نے حضرت ابو بکرؓ کے حق میں ایک دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ جب لوگ حضرت ابو بکرؓ سے پیچھے ہٹے تو انہوں نے کہا: کون اس امر (خلافت) میں مجھ سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے؟ کیا میں رسول خداؐ کے ساتھ سب سے پہلا نماز پڑھنے والا نہ تھا؟ پھر انہوں نے اپنے نیک کاموں (خصوصیات) کا ذکر کیا جو انہوں نے رسول پاکؐ کی معیت میں انجام دیئے تھے۔ پانچویں روایت درحقیقت وہ واحد روایت ہے جو حضرت ابو بکرؓ کے پوتے قاسم بن محمد بن ابو بکرؓ[23] کی سند سے نزاع سقیفہ کی طرف حوالہ دیتی ہے مگر یہ بڑی تیزی سے صرف سات سطروں میں لپیٹ دی جاتی ہے۔ اس روایات کا بقیہ حصہ حضرت ابو بکرؓ کی مال کی تقسیم سے متعلق ہے۔ باقی دس روایات کا واقعہ سقیفہ سے بمشکل کوئی تعلق ہے کیونکہ یہ زیادہ تر حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت' محتاط روی' عقیدت مندی اور پاک بازی سے متعلق ہیں۔

واقعہ سقیفہ کے متعلق ابن سعد کے انداز فکر پر مزید تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ موضوع کی متنازعہ فیہ نوعیت پر کسی قسم کی تاریخی تحقیق اس کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس کے باوجود ایک اولین مورخ کے طور پر ابن سعد کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔ وہ اپنے دور کا صف اول کا مورخ ہے اور سیرۃ و روایت کے ایک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہت اہم مکتب فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ سقیفہ کے کسی بھی مطالعہ میں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ابن سعد اور بھی اہمیت حاصل کرلیتا ہے' جب تاریخی روایات کے صالحانہ انداز بیان سے اس کی وابستگی محسوس ہوتی ہے' اس وقت اور بھی جب اس کے بعد آنے والے مورخین اس موضوع پر اس کی فراہم کردہ روایات کو اکثر اختیار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسے انداز فکر سے تعلق رکھتا ہے جو اسلام میں سنی نقطہ نگاہ کے ارتقا پر غالب ہے۔ واقعہ سقیفہ کے متعلق اس کا انداز' اظہار قاری کو یہ ماننے پر مجبور کر دیتا ہے کہ انتخاب ابوبکرؓ بڑی آسانی سے عمل میں آیا' اس پر کوئی قابل ذکر مخالفت یا الجھن نہیں ہوئی اور علی مرتضیٰؑ سمیت ہر شخص نے فوری طور پر تسلیم کرلیا اور خود حضرت علیؑ نے بھی اول الذکر کے خصائص اور بہتر استحقاق کو تسلیم کیا۔

اب ہمیں ابن سعد کے مقابلتاً جو اس سال ہم سال ہم عصر احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری[24] (المتوفی ۲۷۹ھ / ۹۲'۹۳ ۸ء) کی طرف رخ کرنا چاہیئے جس کی ضخیم کتاب "انساب الاشراف" سیر و تاریخ پر تیسری صدی کی غالباً سب سے اہم تصنیف ہے۔ ایک تو وہ تکنیکی اعتبار سے ابن سعد کا تتبع کرتا ہے اور اس کا خاصہ مواد کام میں لاتا ہے' دوسرے وہ بہت گہرائی میں اتر کر واقعہ سقیفہ سے متعلق ہر ممکن طریقہ سے ہر مکتب فکر اور ہر ذریعہ کے انداز فہم کو شامل بحث کرتا ہے۔ ابن سعد جن مدنی راویوں پر انحصار کرتا ہے بلاذری ان کو ناکافی اور غیر تسلی بخش قرار دیتا ہے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر مدائینی کا باکثرت حوالہ دیتا ہے جو کوفی و مدنی راویوں کے بین بین راہ اختیار کرتا ہے وہ ابن الکلبی' ابو معشر' عوانہ اور کم از کم دو موقعوں پر شیعہ راوی ابو محنف سے بھی روایات بیان کرتا ہے۔[25] اس طرح واقعہ سقیفہ کی چھان بین میں وہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہ صرف اپنی عمیق تاریخی دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ ابتدائے اسلام کے واقعات میں ان کو بہت اہم بھی گردانتا ہے۔ وہ مودب رویہ جو مدنی مکتب فکر کے مورخین خاص طور سربر آوردہ صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافات پر بات کرتے ہوئے نمایاں طور پر اختیار کرتے تھے' زیادہ مورخانہ ذہن رکھنے والے کوفی و بصری مکاتب فکر کے مورخین میں اتنا زیادہ نمایاں نہ تھا۔ لہٰذا بلاذری کا موخر الذکر روش کا برقرار رکھنا ہمارے موجودہ سلسلہ بیان کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

بلاذری کے طریق فکر نے سقیفہ کو اسی طرح موضوع گفتگو بنایا ہے جس طرح ابن اسحاق نے اس واقعہ کو رحلت رسولؐ سے متعلق واقعات کی ایک کڑی قرار دیا ہے۔ بلاذری نے جس باب کا نام "واقعہ سقیفہ" رکھا ہے' اس میں کل ۳۳ روایات کو نقل کیا ہے۔[26] جن میں سے سات اپنے مواد و اصل کے اعتبار سے ابن سعد کے مواد سے بالکل مشابہ ہیں۔ اس میں بلاذری اپنے بزرگ ہم عصر کے لئے عقیدت و احترام کے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ان کے لئے براہ راست فعل "حدثنی" (اس نے مجھ سے بیان کیا) استعمال کرتا ہے' یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس نے ابن سعد کی "طبقات" سے اقتباسات نہیں لئے بلکہ خود ابن سعد سے براہ راست سن کر لکھا ہے۔[27] باقی ۲۶ روایات ان عنوانات سے متعلق ہیں: مسئلہ خلافت و نیابت پر تنازعہ' سقیفہ میں رونما ہونے والی گرما گرم بحث و تکرار' مہاجرین و انصار کے متضاد دعاوی' اس انتخاب پر علی مرتضیٰؑ کا حتجاج' بنی ہاشم کی مخالفت' بعض انصار کی مخالفت' اور خود حضرت ابو بکرؓ کا بیان کہ گو وہ اس عہد کے لئے بہترین امیدوار نہیں تاہم امت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے انہوں نے اسے قبول کیا۔ ان ۲۶ روایات میں سے 11 مدائینی سے لی گئی ہیں جو اکثر و بیشتر زہری کا حوالہ دیتا ہے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جس کی اپنی اسناد "قریش کے ان چار سمندروں" کے بنیادی ماخذ کی عام طور پر خوشہ چینی کرتی ہیں جن کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں کیا جا چکا ہے۔[22] سب سے زیادہ معلومات افزا اہم نکتہ یہ ہے کہ ان ۲۶ روایات میں سے چار کو بلاذری نے ابن سعد سے اس انداز میں نقل کیا ہے گویا یہ اسے خود ابن سعد کی زبانی معلوم ہوئی ہیں۔

۱۔ محفل سقیفہ میں نزاعی بحث کی پوری تفصیل۔

۲۔ علی مرتضےٰؑ کی مدد کے لئے ابو سفیان کی پیش کش،

۳۔ ابو بکرؓ کا بیان کہ انہوں نے امت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے امر خلافت قبول کیا اگرچہ وہ اپنے آپ کو بہترین امیدوار خلافت کے ہونے کا اہل نہیں مانتے۔

۴۔ حضرت عمرؓ کی تقریر کا ایک مختصر سا اقتباس کہ ابو بکرؓ کا انتخاب عجلت میں طے پانے والا معاملہ ہے لیکن پھر بھی اس نے امت کو برائی سے بچا لیا ہے۔

ابن سعد ان روایات کو جانتا تھا اور ان کو اتنا اہم سمجھتا تھا کہ اس نے ان کو بلاذری کی زبانی منتقل کرنا مناسب سمجھا لیکن خود اپنی "طبقات" میں ان کو شامل کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کی۔

حضرت عمرؓ کی وہ طویل تقریر یا خطاب جس سے واقعہ سقیفہ کی تفصیل سامنے آتی ہے بلاذری نے تین مرتبہ نقل کی ہے یہ خطاب ابن اسحاق کے اپنے تفصیلی بیان کا حصہ بھی ہے جیسا کہ ہم اوپر ملاحظہ کر چکے ہیں۔ سب سے پہلے روایت نمبر ۱۱۷۳ میں (ابن سعد سے نقل کرتے ہوئے) حضرت ابو بکرؓ کی صفات کو (جیسے کہ طبقات میں دی گئی ہیں) ایک چھوٹے سے جملے میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری رویات ۱۱۷۶ میں جہاں اس تقریر کا پہلا حصہ دیا گیا ہے اور آخر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں روایت ۱۱۸۱ میں اس خطاب کا پورا متن بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ابن اسحاق کے ہاں پایا جاتا ہے۔ ان تینوں مقامات پر حتمی و مستند راوی وہی ہیں جو سیرت میں دیئے گئے ہیں یعنی زہری، عبید اللہ اور ابن عباسؓ اگرچہ ابتدائی راوی تینوں روایتوں میں روایت بدل جاتے ہیں۔ ۱۱۷۳ میں زہری سے روایت کرنے والا صالح بن کیسان ہے۔[29] روایت ۱۱۷۶ میں راوی معمر بن رشید ہے۔[30] اور روایت نمبر ۱۱۸۱ میں بلاذری نے تقریر کا سارا متن مدائینی سے ابن جعدبہ[31] کے ذریعہ لیا ہے۔ مدائینی کے متن، جس کو بلاذری نے نقل کیا ہے اور عبد اللہ ابن ابی بکر کے متن، جس کو ابن اسحاق نے نقل کیا ہے دونوں میں کسی قدر فرق ہے بحث کو سمیٹتے ہوئے اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ گو بلاذری خلافت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت کے حق میں اپنے میلان کا اظہار کرتا ہے، جیسا کہ اس کے مواد کی ترتیب میں ترجیحات کی درجہ بندی سے پتہ چلتا ہے، لیکن وہ ان بہت سی روایات کو دبانے کی کوشش نہیں کرتا جو علی مرتضےٰؑ کے حق میں بعض صحابہ کرامؓ کے جھکاؤ کو ظاہر کرتی ہیں۔

منظر سقیفہ پھر بھی نامکمل ہی رہے گا اگر ہم بلاذری کے ایک کم عمر ہم عصر ابن واضح الیعقوبی (المتوفی ۲۸۴ھ / ۸۹۷ء) کو زیر مطالعہ نہ لائیں۔ کوئی شخص جو ابن سعد اور بلاذری کے فوراً بعد یعقوبی کے واقعہ سقیفہ کو بیان کرنے کے انداز کا مطالعہ کرے گا وہ مواد اور اہمیت کے تعین میں ایک واضح فرق محسوس کرے گا جہاں ابن سعد ہم سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو حضرت علیؑ کے طرف داروں سے بہت ہی کم مخالفت کا سامنا تھا۔ وہاں یعقوبی اپنے قاری کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کو حضرت علیؑ کے حق خلافت کے طرف داروں کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا تھا۔

ابن سعد اور بلاذری کے برعکس یعقوبی جدا جدا روایتوں کو مختلف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

راویوں کی اسناد کے ذیل میں قلم بند نہیں کرتا' نہ ہی اپنے ماخذ کو لفظ بہ لفظ دھراتا ہے سوائے اقوال کے یا براہ راست خطبات کے۔ اس کی تمام تر تاریخ نگاری میں یہی اس کا اسلوب رہا ہے اور سقیفہ کو بھی اس اصول سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ "خبر سقیفہ نبی سعدہ اور بیعت ابوبکرؓ کے سرنامہ کلام سے گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے ان تمام ماخذ کی مدد سے' جو اسے حاصل تھے' وہ ایک مربوط و مسلسل چار صفحاتی حکایت کو رقم کرتا ہے[32] اور اس طرح وہ بلاشک و شبہ مختلف روایات کا ایک مسلسل بیان میں خلاصہ کر دیتا ہے لیکن تمام اقوال و تقاریر بغیر کسی رد و بدل کے نہایت دیانت دارانہ انداز میں محفوظ بھی کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت اس کا ماقبل و مابعد کے تمام ذرائع سے تقابل کرنے سے روشن ہو جاتی ہے۔

جہاں تک اس کے ماخذ کا تعلق ہے' ہم جانتے ہیں کہ ایک عام اصول کے طور پر اور غالباً ایک ادبی طور پر مربوط متن کی خاطر وہ اپنے راویوں کا بہت کم حوالہ دیتا ہے۔ اس کے باوجود ان اسناد (راویوں) کی شناخت کر لینا مشکل نہیں ہے۔[33] سقیفہ کے متعلق اس کے بعض ذرائع مثلاً مدائینی اور ابو مخنف' وہی ہیں جو طبری نے بھی استعمال کیے ہیں۔ یہاں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ بلاشبہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ واقعہ سقیفہ اسلام میں تاریخ نگاری کی ابتدا ہی سے مورخانہ دلچسپی کا موضوع بن گیا تھا۔ یہ بات ابن ندیم اور طوسی کی "فہرست" سے' اور نجاشی کی "رجال" سے دیگر کتب اور تصانیف سے ظاہر ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو موضوع سقیفہ پر بے شمار مصنفین کے سیر حاصل مضامین کا تذکرہ کرتی ہیں جو دوسری صدی کی ابتدا سے آئندہ ادوار پر پھیلے ہوئے ہیں' مثال کے طور پر ابو مخنف[34] اور مدائینی[35] کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر علیحدہ علیحدہ سیر حاصل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مضامین قلم بند کیے ہیں اور جب ہم طبری' بلاذری اور دوسروں کے ہاں واقعہ سقیفہ کی روداد پڑھتے ہیں تو ہم ان کو اپنی ذمے داری پر کئی ایک روایات کو موجود پاتے ہیں۔ ابن ابی الحدید (المتوفی ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء) اپنی ضخیم کتاب "شرح نہج البلاغہ" میں' جو نہایت قیمتی تاریخی مواد کا ایک خزانہ ہے اور جس کو انہوں نے اپنے پاس موجود نادر دستاویزات کی ایک وسیع لائبریری کی مدد سے مرتب کیا ہے' اس میں انہوں نے سقیفہ پر ۴۰ صفحات قلم بند کیے ہیں[36] جن کے دامن میں بعض وہ نادر سیر حاصل مضامین سما گئے ہیں جو اس دور تک باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک مضمون ابو بکر احمد بن عبد العزیز الجوہری[37] (المتوفی ۲۹۸ھ / ۹۱۱' ۹۱۰ء) کا ہے جو موضوع سقیفہ پر اپنے مضمون میں کئی ابتدائی اسناد کا حوالہ دیتے ہیں۔ جدید دور کے ایک قابل ذکر عالم آغا بزرگ التہرانی شیعہ ادب کے موضوع پر اپنی ایک جامع تصنیف میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں سقیفہ پر لکھے گئے بے شمار مقالات و مضامین کا ذکر کرتے ہیں۔[38]

ان میں سے بہت سے مضامین یعقوبی سے بھی پہلے کے بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو راویوں کے ایک ایسے حلقے کے لکھے ہوئے ہیں جو حضرت امام جعفر الصادقؑ (المتوفی ۱۴۸ھ / ۷۶۵ء) کے گرد قائم ہو گیا تھا۔

اس وقت جب بلاذری' ابن سعد اور دوسرے سنی مورخین نے واقعات کو قلم بند کرنا شروع کیا تھا سنی اسلام اس سے پہلے ہی اپنی طرف داریوں اور راویوں کو' جو برداشت و رواداری اور استنباط نتائج کے مرجع اصول پر مبنی تھے' ان کی تعریف کر کے انہیں طے کر چکا تھا۔ لہٰذا ان مورخین کے لئے لازمی راستہ یہی تھا کہ وہ ہر ایسی اطلاع یا خبر کو دبا دیں' یا نظر انداز کر دیں جو ان کے عہد کے مسلمہ یا طے شدہ قواعد سے متحارب ہو۔ اس مواد کا زیادہ تر حصہ جو علی مرتضیٰؑ کے حق میں شیعہ نقطہ نگاہ کی حمایت کر سکتا تھا' یا تو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اشاعت سے روک دیا گیا یا اسے مصنوع و من گھڑت قرار دے دیا گیا۔ بعینہ یہی یعقوبی کے ساتھ ہوا کہ اس کے بیانات کو شک کی نگاہ سے دیکھے جانے کا ایک عام رجحان پیدا ہو گیا۔ اور یہ صرف اس لئے ہوا کہ وہ شیعہ تھا اور اس کے بیانات شیعہ موقف کی حمایت کر رہے تھے۔ لیکن پھر اس کا تو منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اگر یعقوبی پر شیعہ نقطہ نظر کی بے جا طرف داری کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے تو پھر اور دوسرے مخالف وابستگیاں رکھنے والے مورخین پر ویسا ہی شک کیوں نہیں کیا جا سکتا' کہ انہوں نے بھی ان اخبار و احوال کو چھپایا جن سے شیعہ اغراض و مقاصد کی حمایت ہو سکتی تھی؟ اس صورت حال میں ہم ایسا محسوس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ تاریخ یعقوبی کو تاریخی اہمیت کی حامل دستاویزات کا ایک جامع خلاصہ سمجھا جانا چاہیئے جو اکثریتی فرقہ کی مفاد پرستانہ چیرہ دستیوں کے باوجود برقرار رہا۔ اس کی تحریر کی مجموعی صداقت اس حقیقت سے اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے کہ سقیفہ سے متعلق اس کے مواد کا اکثر حصہ اس کے بعد آنے والے غیر شیعہ مورخین کی تحریروں میں' جزوی طور پر ہی سہی' لیکن مذکور ہے۔ چنانچہ ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یعقوبی سے ہم کو جو بھی معلومات موصول ہوئی ہیں اور جو ان کے تین پیش رووں سے نظرانداز ہوئی تھیں' واقعہ سقیفہ کی از سرنو تعمیر کے لئے زبردست تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ چاروں واقعہ نگار ہر نقطہ نظر کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور محمد ابن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۱ھ / ۲۴' ۹۲۳ء) جیسے ضخیم واقعہ نگار کے لئے اضافہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ یہ مورخ عام طور پر اپنی تاریخ میں بہت زیادہ غیر جانب دارانہ اور غیر متعصبانہ رویہ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بلاشبہ اس کی تاریخ وہ جامع ترین تاریخ ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ یہ اپنے ماخذ کا انتخاب مذہبی طرف داریوں کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ ان تمام ماخذ کو مختلف واقعات پر اپنے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مئورخانہ محاکے کے حوالے سے جانچتا ہے۔ وہ اپنے بیان کو بہت سی متوازی و مربوط روایات درج کر کے استوار کرتا ہے' یا جہاں کہیں ضروری ہو مختلف متضاد اطلاعات کی مدد لیتا ہے جو اسے مختلف ذرائع سے ملتی ہیں۔ ایسی صورت میں وہ ہر واقعہ کی ترتیب و تعبیر کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی ذاتی مورخانہ رائے دیتا ہے یا پھر اپنے مواد کو ترجیحات کی بنیاد پر مرتب کرتا ہے۔ واقعہ سقیفہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ یہ دوسرا طریقہ استعمال کرتا ہے۔ اس واقعہ سے متعلق ابن سعد کی روداد کو وہ بالکل نظرانداز کر دیتا ہے اور اپنے ذرائع کی ذمہ داری پر اور اپنے مزید اضافوں کے ساتھ ابن اسحاق' بلاذری اور یعقوبی کے بیانات کا زیادہ تر حصہ شامل تذکرہ کر لیتا ہے۔ وہ واقعہ سقیفہ سے متعلق حضرت عمرؓ کے خطبہ کا پورا متن درج کرتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ابن اسحاق نے دیا تھا' مگر اول الذکر یعنی طبری کی سند روایت عبید بن عباد (الحلابی) [39] از عباد بن راشد [40] ہے جب کہ آخری تین راوی وہی ہیں جو ابن اسحاق کے ہاں ہیں۔ تمام مورخین اسلام میں وہ واحد شخصیت ہے جس نے واقعہ سقیفہ پر ابو مخنف کے سیر حاصل مضمون کو اختیار کیا ہے۔ [41] مجموعی طور پر تاریخ طبری واقعہ سقیفہ کی متوازن اور غیر جانب دارانہ روداد بیان کرتی ہے۔ وہ اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ طرف داران علیؑ کی ایک بہت مضبوط جماعت وہاں موجود تھی' البتہ اس بات کو بھی زور دے کر بیان کرتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ لوگوں کی اکثریت سے باقاعدہ طور پر منتخب ہوئے تھے۔

ان پانچ اولین تاریخی ذرائع کے بعد آنے والے مورخین کی تصانیف کا تفصیلی جائزہ لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے' یعنی مسعودی [42] (المتوفی ۳۴۴ھ / ۹۵۵'۹۵۶ء) ابن اثیر [43] المتوفی ۶۳۰ھ اور ۳۳'۱۲۳۲ء) ابن عبد ربہ [44] (المتوفی ۳۲۷ھ/۳۹'۹۳۸ء) وغیرہ حتی کہ سیوطی تک (المتوفی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۹۱۱ھ/۶۰۶/۱۵۰۵ء) بھی موضوع خلافت[45] پر اپنی خصوصی کتاب میں اس واقعہ کے سلسلے میں ہمارے علم میں کسی بنیادی اہمیت کا کوئی اضافہ نہیں کرتے۔ بعد کی شیعہ تحریریں، جن کے مصنفین الطبرسی[46] و المجلسی[47] ہیں، زیادہ تر مناظرانہ نوعیت کی ہیں اور شیعہ مقاصد کی حمایت کرتی ہیں، جن کی کوئی خاص تاریخی اہمیت نہیں ہے۔

واقعات سقیفہ کی تعمیر نو کی کسی بھی کوشش کے سلسلہ میں یہ سب سے بہتر طریق کار ہو گا کہ ابن اسحاق کو بنیاد کلام بنایا جائے جو نہ صرف اولین مستند مورخ ہیں بلکہ جن کا کام ابن ہشام (المتوفی ۲۱۸ھ/ ۸۳۳ء) کی تصحیح شدہ تاریخ میں بھی ہمارے سامنے آتا ہے جو خود ایک کٹر سنی مسلمان ہیں اور مذکورہ بالا چار مورخین سے بھی قبل کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ ابن ہشام، ابن اسحاق کی کتاب "سیرۃ" کو ترتیب دیتے ہوئے جب کسی موضوع یا مسئلہ سے اختلاف محسوس کرتے ہیں تو اس کو درست کرنے یا اس پر نقد و نظر کرنے سے پس و پیش نہیں کرتے اور اپنے طور پر کچھ ایسی معلومات کو بھی شامل کر دیتے ہیں جو ان کے خیال میں مصنف سے صرف نظر ہو گئی تھیں یا ترک کر دی گئی تھیں[48]، تاہم بیان واقعہ سقیفہ میں وہ کوئی تبصرہ، اضافہ یا تصحیح نہیں کرتے۔ چنانچہ "سیرۃ" میں روایت سقیفہ ایک ایسے مصنف کی بیان کردہ ٹھہرتی ہے جو شیعہ رجحان رکھتا ہے[49] اور ایک سنی العقیدہ (ابن ہشام) ناقد و مدبر کی منظور شدہ بھی ہے اور جس روایت کا ابن اسحاق کے بعد آنے والے مورخین کی اکثریت نے (جیسا کہ ہم مندرجہ بالا سطور میں ذکر کر چکے ہیں) ذکر کیا ہے اور دوسری معلومات کے لئے جو ابن اسحاق سے رہ گئی ہیں، ہمیں باقی ماندہ چار مورخین، سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ مقصد گفتگو یہ ہے کہ واقعہ سقیفہ کی تعمیر نو کو حضرت عمرؓ کی اس تقریر کی تشریح پر مبنی ہونا چاہیے جس کا ابن اسحاق

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے تزکرہ کیا ہے۔[50] چونکہ اس قسم کی کسی بھی تقریر یا خطاب کو ہر تفصیل پر محیط تصور نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا متعدد خالی جگہیں ہوں گی جن کو پورا کرنے کے لئے اور دوسرے ذرائع یا اسناد سے مدد لینا ہو گی اور اس طرح واقعہ سقیفہ کی کارروائی کی پوری تصویر بنائی جا سکے گی۔ ان خلاؤں کو پر کرنے والے اضافوں کی اسناد یا ماخذ ہمارے بیان میں ہی دیے جائیں گے تاکہ ہمارے قاری ان کو فوراً پہچاننے کے قابل ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ کی تقریر یا خطاب کو بیان کرنے سے قبل ابن اسحاق بغیر کسی سند کے ایک تعارفی ابتدائیہ سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہے جسے بلاذری کے ہاں (I.P ۵۸۳) احمد بن محمد بن ایوب[51] کی سند (ذمہ داری) پر دیکھا جا سکتا ہے جنہوں نے ابراہیم ابن سعد[52] سے اور انہوں نے ابن اسحاق سے اور ابن اسحاق نے زہری سے نقل کیا ہے۔ اس کا مضمون کچھ اس طرح ہے:

"جب پیغمبر اسلامؐ کا انتقال ہوا تو انصار کی برادری سعد بن عبادہ کی سرکردگی میں بنی ساعدہ میں جمع ہوئی۔ حضرت علیؑ، زبیرؓ بن العوام اور طلحہؓ بن عبیدُ اللہ' خانہ فاطمہؑ میں علیحدہ جمع ہوئے جب کہ باقی مہاجرین حضرت ابو بکرؓ کی سرکردگی میں' جن کے ساتھ اسید بن حفیر مع بنو عبد الاشہال کے جمع ہوئے۔ اسی اثنا میں کوئی شخص حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ سارے انصار کا ایک قبیلہ سعد کے گرد بنو ساعدہ کی چوپال میں جمع ہوئے ہیں۔ اگر تم لوگوں کی قیادت سنبھالنا چاہتے ہو تو اس سے پیشتر کہ ان کی کارروائی سنگین ہو جائے' قیادت کو سنبھالنے کے لئے قدم اٹھاؤ۔ ابھی جسد مطہر رسول اللہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر ہی میں تھا' تجہیز و تکفین کے مراحل ابھی باقی تھے اور ان کے اہل خانہ نے اپنے گھر کو اندر سے مقفل کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے حضرت ابو بکرؓ کو بتایا آؤ ہم ان اپنے انصار بھائیوں سے ملیں اور یہ معلوم کریں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ [53]"

اس کے بعد ابن اسحاق حضرت عمرؓ کے اس شہرہ آفاق خطبہ کو درج کرتے ہیں جس کی تصدق کرنے کے لئے ہم نے اپنے مندرجہ بالا تمام ذرائع میں راویوں کے ایک سلسلہ کا جائزہ لیا ہے۔ اس خطبہ کے ان حصوں سے قطع نظر جو سقیفہ سے غیر متعلق ہیں' باقی کچھ اس طرح ہے:

"انتخاب ابو بکرؓ کے واقعات کے متعلق عبد اللہ ابن ابو بکرؓ نے مجھے بتایا' اس نے ابن شہاب الزہری سے سنا تھا جس نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے سنا تھا اور اس نے عبد اللہؓ ابن عباس کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں عبد الرحمانؓ بن عوف کا اس کی قیام گاہ واقع منیٰ میں انتظار کر رہا تھا جو حضرت عمرؓ کے ساتھ اس آخری حج میں گیا ہوا تھا جو حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔ جب وہ (یعنی عبد الرحمانؓ بن عوف) واپس آیا تو اس نے مجھے (عبد اللہؓ ابن عباس) وہاں منتظر پایا کیونکہ میں اسے قرآن پڑھنا سکھا رہا تھا۔ عبد الرحمانؓ نے مجھ سے کہا "میری خواہش تھی کہ تم اس شخص کو دیکھ لیتے جو امیر المومنین (عمرؓ) کے پاس آیا اور کہا اے میرے المومنین کیا آپ ایسے فرد کو اچھا سمجھیں گے جس نے کہا "بخدا اگر عمرؓ مر گیا تو میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فلاں فلاں کی بیعت کر لیتا؟" بیعت ابو بکرؓ تو اس طرح ایک بے سوچا سمجھا معاملہ تھا جس کی بس یونہی تائید و توثیق ہو گئی۔"

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس تقریر میں، جس کا مورخین کی اکثریت نے تذکرہ کیا ہے، نہ تو اس شخص کا نام مذکور ہے جس نے حضرت عمرؓ سے بات کی تھی اور نہ ہی اس شخص کا نام ہے جس کی حضرت عمرؓ سے بات کرنے والا شخص بیعت کرنا چاہتا تھا۔ البتہ تاریخ بلاذری جلد اول صفحہ ۵۸۲، ۵۸۱ روایت نمبر ۱۱۷۶ میں وہ خود ناقل ہے کہ عمرؓ یوں کہہ رہے تھے کہ ان سے جو آدمی بات کر رہا تھا وہ زبیر بن العوامؓ تھا اور جس کی بطور خلیفہ کے وہ بیعت کرنا چاہ رہا تھا وہ حضرت علیؑ تھے اور یہی بلاذری اپنی روایت ۱۱۸۱ میں صرف ایک نام دیتے ہیں: "عمرؓ نے ایک تقریر کی جس میں انہوں نے کہا کہ فلاں فلاں کہتا تھا کہ اگر عمرؓ مرجائے تو ہم حضرت علیؑ کی بیعت کر لیں گے۔" بلازری کی روایت کی تصدیق بعد کے مورخین سے ہو سکتی ہے جیسے ابن ابی الحدید، حضرت علیؑ کا نام الجاحظ کی سند پر بتاتے ہیں۔[54] یہ بات ملحوظ خاطر رکھنا ہر حال میں اہم ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا نام تھا جو حضرت عمرؓ کے لئے اتنی اہم اور شعلہ بیان تقریر کا باعث بنا۔

"جب عمرؓ نے یہ سنا تو وہ غصہ میں آ کر کہنے لگے: انشاء اللہ میں آج رات لوگوں میں آؤں گا اور ان کو خبردار کروں گا کہ کون افراد ان سے اقتدار چھیننا چاہتے ہیں۔ میں (عبد الرحمانؓ بن عوف) نے کہا: اے امیر المومنین! آپ ایسا نہ کیجئے۔ تہوار تو امیر غریب سب کو جمع ہونے کا موقع دیتے ہیں اور یہ عوام الناس آپ کے چاروں طرف کثرت میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوں گے جب بھی آپ ان میں بولنے کے لئے کھڑے ہوں گے مجھے ڈر ہے کہ آپ ان میں جائیں اور ان سے ایسی بات نہ کہہ دیں جو وہ ہر جگہ کہتے پھریں اور جس کو وہ نہ سمجھتے ہوں اور نہ جس کا وہ کوئی صحیح مطلب نکال سکیں۔ پس جب تک آپ مدینہ نہ پہنچ جائیں انتظار کریں۔ کیونکہ مدینہ سنت نبوی کا مرکز ہے اور یہاں آپ دوسرے فقہا' امراء اور ماہرین سے مشورہ کرسکتے ہیں۔ آپ ان سے جو بھی کہنا چاہتے ہیں کہہ سکتے ہیں اور وہ اس کی صحیح تعبیر کریں گے' حضرت عمرؓ نے جواب دیا: بخدا۔ انشاء اللہ مدینہ پہنچتے ہی میں ایسا کروں گا۔

ذوالحجہ کے اختتام پر ہم مدینہ پہنچ گئے اور بروز جمعہ میں (ابن عباسؓ) فوراً سورج غرب ہوتے ہی (مسجد) میں آگیا۔ حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ موذن کے اذان ختم کرتے ہی حضرت عمرؓ نے خدائے تعالیٰ کی مناسب حمد و ثنا کی اور کہا:

'آج میں تم کو وہ بات بتانے والا ہوں جسے خدا نے چاہا ہے کہ میں تم سے کہوں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میری تم سے آخری بات ہو۔ جو اس بات کو سمجھ لیتا ہے اور اس کی طرف توجہ دیتا ہے تو جہاں وہ چاہے جا کر یہ بات سنا دے اور جو اس بات سے ڈرتا ہے کہ اسے نہیں سمجھ پائے گا وہ کم از کم اس بات سے انکار نہ کرے کہ میں نے یہ بات بتائی تھی۔'

'میں نے کسی کو (زبیرؓ بن العوام جیسا کہ بلاذری نے لکھا

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے) یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر عمرؓ مرجاتا تو میں فلاں فلاں کی بیعت کر لیتا (حضرت علیؑ) کوئی بھی فرد یہ کہہ کر خود کو فریب میں مبتلا نہ کرے کہ حضرت ابو بکرؓ کا قبول کیا جانا کوئی جلد بازی میں کی گئی غلطی تھی جسے درست مان لیا گیا تھا۔ یقیناً یہ اسی طرح تھا لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے لوگ اس قدر گرویدہ ہوں جیسے ابو بکرؓ کے تھے۔ جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر کسی کو اپنا حاکم تسلیم کرے گا تو ایسی قبولیت ان دونوں کے لئے کوئی قانونی جواز نہیں رکھتی اور ایسے دونوں افراد موت کے سزا وار ہیں (بطور سزا) "ہوا یہ تھا کہ جب خدا نے ہم میں سے اپنے رسولؐ کو اٹھا لیا تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنے زعما کے ساتھ جمع ہو گئے اور علیؑ و زبیرؓ اور ان کے ساتھی (جو ان کے حمایتی تھے) ہم سے الگ ہو گئے جب کہ مہاجرین ابو بکرؓ کے گرد جمع ہو گئے"۔

حضرت عمرؓ کے اپنے بیان کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کے امیدوار ہونے کی بڑی سخت مخالفت کی گئی نہ صرف انصار کی طرف سے بلکہ حضرت علیؑ اور ان کے طرف داروں کی طرف سے بھی۔ چنانچہ جونہی رسول پاکؐ کے انتقال کی خبر پھیلی تو انصاران مدینہ بلاشبہ مکی غلبہ سے خوف زدہ ہو کر اور غالباً مکیوں کے عزائم سے باخبر ہوتے ہوئے بہ عجلت سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار میں سے اپنا قائد منتخب کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔ جونہی حضرت عمرؓ بن الخطاب نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد عربیؐ رحلت کر گئے ہیں وہ فوراً کھڑے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوئے اور بڑے غصہ میں کہنے لگے کہ اللہ کا رسول کبھی نہیں مر سکتا۔ بڑے زور و شور کے ساتھ اعلان کرتے ہوئے کہ وہ تو کچھ دیر کے لئے غائب ہوئے ہیں، حضرت عمرؓ نے دھمکی دی کہ وہ اس شخص کا سر اڑا دیں گے جو یہ کہے گا کہ محمد عربیؐ مر چکے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ جو اس وقت اپنے گھر واقع "سنح" میں تھے، جو مدینہ کے مضافات میں تھا، فوراً سقیفہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کی تکرار سن کر وہ سیدھے محمد عربیؐ کے گھر وارد ہوئے۔ یہ معلوم کر کے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ وصال فرما چکے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ واپس ہوئے اور حضرت عمرؓ کے گرد جمع شدہ لوگوں کے سامنے اس خبر کی تصدیق کی۔

اس جگہ واقعہ کے تین مختلف پہلو یا تعبیریں سامنے آتی ہیں۔ پہلی روایت یہ بتاتی ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے تو ایک مخبر نے آن کر ان کو اور حضرت عمرؓ کو انصار کے سقیفہ میں اجتماع کی اطلاع دی۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں مع اپنے گرد جمع شدہ افراد کے، سقیفہ کی طرف تیزی سے چل پڑے۔ یہ روایت اس سادی سی دلیل سے رد کی جا سکتی ہے کہ ابو عبیدہؓ بن جراح اس میں کہیں نظر نہیں آتے برخلاف ان دوسری تمام روایات کے جہاں وہ اس ڈرامے میں تین اہم ترین افراد میں سے ایک بتائے جاتے ہیں۔ دوسری روایت یہ بتاتی ہے کہ لوگوں سے رسول پاکؐ کی رحلت کی تصدیق کر لینے کے بعد حضرت ابو بکر و حضرت عمر دونوں رسول پاکؐ کے گھر گئے اور ان کے اعزاء کے ساتھ شریک ہو گئے جو اس وقت تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مصروف تھے۔ دو مخبر اس وقت آئے اور ان کو سقیفہ کے متعلق مطلع کیا، جس پر تینوں افراد یعنی، حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و ابو عبیدہؓ سقیفہ کی طرف بھاگے۔ واقعہ کا یہ رخ بھی درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔ یہ بیان اس مفروضہ کو قائم کرتا ہے کہ یہ تینوں اہم صحابی اس سنگین کشیدگی، بلکہ تنازعہ سے جو پچھلے کئی سالوں سے مہاجرین و انصار میں چلا آ رہا تھا، بالکل بے خبر تھے اور موجودہ حالات کی سنگینی سے بھی بے خبر تھے۔

۲۔ یہ روایت حضرت عمرؓ کے اس بیان کی تردید کرتی ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں نے خود کو دوسروں سے الگ کر لیا تھا اور اپنے گھر کا دروازہ مقفل کر لیا تھا۔

۳۔ اس روایت کا ذکر صرف بلاذری نے کیا ہے (جلد اول صفحہ ۵۸۱) اور وہ بھی بالکل کمزور اسناد کے ساتھ۔ تیسری روایت وہ ہے جو ابن سعد کے علاوہ باقی تمام ذرائع نے مسلسل بیان کی ہے کہ لوگوں کو حضرت محمد مصطفیٰؐ کی رحلت کے متعلق بتانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ مع عمرؓ و ابوعبیدہؓ بہ گمان غالب ابوعبیدہؓ کے گھر گئے وہاں انہوں نے قیادت کے اس سنگین بحران پر جو رسول پاکؐ کی رحلت سے پیدا ہو گیا تھا، غور و خوض کے لئے مشاورت کی اور یقیناً انصار کی اس آزردگی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایسا کیا جو انصار کے ذہن میں ایک عرصہ سے چلی آ رہی تھی۔[56]

مہاجرین کی یہ محفل مشاورت دراصل اسی جگہ منقطع ہو گئی جب ایک مخبر دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے انصار کی کارروائیوں کے متعلق ان کو باخبر کیا۔ یہ سنتے ہی حضرات عمرؓ، ابوبکرؓ اور ابو عبیدہؓ تینوں سقیفہ کی طرف دوڑے تا کہ کسی غیر متوقع صورت حال کو روک سکیں۔ حضرت عمرؓ کی تقریر کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہوئے ہم کو معلوم ہوتا ہے:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"میں نے ابو بکرؓ سے کہا کہ ہم کو اپنے انصاری بھائیوں کے پاس چلنا چاہیئے۔ پس ہم ان سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے ہی تھے کہ ہمیں دو بھلے مانس عویم بن ساعدہ[57] اور معن بن عدی[58] ملے اور انہوں نے لوگوں کے فیصلہ سے ہمیں مطلع کیا۔ انہوں نے ہم سے پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ جب ہم نے بتایا تو انہوں نے کہا کہ اب ان کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ کہ ہمیں اپنا فیصلہ خود کرنا چاہیئے۔ میں نے جواب دیا کہ بخدا ہم وہاں ضرور جائیں گے۔ اور (جب ہم وہاں پہنچے) ہم نے انصار کو بنی ساعدہ کی چوپال میں پایا۔ ان کے درمیان ایک لپٹا ہوا آدمی بیٹھا تھا۔ میری دریافت کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ فرد سعدؓ بن عبادہ ہے اور اس کی طبعیت ناساز ہے۔ جب ہم سب وہاں بیٹھ گے تو ایک مقرر اٹھا' اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور خداوند تعالیٰ کی مناسب حمد و ثنا کی اس کے بعد کہا "ہم خدا کے مددگار ہیں اور اسلام کا لشکر ہیں۔ اے گروہ مہاجرین! تم ہمارے ہی بھائی ہو اور تم سے ایک جماعت (ہمارے ہاں) آباد ہونے کے لئے آئی ہے۔ میں (اس مقام پر حضرت عمرؓ نے مداخلت کی) نے کہا "بات سنو! وہ لوگ چاہ رہے تھے کہ ہمیں ہمارے مرکز سے قطع کر دیں اور ہم سے اقتدار چھین لیں۔ جب انصار کے مقرر نے بات ختم کی تو میں نے بات کرنا چاہی کیوں کہ میں نے اپنے ذہن میں ایک تقریر تیار کر لی تھی جس کو میں بہت عمدہ سمجھ رہا تھا میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسے حضرت ابوبکرؓ کو بتانا چاہ رہا تھا تاکہ انصار کے مقرر کی بد زبانی ناشائستگی کا جواب دیا جا سکے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا: نرمی سے کام لو میں نے ان کے مقرر کو ناراض کرنا نہ چاہا اور وہ بولتا رہا۔ وہ مجھ سے علم و فضل اور عزت و قار میں بزرگ تر انسان تھا اور جو کچھ بھی میں نے اپنے دل میں سوچ رکھا تھا اس میں سے اس نے کسی چیز کی کسر نہ چھوڑی۔ اس نے ایسے بے مثال انداز میں خطاب کیا کہ میں بھی ایسا نہ کر سکتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی، "وہ تمام صفات جو تم نے اپنے متعلق بیان کی ہیں تم لوگ اس کے مستحق ہو۔ لیکن عرب کبھی بھی قریش کے علاوہ کسی کا اقتدار تسلیم نہیں کریں گے۔ یہ حسب و نسب میں، خون و اصل میں اور ملک و ملت میں (مرکز کے رہنے والے) سب عربوں سے اعلیٰ و اشرف ہیں۔"

بلاذری کی جلد اول صفحہ ۵۸۲ میں ایک بات کا اور اضافہ حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کو مکمل کر دیتا ہے اور اس بات پر مزید روشنی ڈالتا ہے کہ انصار کے مقابلے میں انہوں نے کیا استدلال قائم کیا:۔

"ہم اسلام میں داخل ہونے والا پہلا گروہ ہیں اور مسلمانوں میں ہم مرکز کے رہنے والے ہیں۔ ہمارا حسب و نسب شریف ترین ہے اور ہم رشتہ میں بھی پیغمبر اسلامؐ کے قریب تر ہیں۔ آپ لوگ (انصار) ہمارے دینی بھائی ہیں اور مذہب میں ہمارے شریک ہیں۔ آپ نے ہماری مدد و نصرت کی، ہم کو پناہ دی اور ہماری حمایت کی۔ خداوند

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ پس ہم حاکم (امراء) ہیں اور آپ ہمارے نائب (وزرا) ہیں۔ عرب ماسوائے خانوادہ قریش کے کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔ یقیناً آپ میں سے ایک جماعت (جو موجود ہے) اس حقیقت کو جانتی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا قائدین قریش میں سے ہیں (الامامتہ من القریش) لہذا اپنے مہاجر بھائیوں سے آپ اس بات میں مقابلہ نہ کریں جو خدا نے ان کو عطا فرمائی ہے۔"

اس کے بعد پھر ہم حضرت عمرؓ کی تقریر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

"(ابو بکرؓ نے کہا) پس میں دو آدمیوں میں سے ایک کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں ان میں سے جسے چاہو قبول کر لو۔ یہ بات کرتے ہوئے انہوں نے میرا ہاتھ اور ابو عبیدہؓ بن جراح کا ہاتھ تھاما جو ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کبھی ان کی کسی بات سے اس قدر ناخوش نہ ہوا تھا۔ جتنا کہ اس بات سے۔ بلکہ بخدا میں آگے بڑھتا اور اپنے سر کو اڑوا دیتا' اگر ایسا کرنا گناہ نہ ہوتا' بمقابلہ ایسے افراد پر حکومت کرنے کے جن میں ابو بکرؓ ایک محکوم ہوتا۔"

یعقوبی کے مندرجات (جلد دوم صفحہ ۱۲۳) کے مطابق (حضرت ابو بکرؓ نے کہا) "قریش تمہارے مقابلہ میں رسول اللہ کے زیادہ قرابت دار ہیں۔ سو یہ ہیں عمر بن الخطابؓ جن کے متعلق رسول اللہ نے دعا فرمائی تھی کہ بار الہا اس کے ایمان کو مستحکم فرما اور دوسرے فرد ابو عبیدہؓ بن جراح ہیں جن کو نبی پاک نے اس امت کا امین قرار دیا تھا۔ ان میں سے جسے تم چاہو قبول کر لو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اس کی بیعت کر لو۔ لیکن ان دونوں نے انکار کر دیا اور کہا "ہم تم پر سبقت نہیں لے سکتے۔ تم نبی پاکؐ کے صحابی ہو اور دو میں سے واحد ایک ہو (غار میں ہجرت کے وقت)۔" بلاذری کے مندرجات میں سے ایک (جلد اول صفحہ ۵۸۲) اس طرح ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا نام تجویز کیا تو عمرؓ پکار اٹھے: "اور جب تک تم زندہ ہو کون تم کو تمہارے مقام سے، جہاں نبی پاکؐ نے تم کو بٹھایا ہے ہٹا سکتا ہے؟" یعقوبی (جلد دوم صفحہ ۱۲۳) ابو عبیدہؓ کو یہ کہتا ہوا بیان کرتے ہیں "اے گروہ انصار! تم سب سے پہلے مدد گار (اسلام) ہو پس پہلے اختلاف کرنے والے اور پہلے تبدیلی پیدا کرنے والے نہ بنو۔" یعقوبی کا بیان اس طرح جاری رہا اس پر عبد الرحمانؓ ابن عوف کھڑے ہوئے اور کہا: تمہارے اپنے اوصاف و فضائل ہیں مگر (تم میں کوئی) ابو بکرؓ، عمرؓ یا علیؑ جیسا نہیں ہے، اس پر انصار میں سے ایک فرد المنذر بن ارقمؓ نے جھلا کر جواب دیا۔ ہم ان فضائل کے منکر نہیں جن کا تم نے تذکرہ کیا ہے۔ یقیناً تم میں ایک ایسا فرد ہے کہ اگر وہ اس اقتدار کا طالب ہو تو اس سے کوئی اختلاف نہ کریں گے اور وہ علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ بن جراحؓ کی ایک دوسرے کے لئے تجاویز اور جوابی تجاویز کے اس موڑ پر انصار میں سے الجبابؓ بن منذرؓ نے ایک مصالحتی تجویز پیش کی۔ پس حضرت عمر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"انصاریوں میں سے ایک نے کہا ہے کہ میں ایک ایسا ستون ہوں جس سے رگڑ کر جانور اپنی خارش مٹاتے ہیں اور میں گویا ایک پھلا پھولا بار آور کھجور کا درخت ہوں (ایک ایسا انسان جو لوگوں کی بیماریوں کا علاج کرتا ہے اور

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنے قیمتی تجربہ کی بنیاد پر لوگوں میں صاحب احترام ہے)۔
اے قریش آؤ ایک حاکم ہم اپنے میں سے چن لیں اور ایک حاکم تم اپنے میں سے چن لو۔" اس مقام پر تکرار اور بحث اور تیز و ترش ہو گئی اور آوازیں بلند ہونے لگیں، حتی کہ جب مکمل طور پر فساد کا خطرہ محسوس ہونے لگا تو میں نے کہا! اے ابو بکرؓ اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور میں نے ان سے بیعت کر لی۔ اس کا باقی مہاجرین نے اتباع کیا اور اس کے بعد انصار نے بھی (ایسا ہو ہی رہا تھا کہ) ہم نے سعدؓ بن عبادہ کو پاؤں میں کچل ڈالا اور کوئی چلایا کہ ہم نے اسے مار ہی ڈالا ہے۔ تو میں نے کہا "خدا اسے مارے۔"

یہاں حضرت عمرؓ کا وہ تاریخی خطبہ ختم ہوتا ہے جو تقریباً ان تمام مورخین کو تسلیم ہے جنہوں نے واقعہ سقیفہ کو قلم بند کیا ہے۔ البتہ گفتگو کو آگے بڑھانے سے قبل حباب کی تجویز پر حضرت عمرؓ کے جواب کو سامنے رکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا جسے طبری نے (جلد اول صفحہ ۱۸۴۱) ایک علیحدہ روداد میں، جسے ابو مخنف نے بیان کیا ہے، لکھا ہے "عمر نے کہا کہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے دو تلواریں ایک نیام میں کیسے سما سکتی ہیں۔ بخدا عرب تمہاری حاکمیت کبھی تسلیم نہ کریں گے جب کہ پیغمبرؐ دوسروں میں سے (یعنی ہم میں سے۔) ہوں"۔

اور یہ بھی طبری ہی کا بیان ہے (جلد اول صفحہ ۱۸۱۸) جو اپنے نہایت مستند و معتبر اور کثیر الحوالہ راویوں میں ایک راوی ابو معشر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ابو بکرؓ کے لئے عمر بن الخطابؓ کی بیعت کے بعد بھی کئی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک انصار ایسے تھے جنہوں نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا اور چیخ اٹھے کہ ہم حضرت علیؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہ کریں گے۔ لیکن یہ اور اس قسم کی دوسری آوازیں شور و غل میں دب گئیں اور عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کے نمونہ عمل کی تقلید کرتے ہوئے حاضر مہاجرین نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرلی اور ان کا اتباع، کسی نہ کسی طور ہی سہی، باقی انصار نے بھی کیا جس کا ہم عنقریب جائزہ لیں گے۔

اس سے پیشتر کہ ہم اجماع سقیفہ کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیں اس سے بھی پیچیدہ ترکیفیت اور عجیب و غریب حالات کا مختصر جائزہ مفید ہو گا جنہوں نے انتخاب حضرت ابو بکرؓ کو ممکن بنایا۔ اول یہ کہ قریش میں، خاص طور پر مہاجرین میں جتھہ بندی کی چپقلشوں نے حضرت ابو بکرؓ کی قیادت کو تسلیم کرنا آسان بنا دیا حالانکہ یہ بنو تیم بن مرہ[61] جیسی ادنی سی شاخ کے رکن تھے۔ مکہ کے مقتدر خانوادوں میں اپنی غیر نمایاں حیثیت کی وجہ سے بنی تیم کبھی بھی اقتدار کی رسہ کشی میں یا ان سیاسی تنازعات میں شامل نہ ہو سکے تھے جنہوں نے قریش کے متحارب گروہوں کو دست و گریباں کر رکھا تھا۔ دوم یہ کہ مہاجرین خوف زدہ تھے کہ اگر وہ گروہی رقابتوں اور باہمی جھگڑوں میں ملوث رہے تو اہل مدینہ کے غلبہ کا پورا امکان پیدا ہو جائے گا لہٰذا حضرت ابو بکرؓ ان کے لئے ایک بہترین مصالحتی امیدوار کی جگہ لے سکتے تھے۔ سوئم جہاں تک انصار کا تعلق ہے بنی اوس و بنی خزرج میں گہری و دیرینہ دشمنی کی موجودگی بھی اہمیت سے خالی نہ تھی۔ سعدؓ بن عبادہ،[62] بنی خزرج کے سردار تھے۔ لہٰذا بنی اوس ایک قریشی کی قیادت کو تسلیم کرنا زیادہ قابل برداشت و مفید سمجھتے تھے بہ نسبت اپنے مخالف قبیلے کے سردار کو اپنے آپ پر حکومت کرنے کی اجازت دینے کے۔ چنانچہ یہ بات اس حقیقت سے بالکل واضح ہو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاتی ہے کہ انصار میں سے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنے والا سب سے پہلا فرد بنی اوس کے سرخیلوں میں سے ایک اسید بن حضیر تھا۔[۶۳] طبری (جلد اول صفحہ ۱۸۴۳) کے مطابق بنی اوس کے بعض افراد، جن میں اسید بن حضیر بھی شامل تھے، آپس میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ بخدا اگر بنی خزرج ایک دفعہ تم پر حاکم ہو گئے تو وہ تم پر اپنی برتری و بالا دستی ہمیشہ برقرار رکھیں گے اور تمہیں اس میں حصہ بٹانے کی کبھی اجازت نہ دیں گے، پس کھڑے ہو جاؤ اور ابو بکرؓ کی بیعت کر لو۔ چنانچہ وہ (بنی اوس) اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔ ہمیں ذہن میں رکھنا ہو گا کہ انصار میں یہی اسید بن حضیر واحد فرد ہیں جو مہاجرین کی محافل مشاورت میں شریک ہوتے رہے یہ یقیناً سعد بن عبادہ کے امیدوار ہونے سے باخبر تھے اور اس طرح ان کے اور بنی خزرج کے خلاف سرگرم عمل تھے۔

جہاں تک بنو خزرج کا تعلق ہے وہ سمجھ گئے کہ مہاجرین و بنو اوس کے متحدہ محاذ کے مقابلے میں، جو ان کے دیرینہ رقیب تھے، بلکہ شہر مدینہ کی سیاست میں ان کے رقیب تھے ان کی حیثیت کہیں کمزور ہے۔ ایام الحرب (زمانہ جنگ) کے ادب میں بنی اوس و بنی خزرج کے درمیان مستقل لڑائیوں اور خون ریزیوں کے تذکرے عام ملتے ہیں۔ لہٰذا بنی خزرج نے ایک ایسی مقتدر شخصیت کی مدد کرنے سے اور اس کی حمایت حاصل کرنے سے پیچھے رہنا عقل مندی نہ گردانا جس پر تقریباً اتفاق رائے ہو ہی چکا تھا۔ مزید برآں سعدؓ بن عبادہ سے ان کے کنبہ والے اور چچا زاد حسد کرتے تھے، جیسا کہ عرب قبائلی زندگی کا ایک عام رجحان تھا اور بعض مؤرخین کے خیال میں سب سے پہلا فرد جس نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی وہ سعد کا اپنا چچا زاد بھائی بشیر بن سعد[۶۴] تھا۔ لہٰذا یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جماعتی سیاست بازی، جبھہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بندی کی رقابتوں اور ذاتی حسد کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ بہت سے لوگوں سے اپنی حمایت و بیعت حاصل کرنے کامیاب ہو گئے۔ ان تمام عناصر میں اس مجموعی تاثر کو بھی شامل کر لینا چاہیئے جس کو حضرت ابو بکرؓ کے متعلق تاریخی ماخذ میں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ یقیناً ایک خاص وقار و عزت کے مالک تھے اور اپنی متانت و سنجیدگی، بزرگی و سن و سال، رسول خدا ﷺ کے ساتھ قریبی رفاقت، محمد عربیؐ کی حمایت، نبی پاکؐ کے مشن اور ابتدا ہی سے اسلام کے لئے گراں قدر خدمات کی وجہ سے لوگوں میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے پس ان کی شخصیت کا اثر جو رسول خدا ﷺ کی برسوں کی سرپرستی میں گہرا ہوتا چلا گیا تھا، واقعہ سقیفہ کے نتائج کا تجزیہ کرنے میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تفصیل جو تاریخی ماخذ میں محفوظ و موجود ہے، اس بات کی بڑی مضبوط نشان دہی کرتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے کافی عرصہ پہلے ہی آپس میں یگانگت قائم کر لی تھی جس میں ابو عبیدہؓ بن جراح کی بطور تیسرے ساتھی کے شمولیت بھی خارج از امکان نہیں ہے اور یہ تینوں مل کر نئے ابھرتے ہوئے طبقہ، شرفا میں بلاشک کافی وقعت و اہمیت کے مالک ہو گئے تھے اور پرانے مکی امراء کی گروہی سیاست میں بھی ان کو اہمیت حاصل تھی۔[۳۳] سب سے آخر میں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت نہ تو کسی آزادانہ الیکشن کے ذریعہ سے (چاہے آپ اس اصطلاح کو کوئی بھی معنی پہنا لیجئے) وجود میں آئی اور نہ ہی پورے معاشرہ کی آزادانہ رائے دہی کے ذریعہ سے۔ یہ مہاجرین کے ایک خاص طبقہ کا فیصلہ تھا جسے بڑی عجلت و سرعت کے ساتھ باقی دوسرے لوگوں پر مسلط کر دیا گیا اور اس کی کامیابی مدینہ میں موجود بڑے نازک و حساس گروہی تنازعات کی وجہ سے تھی۔ یہ حقیقت حضرت عمرؓ کے اپنے بیان سے، جس کا مندرجہ بالا سطور میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا ہے' واضح ہے کہ "یقیناً یہ ایک عجلت کا معاملہ تھا لیکن خدا نے اس کے شر سے محفوظ رکھا۔" حضرت ابو بکرؓ کے حق میں حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کی طرف سے دیئے گئے دلائل' (قریش میں حسب و نسب' سبقت فی الاسلام' رسول پاکؐ کے ساتھ طویل رفاقت' اغراض و مقاصد اسلام کے لئے خدمات اور آخر میں محمد عربیؐ کی نظر میں ان کی عزت و تکریم اور ان کے ساتھ قریبی تعلق) کی طاقت و تاثیر میں وہی نوعیت ہے جو ان دلائل کی ہے جو حضرت علیؑ کے حق خلافت کے سلسلے میں اٹھائے گئے ہیں اور یقیناً حضرت علیؑ کے دعوی خلافت کے حق کو حضرت ابو بکرؓ کے حق کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط بناتے ہیں' خلافت و نیابت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کا واحد' مخصوص دعویٰ رسول خداؐ کی علالت کے دوران ان کا امامت نماز کرنا ۔۔۔۔۔ بعد میں آنے والے ماہرین علم دین کی اپنی رنگ آمیز سوچ کو ظاہر کرتا ہے اور ان سے متعلقہ روایات اکثر و بیشتر مبہم و متضاد ہیں۔

واقعات سقیفہ پر دیئے گئے دلائل اور جوابی دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے منتخب کئے جانے کو اتفاقات زمانہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان یہ قضیہ دراصل ان قابل توجہ امور پر مرکوز تھا کہ اقتضائے حالات و لزوم وقت و مقام کیا ہیں اور مناسبت اصل و اصول کیا ہے۔ اول الذکر موقف بہت جلد ایک قومی و دور رس خلافتی مملکت پر منتج ہوا جب کہ موخر الذکر اصول' کہ کیا ہونا چاہیئے تھا' معاشرہ کے ایک گروہ کو' گو کہ وہ کم تعداد میں تھا' اسلامی نصب العین اور نظم ریاست کی اپنی تعبیر و توضیح کی طرف لے گیا۔

تاہم اجلاس سقیفہ کے بعد بھی حضرت ابو بکرؓ کی حاکمیت واقتدار کو مضبوط کرنے کا کام تکمیل سے کہیں دور تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ جو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خانوادہ رسولؐ میں سب سے اہم امیدوار تھے' جیسا کہ سنی و شیعہ ماخذ یکساں طور پر تصدیق کرتے ہیں' ان کے قریبی ساتھی اور افراد خاندان بنو ہاشم سقیفہ میں ہونے والے فیصلے (یا واقعہ) سے باخبر بھی نہ تھے۔ وہ تو اس کے متعلق اس وقت مطلع ہوئے جب حضرت ابو بکرؓ سقیفہ میں حصول بیعت کے بعد مع اپنے حمایتیوں کے مسجد نبویؐ میں آئے اور وہاں مجتمع ہجوم عام میں ایک طوفان اضطراب اٹھا گو کہ اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے وقت کا تعین مبہم ہے۔ [55] غالباً یہ اس وقت کی بات ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے حامیوں کی ایک کثیر تعداد'' انصار و مہاجرین دونوں میں سے' خانہ فاطمہؑ میں جمع ہوئی اور اس لہر پر غور و خوض کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ اس حقیقت کی حمایت میں بے شمار حوالوں کے علاوہ خود حضرت عمرؓ کی تقریر کا پہلا حصہ اس کی تائید و توثیق کرتا ہے جب انہوں نے فرمایا تھا: ''حضرت علیؑ اور زبیر مع اپنے ساتھیوں کے ہم سے ہٹ گئے'' حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ ''حضرت علیؑ کے استحقاق سے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کی نظر میں ان کے وقار و احترام سے پوری طرح باخبر تھے' لہٰذا ان کے حامیوں کی طرف سے کسی سنگین رد عمل کے امکان سے خوف زدہ ہو کر ان لوگوں کو مسجد نبویؐ میں آ کر حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنے کے لئے طلب کیا گیا لیکن انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے' اپنی قطعی اور نافذانہ طبیعت کے تحت' حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا کہ وقت ضائع کئے بغیر فوراً کوئی قدم اٹھایا جائے ورنہ پچھتانا پڑے گا' پس دونوں افراد مع ایک مسلح جماعت کے' خانہ علی ابن ابی طالبؑ کی سمت نکل کھڑے ہوئے' ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور دھمکی دی کہ اگر حضرت علیؑ اور ان کے حامی گھر سے باہر نہ نکلے اور منتخب خلیفہ کی بیعت نہ کی تو ان کے گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔ حضرت علیؑ باہر آئے' ان سے افہام و تفہیم کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کوشش کی، اپنے حق میں دعاوی و دلائل دیئے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے مطالبات ماننے سے انکار کیا۔ صورت حال بڑی تند و تیز ہو گئی، تلواریں اپنی نیاموں میں سے باہر نکل کر چمکنے لگیں اور حضرت عمرؓ اپنے مسلح جتھے کے ساتھ دروازہ عبور کر کے اندر جانے لگے کہ اچانک فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ بڑے برہم مزاج کی حالت میں ان کے سامنے نمودار ہوئیں اور ملامت بھرے انداز میں چلائیں:

> تم پیغمبر خداؐ کے جنازے کی تجہیز و تکفین چھوڑ گئے تم نے ہم سے مشورہ کئے بغیر اور ہمارے حقوق کا لحاظ کئے بغیر آپس میں فیصلہ کر لیا۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ ورنہ میں اپنے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ خدا سے دہائی دیتی ہوں۔

اس حقیقت نے صورت حال کو نہایت شدید کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھی حضرت علیؑ سے بیعت حاصل کئے بغیر واپس جانے پر مجبور ہو گئے[67] ۔ تاہم علی مرتضیٰؑ زیادہ دیر تک مزاحمت نہ کر سکے اور بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے انہیں جھکنا پڑا۔ ان روایات میں کافی اختلاف ہے اور اکثر متضاد بھی ہیں کہ کب حضرت علیؑ ابوبکرؓ سے متفق ہوئے۔ ایک آدھ کمزور بلکہ دور افتادہ روایت کے مطابق جو واضح طور پر اس ذہنیت کی عکاس ہیں جو ملاؤں کی ہوتی ہے، حضرت علیؑ نے اسی وقت بیعت کر لی تھی، البتہ اس شکایت کے ساتھ کہ ان کو مشورہ میں شریک نہیں کیا گیا۔ بعض کے نزدیک حضرت علیؑ نے اسی دن بیعت کر لی تھی مگر جبر و اکراہ کی حالت میں، مگر اس اعتماد یقین کے ساتھ کہ عہدہ خلافت کے لئے ان کے حقوق و دعاوی بہتر و برتر ہیں۔ لیکن ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو مصدقہ و مستند بھی ہیں بلکہ ان کے حق میں بہت زیادہ تاریخی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و قرائنی ثبوت موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد یعنی جب تک کہ فاطمہ کا انتقال نہ ہو گیا حضرت علی نے اپنے آپ کو ان لوگوں سے علیحدہ رکھا[68]۔

مہاجرین و انصار میں سے حضرت علی کے طرف دار، جو مصر تھے کہ حضرت علی کو خلیفہ منتخب ہونا چاہیئے تھا اور جنہوں نے حضرت ابو بکر کی خلافت تسلیم کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا تھا، اب بحالت مجبوری سر جھکا رہے تھے۔ یہ لوگ ایک ایک کر کے صورت حال سے مصالحت کرتے اور حضرت ابو بکر کی بیعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالتے چلے گئے۔ مختلف ماخذ میں ان کے نام اور تعداد میں اختلاف ہے لیکن ان میں سب سے نمایاں اور اکثر ماخذ میں جن کا تذکرہ عام طور پر ملتا ہے، وہ درج ذیل ہیں۔[69]

(1) حذیفہ بن الیمان :-[70]

رسول پاک کے ممتاز صحابی، بنی اوس کے ایک مدنی حلیف اور مشہور و معروف مجاہد، جنہوں نے جنگ احد میں فریضہ جہاد انجام دیا اور جنگ خندق میں پیغمبر اسلام کے مشیر خاص کے فرائض ادا کیۓ، حضرت ابو بکر کی بیعت کر لینے کے بعد بھی علی مرتضیٰ کے لیۓ ان کی ذاتی وابستگی و وفاداری میں فرق نہ آیا۔ انہوں نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے دونوں بیٹوں کو حضرت علی مرتضیٰ کی حمایت کرتے رہنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ جنگ صفین میں معاویہ کے خلاف حضرت علی کی حمایت میں داد شجاعت دیتے ہوئے میدان جنگ میں کام آئے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(2) خذیمہ بن ثابتؓ :-[71]

یہ بنی اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو رسول پاکؐ نے ذوالشہادتین کا لقب دیا تھا، یعنی وہ جن کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی حمایت میں جنگ جمل اور جنگ صفین میں داد شجاعت دی اور موخر الذکر جنگ میں معاویہ کی فوجوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

(3) ابوایوب انصاریؓ :-[72]

ان کے والد خالد بن کلیب بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی والدہ بنی خزرج سے تھیں۔ انصار میں اہم ترین صحابیوں میں شمار ہوتے تھے اور جنہوں نے رسول پاکؐ کے گھر کی تعمیر ہونے تک آنحضرتؐ کی میزبانی کے فرائض انجام دیے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کے موقف کی حمایت میں جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان تینوں میں حصہ لیا۔

(4) سہیل بن حنیفؓ :-[73]

ان کا تعلق بنی اوس سے تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کی قیادت میں جنگ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے۔ علی مرتضےٰؑ کے دوستوں میں سے تھے۔ مدینہ سے بصرہ آپؑ کے ساتھ آئے۔ جنگ صفین میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ علی مرتضےٰؑ نے انہیں ایران کا گورنر مقرر کیا۔

(5) عثمان بن حنیفؓ :-[74]

سہیلؓ کے بھائی جو علی مرتضےٰؑ کو بے حد عزیز تھے۔ ان کو آپؑ نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بصرہ کا عامل مقرر کیا۔

(6) ابرائح بن عاذب الانصاریؓ :-[75]

بنی خزرج سے مدینہ کے امرا میں سے تھے، طرف داران علیؑ کے انصاری گردہ کی نمائندگی کرتے تھے، حضرتؑ کی حمایت میں جنگ جمل و جنگ صفین و نہروان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

(7) ابی بن کعبؓ :-[76]

بنو خزرج کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا شمار اول درجہ کے فقہا میں ہوتا تھا اور انصار کے ایک سرکردہ حافظ و قاری تھے۔

(8) ابوذر بن جندب الغفاری رضؓ :-[77]

نبی کریمؐ پر ایمان لانے والے سابقین میں سے ایک زاہد و عابد و درویش شروع ہی سے علی مرتضٰےؑ کے بیباک حامی اور ابتدائی شیعیت کے چار ستونوں میں سے ایک ستون، جنہیں خلیفہ عثمانؓ نے مدینہ سے شہربدر کر کے ان کے آبائی گاؤں زبدہ میں جلاوطن کر دیا اور وہیں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

(9) عمار بن یاسرؓ :-[78]

جنوبی عرب سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش کی شاخ بنو مخزوم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور سابقین سے تھے، سابقون فی الاسلام میں سے ایک مومن اور ابتدائی شیعیت کے چار ستونوں میں سے ایک ستون تھے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(10) المقداد بن اسودؓ :-[79]

جنوبی عرب کے رہنے والے جن کا تعلق کندہ، یا بہرہ سے تھا، جن کی بنو مخزوم کے ایک فرد اسود بن عبد یا ثوث نے پرورش کی تھی۔ وہ ابتدائی سات مسلمانوں میں سے ایک اور ابتدائی شیعیت کے چار ستونوں میں سے ایک ستون تھے۔

(11) سلمان فارسیؓ :-[80]

ایرانی النسل، پیغمبر اسلامؐ کے پر جوش حامی و نمایاں صحابی، جن کا ہدیہ رسول پاکؐ نے ادا کر کے آزاد کرایا، اپنے مولیٰ کے طور پر اپنایا اور اپنے اہل بیتؑ کا ایک فرد قرار دیا۔ یہ ہمیشہ ہی سے علی مرتضےؑ کے زبردست حامی اور انتخاب ابو بکرؓ کے وقت حضرت علیؑ کی حمایت میں سب سے پیش پیش، جن کی حمایت علیؑ کو بلاذری نے بھی واضح طور پر نقل کیا ہے۔

(12) زبیر بن العوامؓ :-[81]

قریش سے نبی پاکؐ کے نمایاں صحابی، علی مرتضےؑ کے بہت سرگرم طرف دار اور اپنے پر جوش جذبہ میں بلاشبہ پر خلوص تھے۔ وہ درفاطمہؑ سے اس وقت شمشیر بکف باہر آئے جب حضرت عمرؓ خانہ فاطمہؑ میں موجود افراد کو بیعت ابو بکرؓ پر مجبور کرنے کے لئے وارد ہوئے تھے۔ تمام مؤرخین حضرت عمرؓ اور ان کے درمیان ایک زبردست جھڑپ کا تذکرہ کرتے ہیں، البتہ تقریباً ۲۵ سال بعد شوق حکومت نے ان کو خلافت کا دعوٰی دار بنا دیا جو ان کے اور حضرت علیؑ کے درمیان جنگ جمل کا موجب بنا۔

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(13) خالد بن سعیدؓ :۔ [82]

بنو امیہ میں سے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد تیسرے یا چوتھے مسلمان ہونے والے فرد تھے اور اپنے قبیلے میں واحد فرد تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کی حمایت میں خلافت ابو بکرؓ کی مخالفت کی تھی۔ جب رسول اکرمؐ نے انتقال کیا تو وہ صنعاء میں آپؐ کے نمائندے کے طور پر موجود تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کے چند دن بعد جب یہ مدینہ پہنچے تو حضرت علیؑ کے ساتھ اپنی حمایت کا یہ کہہ کر اعلان کیا "بخدا لوگوں میں کوئی بھی محمد عربیؐ کی جانشینی کے لئے آپؑ سے بہتر نہیں ہے۔" (اور آپؑ سے بیعت کرنی چاہی)۔ گو علی مرتضےؑ نے ان کی بیعت قبول کرنے میں تامل کیا لیکن خالد تین ماہ تک حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار پر قائم رہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر راضی ہونے سے قبل ان افراد کی مخالفت یا خفگی کی سنگینی کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ شیعہ ذرائع اس کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں [83] جب کہ سنی ذرائع حد امکان تک اس کو نظر انداز کرنے یا معمولی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ [84] لیکن تاریخی اعتبار سے یہ بات ناقابل تردید ہے کہ یہ وہ افراد تھے جو حمایت و نصرت علیؑ یا شیعان علیؑ کا مرکزی حصہ تشکیل کر رہے تھے۔ بہرحال وثوق سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب لوگ یکساں طور پر سرگرم و پرجوش طرف داران علیؑ تھے۔ ان میں سے کچھ کم پرجوش طرف دار تھے جو خلافت کے لئے حضرت علیؑ کو ان کی ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے لائق ترین فرد تسلیم کرتے تھے مگر بغیر کسی خاص ناراضی کے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر چکے تھے۔ تاہم مقدادؓ، عمارؓ، ابوذرؓ اور سلمان فارسیؓ کا رویہ دوسروں سے یقیناً مختلف تھا۔ تمام شیعہ مفکرین ان چاروں اصحاب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو شیعیت کے چار

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ستون (الارکان الاربعہ) قرار دیتے ہیں۔ جو علی مرتضےٰ کے سب سے پہلے شیعہ تھے۔ حضرت علیؑ کی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مفاہمت کے بعد ان طرف داروں کے لئے حضرت علیؑ کی حمایت کی ہر سرگرم وجہ تقریباً ختم ہو چکی تھی اور ابتدائی شیعیت کی ان برگزیدہ شخصیات کی طرف سے مخالفت بعد میں بے اثر ہوتی چلی گئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ نظریات جو ایک مرتبہ نقش ہو جاتے ہیں محو بھی ہو سکتے ہیں؟۔ اسلامی افکار کی تاریخ ارتقا کے بعد کے ادوار اس سوال کا مناسب جواب فراہم کرتے ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات باب نمبر 2

1۔ ابن ہشام جلد چہارم ص 306۔

2۔ عبد العزیز الزوری .. "الزھری۔ اسلام میں تاریخ نگاری کے آغاز کا مطالعہ" دیکھئے Bulletin of the School of oriental and African Studies جلد 19 (1957) ص 8۔

3۔ ابن ہشام جلد چہارم ص 307 تا 310۔

4۔ تہذیب جلد پنجم ص 164۔

5۔ وفایات جلد چہارم ص 177 فٹ نوٹ۔

تہذیب۔ جلد نہم ص 445۔

6۔ "Studies in Arabic literary Papyri" (شکاگو 1957۔1972)

جلد اول ص 5 تا 31 و جلد دوم ص 5 تا 64۔

7۔ تہذیب جلد اول ص 97۔

8۔ وفایات جلد سوئم ص 225 وبعد۔

9۔ وہی کتاب جلد چہارم ص 35 وبعد۔

10۔ تہذیب جلد ہفتم ص 23۔ آغانی جلد نہم ص 135 وبعد۔

11۔ ابن سعد جلد دوئم ص 379 و بعد۔

12۔ ابن سعد جلد دوم ص 382، و آغانی جلد نہم ص 137۔

13۔ ابن سعد جلد دوم ص 365 و بعد۔

14۔ ملاحظہ ہو W.Montgomery watt "عبد اللہ بن عباس"

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

E1[2] (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مضمون)

15۔ ابن سعد جلد سوئم ص 169 تا 213۔

16۔ وہی کتاب وہی جلد ص 169 تا 171۔

17۔ حوالہ محولہ بالا ص 171 تا 172۔

18۔ بقول ابن اسحاق جس وقت حضور بنی کریمؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی حضرت علی مرتضےؑ کی عمر دس سال تھی اور وہ سب سے پہلے فرد تھے جو حضور نبی کریمؐ اور جناب خدیجہؑ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے (بحوالہ ابن ہشام جلد اول ص 262۔ و بلازری جلد اول ص 112) البتہ وہ چند ابتدائی مئورخین جو حضرت ابوبکرؓ کا مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کا ذکر کرتے ہیں وہ ایسا حضرت علیؑ کی عمر کے کم ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں دیکھئے استیعاب جلد سوئم ص 1090 فٹ نوٹس۔ جو اس نظریہ کی تائید میں مختلف راویوں کے متعدد اقوال و احادیث پیش کرتی ہے کہ حضرت علی مرتضےؑ ہی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور حضور نبی کریمؐ کے ساتھ نماز گزار ہوئے جبکہ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے فرد تھے جنہوں نے لوگوں کے سامنے سب سے پہلے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

19۔ ابن سعد جلد سوئم ص 172 تا 178۔

20۔ یہی حوالہ ص 178 تا 181۔

21۔ یہی حوالہ ص 179۔

22۔ یہی حوالہ ص 181 تا 185۔

23۔ ابن سعد جلد پنجم ص 187۔ ابن حجر۔ تہذیب جلد ہشتم ص 333۔ وفیات جلد چہارم ص 59 فٹ نوٹس۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

24۔ بلاذری کی حیات اور تخلیقات کے لئے دیکھئے Goitein کا "انساب" کی جلد پنجم کا دیباچہ ص 9 تا 32۔

25۔ ان ابتدائی مصنفین کے لئے علی الترتیب ملاحظہ ہو ابن ندیم کی "فہرست" کے ص 91, 93, 95, 100 اور 277

26۔ الانساب الاشراف مرتبہ محمد حمید اللہ (قاصرہ 1960) جلد اول ص 579 تا 591۔

27۔ Goetein حوالہ محولہ بالا ص 18۔

28۔ ابن سعد جلد دوم ص 382، و آغانی جلد نہم ص 137۔

29۔ ذہبی: میزان جلد دوم ص 299۔

30۔ یہی کتاب جلد چہارم ص 154۔

31۔ یہی کتاب ص 436۔

32۔ تاریخ (بیروت 1960) جلد دوم ص 123 تا 126۔

33۔ Ali And Muawiya in Early Arabic Tradition (کوپن ہیگن 1964) ص 169 فٹ نوٹس۔

34۔ نجاشی: رجال ص 245

35۔ ابن ندیم: فہرست ص 101

36۔ شرح نہج البلاغہ مرتبہ محمد ابوالفضل ابراہیم۔ دوسرا ایڈیشن (بیروت 1965)

جلد دوئم ص 21 تا 60

37۔ یہی حوالہ ص 44 تا 60۔

38۔ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ۔ 24 جلدوں میں (نجف) مسلسل۔

39۔ ذہبی: میزان جلد دوم ص 367

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

40- حوالہ مندرجہ بالا ص 365۔

41- طبری جلد اول ص 1837 تا 1845

42- مروج الذہب تدوین داغر (بیروت 1965) جلد دوم ص 301۔
التنبیہ و الاشرف (بیروت 1965) ص 284۔
ان دونوں کتابوں میں وہ سقیفہ کا ذکر سرسری طور پر کرتا ہے اور قاری کو اس موضوع پر اپنی ایک مخصوص کتاب کی طرف متوجہ کرتا ہے جو کہ بد قسمتی سے ناپید ہے۔

43- الکامل فی التاریخ جلد دوم ص 221 وبعد، جس میں سقیفہ سے متعلق اس کا بیان تقریباً وہی ہے جو طبری کا ہے۔

44- العقد الفرید جلد چہارم ص 257 وبعد۔

45- تاریخ الخلفاء مرتبہ عبدالحمید (قاھرہ 1964) ص (61 تا 72)

46- الاحتجاج مرتبہ محمد باقر الخراسان (نجف 1966) جلد اول ص 89 تا 118)

47- بحار الانوار۔

48- A.Guillaume نے سیرہ کا ترجمہ کرتے ہوئے ابن ہشام کے تمام تبصرے اور نتائج فکر کو جمع کیا ہے اور کتاب کے آخر میں بعنوان "ابن ہشام کی تشریحات" علیحدہ مرتب کیا ہے۔ مختلف ضخامتوں کی 922 تشریحات ہیں ان میں سے چند ایک ص یا اس سے کچھ زیادہ کی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔
The life of Muhammad کی A. Guillaume (اکسفورڈ 1955) ص 690 تا 798۔

49- ابن اسحاق کے خلاف یہ ایک عام الزام تراشی ہے۔ تاہم اس سلسلہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں۔ Nabia Abbott کے تبصرے اس کی کتاب
studies In Arabic Literary Papyri (شکاگو
1957۔ 1972) میں ملاحظہ ہوں۔ تاریخ الخلفا کے ایک حصہ میں
جانبداری کا یہ نمایاں فقدان Nabia Abbott کو اس قسم کی
الزام تراشی کی صحت پر شک کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

50۔ ابن اسحاق کے بیانات کے ترجمہ کے لئے میں نے زیادہ تر Guillaume کے سیرہ کے ترجمہ سے استفادہ کیا ہے۔

51۔ ذھبی: میزان جلد اول ص 133

52۔ یہی حوالہ ص 33

53۔ ابن ھشام جلد چہارم ص 306

54۔ ابن ابی الحدید: شرح جلد دوم ص 25۔

55۔ بعد میں انہوں نے ابن عباس سے وضاحت کی کہ انہوں نے قرانی آیت (سورہ دوم آیت 143) کو غلط سمجھا جو کہ بیان کرتی ہے کہ "اسطرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ کہ رسول تم پر گواہ ہوں۔" ابن ھشام جلد چہارم ص 311 فٹ نوٹ

56۔ مثلاً طبری جلدی اول ص 1683

57۔ استیعاب جلد سوئم ص 1248

58۔ یہی حوالہ جلد چہارم ص 1441

59۔ یہی حوالہ ص 1449

60۔ یہی حوالہ جلد اول ص 316

61۔ ان چپقلشوں پر ملاحظہ ہو W. Montgomery watt کی کتاب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Muhammad at Mecca ص 4 تا 8 اور 14 تا 20 اور 141 تا Muhammad at madina 144 (اکسفورڈ 1956)
ص 151 تا 191

62- استیعاب جلد دوم ص 594

63- یہی حوالہ جلد اول ص 92 وبعد'
اس کے متعلق یعقوبی کا بیان (جلد دوم ص 124) بطور خزرجی راهنما کے کتابت یا کاتب کی غلطی ہو گی

64- استیعاب جلد اولٌ ص 172 وبعد'
ہمارے ذرائع معلومات اس بات پر واضح نہیں ہیں کہ سب سے پہلے کس نے بیعت کی البتہ یعقوبی جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے کہتا ہے کہ یہ بشیر بن سعد تھا جبکہ بلاذری کے بقول جلد اول ص 582 یہ اسید بن حضیر تھا۔

65-
ملاحظہ ہو Henry Lammens کی کتاب Melanges de la faculte orientale de "Le Triumvirat, Abo Bakr Omar et Abu Obaida" 113 تا 144 ص (1910) جلد چہارم

66- اس کے آگے ہمارے تمام ذرائع ترتیب واقعات کے اوقات کے متعلق بالکل مذبذب ہیں کیونکہ ہر روایت علیحدہ علیحدہ مدرج ہے۔ لہٰذا ہم پر اعتماد نہیں ہیں کہ آیا حضرت علی مرتضیٰؑ سے اور ان کے حامیوں سے بیعت کا مطالبہ سقیفہ سے مسجد نبوی واپس آنے کے فورا بعد ہوا یا حضور نبی کریمؐ کی اگلے دن تجہیز و تدفین کے بعد ہوا جبکہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت ابو بکرؓ کی عام بیعت ہو رہی تھی۔
ذرائع معلومات کا ایک محتاط جائزہ (بلاذری جلد اول ص 582) پر زور تائید کرتا ہے کہ جیسے ہی وہ لوگ سقیفہ سے واپس مسجد نبوی آئے تو یہ مطالبہ کیا گیا

67۔ اس روایت کی بہت سی تعبیریں موجود ہیں مثلاً بلاذری جلد اول ص 585 وبعد' یعقوبی جلد دوم ص 126۔ طبری جلد اول ص 1818۔ الحدید میں ابو بکر الجوھری۔ شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص 47۔ 50۔ 56'۔ عقد الفرید جلد چہارم ص 259' الامامہ والسیاسہ بعد' جلد اول ص 12۔ 13 (گو کہ ابن قتیبہ سے اس کی نسبت صحیح نہیں ہے لیکن یقیناً یہ ابتدائی ترین تصنیف ہے جو ذرائع راویت میں مالا مال ہے) اس واقعہ کی پوری تفصیل فراہم کرتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ کے گھر پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے چڑھائی کی اور حضرت علی مرتضیٰؑ سے بیعت طلب کرنے میں سختی کی۔ اس کے علاوہ L.v. vaglieri کا انسائیکلو پیڈیا آف اسلام محولہ بالا میں مضمون "فاطمہؑ" ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ چاہے یہ واقعات اختراعی تفصیل سے بڑھائے چڑھائے گئے ہیں مگر حقائق پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔

68۔ یعقوبی جلد دوم ص 126۔ بلاذری جلد اول ص 586۔ طبری جلد اول ص 1825۔ عقد جلد چہارم ص 260۔ حدید جلد دوم ص 22

69۔ تفصیل کے لئے اور اسما میں بعض اختلافات کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو یعقوبی جس کا اوپر حوالہ دیا گیا۔ بلاذری جلد اول ص 588۔ عقد جلد چہارم ص 259۔ حدید جلد دوم ص 50 وبعد'

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

70- ابن سعد جلد چہارم ص 15- استیعات جلد اول ص 334
71- ابن سعد جلد چہارم ص 378 فٹ نوٹس استیعاب جلد دوم ص 448
72- ابن سعد جلد سوئم ص 484' استیعاب جلد دوم ص 424 جلد چہارم ص 1606
73- ابن سعد جلد سوئم ص 471 بعد' استیعاب جلد دوم ص 662
74- استیعاب جلد سوئم ص 1033
75- ابن سعد جلد چہارم ص 364- استیعاب جلد اول ص 155'
76- ابن سعد جلد سوئم ص 498- استیعاب جلد اول ص 65'
77- ابن سعد جلد چہارم ص 219- استیعاب جلد چہارم ص 1652
78- ابن سعد جلد سوئم ص 246 استیعاب جلد سوئم ص 1135'
79- استیعاب جلد چہارم ص 1480 بعد'
80- ابن سعد جلد چہارم ص 75- استیعاب جلد دوم ص 634
81- استیعاب جلد دوم ص 510
82- ابن سعد جلد چہارم ص 97- استیعاب جلد دوم ص 420 وبعد'- اس کی علی مرتضےؑ کے لئے حمایت ملاحظہ ہو بلاذری جلد اول ص 588- یعقوبی ص 126- حدید جلد دوم ص 58-
83- مثلاً ملاحظہ ہو طبرسی: احتجاج جلد اول ص 118 تا 189
84- مثلاً ملاحظہ ہو ابن سعد جلد سوئم ص 181 تا 185

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب سوئم

علیؑ اور پہلے دو خلفاء

اب تک کی گفتگو ہمارے اس نقطہ نظر کی وضاحت کے لئے کافی سمجھی جائے گی۔ شیعہ جذبات و میلانات کی بنیادیں بنو ہاشم کے متعلق اس تقدس و تعظیم کے احساس میں پائی جاتی ہیں جس کو ایک دنیا تسلیم کرتی تھی اور حضرت علی مرتضےٰؑ کی اس منزلت و مقام سے وابستہ تھیں جو پیغمبر اسلامؐ کی نظر میں ان کے لئے پایا جاتا تھا۔ خود رسول پاکؐ اپنے خانوادے کے روایتی و مذہبی ورثہ اور اس کی ارفع و اعلیٰ حیثیت کو پوری طرح جانتے تھے۔ آخر میں ان واقعات و حالات کو بھی شیعہ جذبات کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے جو حضرت علی مرتضےٰؑ کے حق میں خود نبی پاکؐ کی حیات طیبہ کے دوران آشکار ہوتے رہے تھے۔ چونکہ ان معتقدات کا سب سے اول میلان کلی وقوعہ سقیفہ سے متعلق سوالات و معاملات پر مرکوز ہے، لہٰذا یہ سانحہ اسلام کے متعلق اس شیعہ انداز فکر کا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلا بے باک اظہار ہے اور نقطہ انحراف بھی، جو بالآخر مستحکم و مضبوط ہوتا چلا گیا۔ تاہم طرف داران علیؑ کی ابتدائی شکست کے بعد اور چھ ماہ بعد خود حضرت علی مرتضیٰؑ کے حضرت ابوبکرؓ کی انتظامیہ کو تسلیم کر لینے سے حالات کچھ ایسے مقام پر آچکے تھے کہ شیعہ رجحانات اپنا بے باک و سرگرم اظہار خودی کھو چکے تھے۔ لہٰذا وقوعہ سقیفہ اور انعقاد شوریٰ (انتخاب عثمانؓ) کے درمیان خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کا دور شیعہ مسلک فکر کی تاریخ ارتقا میں مقابلتاً" خاموشی و خوابیدگی کا دور ہے۔

اس کے باوجود ابتدائی ماخذ کی ایک دقیق تحلیل اور خاص طور پر شیعہ و سنی مسلک فکر کے ابتدائی اسناد کا ایک محتاط تقابل اس پورے دور میں دو نمایاں اور اہم مخفی جذبوں کا انکشاف کرتا ہے۔ اول صاحبان اقتدار کے لئے علی مرتضیٰؑ کا غیر مزاحم رویہ، دوم حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا بنو ہاشم کو، خاص طور پر حضرت علیؑ کو امت کی قیادت کے مخصوص استحقاق سے ہٹانے کی کوششیں کرنا اور اس مقصد کے تحت کہ وہ اس نئے نظام کو کیا شکل دینا چاہتے تھے اور اس کی کیا تشریح کر رہے تھے، یہ دونوں میلانات طبع، جو اس دور میں نمایاں ہیں، شیعہ نظریات کے ارتقا کا جزو لاینفک ہیں۔ لہٰذا اس پر غور کرنا ضروری ہے۔

حضرت علی مرتضیٰؑ کے اس ساکت طرز عمل کو بڑی آسانی سے اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے کہ جب ہم رسول پاکؐ کی حیات طیبہ کے دوران ان کے سرگرم و مستعد کردار کا نبی پاکؐ کے وصال کے فوراً بعد ان کی غیر فعال و کنارہ کش زندگی سے موازنہ کرتے ہیں تو وہ زبردست سرگرم و پرجوش فرد، جس نے مقاصد اسلام کی ہر جستجو و مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور وہ جنگ جو مجاہد جو سرکار ختمی مرتبتؐ کی سرکردگی میں ہر جنگ میں ہراول لڑا[1]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس علیؑ نے اچانک ایک خاموش زندگی کی طرف رجوع کر لیا' ایسی زندگی جو تقریباً اس کے گھر کی چار دیواری تک محدود رہ گئی۔ یہ نمایاں فرق بغیر سنگین وجوہات کے نہیں ہو سکتا۔ [2] حضرت علیؑ کے اس غیر متزلزل یقین کو سامنے رکھتے ہوئے کہ محمد عربیؐ کی جانشینی کے لئے ان کا سب سے بہتر و برتر استحقاق ہے' کوئی بھی ان سے یہ توقع کر سکتا تھا کہ وہ اپنے حقوق کے لئے آخر دم تک جدوجہد جاری رکھیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ طرز عمل اختیار نہ کیا اگرچہ اس مقصد کے لئے مواقع ان کے سامنے آتے رہے۔ انہوں نے اپنے حقوق کے حصول کے لئے ابو سفیان کی زبردست عسکری پیش کش تک کو مسترد کر دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس قسم کا عمل نوخیز اسلام کی بربادی کا باعث ہو گا۔ بلکہ اس دوران قریباً چھ ماہ تک انہوں نے نہ تو حضرت ابو بکرؓ کو تسلیم کیا اور نہ ان کی بیعت کرنا قبول کی۔ [3] حضرت سیدہ فاطمہؑ کی دل شکن رحلت کے علاوہ جو حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ بننے کے چھ ماہ بعد واقعہ ہوئی' جس چیز نے حضرت علیؑ کو موجودہ نظام سے مصالحت کرنے پر مجبور کیا وہ جزیرہ نمائے عرب میں قبائل کی شدید بغاوت و الحاد کا پھوٹ پڑنا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور عرب قبائل میں بغاوت' دونوں کے بیک وقت وقوع نے مدینہ والوں کو اپنے کسی بھی ذاتی و نظریاتی اختلاف کو بھلا دینے اور مشترک دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جانے پر مجبور کیا۔ نظام اسلام کے وجود کے لئے اس قسم کے سنگین خارجی خطرات حضرت ابو بکرؓ کے لئے بہت سود مند ثابت ہوئے جس سے ان کی حکومت کو داخلی مخالفت کم کرنے میں مدد ملی۔ سیرت علی مرتضیٰؑ' جیسا کہ متفقہ طور پر سنی شیعہ دونوں مورخین نے لکھا ہے' یعنی مقاصد اسلام کے لئے ان کی محبت و عقیدت' وابستگی و خلوص اور غیر منقسم وفاداری کسی بھی ذاتی مفادات سے ماورا ثابت ہوئی۔ ۱۳ سال کی عمر سے ہی وہ مقصد سرکار رسالت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پناہؑ سے اپنی خدمات کو وابستہ کر چکے تھے۔ عرب قبائل کی اسلام کے خلاف اتنی وسیع و خطرناک بغاوت دیکھ کر حضرت علیؑ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہ تھی کہ وہ موجودہ نظام کے ساتھ مصالحت کر لیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن انہوں نے الحاد کے خلاف کسی بھی جنگ میں سرگرم حصہ نہ لیا اور اس طرح اپنا کنارہ کش رویہ برقرار رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی مدینہ کے باہر کسی جنگ میں شرکت کے لئے ان سے نہ کہا۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں سے اس کنارہ کش و سرد مہر رویہ کے باوجود کبھی کبھی حضرت علیؑ خلفا کی مدد کرتے رہے۔ حکمران خلفا کے ساتھ روا رکھا جانے والا یہ تعاون ایسی ہی نوعیت کا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ کسی بھی معقولیت پسند قائد حزب اختلاف سے متوقع ہو سکتا ہے۔ انہوں نے ان حالات کو سامنے رکھا کہ امت مسلمہ کا استحکام، تحفظ اور وحدت و یگانگت کو صرف اسی صورت میں برقرار رکھا جا سکتا ہے کہ اگر مختلف متضاد و متحارب گروہ، جن پر یہ معاشرہ مشتمل تھا، آپس میں تعاون کرنے اور باہمی ساز گار تعلقات بحال رکھنے پر راضی ہوں۔ پھر بھی انہوں نے، جیسا کہ ان سے توقع کی جا سکتی تھی، اس ہیئت تعلقات میں رہتے ہوئے حکومت کی ان اغلاط کی تصحیح کی برابر کوشش جاری رکھی اور اس حکمت عملی کو ہدف تنقید بنایا جس کو وہ اپنے نقطہ نظر سے مختلف محسوس کرتے تھے۔

حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان سیاسی و مذہبی اختلافات کی تہہ تک پہنچنا خاصا مشکل ہے کیونکہ سنی و شیعہ دونوں کے ابتدائی ماخذ کا مواد انتہائی مفاد پرستانہ ہے۔ سنی ذرائع تاریخ جیسا کہ ابن سعد اور ان کے بعد آنے والوں کی تصانیف جو اس دور م لکھی گئیں تھیں، جب پہلے چار خلفا کو راشدین تسلیم کرنا جماعۃ میں مضبوط و مستحکم عنوان بن چکا تھا (انگریزی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اصطلاح، پختگی اعتقاد جو عام طور پر مسلمانوں کے مرکزی حصّہ یا جماعت کے لئے مستعمل ہے، کسی بھی اسلامی پس منظر میں نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ لہٰذا ہم اس اصطلاح کی جگہ عربی اصطلاح جماعۃ استعمال کریں گے۔) پس ہر ممکن کوشش کی گئی کہ کم از کم علیؑ و ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان جتنا ممکن ہو سکے اتفاق رائے کو ثابت کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ سیاسی و مذہبی معاملات کو خارج رکھنے کا رجحان روا رکھا گیا گو پھر بھی کوششیں کی گئیں کہ ان کی خلافت کی افراط و تفریط (ناجائز و ناجواز اقدامات) کو ان کے بدنام دست راست مروان کے سر پر ڈال دیا جائے۔ اس کے برعکس شیعہ ذرائع خلفا سے حضرت علیؑ کے اختلافات کو بہت شدید اور مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں، نہ صرف حضرت عثمانؓ کے ساتھ بلکہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ اختلافات مذہبی ہوں یا سیاسی تقریباً ہر موضوع فکر پر بتائے جاتے ہیں۔ الغرض سنی ذرائع کے مطابق حضرت علیؑ ان خلفا کے قابل ترین مشیر تھے۔ جو ان سے پہلے خلیفہ بن چکے تھے شیعہ ذرائع کے مطابق حضرت علیؑ ایک ایسے انسان تھے جو اپنے دین کے لئے ایک عالی ظرفانہ محبت رکھتے تھے اور جذبہ ایثار سے سرشار تھے۔ ذاتی رنجشوں سے بے پرواہ ہو کر انہوں نے خلفا کو ان اغلاط سے اکثر بچایا جن کا ان سے سرزد ہونا ایک معمول تھا اور جو اسلام کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھیں۔ حضرت عمر کے اس قول کو اکثر راویوں نے لکھا ہے "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔" یہ بات قابل توجہ ہے کہ بعض ابتدائی اہم سنی مورخین نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے۔[۵] حضرت علیؑ اور ان کے دو پہلے کامیاب مخالفین کے درمیان اختلافات کے بعض سنگین مسائل سے قطع نظر، جن کے لئے متفقہ تاریخی شواہد موجود ہیں اور جن کو ہم عنقریب منظر عام پر لائیں گے، اس تاریخی مواد کی تفصیل کی کماحقہ نتیجہ برآری غالباً ہماری رسائی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے باہر ہے۔ تاہم حقیقت کچھ اس طرح ہی ہے جیسے کہ Veccia Vaglieri کہتا ہے کہ "علیؑ خلفا کی مجلس مشاورت کے رکن تو تھے لیکن گو کہ ان کے علم قرآن و سنہ کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے ان سے قانونی معاملات پر اکثر رائے طلب کی جاتی تھی، مگر یہ بات انتہائی مشکوک ہے کہ حضرت عمرؓ ان کے مشورہ پر عمل بھی کرتے تھے یا نہیں کیونکہ خلافت ابوبکرؓ کے دوران بھی حضرت عمرؓ حاکمانہ طاقت کے مالک تھے۔"[۹۴] مزید براں یہ کہ مذہبی عنوانات پر حضرت علیؓ کے مشوروں کو تسلیم نہ کئے جانے کا ثبوت اس حقیقت میں بھی مضمر ہے کہ بعد میں نشوونما پانے والے فقہ و شرع کے تمام سنی مکاتب فکر میں حضرت علیؑ کے فیصلوں کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا جب کہ حضرت عمرؓ کے فیصلے ان حلقوں میں عام رواج پا چکے تھے۔ برخلاف اس کے تمام شیعہ اندازہائے فکر میں قوانین فقہ و شرع پر حضرت علیؑ متواتر رجوع کی جانے والی مسلم الثبوت سند ہیں۔[۹۵] سیاسی و انتظامی معاملات میں، جیسے دیوان کے معاملہ پر ان کے حضرت عمرؓ سے اختلاف کو (تقسیم و ظائف) اور حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں لڑی جانے والی تمام جنگوں میں حضرت علیؑ کی غیر موجودگی کو بڑے وثوق سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ بغیر کسی مزید شرح و بسط کے اب تک پیش کردہ شہادت کی بنیاد پر یہ باآسانی فرض کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ نے، اس سے قطع نظر کہ ان کے احساسات و خواہشات کی صحیح نوعیت کیا تھی، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں کی خلافتوں کے لئے ایک سرد مہر و کنارہ کش رویہ اختیار کیے رکھا۔

حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ کے سیاسی حقائق کو قبول تو کر لیا تھا لیکن پھر بھی اس حقیقت میں پختہ یقین رکھتے ہیں کہ امر خلافت کے لئے وہ بہترین اہلیت کے مالک تھے اور یہ کہ ان کو معاشرہ کی قیادت سے بڑے ناجواز طریقے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے محروم کیا گیا تھا۔ اپنے سے پہلے خلفا کے متعلق اپنے دور خلافت میں ان کے خیالات مسجد کوفہ میں ان کے مشہور خطبات میں سے ایک میں بڑی وضاحت سے اظہار کر پاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کا یہ تاریخی خطبہ جو "الشقشقیہ" کے نام سے معروف ہے، جسے الشریف الرضی نے نہج البلاغہ[7] میں رقم کیا ہے، جس میں حضرت علیؑ کے خطبات، مکتوبات، پند و نصائح اور اقوال درج ہیں۔ جیسا کہ اس قیمتی تالیف میں پیش کئے گئے باقی تمام مواد کی قدر و قیمت ہے، اس معروف خطبہ کے استناد پر شک کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ الشریف الرضی سے بہت پہلے کے مصنف اس خطبہ کو بیان کرتے چلے آ رہے ہیں۔ علیؑ مرتضیٰ فرماتے ہیں:

"بخدا ابو قحافہ کے فرزند نے لبادہ خلافت اوڑھ لیا حالانکہ اسے میرے بارے میں پوری طرح علم تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر کھونٹی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہ بلند) ہوں کہ طغیانی کا جوش مجھ سے پست سطح پر بہہ نکلتا ہے اور پرندہ مجھ تک پر نہیں مار سکتا۔ لیکن اس کے باوجود میں نے اپنے اور خلافت کے درمیان ایک پردہ گرا دیا اور اس سے منہ موڑ لیا۔ پھر میں غور کرنے لگا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کر دوں یا اس بھیانک تیرگی کو خاموشی سے دیکھتا رہوں جس میں سن رسیدہ بوڑھا لاغر و ضعیف ہو جاتا ہے اور جوان بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن ہاتھ پیر مارتا ہوا موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ایسی صورت حال میں صبر ہی قرین عقل ہے۔ پس میں نے صبر اختیار کیا، حالانکہ سرخی آنکھوں میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(غبار اندوہ) کی خلش تھی اور حلق میں (رنج و غم) کے کانٹے پڑے ہوئے تھے' میں اپنی میراث کو لٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ پہلا موت سے ہم کنار ہوا اور اپنے بعد خلافت کی مہار کو ایک دوسرے فرد (عمرؓ) کے ہاتھ میں دے گیا۔ (اس مقام پر حضرت علیؑ اعشی کا یہ شعر بطور تمثیل پیش کرتے ہیں۔)

کتنا زبردست ہے فرق اس میرے دن میں جب کہ میں اونٹ کی پیٹھ پر مارا مارا پھر رہا ہوں (ایک تکلیف دہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہوں) اور اس دن میں جو حیان برادر جابر کی صحبت میں گزارتا تھا (جب کہ میں حیان کے عز و جاہ اور قوت امارت میں پر سکون رہ رہا تھا)۔

بے شک نہایت سختی سے ان دونوں نے خلافت کے تھنوں کو دوھا اور انہوں نے خلافت کو نہایت ہی سخت راہ پر ڈال دیا جس کے زخم نہایت گہرے اور جس کو چھونا بھی نہایت درشت لگتا ہے' جہاں ہر گام پر ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں اور معذرت خواہ ہونا پڑتا ہے' گویا اس راہ رو کی حالت منہ زور اونٹنی کے سوار کی سی ہو جاتی ہے کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو اونٹنی کی ناک زخمی ہوتی ہے اور اگر ڈھیلی چھوڑتا ہے تو تباہی و بربادی کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

بقائے ایزدی کی قسم لوگ کج روی' سرکشی' تلون مزاجی اور بے راہ روی کی مار کھاتے رہے لیکن میں باوجود تکلیف کی طوالت کے اور آزمائش و مصیبت کی شدت کے صبر کرتا رہا حتیٰ کہ وہ دوسرا بھی اپنی منزل کو پہنچا۔"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مترجم کا نوٹ :۔

اس مقام پر کتاب ہذا کے مولف امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے خطبہ شقشقیہ سے ایک دو جملے حذف کر گئے ہیں جن کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے فرد کے لئے مضبوط کرتا چلا گیا۔"

غرض کہ اس طرح حضرت علیؑ اپنے دو سابق خلفا کے دور حکومت کے متعلق اپنے احساسات کو بیان کرتے ہیں اور ان کی خلافتوں کی کارکردگی کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ ابن ابی الحدید نے اس خطبہ پر ایک طویل شرح لکھتے ہوئے پہلے دو خلفا کے نمایاں اوصاف پر' امت کے حالات کو استوار کرنے کی ان کی حکمت عملی پر' حضرت علی مرتضیٰؑ کے متعلق ان کے رویہ پر اور ان کے کاروبار سلطنت چلانے کے سلسلے میں حضرت علیؑ کے صبرو ضبط پر روشنی ڈالی ہے۔

اب ہم شیعہ مسلک فکر کے ارتقا کے اس عبوری دور سے متعلق گذشتہ سطور میں بیان کی گئی دوسری شق کی طرف رجوع کرتے ہیں' یعنی بنو ہاشم کو عمومی طور پر اور حضرت علیؑ کو خصوصی طور پر امت کی قیادت کے خصوصی استحقاق سے ہٹانے کے لئے حضرت عمرؓ و ابوبکرؓ کی مساعی پیہم' رحلت پیغمبر اسلامؐ کے دوسرے دن ہی حضرت ابوبکرؓ نے اس سمت میں سب سے پہلا اور اہم قدم اٹھایا جب حضرت فاطمہؑ فدک کی جاگیر کا دعویٰ کرنے آئیں کہ یہ جاگیر خیبر کے مال غنیمت میں سے بلا شرکت غیرے ان کے والد کے حصّہ میں آئی تھی۔[10] حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ دہراتے ہوئے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "ہم (انبیاء) جو کچھ قانونی خیرات قرار دیتے ہیں اس کو وراثت کے لئے نہیں چھوڑتے۔" حضرت ابوبکرؓ نے ان کے دعوی کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا کہ فدک پوری امت کا ہے اور حضرت فاطمہؑ گو کہ اس سے حق استفادہ کی مستحق ہیں مگر اس کی ملکیت کی حق دار نہیں۔[11]

وراثت کا یہ مسئلہ جلد ہی شیعوں اور ان کے مخالفین کے درمیان اختلاف میں بہت بڑا بحث طلب مسئلہ بن گیا۔[12] ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انکار درحقیقت یہ معنی رکھتا تھا کہ خاندان کی بنیاد پر کسی دعویٰ کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خاندانی رشتے کی بنیاد پر وراثت کے ایک دعوی کا حق تسلیم کرنا مزید توسیع دعاوی کا دروازہ کھولنے کے برابر تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے محسوس کیا کہ فدک کی وراثت کے سلسلے میں حضرت علیؑ کے خاندان کے حقوق کو تسلیم کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ گویا پیغمبر اسلامؐ کی جانشینی کے باقی تمام حقوق کو بھی، خواہ مادی ہوں یا روحانی، تسلیم کر لیا جائے۔ یہ اندیشہ دراصل اس حقیقت پر مبنی تھا کہ حضرت محمد عربیؐ ملت کے راہ نما ہوتے ہوئے مال غنیمت کے پانچویں حصہ (خمس) کے حق دار ہیں اور اس خاص حق کے حوالے سے وہ فدک کے مالک بن رہے ہیں۔ کسی ارفع و اعلیٰ مرتبہ کی بنیاد پر یا بعض خاص اختیارات کے حقوق کی بنا پر حاصل شدہ جائیداد کی وراثت عام قانون وراثت سے مختلف محسوس کی گئی۔ تقریباً تمام راویوں نے متفقہ طور پر نقل کیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے اپنی رحلت تک، جو چھ ماہ بعد واقع ہوئی کلام نہ کیا۔ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو وصیت کی کہ ان کو رات کے وقت دفن کیا جائے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو ان کے جنازے میں شریک نہ ہونے دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے ان کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا اور ان کو رات کے وقت ہی دفن کیا جبکہ صرف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان کے اہل خانہ ہی ان کے تابوت کے ہمراہ تھے۔[13]

خلافت حضرت ابو بکرؓ کچھ اوپر دو سال رہی اور مرتے وقت انہوں نے حضرت عمرؓ کا تقرر واضح الفاظ میں کر دیا جو پہلے ہی ایک حاکمانہ حیثیت کے مالک تھے۔ اپنے بعد کی جانشینی کے مسئلہ کو جس طرح انہوں نے طے کیا وہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کا عہدہ سنبھالنے والے دن ہی سے حضرت عمرؓ کے حق میں یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ایسے محتاط اقدامات کئے کہ حضرت عمرؓ کی نامزدگی کے سلسلہ میں کسی قسم کی مخالفت کا امکان ہی باقی نہ رہے اور اس بات کا پورا بندوبست کر دیا کہ موخر الذکر کو ان کے بعد کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وہ حضرت علیؑ کے مطالبہ خلافت سے پوری طرح باخبر تھے اور بعض حلقوں کی نظر میں حضرت علیؑ کی حمایت اور احترام سے بھی پوری طرح مطلع تھے۔ لہٰذا انہوں نے سب سے پہلے عبد الرحمٰنؓ بن عوف کو بلا کر اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور کچھ ترغیب و تحریص کے بعد ان کی رضامندی حاصل کر لی۔ دوسرا واحد فرد جس کو رحلت پانے والے خلیفہ نے اپنے فیصلہ سے آگاہی کا شرف بخشا وہ حضرت عثمان بن عفانؓ تھے۔ جب ابو بکرؓ کے فیصلے کی اطلاع لوگوں میں پھیلی تو کچھ نمایاں اصحاب رسولؐ بہت زیادہ پریشان اور اندیشہ مند ہوئے۔ طلحہؓ کی سرکردگی میں انہوں نے ایک وفد کو اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے بھیجا اور خلیفہ اول کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی کہ وہ حضرت عمرؓ کو نامزد نہ کریں۔[14] لیکن کوئی بات حضرت ابو بکرؓ کے ذہن کو حضرت عمرؓ کی نامزدگی کے بارے میں تبدیل نہ کر سکی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ وہ حضرت عمرؓ کے حق میں ان کی وصیت لکھیں۔ تمام امت کا اس انتخاب و پسندیدگی سے کوئی واسطہ یا تعلق نہ تھا اور ان کو صرف اتنا حکم دیا گیا تھا کہ وہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس نامزدگی کو تسلیم کریں اور حضرت عمرؓ کی ان کے بعد بطور نئے خلیفہ کے اطاعت و فرمانبرداری کریں کیونکہ وہ حضرت عمرؓ سے بہتر کسی کو اس لائق سمجھتے ہی نہ تھے۔ جو وصیت نامہ عوام کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا وہ کچھ اس طرح تھا:

"یہ وصیت نامہ مسلمانوں اور مومنوں کے نام ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے ہے...... میں نے عمر بن الخطابؓ کو تم پر حاکم مقرر کیا ہے۔ پس اس کے احکامات بجا لاؤ اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ میں نے اس کو صرف تمہاری بھلائی کے لئے حاکم مقرر کیا ہے۔"[15]

ہر شخص جو حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے حضرت عمرؓ کی نامزدگی کے اعلان کا مطالعہ کرے گا فوراً اس حقیقت کا ادراک کر لے گا کہ یہ فیصلہ نہ تو عوام کے معتبر و متعمد افراد سے مشورہ کے اصول و طریقہ کار پر مبنی تھا اور نہ ہی پسند و انتخاب سے پہلے امت سے بحیثیت عمومی کسی رائے حاصل کرنے کا نتیجہ تھا۔ یہ محض حضرت ابوبکرؓ کا اپنا ذاتی اور یک طرفہ فیصلہ تھا جس کی وہ صرف ان صحابہ کرامؓ سے توثیق کرانا چاہتے تھے جن کو وہ اس کام کے لئے اپنی برادری اور کنبہ کے حوالے سے اہم گردانتے تھے، جیسا کہ آئندہ سطور سے ظاہر ہو گا۔

ہمارے تحقیقی نقطہ نگاہ کے لئے فوراً جو بات اہم اور کاشف احوال ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے حضرت عمرؓ کی نامزدگی کے اس سارے مرحلہ میں حضرت علیؑ کو مکمل طور پر نظرانداز کیا گیا اور قریب المرگ خلیفہ جن افراد کو عام طور پر مشورہ کے لئے طلب کرتے تھے، اگر اس مشاورت کو حقیقی مشاورت بھی مان لیا جائے اور جن کی امداد حاصل کرنے کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ کوشش کرتے تھے، ان سے بھی حضرت علیؑ کو خارج کر دیا گیا۔ درحقیقت جیسا کہ ہمارے تمام ذرائع معلومات متفق ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ کے تمام صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ نے صرف دو یعنی عبد الرحمٰنؓ ابن عوف اور حضرت عثمانؓ کو مشورہ کے لئے منتخب کیا اور ان کو حضرت عمرؓ کے لئے مکمل حمایت کا فرض سونپا گیا۔[16] اس بات کا غالب امکان ہے کہ ایسا حضرت عمرؓ کے خود اپنے ایما پر کیا گیا جنہوں نے بنو قریش کی اس شاخ سے امداد کی اپیل کر کے بنو ہاشم کی طرف سے کسی بھی ممکنہ مخالفت کے توڑنے کے لئے منصوبہ بنایا۔ عبد الرحمٰنؓ، بنو زھرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جب کہ حضرت عثمان بنو امیہ سے متعلق تھے، جو دونوں ظہور اسلام سے پہلے بنو ہاشم کے سنگین مخالف تھے۔ ان دونوں صحابیوں کا برسرکار آنا کئی حیثیتوں سے اہم ترین خصوصیت کا حامل تھا۔ خاص طور پر بعد کی تاریخ خلافت کے ارتقاء کے لئے کیونکہ یہ دونوں مسلمان معاشرے کے متمول ترین طبقوں کی نمائندگی کرتے تھے[17] عبدالرحمٰن، حضرت عثمانؓ کے بہنوئی تھے اور دونوں سے ایک دوسرے کی حمایت بھی متوقع تھی۔ اول الذکر کو سعدؓ بن ابی وقاص کی مکمل حمایت بھی حاصل تھی جو بنو زہرہ کے ہم قبیلہ اور ان کے چچا زاد بھی تھے۔ اس طرح بنو ہاشم کی اور حضرت علیؑ کی امیدواری کے حق میں طرف داروں کیطرف سے کسی بھی ممکن کارروائی کو روکنے کے لئے مہاجرین میں سب سے اہم سیاسی عناصر کی براہ راست امداد اور اثر و رسوخ حاصل کر لیا گیا۔

حضرت علیؑ کا سیاسی اور مذہبی دونوں معاملات میں حضرت عمرؓ سے سنگین اختلاف خاص طور پر حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے سلسلے میں آئندہ سطور میں زیر گفتگو لایا جائے گا صرف بر سبیل تذکرہ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دس سالہ نہایت سرگرم اور تاریخی اہمیت کے حامل دور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خلافت میں، جب ایران و بزنطینی صوبوں کی شاندار فتوحات وقوع پذیر ہوئیں اور جن میں تمام نمایاں اصحاب کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، حضرت علیؑ بالکل الگ تھلگ رہے نہ ہی حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت علیؑ کے پاس کوئی منصب ہی رہا جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں تھا اور بعد میں عثمانؓ کے دور میں پھر جاری رہا۔ ماسوائے حضرت عمرؓ کے فلسطین کے سفر کے دوران جب وہ اپنے ساتھ تمام سرکردہ صحابیوں کو اور فوجی سالاروں کو قوانین فتح کی توثیق کے لئے اور دیوان کی تصدیق کے لئے لے گئے تھے، حضرت علیؑ کو مدینہ کا نظم و ضبط سپرد کیا گیا۔ بیت المقدس اور شام کی تاریخی فتح کے وقت صرف حضرت علیؑ ہی ایسے فرد تھے جو وہاں موجود نہ تھے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے نبی ہاشم کو مدینہ سے باہر نکلنے کی سخت پابندی عائد کر رکھی تھی۔[18] یہ بات اس حقیقت سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف علیؑ اور نہ ہی بنو ہاشم کے کسی فرد کے متعلق دارالخلافہ سے باہر کسی سرگرمی میں حصہ لینے کی کوئی خبر تاریخ میں ملتی ہے۔

حضرت علیؑ کی طرف حضرت عمرؓ کے رویہ کی بہترین وضاحت اس مکالمہ سے ہوتی ہے جو عبد اللہ بن عباسؓ اور موخرالذکر کے درمیان واقع ہوا۔ ایک خاص موقع پر حضرت عمرؓ نے عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا: "علیؑ کیوں ہمارے شریک نہ ہوئے اور ہم سے تعاون نہ کیا؟ کیوں قریش نے تمہارے خاندان کی حمایت نہ کی جب کہ تمہارے والد رسول پاکؐ کے چچا اور تم ان کے چچا زاد ہوں؟" ابن عباس نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں۔" لیکن عمرؓ نے کہا: "مجھے اس کی وجہ معلوم ہے، کیونکہ قریش نے نہ چاہا کہ نبوت و خلافت دونوں تمہارے ہی گھر میں جمع ہو جائیں اس لئے کہ پھر تم اس پر مغرور ہو جاؤ گے اور ناز کرتے پھرو گے۔"[19] اسی روایت کی ایک اور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

توجیہہ کے مطابق جب حضرت عمرؓ نے قبیلہ بنو عبد اللہ بن غطفان کی عظمت، حسب و نسب کی عمدگی اور دوسرے اوصاف کے متعلق زہیر بن ابی سلمٰی کے اشعار سنے تو ابن عباسؓ سے کہا: "میں بنی ہاشم کے علاوہ قریش کی ایسی کسی شاخ کو نہیں جانتا جس پر ان اشعار کا بہترین اطلاق ہو سکتا ہو کیونکہ رسولؐ خدا سے ان کی قرابت اور بہتر و برتر استحقاق نے ان کو سب سے بلند کیا ہے۔ لیکن لوگوں نے نبوت و خلافت کا تمہارے خاندان میں یکجا ہونا نہ چاہا مبادا کہ تم اس پر مغرور ہو جاؤ اور لوگوں میں ناز کرتے پھیرو۔ لہٰذا قریش نے خود اپنے لئے ایک قائد منتخب کرنے کو ترجیح دی، انہوں نے ایک صحیح فرد منتخب کیا اور اس سلسلہ میں خدا نے ان کی راہنمائی کی۔"

ابن عباسؓ نے جواب دیا: اے امیرالمومنین! جہاں تک آپ کے اس بیان کا تعلق ہے کہ قریش نے اپنے لئے ایک رہبر کو منتخب کیا اور ان کی رائے صائب تھی، تو پھر یہ بھی درست ہے کہ قریش کا اپنے لئے رہبر کو چننا وہی مفہوم رکھتا ہے جو قریش میں سے خدا نے انتخاب کر کے ظاہر کیا (انتخاب نبیؐ) اور جہاں تک آپ کے اس بیان کا تعلق ہے کہ قریش نے یہ نہ چاہا کہ خلافت نبوت ہمارے ہاں یکجا ہوں تو یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے کیونکہ خدا نے ایسے بہت سے لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ خدا نے جو کچھ ان کے پاس بھیجا تھا انہوں نے اسے پسند نہ کیا اور اس طرح ان کے اعمال ضائع کر دیئے"[20]

اس جواب پر حضرت عمرؓ غصہ سے بھڑ گئے اور کہا: "میں نے تمہارے متعلق بہت کچھ سنا ہے، لیکن میں نے ان سب باتوں کو ہمیشہ نظرانداز کیا کیونکہ میری نظر میں تمہارا احترام تھا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم سے خلافت جبر و حسد سے غصب کر لی ہے"؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا: "جہاں تک جبر و جور کا تعلق ہے تو یہ بات تو بالکل ظاہر ہے جہاں تک حسد کا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تعلق ہے وہ سب کو معلوم ہے! شیطان نے بھی تو آدم سے حسد کیا تھا اور ہم آدمؑ ہی کی اولاد ہیں۔" عمرؓ یہ سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور انہوں نے پلٹ کر جواب دیا: "افسوس اے بنو ہاشم! تمہارے دل نفرت' کینہ و عناد اور جھوٹے افتخار سے بھرے ہوئے ہیں۔" ابن عباسؓ نے کہا: "اے امیرالمومنین نرم روی اختیار کرو' ان لوگوں کی قلبی کیفیت کے متعلق گفتگو نہ کرو جن سے خداوند تعالیٰ نے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھا ہے اور ان کو بدرجہ اولیٰ پاک و پاکیزہ بنایا ہے[21] اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود پیغمبر اسلامؐ بھی بنی ہاشم سے تھے۔" عمرؓ نے جواب دیا: "اب اس بات کو یہیں ختم کر دو"[22] یہ مکالمہ خود اپنی وضاحت آپ ہے اور کسی قسم کے تبصرہ کا محتاج نہیں ہے' بس اتنا کہنا کافی ہو گا کہ حضرت علیؑ کے متعلق حضرت عمرؓ کے انداز فکر کی وضاحت کے لئے انتہائی معنی خیز بیانات میں سے ایک بیان یہ ہے اور دوسرے یہ کہ حضرت علیؑ کے پیش رو خلفا کے متعلق بنی ہاشم کی ذہنی کیفیت کا عکاس بھی ہے۔

تاہم حضرت عمرؓ کی غالب شخصیت اور اپنے زمانے کی ہوا کے رخ کو پہچاننے کی صلاحیت اتنی کافی تھی کہ ایسے دور میں پیدا ہونے والی کسی بھی بے چینی کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیتی تھی جو اسلام کے لئے نئے سے نئے زرخیز ممالک کی فتوحات میں مسلسل گزر رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی اپنے دور میں جزیرہ نمائے عرب میں واقع مرتد عرب قبائل کی بغاوت فرو کرنے میں مصروفیت اور حضرت عمرؓ کا غیر ممالک کی فتح میں مصروف ہونا داخلی خلفشار کو شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے مقام پر ٹھہرائے ہوئے تھا۔ بحیثیت مجموعی خلافت عمرؓ اپنے پیش رو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی مانند ایک ایسے دور کا تشخص پیش کرتی ہے جس میں سادگی' انصاف' مساوات' مقصد سے وابستگی' جذبہ ایمان

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور سماجی و معاشی توازن جیسے اسلامی نظریات کے اپنی اپنی فہم و فراست کے مطابق بہترین نمونے دیکھنے میں آ رہے تھے۔ آخرکار ۱۰ سالہ کامیاب دور حکومت کے بعد مقتدر خلیفہ کی زندگی ایک ایرانی غلام کے خنجر سے اختتام پذیر ہوئی۔ انہوں نے ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری (۳ نومبر ۶۴۶ء) میں انتقال کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے بالکل برعکس حضرت عمرؓ اپنے طویل دور خلافت میں کسی ایک انسان میں کسی طرح مکمل اعتماد و اعتبار نہ پیدا کر سکے کہ اس کو اپنا جانشین نامزد کرنے پر مطمئن ہوتے۔[23] پھر بھی انہوں نے مہاجرین سابقین میں سے چھ صحابہ کرام میں سے اس انتخاب کو محدود کر دیا جنہیں اپنے میں سے ایک کو آئندہ خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ اس کمیٹی کے ارکان، جنہیں بعد کے مسلمان فقہا اور نظریاتی ماہرین نے مجلس شوریٰ یا انتخابی مجلس کا نام دیا، حضرت عثمانؓ عبد الرحمٰن ابن عوف، سعد ابن ابی وقاص، حضرت علی ابن ابی طالبؑ، زبیر بن العوام اور طلحہ پر مشتمل تھے۔ البتہ عبد اللہ بن عمر کی حیثیت ایک مشورہ دینے والے کی تھی، بطور خلیفہ ہونے کے ہرگز نہ تھی۔[24]

یہاں دو خاص باتوں کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ اول یہ کہ رہبر کے اس انتخاب میں اہل مدینہ کو کلی طور پر کسی قسم کے مشورہ کے قابل ہرگز نہ سمجھا گیا کیونکہ تعین امیدوار خلافت اور اختیار فیصلہ دونوں چیزوں کو خلیفہ کے نامزد کردہ صرف چھ اشخاص میں محدود رکھا گیا۔ لٰہذا یہاں لوگوں کا اپنے لئے رہبر منتخب کرنا یا نام نہاد جمہوریت کے اصول کا یہاں کوئی دخل قرار نہیں پاتا۔ دوسری اور اہم تر حقیقت یہ ہے کہ انصاران مدینہ کو اس انتخاب رہبر کے سلسلہ میں رائے دہی سے بالکل باہر رکھا گیا۔ اس کی غالباً وجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ انصار نے سقیفہ کے اجتماع میں حضرت علیؑ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ یا یہ کہ حضرت عمرؓ خلافت کے لئے انصار میں سے کسی بھی شخص کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نامزدگی کے امکاں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ یہ طریق کار انصار کے سیاسی مقام پر بہت زیادہ ضرب کاری ثابت ہوا اور ان کے لئے اس طرح ایک ایسی کیفیت پیدا ہو گئی جس کو وہ کبھی حاصل نہ کر سکے۔

یہاں ہمارا مقصد شوری کے جملہ مفصل حالات کا تذکرہ ہیں بلکہ صرف اسی قدر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس سے شیعیت کی ترویج پر براہ راست کیا اثر پڑا۔ ہمارے ذرائع کے غیر مختلف بیانات کے مطابق حضرت عمرؓ نے پوری احتیاط کے ساتھ ایسے ضوابط قائم کئے ہیں جن پر شوریٰ کے ارکان کو عمل کرنا تھا۔ ان ضوابط کی تفصیل اس طرح تھی۔

1۔ نئے خلیفہ کے لئے اسی مجلس کے ارکان میں سے کسی ایک کا انتخاب لازمی تھا جس کو جملہ اراکین کی اکثریت حاصل ہوتی۔

۲۔ اگر دو امیدوار برابر کی آرا حاصل کرتے تو خلیفہ اس کو ہونا تھا جس کو عبد الرحمنؓ بن عوف کی حمایت حاصل ہو۔

۳۔ شوری کا کوئی رکن اگر انتخاب میں حصّہ لینے سے اجتناب کرے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔

اور آخری شق یہ کہ جب کسی امیدوار کا انتخاب عمل میں آ جائے اور شوریٰ میں سے ایک یا دو شخص اس انتخاب کے خلاف ہوں، یعنی منتخب شخص کو تسلیم نہ کریں تو یہ اقلیت، یا ہر طرف کے تین ارکان ہونے کی صورت میں عبد الرحمن بن عوف کی حمایت کے مخالفین کو فوراً قتل کر دیا جائے۔

ان احکام کی بجا آوری کے لئے حضرت عمرؓ نے قبیلہ خزرج کے ابو طلحہ الانصاری[25] کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ اپنے قبیلے سے 50 معتمد افراد کو منتخب کرے کہ شمشیر بکف اس مجلس کے دروازہ پر کھڑے رہیں تاکہ اس کے اراکین سے اس حکم پر عمل درآمد کرائیں۔[26] بنی خزرج کا تقرر کر کے،

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جنہوں نے پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے فوراً بعد قیادت اپنے ہاتھ میں لینی چاہی تھی، دراصل حضرت عمرؓ نے اس بات کا مکمل بندوبست کیا تھا کہ ان کے احکامات کو سرسری نہ سمجھا جائے۔

اس حقیقت کے استناد پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کمیٹی کے اراکین پر حضرت عمرؓ نے اتنی سخت شرائط عائد کیں۔ ابتدائی تاریخ اسلام میں شاید ہی ایسی روایات ملیں جن کو اتنی متفقہ تاریخی شہادت نصیب ہوئی ہو جتنی کہ حضرت عمرؓ کے انتظامات شوریٰ اور اس کے لئے تعین قواعد و ضوابط کی روایت کو ملی۔ بلاذری، یعقوبی، طبری، مسعودی اور بعد میں آنے والے دوسرے بے شمار مورخین مثلاً ذہبی، اور ابن اثیر وغیرہ کے بیانات کا تقابلی جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ اس روایت کا بنیادی حصّہ ہر جگہ یکساں ہے اور یہ تمام مورخین متعدد مخالف مکاتب فکر و رجحان سے تعلق رکھنے والی متعدد اسناد کے حوالے سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔[27] نابیہ ایبٹ[28] نے حال ہی میں ابن اسحاق کی تاریخ الحلفا کی پیپرس Peprus (کاغذ پر تلخیص) شائع کی ہے (مع اپنے گراں قدر تبصرہ کے) جو اس مجلس شوریٰ اور حضرت عمرؓ کے عائد کردہ طریق کار کو بیان کرتی ہے۔ محولا بالا مورخین سے کم از کم سو برس پہلے ابن اسحاق نے یہ کتاب لکھی ہے اور اس بات کو تسلیم کرنا انتہائی اہم ہے کہ ابن اسحاق کے الفاظ دیگر مؤرخین سے بالکل منطبق ہیں۔ یہ بات ہمارے مورخین کے بیانات کی تصدیق کر دیتی ہے۔ اس متفقہ تاریخی شہادت کے علاوہ حالات و واقعات اور دوسرے مددگار عناصر ان سب کے بیان واقعہ کی صحت کی توثیق کرتے ہیں۔ جب ہم حضرت عمرؓ کی طبیعت و شخصیت و غالب مخصوص، حقیقت اور فیصلہ کن پالیسی کا، جو ان کے انداز حکومت کی تخصیص کرتی ہیں، ان قواعد و ضوابط کی نوعیت سے مقابلہ کرتے ہیں جو انہوں نے اس

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نازک موقع پر مجلس انتخاب کے اراکین پر عائد کئے تھے تو دونوں پہلو ایک دوسرے کے عین مطابق دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس انداز میں تمام مورخین ان شرائط کو بیان کرتے ہیں' اس امر کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ ایک طرف تو حضرت عمرؓ کو پورا یقین تھا کہ ان چھ صحابہ میں سے صرف ایک آئندہ ہونے والا خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے لیکن دوسری طرف ان کو یہ بھی یقین تھا کہ قیادت حاصل کرنے کے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ سب ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے۔ لہٰذا وہ اس سنگین نااتفاقی سے بھی خائف تھے جو ممکنہ امیدواروں میں پیدا ہو سکتی تھی وہ ان تباہ کن نتائج سے بھی واقف تھے جو نو مسلمان قوم کے لئے مرتب ہو سکتے تھے۔ یہ حقیقت اس بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کے اراکین کو بلایا اور ان سے کہا:

> "میں نے ہر طرف نظر دوڑائی اور یہ محسوس کیا کہ تم عوام کے قائد ہو اور خلافت تم میں سے کسی ایک کے علاوہ کسی کو نہ ملنی چاہیئے لیکن میں خائف ہوں کہ نااتفاقی تم میں سر ابھارے گی اور (تمہاری اس پھوٹ کی وجہ سے) لوگ بھی مختلف حصّوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔"[29]

اس سوچ کے تحت انہوں نے اتنی سخت پابندیاں عائد کیں کیونکہ وہ تباہ کن تفرقہ یا فرقہ بندی کے مہلک اثرات سے معاشرہ کو بچانے کے لئے ایسا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

تاہم ان اقدامات نے بیک وقت وہ دونوں مقاصد پورے کئے جو قریب المرگ خلیفہ کے ذہن میں ایک عرصہ سے موجود تھے۔ جو انہوں نے ملت اسلامیہ کے بہترین مفاد میں محسوس کئے ہوں گے۔ ایک طرف تو ان اقدامات نے نوخیز امت کو' گو وقتی طور پر ہی سہی' سنگین نااتفاقی سے بچا لیا اور دوسری

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas
SABEEL-E-SAKINA
www.ziyrat.net

طرف ان میں انتہائی محتاط انتظامات کی مدد سے حضرت عمرؓ بنی ہاشم سے خلافت کو دور رکھنے کے مرحلے میں کامیاب ہو گئے وہ فریضہ جو وصال پیغمبر اسلامؐ کے فوراً بعد ہی وہ اپنے ذمے لگا چکے تھے۔ حضرت علیؑ کے استحقاق خلافت سے پوری طرح باخبر ہوتے ہوئے اور حضرت علیؑ کے خلافت ابوبکرؓ کو تسلیم نہ کرنے کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت علیؑ اپنے حق کو انتخاب کنندگان کی خود ساختہ کونسل میں موضوع بحث بنانے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے تاوقتیکہ ان کو بہ جبروا کراہ ایسا نہ کرنے کا پابند کیا جائے، گو کہ طلحہؓ و زبیرؓ کی خاصی حد تک بڑھی ہوئی جاہ طلبی سے باخبر تھے مگر حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ مجلس شوریٰ کے باقی ممبران کے مقابلے میں حضرت علیؑ و عثمانؓ زیادہ بااثر ہیں اور حقیقت میں وہی ایسے دو افراد تھے جن کو اپنے اپنے خاندان اور برادری (بنو ہاشم و بنوامیہ) کی علی الترتیب اتنی کافی حمایت حاصل تھی کہ وہ عہدہ خلافت کے لئے بطور ایک معقول امیدوار کے مقابلے میں آ سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ بھی محسوس کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ، عثمانؓ کے مقابلہ میں ان تمام اسباب کی بنیاد پر جو باب اول میں مذکور ہو چکے ہیں، اب کامیابی کے زیادہ بہتر امکان کے مالک ہیں، لہٰذا اب خلیفہ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے استحقاق کو اور زیادہ دیر تک نظرانداز کرتے چلے جائیں اور اگر ان کو مجلس شوریٰ کا رکن بننے پر مجبور نہ کیا جاتا تو اس طرح حضرت عمرؓ پیغمبر اسلامؐ کے چچا زاد بھائی اور بنو ہاشم کے نمائندے کو عہدہ خلافت کے لئے اپنے طور پر ہاتھ پیر مارنے کی کھلی اجازت دے دیتے۔[30]

عبدالرحمٰن بن عوف کو مجلس شوریٰ کی صدارت اور اختیار کلی عطا کر کے حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کے امکانات کامیابی کو بڑے موثر انداز

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں مسدود کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ کی نامزدگی کو عملاً یقینی بنا دیا تھا۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت تھی کہ ہمارے تمام ذرائع معلومات حضرت علیؑ کے اپنے الفاظ میں اس روایت کو قلم بند کرتے ہیں۔ جب حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کے عائد کردہ قواعد و ضوابط کے متعلق سنا اور یہ کہ عبد الرحمٰن کو فیصلہ کن رائے کا مالک بنا دیا گیا ہے، تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے احتجاج کیا:

"بخدا امر خلافت پھر ہم سے چھین لیا گیا کیونکہ آخری فیصلہ عبد الرحمٰن کے اختیار میں ہے جو عثمانؓ کا بہنوئی اور دیرینہ دوست ہے جب کہ سعد بن ابی وقاص بنی زہرہ کی طرف سے عبد الرحمٰن کا چچا زاد ہے۔ ان کا ایک دوسرے کی حمایت کرنا لازمی ہے اور چاہے زبیر و طلحہ میرے حق میں اظہار رائے کریں پھر بھی یہ بے سود ہو گا۔"[31]

اس طرح حضرت عمرؓ نے بنو ہاشم کے بہتر و برتر استحقاق حکومت پر ان کے دیرینہ دشمن بنو امیہ کو اقتدار کا از سر نو پروانہ لکھ کر ایک ضرب کاری لگائی۔ ادھر خاندان بنو امیہ نے اپنے طور پر اسے ایک سنہری موقع تصور کیا، خاص طور پر ابو سفیان نے حضرت عثمانؓ کے تحت سلطنت پر متمکن ہونے کو اپنے پورے قبیلے کے دوبارہ برسر اقتدار ہونے سے تعبیر کیا جس قوت کو انہیں ہر قیمت پر برقرار و بحال رکھنا تھا۔[32]

عباسؓ بن عبد المطلب، پیغمبر اسلامؐ کے عم محترم اور سربراہ بنو ہاشم کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو متنبہ کیا تھا کہ وہ مجلس شوریٰ میں شرکت نہ کریں اور اپنے اقدام کی آزادی کو برقرار رکھیں۔[33] لیکن حضرت عمرؓ کے عائد کردہ قانونی شرائط نے ایسے کسی بھی طرز عمل کی پیش بندی کر رکھی تھی۔ ہمارے تمام ذرائع معلومات متفق ہیں کہ حضرت علیؑ نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

براہ راست دباؤ کے تحت صورت حال کو قبول کیا کہ حضرت عمرؓ کی وصیت کی حمایت سے انکار کی صورت میں جنگ و خوں ریزی کے لئے تیار رہیں۔[34] جب کسی بھی فرد کے ذہن میں پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی نامزدگی پر ۱۲ سال پہلے علی مرتضیٰؑ کی صدائے احتجاج آتی ہے تو یہ سوچنا کچھ بعید از قیاس نہیں رہ جاتا کہ ایک اور فرد کے تیسری مرتبہ ان پر ترجیح دیئے جانے سے حضرت علیؑ کتنے شدید بددل ہوئے ہوں گے۔ اس کیفیت کو خود آنجنابؑ اپنے خطبہ شقشقیہ میں، جس کا پہلا حصّہ پیش کیا جا چکا ہے بیان فرماتے ہیں:

> "عمرؓ (اپنے بستر مرگ سے) امر خلافت کو چھ آدمیوں کی ایک جماعت کے سپرد کر گیا جن میں سے ایک مجھے بھی جانا گیا۔ خدا کی قسم! میں کہاں اور یہ مجلس شوریٰ کہاں (میرا ان میں منتخب ہو جانے کا کیا امکان)! کب کسی کو ان میں سے میرے استحقاق و فضیلت پر شک گزرا تھا کہ ان میں سے پہلے (ابوبکرؓ) کے مقابلے میں بھی اور اب بھی مجھے ان کے مساوی و مشابہ ایک فرد سمجھ لیا گیا[35] (کہ شامل شوریٰ کر لیا گیا) جبکہ میں ہر صورت حال میں ان کا ساتھ نبھاتا چلا گیا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہو کر اڑنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچا اڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں۔ پھر ان میں سے ایک (سعد اپنے ساتھی (عبد الرحمٰن) کی طرف مائل ہو گیا اور دوسرا یعنی عبد الرحمٰن ابن عوف اپنے برادر نسبتی یعنی عثمان کی طرف اور بعض دوسری ناگفتہ بہ حرکتوں کی وجہ سے ان کا طرف دار ہو گیا۔"[36]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حتمی یا قطعی طور پر اس بات کا طے کرنا مشکل ہے کہ اس مجلس شوریٰ میں بحث و تمحیص اور گفت و شنید کے دوران کیا ہوا جس کا نتیجہ حضرت عثمان ؓ کی تقرری میں نکلا۔ تاہم اس مواد کی تفصیل میں جو ہم تک پہنچ سکا ہے ایک مشترک روایت کا ذکر آتا ہے جو نہ صرف نہایت اہم ہے بلکہ حقیقت کو بے نقاب بھی کرتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تین دن کے بحث و مباحثہ اور حجت و تکرار کے بعد عبد الرحمٰن بن عوف نے نماز فجر کے وقت جب تمام مسلمان مسجد نبویؐ میں مجلس شوریٰ کے فیصلے کو سننے کے لئے جمع تھے، سب سے پہلے علی مرتضیٰؑ کو دو شرطوں پر خلافت کی پیش کش کی:

اول :-

وہ قرآن و سنت رسول اللہؐ کے مطابق حکومت کریں گے۔

دوئم :-

یہ کہ وہ سابق دو خلفا کی سیرت یا نمونہ عمل کا اتباع کریں گے۔

حضرت علیؑ نے پہلی شرط کو تسلیم کرتے ہوئے دوسری پر عمل کرنے سے انکار کر دیا، یہ کہتے ہوئے کہ ان تمام معاملات میں جہاں قرآن سے کوئی قطعی نص موجود نہ ہو گی یا پیغمبر اسلامؐ کا کوئی سابقہ فیصلہ موجود نہ ہو گا وہ خود اپنے اجتہاد رائے پر عمل کریں گے۔ عبد الرحمن ؓ پھر حضرت عثمان ؓ کی طرف مخاطب ہوئے اور ان کے سامنے بھی وہی دو شرائط پیش کیں۔ حضرت عثمان ؓ نے فی الفور ان کو قبول کر لیا جس پر عبد الرحمٰن نے ان کے خلیفہ ہو جانے کا اعلان کر دیا[37] جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں اس موضوع پر گفتگو کریں گے یہ وہ عنوان ہے جو آگے چل کر شیعہ و سنی اصول و انتظام قانون میں فرق کی بنیاد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرار پایا اور جس پر شیعہ ماہرین شروع فقہ پہلے تین خلفا کے فیصلوں کو رد کرتے رہے۔

یہ روایت سنی شیعہ دونوں مورخین کی متفقہ شہادت پر مبنی ہے' لہٰذا اس کے استناد پر اعتراض کیا ہی نہیں جا سکتا جیسا کہ بعض محققین نے کہا ہے۔ اگر بعد کے سنی علمائے دین نے اس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ پہلے چار خلفا راشدین کو (صحیح ہدایت یافتہ) ماننے کا نیا نیا قائم کردہ نظریہ اس روایات سے مشتبہ قرار پا رہا تھا اور قیام جماعت کے لئے خلفا کے فیصلے بطور قانونی نظیر کے مشکوک پڑ رہے تھے۔ اس روایت کے مستند ہونے کی حمایت میں اس تاریخی شہادت کے علاوہ سب سے زیادہ قابل یقین ثبوت حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی اپنی خود کفیل طبیعت میں اور ان کی سیرت کی نمایاں انفرادیت میں موجود ہے۔ جب ہم حضرت علی مرتضیٰؑ کے کردار و سیرت کا ان کے ۱۰'۹ سال کی عمر میں اعلان اسلام سے لے کر آخری لمحات تک تصور قائم کرتے ہیں تو درج ذیل امتیازی نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اپنے اصولوں میں قطعی ثابت قدم اور اٹل' طبیعت میں بے لوث و بے لاگ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے احساس مذہب میں فوری طور پر باعمل تھے جو ان کی سیرت کا ایک ایسا محرک ہے جس نے آگے چل کر خود ان کی اپنی خلافت کو ناکامی کی سمت دھکیل دیا۔ یہی وہ انداز فکر و نظر ہے جو ان کی پوری روش عمل پر چھایا ہوا ہے۔ یہاں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کی سوانح حیات کے واقعات پر نظر ڈالی جائے لیکن ان کے بے لاگ رویہ کا واضح اظہار ایسے مواقع میں پایا جاتا ہے جیسے ان کا اصرار کہ ہرمزان کے قتل کی پاداش میں عبد اللہ ابن عمر پر حد جاری کی جائے۔[38] ایک اور موقع پر جب ولید بن عقبہ کو شراب خوری کی بدمستی کے جرم میں کوڑے مارنے کے کام سے ہر شخص نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انکار کر دیا تو حضرت علی مرتضیٰؑ نے یہ سزا خود اپنے دست مبارک سے انجام دی۔[39] اصولوں کے ساتھ زبردست وابستگی کا سب سے قطعی اظہار وہاں بھی نظر آتا ہے۔ جب آپؑ نے معاویہ اور دوسرے اموی گورنروں کی برطرفی کے احکامات، باوجود اپنے ہی خواہوں کے اس مشورہ کے کہ پہلے مرکز میں اپنی طاقت کو مضبوط کیا جائے، جاری فرمائے۔[40]

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے حضرت علیؑ کی عام کنارہ کشی کے دور میں بھی ان کے اور اول دو خلفا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان سنگین اختلاف کے موضوعات موجود تھے۔ وہ دیوان (تقسیم و ظائف) کے معاملے میں حضرت عمرؓ کے قطعی مخالف تھے اور تمام بیت المال کو بغیر کچھ پس انداز کئے، تقسیم کرنے کے حق میں تھے جو بات حضرت عمرؓ تسلیم نہ کرتے تھے۔[41] چونکہ اس میں کئی انتظامی و مالی امور ملوث تھے لہٰذا اس اختلاف کو کم اہم نہیں گردانا چاہئے اور درحقیقت مختلف ذرائع معلومات اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ بہت سے بڑے بڑے تنازعات میں سے یہ بھی ایک بڑا متنازعہ موضوع تھا۔ نصر بن مزاحم المنقری (متوفی ۲۱۲ھ / ۸۲۷ء) نے جو کہ ابتدائی مورخین میں ایک اہم اور قابل اعتبار مورخ ہیں، حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان ہونے والی معلومات انگیز خط و کتابت کو ہمارے لئے محفوظ کیا ہے۔ معاویہ نے اپنے ایک مکتوب میں قتل عثمانؓ کی ذمہ داری کا الزام دینے کے علاوہ، جو اس خط کا مرکزی خیال ہے، حضرت علی مرتضیٰؑ پر اور بہت سی دوسری الزام تراشیاں کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ نے ابوبکرؓ کے خلاف بغاوت کرنے کی کوشش کی تھی، ان کی خلافت تسلیم کرنے میں لیت و لعل کیا تھا، پہلے دو خلفا کی خلافت کے دوران ان سے تعاون نہ کیا تھا اور متواتر ان سے اختلاف اظہار رائے کرتے رہے تھے۔[42] حضرت علیؑ نے اپنے جواب میں

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باقی تمام الزامات کو دروغ بیانی قرار دیتے ہوئے ابوبکرؓ سے اپنی خفگی و ناخشگی اور ان کو خلیفہ مان لینے میں لیت و لعل کو تسلیم کر کے اس کا دفاع کیا کہ انہی دلائل و براھین کی بنیاد پر وہ امت کی قیادت کے لئے خود کو بہتر و لائق سمجھتے تھے جن کا سہارا لے کر ابوبکرؓ نے انصار کے مقابلے میں اپنے استحقاق کو قائم کیا تھا۔ یعنی اگر قریش پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت و قربت کی وجہ سے انصار کے مقابلے میں بہتر موقف رکھتے تھے تو پھر بنوہاشم کے سب سے زبردست حقوق تھے کیونکہ وہ پیغمبر خداؐ سے قرابت میں قریب ترین تھے۔[43]

عبد الرحمنؓ بن عوف ان اختلافات سے پوری طرح باخبر تھے اور حضرت علیؑ کی طبیعت کی خودانحصاری و قطعیت سے بھی اتنے ہی باخبر تھے۔ لیکن اس مرتبہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور ابوعبیدہ بن جراحؓ جیسی طاقتور شخصیات کے انتقال کی وجہ سے حضرت علیؑ کو بغیر کسی مضبوط وجہ کے بالائے طاق رکھنا آسان نہ تھا کیونکہ حضرت علیؑ کے ممکنہ مدمقابل (یا عثمانؓ جیسے حریف) کئی حیثیتوں سے حضرت علیؑ سے بہت ہی کمتر تھے تاہم یہ قضیہ حضرت علیؑ کو مجلس شوریٰ میں ملوث کر کے سرانجام دیا گیا جس میں ان کے لئے ایک مضبوط اکثریتی حمایت حاصل کرنے کا کوئی امکان نہ تھا اور پھر ان کو ایسی شرائط پر خلافت کی پیش کش کر کے جو ان کو ناقابل قبول تھیں، زیر کر دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ ایک کمزور انسان تھے۔ خاندانی رشتہ اور ذاتی دوستی کے لحاظ و خیال کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی یہ کمزوری عبد الرحمٰن کی ان کے لئے حمایت کرنے کی وجوہات میں سے غالباً ایک ضروری وجہ تھی۔ عہدہ خلافت کے لئے اپنے استحقاق کی کمزوری بھانپتے ہوئے عبد الرحمٰن ایک ایسے فرد کی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے جو صرف ان پر بھروسہ کرے اور ان کے مقاصد کو پورا کرے جو قریش کے دولت مند و باثروت طبقے سے متعلق تھے۔ حضرت علیؑ جو غریب و

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علائق دنیا سے پرہیز گارانہ ذہنیت (زہد) رکھنے والے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے' مادی آسائشوں کو اکثر یہ کہہ کر مذموم و مطعون کر چکے تھے۔

"اے سنہری و روپہلی سکو! جاؤ میرے علاوہ کسی اور کو دام فریب میں مبتلا کرو۔"[44]

اس انداز فکر کے عین مقابل عبد الرحمٰن اور شوریٰ کے دوسرے اراکین باثروت و متمول انسان تھے اور اب بزنطینی اور ایرانی سلطنتوں کی فتح کے بعد یہ لوگ بڑے حریصانہ انداز میں اس زبردست مواقع سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں تھے جو تازہ تازہ معرض وجود میں آ رہے تھے۔ خلافت عثمان ؓ نے ان کو اس قسم کی عمدہ صورت حال سے ہم کنار کیا اور چند ہی سال میں یہ لوگ کافی دولت جمع کر کے معاشرہ کے امیر ترین افراد بن چکے تھے۔ حضرت عثمان ؓ نے خود اپنی وفات پر ایک لاکھ دینار' ۱۰ لاکھ درہم اور ایک لاکھ دینار سے زیادہ مالیت کی جائیداد چھوڑی تھی۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے گلے کے گلے اس کے علاوہ تھے۔ اسی طرح عبد الرحمٰن' طلحہ' زبیر اور سعد بن ابی وقاص کی دولت کا اندازہ لاکھوں' کروڑوں دینار میں لگایا گیا ہے'[45] لہٰذا گروہی سیاست اور جماعتی طرف داری کے علاوہ یہ بات لازمی تھی کہ ایسے لوگ اپنے ہی طبقہ کے کسی فرد کا انتخاب کریں۔

حضرت عثمان ؓ کا انتخاب بھی حضرت علیؑ اور ان کے دیرینہ پرجوش ساتھیوں کی طرف سے بغیر زبردست احتجاج کے بروئے کار نہ آیا۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں قریش کی مذہبی و سیاسی قیادت کے سلسلے میں دیرینہ تنازعات کو سامنے رکھتے ہو جو بنی ہاشم بن عبد مناف اور ان کے بھائی عبد الشمس کے زمانے تک پھیلے ہوئے تھے' کوئی بھی بنی ہاشم کے جذبات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ نیا اقتدار جس کا صدور محمد عربیؐ الہاشمی سے ہوا تھا اب ایک اموی نے

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چھین لیا تھا۔ حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ کے حامیوں کے درمیان عبد الرحمٰن کے اس اعلان کے بعد کہ موخرالذکر خلیفہ منتخب ہو گئے ہیں، جن سخت الفاظ و کلمات و گفتار کا تبادلہ ہوا، نہ صرف وہ دونوں طرف کی حمایت کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ فہم و فکر کے نئے زاویوں اور طرز عمل میں بنیادی اختلافات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ابن ابی سرح بدنام زمانہ اموی تھا، جسے رسول پاکؐ نے گردن زدنی قرار دیا تھا۔[46] وہ حضرت عثمانؓ کے حق میں نہایت پر جوش تھا اور اس نے اور حضرت عثمانؓ نے ایک ہی دایہ کا دودھ پیا تھا۔ وہ عبد الرحمٰن سے یوں مخاطب ہوا "اگر تم چاہتے ہو کہ قریش تقسیم نہ ہوں تو عثمانؓ کا تقرر کر دو۔" اس پر عمار بن یاسرؓ نے جو علی ابن ابی طالبؑ کے جاں نثار طرف دار تھے، ابن ابی سرح کو سرزنش کرتے ہوئے اور اس کے اسلام دشمن سابقہ کردار کا حوالہ دیتے ہوئے ملامت بھرے انداز میں کہا "تم مسلمانوں کے مشیر کب سے بن گئے"[47] اس کے نتیجہ میں بنی امیہ اور بنی ہاشم میں زبردست نوک جھونک ہوئی۔ اس مقام پر عمارؓ یاسر کا بیان قابل ذکر ہے۔ انہوں نے کہا:

"اے لوگو! اللہ نے اپنے نبیؐ کے ذریعہ ہم کو بے انتہا عزت بخشی اور اپنے دین کے ذریعہ ہمیں ممتاز کیا مگر تم اپنے رسولؐ کے اھل بیتؑ ہی سے منہ موڑ رہے ہو۔"

اس کے جواب میں بنی مخزوم میں سے کسی نے جو بنی ہاشم کے دیرینہ حریف تھے فوراً یہ جواب دیا:

"یہ معاملہ قریش کا اپنا ہے وہ چاہے جیسے طے کریں (عمار جنوبی عرب کے رہنے والے تھے)۔ تم ہمارے معاملات میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟"[48]

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقداد کا احتجاج عمارؓ کے احتجاج کے مقابلے میں اور بھی سخت تر تھا انہوں نے کہا:

"یہ دیکھ کر بے انتہا دکھ ہوتا ہے کہ لوگ نبی پاکؐ کے بعد ان کے خاندان کے ساتھ کیا سلوک و احترام روا رکھ رہے ہیں۔ یقیناً یہ ایک تشویش انگیز بات ہے کہ قریش اس شخص کو چھوڑ چکے ہیں اور نظرانداز کر چکے ہیں جو ان میں بہترین فرد ہے۔"

اس پر کسی نے مقدادؓ سے پوچھا: "یہ اہل بیت کون ہیں اور ان میں وہ کون سا فرد ہے؟" مقداد نے جواب دیا کہ اہل بیت سے مراد بنو عبد المطلب اور وہ شخصیت علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔[49] ان احتجاجات کو نہایت سنگین زبانی جھگڑوں کے دستاویزی و تحریری بقایا جات کہا جا سکتا ہے، وہ حوادث جو اسلام کے اس اہم دور کی تاریخ میں نمایاں رجحانات کے آثار ہیں۔

لیکن جس بات کو یہاں خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی قیادت کے سلسلہ میں اہل بیت رسولؐ کا لفظ متواتر استعمال ہوتا رہا ہے۔ بعض عرب حلقوں میں مہذب خانوادوں کی اہمیت اور مقدس سلسلہ ہائے نسب کا تصور پیش نظر رکھتے ہوئے، جیسا کہ باب اول میں تفصیلا" زیر بحث آ چکا ہے، یہ بات باآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ بعض لوگ بعد وفات رسولؐ ان کے خاندان کے اس طرح محروم کئے جانے پر کتنے حیران و پریشان تھے۔

تاہم پورے واقعہ شوریٰ میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل پہلے دو خلفا کی سیرت کے اتباع سے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا تاریخ ساز انکار ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کا یہ دو ٹوک اعلان اس اہم ترین ابتدائی نظریاتی اساس کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قائم کرتا ہے جس پر نتیجتاً شیعہ و سنی ناموں سے قانون شرع کے دو مختلف مکاتب فکر کی عمارت بعد میں تعمیر ہونی شروع ہوئی ہے' اول الذکر مسلک فکر میں اثنا عشریہ' اسمعیلیہ اور زیدیہ فرقے شامل ہیں جبکہ موخر الذکر میں حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی فرقے ہیں۔ اگر دونوں مکاتب فکر کے درمیان اصولی و نظریاتی اختلافات واقعہ سقیفہ سے شروع ہوتے ہیں تو قانونی و آئینی معاملات میں اختلافات کم از کم فکری و علمی سطح پر سیرت شیخین کے اتباع سے حضرت علی مرتضیٰؑ کے انکار سے شروع ہوتے ہیں۔ لٰہذا یہ انکار شیعہ آئینی فکر کے ارتقا کی خشت اول قرار پاتا ہے۔ تاریخی نظریات کا مفسر اس حقیقت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کوئی بھی نظریہ اپنے پورے خدوخال میں نشوونما پانے کے لئے کافی وقت لیتا ہے' اور جیسا کہ عنقریب ہم جائزہ لیں گے جس نظریہ کا حضرت علی مرتضیٰؑ نے مجلس شوریٰ میں اظہار کیا تھا اس نے اپنا ایک علیحدہ قابل شناخت تشخص حاصل کرنے میں کم از کم ۵۰ سال کا عرصہ لیا اور اپنی پوری اہمیت و یکسانیت تک پہنچنے کے لئے امام جعفر صادقؑ کے دور امامت تک کا سفر طے کیا۔

گفتگو کے اس دور کا خلاصہ کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انتخاب عثمانؓ زیادہ تر معاشی' سماجی اور قبائلی مقاصد پر مبنی تھا جن کی تصویر عثمانؓ کے حق میں کی گئی تقاریر سے واضح طور پر جھلکتی ہے۔ اس کے برعکس حضرت عثمانؓ کے تقرر کے خلاف صدائے احتجاج اور حضرت علیؑ کے حق میں مطالبہ انصاف عمارؓ و مقدادؓ جیسے افراد کی طرف سے صرف اور صرف مذہبی و دینی تمناؤں پر مبنی تھا جو دلائل ان طرف داران علیؑ کی طرف سے پیغمبر اسلامؐ سے ان کی قربت و قرابت سے متعلق اور ان کی اسلام کے لئے بے مثال خدمات کے متعلق پیش کئے گئے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ عملی طور پر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان ہی بیانات کی صدائے بازگشت میں جو ۱۰ سال پیشتر محفل سقیفہ میں حضرت علیؑ کے حق میں دیئے گئے تھے اور باوجود اپنے خانہ نشین و کنارہ کش رویہ کے حضرت علیؑ اب بھی معاشرہ میں عقیدت مند طرف داروں کا ایک حلقہ برقرار رکھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات باب نمبر 3

1- حضور نبی کریم ﷺ کی حین حیات حضرت علی مرتضیٰؑ کی مقادات اسلام کی سربلندی کے لئے سرگرم شرکت اور مسلسل خدمات سے باخبر ہونے کا سب سے مکمل اور معتبر ذریعہ ابن ھشام کی کتاب سیرہ ہے۔

2- اس موازنہ کی نشان دہی Veccia vaglire نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام محولہ بالامیں اپنے ایک مضمون Ali میں کی ہے۔

3- طبری جلد اول ص 1827 بلاذری جلد اول ص 588

4- مثلاً استیعاب جلد سوئم ص 1104۔ البتہ شیعہ ذرائع کے لئے دیکھئے علامہ مجلسی کی بحار الانوار جلد ہشتم ص 59۔ علامہ طبرسی کی احتجاج جلد اول ص 103

5- Vagleri کا مضمون Ali انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں

6- اثنا عشریہ کے لئے ملاحظہ ہو کلینی کی اصول کافی اور فروع کافی اور اسماعیلیہ کے لئے ملاحظہ ہو قاضی نعمان کی دعائم الاسلام

7- البتہ بعض دانشوروں نے نہج البلاغہ کے مستند ہونے پر شک کیا ہے اور خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ الشریف الراضی کی لکھی ہوئی ہے اور انہوں نے اسے حضرت علیؑ سے منسوب کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں میری تحقیق کی رو سے یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ الشریف الراضی نے جو اس کتاب کے مولف ہیں 406ھ بمطابق 1115 عیسوی میں انتقال کیا ہے لیکن میں نے نہج البلاغہ کے اکثر مندرجات

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو لفظ بہ لفظ ایسے تاریخی ذرائع میں موجود پایا ہے جو اسلامی پانچویں صدی سے کہیں پہلے کے تحریر شدہ ہیں مثلاً ان ذرائع میں شامل ہیں نصر بن مزاحم المنقری کی "واقعات صفین۔" یعقوبی کی "تاریخ۔" جاحز کی "البیان والتبیان۔" مبارز کی "کامل" بلاذری کی "انساب الاشراف" اور بہت سی دوسری معیاری کتب جو دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی لکھی ہوئی ہیں میں آجکل نہج البلاغہ کا ایک تجزیاتی ترجمہ کرنے میں مصروف ہوں جس میں، ان تمام ذرائع کی پوری طرح چھان بین کی جائے گی اور ان کے محل وقوع کی نشان دہی کی جائے گی

8۔ حیان، الیمامہ میں ایک شاہانہ جاگیر کے مالک تھے جہاں انہوں نے اپنی سرپرستی میں بنو قیس کے شاعر آعشہ کو پورے آرام اور آسائش میں رکھا ہوا تھا۔ حیان کی وفات کے بعد شاعر کے تمام حقوق و مراعات ختم ہو گئے اور وہ غربت کا شکار ہو گیا ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا۔ جناب علی مرتضیٰؑ عائشہ کے حوالے سے حضور نبی کریمؐ کی زندگی میں اپنی پر وقار حیثیت اور سرگرم زندگی کا حضور نبی کریمؐ کی وفات کے بعد لوگوں کے اپنے ساتھ بے التفات رویہ سے موازنہ کر رہے ہیں۔ دیکھئے حدید: شرح جلد اول ص 166 وبعد،

9۔ نہج البلاغہ تدوین محمد ابو الفضل ابراہیم (قاہرہ 1963) جلد اول ص 29 الشریف الراضی سے قبل کے باقی ذرائع کے لیے دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح جلد اول ص 205 وبعد اور اسی کتاب میں جگہ بہ جگہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ ابو جعفر احمد بن محمد (متوفی 274ھ بمطابق 887ء) کی تصنیف کتاب المحاسن۔ ابراہیم بن محمد الثقفی (متوفی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

283ھ بمطابق 896ء) کی تصنیف کتاب الغارات۔ ابو علی محمد بن عبدالوھاب الجبئی (متوفی 303ھ بمطابق 915ء) اور ابوالقاسم البلخی (متوفی 502ھ بمطابق 1108ء) کی تصنیف کتاب الانصاف وغیرہ کے حوالوں سے مزین ہے۔

مزید ملاحظہ ہو شیخ صدوق (متوفی 381ھ بمطابق 991ء) کی کتاب علل الشرائع ص 68۔ معانئی کی کتاب الاخبار ص 132۔ شیخ مفید (متوفی 413ھ بمطابق 1022ء) کی تصنیف ارشاد ص 166۔ محقق طوسی (متوفی 460ھ بمطابق 1067ء) کی تصنیف امالی ص 237۔

10۔ ابن سعد جلد دوم ص 314 وبعد'۔ ابن ہشام جلد سوئم ص 352 ' 368۔ یعقوبی جلد دوم ص 127۔ استیعاب جلد دوم ص 571 اور محولہ بالا Vaglieri کا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مضمون "فدک" بھی ملاحظہ ہو شیعہ نقطہ نظر کے لئے دیکھئے طبرسی کی کتاب احتجاج جلد اول ص 131 تا 149

11۔ ابن سعد کے ہاں مختلف نقطہ ھائے نظر جلد دوم ص 314 وبعد' امام بخاری۔ صحیح جلد دوم ص 435۔ اور شیعہ نقطہ نظر کے لئے ملاحظہ ہو یعقوبی جلد دوم ص 127 اور امینی کی کتاب اعیان جلد دوم ص 461 وبعد' بھی ملاحظہ ہو۔

12۔ جاحز: "رسایل" تدوین سندوبی "من کتابہ فی العباسیہ" ص 300

13۔ طبری جلد اول ص 1825۔ صحیح بخاری جلد پنجم ص 288۔ ابن سعد جلد ہشتم ص 29۔ مسعودی: تنبیہہ ص 288۔ ابن حجر عسقلانی: صواعق ص 12'

14۔ طبری میں اس کی ساری تفصیل ملاحظہ ہو جلد اول ص 2137۔ یعقوبی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جلد دوم ص 136' حدید: شرح جلد اول ص 163 وبعد'

15- یعقوبی حوالہ محولہ بالا۔ طبری بھی ملاحظہ ہو جلد اول ص 2138۔ عقد جلد چہارم ص 267 البتہ یہاں الفاظ میں کچھ ردو بدل ہے۔

16- طبری جلد اول ص 2137۔ یعقوبی حولہ محولہ بالا۔ حدید: شرح جلد اول ص 164۔ مبارز کی کتاب کامل جلد اول ص 7 بھی ملاحظہ ہو۔

17- مقابلہ کیجئے مسعودی: مروج جلد دوم ص 332 فٹ نوٹ

18- مقابلہ کیجئے Vaglieri کا انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مضمون Ali سے

19- طبری جلد اول ص 2769

20- بحوالہ قرآن سورہ 47 آیت 9

21- بحوالہ قرآن سورہ 33 آیت 33

22- طبری جلد اول ص 2770'

23- ابو عبیدہ بن الجراح جن پر حضرت عمرؓ پورا اعتماد کرتے تھے اور جو بڑے تین اصحاب کے رکن تھے مگر 639۔ 640 کے طاعون میں انتقال کر چکے تھے۔

24- ابن سعد جلد سوئم ص 61 وبعد'331' بلاذری جلد پنجم ص 16 بعد' یعقوبی جلد دوم ص 160'۔ طبری جلد دوم ص 2778 بعد' مسعودی: تنبیہہ ص 290'۔ ذھبی: تاریخ جلد دوم ص 74۔ حدید: شرح جلد اول ص 163' 185' عقد جلد چہارم ص 275۔

25- استیعاب جلد چہارم ص 1697 تا 1699۔ تہذیب جلد سوئم ص 414۔

26- ابن سعد جلد سوئم ص 341' بلاذری جلد پنجم ص 18' یعقوبی جلد دوم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ص 160۔ طبری جلد اول ص 2779، مسعودی: تنبیہہ ص 291۔
عقد جلد چہارم ص 275۔ حدید: شرح جلد اول ص 187

27۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے طبری میں جس کا حوالہ اوپر آیا مختلف اسناد اور بلاذری جنکا حوالہ بھی اوپر آیا جن کے ہاں واقدی سے جو بڑا کٹر عثمانیؓ حامی تھا محمد بن سعد کی روایات بالکل ابو مخنف کی روایات سے مشابہ ہیں جو کہ ایک مسلمہ شیعہ ہے۔ حتی کہ عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ سے منسوب روایات بھی یکساں ہیں

28۔ Studies جلد اول ص 80 تا 99

29۔ ابن سعد جلد سوئم ص 344، بلاذری جلد پنجم ص 16۔ 18 طبری جلد اول ص 2778۔ عقد چہارم ص 275۔

30۔ ملاحظہ ہو طبری جلد اول ص 2779 پر حضرت عمرؓ کی مجلس شوری کے اراکین سے خصوصاً حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ سے گفتگو۔ بلاذری جلد پنجم ص 16 پر گفتگو۔ اس موضوع پر سب سے ابتدائی ذریعہ غالباً تاریخ الخلفا کا وہ حصّہ ہے جہاں حضرت عمرؓ کی انتخاب کرنے والوں سے گفتگو مندرج ہے اور جو حضرت عمرؓ کی حضرت علیؑ کے استحقاق کی طاقت سے باخبری (گو کہ انکی قبولیت نہیں) کو ظاہر کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو Nabia Abbott کی کتاب Studies جلد اول ص 81۔ ابن سعد کی جلد سوئم ص 62 اور ص 339 کے بعد، بھی ملاحظہ ہوں جس میں کہ بعد کے ایک انداز فکر نے حضرت علیؑ کے نقصان پر روایت میں ایک ڈرامائی تبدیلی کا اضافہ کر دیا ہے

31۔ بلاذری جلد پنجم ص 19۔ طبری جلد اول ص 2780۔ عقد جلد چہارم ص 276۔ حدید: شرح جلد اول ص 191۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

32- آغانی جلد چہارم ص 334'

33- بلاذری جلد پنجم ص 19- طبری جلد اول ص2780- عقد جلد چہارم ص 275

34- بلاذری جلد پنجم ص 12' طبری جلد اول ص 2779 بعد'

35- یعنی جب میری ذاتی فوقیت بمقابلہ حضرت ابو بکرؓ قابل اعتراض نہ تھی تو میری فضیلت سعد ابن ابی وقاصؓ ' عبدالرحمن عوفؓ اور حضرت عثمانؓ سے کیونکر مقابلہ کی جانے لگی۔

36- مندرجہ بالا حاشیہ نمبر8 ملاحظہ ہو۔

37- بلاذری جلد پنجم ص 22- یعقوبی جلد اول ص 162- طبری جلد اول ص 2793- عقد جلد چہارم ص 279- حدید: شرح جلد اول ص 188'1994-

38- بلاذری جلد پنجم ص 24- طبری جلد اول ص 2796

39- بلاذری جلد پنجم ص 33- مسعودی: مروج جلد سوئم ص 225

40- طبری جلد اول ص3082 بعد' 3085- دینوری اخبار ص 142 مسعودی : مروج جلد دوم ص 353 و بعد- یعقوبی جلد دوم ص 180-

41- ملاحظہ ہو Vaglieri کا مضمون Ali محولا بالا-

42- منقاری "واقعات صفین" ص 87

43- یہی حوالہ ص 89

44- ابن خلدون: مقدمہ ص 542- عقد جلد چہارم ص 313 مسعودی: مروج جلد دوم ص 425' بھی ملاحظہ ہوں

45- ہر ایک کی دولت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن خلدون حوالہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مندرجہ بالا۔ مسعودی: مروج جلد دوم ص 332۔

46۔ بلاذری جلد پنجم ص 49۔ طبری جلد اول ص 2871

47۔ طبری جلد اول ص 2785۔ عقد جلد چہارم ص 279

48۔ حوالہ مندرجہ بالا۔

49۔ طبری جلد اول ص 2786 و بعد'۔ حوالہ محولہ بالا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب چہارم

رفقائے علیؑ کا ظہور ثانی

خلافت عثمانیؓ کی ابتدا ۲۴ھ بمطابق ۶۴۴ء سے لے کر شہادت علی مرتضیٰؑ ۴۱ھ بمطابق ۶۶۱ تک کا سولہ سال کا دور خلافت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے گذشتہ دور کے مقابلہ میں اسلام میں شیعیت کے فروغ کے سلسلے میں ایک نمایاں فرق کی نمائندگی کرتا ہے۔ کئی حیثیتوں سے یہ دور نقطہ انقلاب ثابت ہوتا ہے۔ اول تو یہ کہ اس دور نے ایک ایسی فضا قائم کی جس نے شیعہ رجحانات کو زیادہ واضح اور نمایاں ہونے میں مدد دی۔ دوسرے یہ کہ جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے اب تک کی غیر فعال شیعہ تحریک کو ایک سرگرم بلکہ بعض اوقات والہانہ رنگ دے دیا۔ آخری بات یہ کہ جو حالات رونما ہوئے انہوں نے شیعہ موقف کو سب سے پہلی مرتبہ سیاسی' جغرافیائی اور معاشرتی مقاصد سے وابستہ کر دیا۔ یہ ایک ایسا دور ثابت ہوا جس میں ابتدائی شیعوں کی حضرت علیؑ کے خلیفہ ہو جانے پر اظہار جذبات کی خواہش' اصحابؓ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پاک کا مذہبی جذبہ، ذاتی عداوتیں، علاقائی و معاشی مفادات، سیاسی جوڑ توڑ اور امیروں کے خلاف غریبوں کی بے چینی، یہ سب حالات مل جل کر ظاہر ہوئے۔ اس اجتماع عوامل نے شیعہ تحریک کی سرگرمیوں کو نہ صرف ایک نیا میدان عمل دیا بلکہ اس تحریک کے حلقہ اثر کو ان افراد تک وسعت دی جن کو اپنی سیاسی رنجشوں کے لئے کسی ذریعہ اظہار کی ضرورت تھی، بالخصوص اس نے ان لوگوں کو موقع فراہم کیا جو اموی جاہ طلب اور شامی فوقیت کے نمائندہ کی حیثیت سے معاویہ کے خلاف تھے۔ ان افراد نے حضرت علیؑ کو عراقیوں کی سیاسی آزادی کا علم بردار سمجھتے ہوئے، اس شامی غلبہ کا مخالف سمجھتے ہوئے ان کی حمایت کی اور ایک عرصہ کے لئے حضرت علیؑ کے ان مذہبی طرف داروں کا سا انداز فکر اختیار کر لیا جو حضرت علیؑ کو خلاف الٰہیہ کے اصول کی بنیاد پر مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ اس وقت سیاسی شیعہ جماعت کا ظہور ان کی تعداد و تاثیر میں اضافہ سے اور ان کی نشوونما میں تیز رفتاری سے متشخص ہوتا ہے جس دور میں شیعیت کا یہ ظہور واقع ہوا اس دور کا ایک جائزہ اسلام کے مرکزی حصہ میں پڑنے والے شگاف کو صاف طور پر دیکھنے میں مدد دیتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اپنے کنبہ یا قبیلے والوں کو ملت مسلمہ کی قیادت میں کوئی خاص حصہ نہیں دیا تھا اور نہ ہی ان کے قبیلے والے کسی خاص سیاسی اہمیت کے مالک تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کا مسئلہ مختلف تھا۔ حضرت محمد مصطفٰیؐ کے غالب آ جانے کے بعد ہاشمیوں کے مقابلے میں دوسرے درجہ تک گر جانے کے بعد ان کا قبیلہ اپنی سابقہ سیاسی اہمیت کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ منتخب ہو گئے تو بنی امیہ نے اس کیفیت کو اپنے پورے قبیلہ کی فتح قرار دیا اور محض حضرت عثمانؓ کی ذاتی کامیابی نہ جانا۔[41] ان کے خیال سے یہ ظاہر تھا کہ خلیفہ ان کو فوائد خلافت میں حصہ بٹانے دیں گے اور

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان کے مطالبات رد نہیں کر سکیں گے جبکہ حضرت عثمان کا خود اپنا بھی یہی خیال تھا کہ ان کا استحکام ان کے طاقت ور قبیلے والوں کی طرف سے ان کی حمایت و خوشنودی میں مضمر ہے۔ لہٰذا ان کے مطالبات کے پورا کرنے کے لئے جو کچھ بھی ان کے بس میں تھا وہ کر گزرے اور لوگوں پر ایک درد ناک انکشاف حقیقت اس وقت ہوا جب انہوں نے خلیفہ کو بجائے پوری ملت کی فلاح و بہبود کے صرف اپنے قبیلے کی تقدیر پلٹنے میں وقف و منہمک پایا۔ حضرت عثمانؓ نے اقرباپروری اور اعزا نوازی میں کسی قسم کی پردہ داری سے کام نہ لیا بلکہ ان اقدامات کا یہ جواز بتایا کہ:

> "پیغمبر اسلامؐ خود اپنے اعزا کو عہدے عنایت کیا کرتے تھے اور میں تو ان لوگوں کا رشتہ دار ہوں جو غریب ہیں۔ لہٰذا میں اپنے ہاتھوں کو اس کام کے لئے کشادہ کر رہا ہوں جس کو مجھے مروت و لحاظ سے کرنے کی خاطر سونپا گیا ہے۔"[ے]

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے سریر خلافت پر متمکن ہونے کے چند ہی سال میں بنی امیہ کوفہ، بصرہ (ایک بہت بڑے علاقے کا مرکز جس میں ایران، وسط ایشیا تا حدود سندھ شامل تھا) شام اور مصر کی صوبے داریاں آپس میں بانٹ چکے تھے جو کہ سلطنت کے تمام اہم صوبے تھے۔ یہ اموی صوبے دار اپنے مقام پر اپنے قبیلے والوں کی مدد پر انحصار کرتے تھے جن کو انہوں نے اپنی مٹھی میں لے کر ان کو خلیفہ کی مشاورتی کونسل میں غالب اکثریت دلوائی۔[ے] زیادہ نازک مسئلہ یہ نہ تھا کہ بنی امیہ اقتدار و مفاد کی تمام حیثیتوں پر چھائے ہوئے تھے بلکہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو اپنے اور اپنے رشتہ داروں کو اختیارات کے ناجائز استعمال و من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی اور اس طرح وہ عام مسلمانوں کی بے اطمینانی و نفرت کا باعث

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہو رہے تھے۔ عبد اللہ ابن سعد ابن ابی سرح، حضرت عثمانؓ کا دودھ شریک بھائی جو مصر کا حاکم اعلیٰ تھا، ایک بہت ہی ناپسندیدہ شخصیت تھا جس کو فتح مکہ کے دوران رسول پاکؐ نے قتل کر دیئے جانے کا حکم دیا تھا۔[۶۵] ولید بن عقبہ، حضرت عثمانؓ کا سوتیلا بھائی، کوفہ والوں کی شدید نفرت کا مرکز تھا، جن سے وہ بڑے بہیمانہ انداز میں پیش آتا تھا۔ اس نے سرکاری اراضی اپنے منظور نظر افراد میں تقسیم کی اور انتہا یہ کہ اپنے آپ کو شراب کے نشہ میں بدمست کر کے ذلیل و رسوا کیا۔[۶۶] حضرت عثمانؓ اسے واپس بلانے پر مجبور ہو گئے لیکن اس کی جگہ اپنے ایک اور قریبی عزیز سعید ابن عاص کو مقرر کر دیا جس نے اپنی دست درازیوں سے علاقہ کے معززین کو مشتعل کیا اور پھر اس اعلان سے کہ سواد کوفہ باغ قریش کی ملکیت میں تبدیل کر دیئے جائیں گے، ان کو مزید خوفزدہ کر دیا۔ اس قسم کی بدنظمیوں سے مشتعل ہو کر کوفہ کے قاریوں کی ایک جماعت مالک بن حارث النخعی، سلیمان بن صرد الخزاعی، حجر بن عدی الکندی اور شریح بن عوف العبسی اور دوسرے افراد نے سعید کے رویہ پر احتجاج کیا جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مناسب تحقیقات کی بجائے حضرت عثمانؓ نے ان محرکین کو معاویہ کے ہاتھ سے درست کروانے کے لئے شام بھیج جانے کا حکم دے دیا۔[۶۷]

ان ممتاز قراء کے اسمائے گرامی کو سنجیدگی سے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ بعد میں یہی افراد کوفہ میں شیعہ تحریک کے سربراہوں کے طور پر ظاہر ہوئے۔ یہ افراد جنگ جمل اور جنگ صفین میں سپاہ علوی کے ہراول دستوں میں لڑے، حتیٰ کہ شہادت علی مرتضےٰؑ کے بعد بھی یہ کسی طرح معاویہ سے ہم آہنگ نہ ہو پائے۔ علیٰ ہذالقیاس مصر اور بصرہ کے قاریوں کی جماعتیں بھی اپنے اپنے علاقوں کے اموی صوبے داروں کے عوام کے ساتھ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ظالمانہ سلوک اور دست درازیوں کے خلاف' جس کی اجازت خلیفہ کی طرف سے ان کو حاصل تھی' اپنے احتجاج میں کم شدید نہ تھیں۔ قاریان قرآن کے اس اختلاف نے مختلف صوبہ جات میں مذہبی حلقوں کی نظر میں حضرت عثمانؓ کی بدنامی کو انتہا تک پہنچا دیا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ لفظ قراء (قرآن پڑھنے والے) جو مختلف مؤرخین نے استعمال کیا ہے' مذہبی امور میں نہایت ممتاز اور لوگوں میں نہایت نامور و معروف افراد کے معنی رکھتا تھا۔ یہ وہ افراد تھے جو لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور ارکان و فرائض دین سکھاتے تھے۔ لازمی امر ہے کہ لوگوں کی نظر میں یہ حضرات نہایت عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے اور لوگوں میں اہل الرائے تسلیم کئے جاتے تھے۔

اپنے قبیلہ کے افراد کو نہایت منافع بخش عہدوں پر مقرر کرنے کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے اور بہت سے لوگوں کو بڑے بڑے تحفوں سے نوازا۔[7] اس کے ساتھ ساتھ بعض صحابہ کرام سے حضرت عثمانؓ نے بڑا درشت برتاؤ بھی کیا۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ کو ولید بن عقبہ کے ساتھ جھگڑے کے بعد' جو اس وقت کوفے کے وزیر خزانہ تھے' واپس بلا لیا گیا اور خلیفہ نے اپنی موجودگی میں ان کو زد و کوب کروایا۔[8] اس سے بدتر وہ سلوک تھا جو عمار بن یاسرؓ کے حصّہ میں آیا جب وہ ابن ابی سرح کے خلاف ایک شکایتی خط لے کر مصر سے آئے تو ان کے ساتھ گالیوں کی حد تک بدکلامی کی گئی اور انہیں اتنا پیٹا گیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔[9]

حضرت عثمانؓ کے دور حکومت کے آخری چند سال میں آبادی کی اکثریت بڑے بڑے عہدوں پر متمکن اموی امرا کی اس ظالمانہ خود غرضی پر بڑی بے چینی سے کھول رہی تھی جو دولت و عیاشی سے لطف اندوز ہو رہے تھے' بدکاری و اخلاق باختگی میں دھنستے چلے جا رہے تھے اور اس بے پناہ دولت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو بے دریغ خرچ کر رہے تھے جو ناجائز طریقے سے انہوں نے حاصل کی تھی۔ اس کے نتیجہ میں معاشی و سماجی شیرازہ میں پیدا ہونے والے عدم توازن نے آبادی کے بہت سے طبقوں میں کوفت کو بڑھایا اور کسی بھی دھماکے کے لئے کافی مقدار میں آتش گیر مواد جمع کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے نظام حکومت کے ان بے باک ناقدین میں پیش پیش ایک ابو ذر غفاریؓ بھی تھے جو زھد و تقویٰ اور کفایت و دیانت کے ایک بے خوف اور اٹل طرف دار و پیرو کار تھے' جو چند افراد کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کے خلاف شدت سے احتجاج کرتے تھے اور اراضی کو عوام الناس میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کے اس طرح مسجد نبویؐ میں امیروں کے خلاف بلند احتجاج کو پسند نہ کرتے ہوئے ان کو شام کی طرف نکلوا دیا۔ کچھ عرصہ بعد ہی معاویہ کی طرف سے ابوذرؓ کی خطرناک سرگرمیوں کی شکایات سے بھرپور خط خلیفہ کو موصول ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ ابوذرؓ کو لکڑی کے پالان والے اونٹ سے باندھ کر کسی محافظ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا جائے۔ ابوذرؓ مدینہ میں تقریباً نیم مردہ حالت میں پہنچے' اس طرح کہ گوشت ان کی رانوں سے لٹک رہا تھا۔ اس کے بعد ہی ان کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا جہاں بہت جلد ان کی موت واقع ہو گئی۔[10]

حضرت عثمانؓ اور طبقہ امراء کے خلاف تمام صوبوں میں ان کی بے راہ رویوں کے تذکرے عام ہوتے چلے جا رہے تھے اور تلخی و ناگواری کی ایک لہر ابھار رہے تھے جس کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کے حق خلافت کی اشاعت بھی ہو رہی تھی۔

اس سلسلہ میں ابوذرؓ کی وہ تقاریر جو اکثر و بیشتر مسجد نبویؐ میں ہوتی تھیں' خاص دلچسپی کی حامل ہیں۔ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے وہ کہا کرتے تھے:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"......... علیؑ محمد مصطفےؐ کے وصی ہیں اور ان کے علم کے ورثہ دار (وارث) ہیں۔ اے اپنے نبیؐ کے بعد بوکھلائے ہوئے اور چکرائے ہوئے لوگو! اگر تم ان ذوات کو ترجیح (قیادت میں) دیتے ہو جن کو اللہ نے ترجیح دی ہے' ان کو رد کرتے ہو جن کو اللہ نے رد کیا ہے اور اگر تم نیابت و خلافت کو اہل بیت رسولؐ ہی میں محفوظ و مستحکم سمجھتے ہو' تو یقیناً خوشحال ہو گے اور تمہاری گزر اوقات کے وسائل بہت بڑھا دیئے جائیں گے۔"[11]

ہمیں ایسے مؤرخین کے نقطہ نظر سے زبردست اختلاف ہونا چاہیئے جنہوں نے اپنے قلم اس بات کو ثابت کرنے کے لئے گھسائے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت صرف چند مفسدہ پردازوں کی ناپاک ریشہ دوانیوں اور من گھڑت و بے بنیاد شکایتوں کی وجہ سے تھی۔ یہ مؤرخین اس حقیقت کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ یہ فتنہ پرداز' اگر ان کو ایسا فرض بھی کر لیا جائے' جن شکایات کے لئے احتجاج کر رہے تھے' وہ درست تھیں اور صحابہ کرامؓ کی خاموش طرف داری جو اس احتجاج کو ضروری توثیق فراہم کر رہی تھی' وہ بھی نظرانداز کی جا رہی تھی کیونکہ کسی بھی بے چینی کے کھلی بغاوت میں نموپذیر ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں: قیادت جو ان افراد سے ابھرتی ہے جن کو معاشرہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور دوسرے کارروائی کو منظم کرنے اور متفقہ و متحدہ اقدام کرنے کا وقت و مقام۔ خلافت عثمانؓ کے آخری چند سال میں یہ دونوں ضروری عناصر موجود تھے۔[12] صحابہ کرام کا رویہ جن میں حضرت علیؓ' حضرت طلحہؓ' حضرت زبیرؓ نمایاں ہیں' بالکل واضح ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی مواد موجود ہے کہ تقریباً تمام صحابہؓ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خاص طور پر یہ تین حضرات حضرت عثمان ؓ کے دستور العمل کی مخالفت میں یکساں شدت سے احتجاج کر رہے تھے حتیٰ کہ عبد الرحمٰن ؓ بن عوف (متوفی ۳۲ھ بمطابق ۶۵۲ء) جنہوں نے حضرت عثمان ؓ کے منتخب کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کیا تھا' ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بلوے و ہنگامے شروع ہونے سے بہت پہلے اس چیز کی جانب اشارہ کر دیا تھا کہ:

> "وہ حضرت عثمان ؓ کے اقدامات کو اس عہد و پیمان کی خلاف ورزی تصور کرتے ہیں جو ان کے انتخاب کے وقت انہوں نے ان کو سونپا تھا۔"[13]

ہم ان اطلاعات سے اتفاق نہ بھی کریں کہ صحابہ کرام ؓ نے صوبوں کے باشندوں کو خطوط لکھے یا کسی منظم انداز میں ان کو حقیقتاً بھڑکایا' پھر بھی یہ امر واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے نظریات کا برملا اظہار کیا اور باغیوں کو ہر طرح کی اخلاقی مدد دی۔

اس دور کے حالات پر حضرت علیؑ کا رویہ ابوذر ؓ کو دی جانے والی سزا پر ان کے رد عمل سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ جب حضرت عثمان ؓ نے ابوذر ؓ کو جلاوطن کیے جانے کا حکم دیا تو انہوں نے سخت احکامات جاری کیے کہ سوائے مروان کے اور کوئی بھی ان کو رخصت کرنے نہ جائے اور صرف وہ ہی ان کو مدینہ سے باہر نکالنے کا اہتمام کرے۔ ان احکامات کے باوجود حضرت علیؑ' امام حسنؑ' امام حسینؑ' اور اپنے وفادار عمار بن یاسر ؓ کے ہمراہ کافی دور تک ابوذر ؓ کے ساتھ گئے۔ جب مروان کی طرف سے حضرت عثمان ؓ کی ہدایات کی یاد دہانی کرائی گئی تو حضرت علیؑ کا جواب اس کی تکفیر و تذلیل سے اور اس کی سواری کے سر پر ضرب مارنے سے دیا گیا۔ جب ابوذر ؓ جدا ہونے لگے تو پھوٹ پھوٹ کر روئے اور کہا: "بخدا جب کبھی بھی میں آپؑ کو دیکھتا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوں تو گویا پیغمبرؐ خدا کو یاد کرتا ہوں۔"[14] ابوذرؓ کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے حضرت علیؑ نے فرمایا:

"اے ابوذرؓ! تم اللہ کی خوشنودی کی خاطر ناراض ہوئے ہو تو پھر جس کی خاطر یہ غم و غصہ ہے اسی سے امید بھی وابستہ رکھو۔ ان لوگوں کو تم سے اپنی دنیا کے متعلق خطرہ ہے اور تمہیں ان سے اپنے دین کے متعلق اندیشہ ہے۔ پس جس چیز کے لئے انہیں تم سے کھٹکا ہے وہ انہی کے ہاتھ میں چھوڑ دو اور جس شے کے لئے تمہیں ان سے اندیشہ ہے اسے لے کر ان سے دور بھاگ جاؤ جس چیز سے تم انہیں محروم کرکے جا رہے ہو' وہ اس کے کتنے حاجت مند ہیں اور جس چیز کو انہوں نے تم سے روک لیا ہے اس سے تم بالکل بے نیاز ہو۔ اگر تم ان کی دنیا قبول کر لیتے تو وہ تمہیں چاہنے لگتے اور اگر تم اس میں سے کچھ حصہ اپنے لئے مقرر کر لیتے تو وہ تم سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیتے۔"[15]

مروان نے سارا واقعہ حضرت عثمانؓ کو بتایا جو احکامات کی اس خلاف ورزی پر سخت برہم ہوئے۔ جب انہوں نے حضرت علیؑ سے جواب طلب کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ایسے احکامات کی پابندی کے لئے مجبور نہ تھے جو انصاف اور عقل سلیم سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ "میرے اوصاف تم سے کہیں بلند ہیں اور میں تم سے ہر حیثیت سے اعلیٰ و ارفع انسان ہوں۔"[16] بعد میں انہی باتوں کو طرف داران علیؑ زیادہ شدومد سے پیش کرنے لگے۔ شیعہ شاعر سید الحمیری نے اپنے انتہائی شیعہ نظریات کو بیان کرنے کے لئے انہی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دلائل و براہین کو استعمال کیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کو قبول کرنے اور پھر اپنے طرف داروں کی ابتدائی جماعت کے کمزور پڑ جانے کے بعد حضرت علیؑ جملہ امور مملکت سے، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، حضرت عمرؓ کے اختتام تک بالکل الگ تھلگ رہے۔ حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے وقت کئے گئے احتجاج سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے حق نیابت کے اب بھی کافی طرف دار موجود تھے لیکن ان کی سرگرمی صرف انفرادی حد تک تھی اور ابھی ان کی کوئی خاص جماعت وجود میں نہیں آئی تھی۔ جب خلافت عثمانؓ نے عوام میں وسیع مقبولیت حاصل کر ہی لی تو مقدادؓ اور عمارؓ جیسے افراد کے والہانہ و بے باک احتجاج ختم ہو گئے گو ان کا عدم اطمینان بدستور برقرار رہا۔ جوں جوں خلیفۃ المسلمین اپنی مقبولیت کھوتے گئے حضرت علیؑ کے پرانے طرف داروں کی شکایت قوت پکڑنے لگیں اور حضرت علیؑ کو خلیفہ دیکھنے کی اپنی پرانی دبی ہوئی خواہش کو وہ پوری طرح بروئے کار لانے لگے۔ ہاشمی امیدوار خلافت کے گرد تازہ و طاقتور حمایتی جمع ہونے لگے کیونکہ سلطنت میں غیر مطمئن عناصر اب جماعتی شیرازہ بندی کی شکل اختیار کر رہے تھے اور اب ان کو ایک موثر و معقول قائد کی اشد ضرورت تھی۔ اگرچہ طلحہؓ و زبیرؓ کو کوفہ اور بصرہ میں علی الترتیب کافی تعداد میں مقامی حامیوں کی مدد حاصل تھی مگر وہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں بالکل غیر اہم افراد تھے۔ لہٰذا ان کے لئے تائید و حمایت اپنی نوعیت میں بہت محدود امکانات کی حامل تھی۔ حضرت علیؑ نے خود کو مختلف صوبوں سے آنے والی احتجاجی جماعتوں میں گھرا ہوا پایا اور انہی لوگوں نے حضرت علیؑ سے اپنے مقصد تحریک کے لئے امداد طلب کی اور ساتھ ہی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؑ کے پاس پہنچے اور باغیوں کے ساتھ مصالحت کرانے کے لئے ان سے درخواست کی۔ غالباً انصاف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے تقاضوں سے مجبور ہو کر حضرت علیؑ کے پاس اب اور کوئی چارہ کار نہ تھا سوائے اس کے کہ آزردہ و اذیت زدہ صحابہ کرامؓ کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور قابل ملامت افراد کی سزا و عقوبت کا مطالبہ کریں۔ انہوں نے خود بھی خلیفہ کے اپنے اعزاء قریب کو قیمتی تحفہ تحائف دینے کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کیفیت میں قراء کی طرف سے ان پر سخت دباؤ پڑا کہ وہ ان کے ترجمان کے فرائض انجام دیں اور یقیناً انہوں نے ایسا ہی کیا' ایک طرف تو لوگوں کے جائز مطالبات پورے کرنے کے لئے اور دوسری طرف خلیفہ وقت کو ان کی مشکلات و مصائب سے رہائی دلانے کے لئے۔[17]

اس وقت ایسی دو جماعتیں بیک وقت سرگرم عمل تھیں جو بظاہر مختلف تھیں مگر اپنے مقاصد میں مشابہ تھیں اور جو شعوری طور پر نہ سہی' ایک دوسرے کے مفادات کا تکملہ کر رہی تھیں۔ اس میں سے ایک جماعت ان صوبائی غیر مطمئن عناصر پر مشتمل تھی جن کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے اور جو سلطنت کے معاشی و اقتصادی نظام میں عدم توازن سے بری طرح متاثر ہوئے تھے' جب کہ دوسری جماعت زیادہ تر حضرت علیؑ کے وفادار طرف داروں پر مشتمل تھی۔ اس موخر الذکر جماعت نے جس کی قیادت ابوذرؓ' مقدادؓ' عمارؓ' حذیفہؓ اور بہت سے دوسرے انصار کر رہے تھے کئی اور دوسرے انقلابی طرف داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جیسے کعب بن عبدہ النہدی' مالک بن حبیب التغلبی اور یزید بن قیس ارحبی۔[18] اس کے علاوہ اس جماعت میں باقی بنی ہاشم اور حضرت علیؑ کے نوکر' غلام اور زیر کفالت افراد بھی شامل تھے۔ موخر الذکر افراد میں قنبر بن کدم'[19] میثم بن یحییٰ التمار اور رشید الہجری شامل تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کی ذات میں دین رسول مقبولؐ کے محافظ و وارث اور مذہب اسلام کے سچے شارح و مفسر کو پا کر یہ افراد ان سے اپنی بے پناہ مذہبی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عقیدت کی بدولت شیعہ مسلک فکر کے ارتقا کے اس مرحلہ کی علامت بن گئے۔

میثم تمار[20] اور رشید الجری[21] کو کوفہ میں ۶۱ھ بمطابق ۶۸۰ء میں عبید اللہ بن زیاد نے پھانسی پر چڑھا دیا صرف اس جرم میں کہ انہوں نے اپنی زبان سے حضرت علیؑ کو گالیاں دینے سے انکار کیا تھا' حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد بھی ان سے اور ان کے خاندان سے برابر اپنی والہانہ عقیدت کو قائم رکھا تھا۔ پہلے ان کے ہاتھ پاؤں اور زبانیں کاٹی گئیں. اور پھر ان کے بقیہ جسموں کو پھانسی دی گئی۔ یہ ابن زیاد کے وحشیانہ طرز عمل کی ایک مخصوص مثال ہے۔ ان طرف داروں کے علاوہ بعد میں آنے والے مورخین عبد اللہ بن وھب بن سبا کا نام بھی لیتے ہیں جو ابن سوداء کے نام سے مشہور تھا کہ وہ حضرت علیؑ کا بڑا زبردست طرف دار ہو گیا تھا اور حکومت عثمانی کے خلاف جگہ جگہ سفر کرکے بے چینی پھیلاتا تھا۔[22] اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ پہلے ایک یہودی عالم دین تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ تاہم جدید مسلمان مفکرین مثلاً علی الوردی بڑے مضبوط انداز سے کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا کا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور جو سرگرمیاں اس کے نام سے وابستہ کی جارہی ہیں وہ عمار بن یاسرؓ نے شروع کر رکھی تھیں جن کو عرف عام میں السوداء بھی کہتے تھے۔[23] جدید یورپی مفکرین نے بھی ابن سوداء کی تاریخی حقیقت پر شک کا اظہار کیا ہے اور وہ اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ ایک فرضی افسانوی کردار ہے۔[24]

یہ ایک دل چسپ واقعاتی تناظر ہے کہ حضرت عثمانؓ سے نفرت میں اور حضرت علیؑ کے طرف داروں کی تعداد میں برابر کا اضافہ ہوتا گیا۔ اموی طبقہ امراء سے پاک نیت پر مبنی اصولی مخالفت حضرت علیؑ کی طرف داری کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ بڑے شوق و ذوق سے ہم آہنگ ہو گئی۔[25] حضرت علیؑ کے پرجوش طرف داروں کے علاوہ طلحہ اور زبیر نے بھی حضرت عثمانؓ کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کی۔ جب محمد بن ابوبکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہ، حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو تیار کرنے کے لئے مصر گئے تو ان کی وہاں محمد بن طلحہ سے ملاقات ہوئی جس کو اس کے باپ نے اسی مقصد کے لئے بھیجا تھا۔[26] ازواج رسولؐ تک نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی اور حضرت عائشہؓ تو حضرت عثمانؓ کی مذمت میں خاص طور پر زیادہ بلند آواز تھیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا نام نعثل رکھ دیا تھا (لمبی داڑھی اور چھاتی کے بالوں والا)۔[27]

آخر کار ۳۵ھ بمطابق ۶۵۶ء میں یہ آہستہ آہستہ سلگنے والی بے چینی کی آگ بغاوت کے شعلوں کی صورت میں بھڑک اٹھی۔ جب مصر، کوفہ اور بصرہ سے باغیوں کے گروہوں نے قراء کی سرکردگی میں مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ باغیوں کے ان دستوں کی قیادت کرنے والے اکثر انقلابی یمنی نژاد تھے۔ پھر ان کے ساتھ مدینہ میں رہنے والے مہاجرین و انصار میں حضرت علیؑ کے بعض طرف دار یعنی عمار یاسر وغیرہ بھی شامل ہو گئے۔ صورت حال جلد ہی ہنگامہ خیز ہو گئی۔ وہ فوری واقعات جو قتل عثمانؓ پر منتج ہوئے ہماری موجودہ کاوش مطالعہ کی حدود سے باہر ہیں تاہم یہ بات خاصی قابل اعتبار محسوس ہوتی ہے کہ قتل عثمانؓ ان صحابہ کرامؓ کے مطالبات سے بھی تجاوز کر گیا جو ان کے کھلم کھلا مخالف تھے۔ ان کے اغراض و مقاصد تو صرف اس قدر تھے کہ حضرت عثمانؓ کو اقتدار سے ہٹا دیا جائے نہ کہ قتل ہی کر دیا جائے۔ یہ بات بھی خاصی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ ان آخری ہیجان پرور اور ہنگامہ خیز ایام میں حضرت علیؑ مسلسل اپنا مصلحانہ اور مصلح صفائی کا کردار ادا کرتے رہے۔ کئی مرتبہ وہ بے قابو اور بے لگام ہجوم کو منتشر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرنے میں کامیاب ہوئے جو خلیفہ وقت کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا اور ان کے گھر کے محاصرہ کے دوران حضرت علیؑ نے اپنے دونوں فرزند امام حسنؑ و حسینؑ کو حضرت عثمانؓ کی رہائش گاہ پر محافظوں کے طور پر متعین کیا کہ وہ مشتعل ہجوم سے ان کو بچائیں لیکن وہ دونوں بھی ہجوم کی یورش کو نہ روک سکے اور لوگوں نے ان کو ایک طرف دھکیل کر خلیفہ کو قتل کر دیا۔ یہ خبر سنتے ہی حضرت علیؑ سب سے پہلے فرد تھے جو جائے واردات پر پہنچے اور جو کچھ واقعہ ہوا تھا اس پر اتنے غضب ناک ہوئے کہ حضرت امام حسینؑ کے ایک تھپڑ مارا اور حضرت حسنؑ کو بھی مارا کہ انہوں نے خلیفہ کی جان کیوں نہیں بچائی۔[28]

قتل عثمانؓ کے بعد ژولیدہ صورت حال میں واحد امیدوار خلافت جو مہاجرین و انصار اور باغی قراء کو بھی قابل قبول تھا وہ حضرت علی مرتضیٰؑ تھے۔[29] تاہم عہدہ خلافت حاصل کرنے کی سابقہ تین ناتمام آرزو مندیوں کے بعد حضرت علیؑ اب ایک ایسی امت کی قیادت کی ذمہ داری قبول کرنے میں تامل کر رہے تھے جو قتل فرمان روا میں ایک دوسرے سے بری طرح الجھی ہوئی تھی اور اس طرح حضرت نہ چاہتے تھے کہ خود کو اس قتل میں ملوث کریں۔ ابن عبد الربہ نے اس صورت حال پر ہم تک حضرت علیؓ کا خود اپنا بیان منتقل کیا ہے جو جنگ جمل کے موقع پر ایک خطاب کی شکل میں محفوظ ہے۔ علی مرتضیٰؑ فرماتے ہیں:

> ”عثمانؓ کے قتل کے بعد تم میرے پاس یہ کہتے ہوئے آئے کہ تم مجھ سے بیعت کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا لیکن تم نے اسے اپنی طرف گھسیٹا۔ میں نے تم سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ تم نے اس وقت کہا: ”ہم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آپؑ کے علاوہ کسی کو تسلیم نہ کریں گے اور ہم کسی کے
گرد جمع نہ ہوں گے سوائے آپؑ کے۔" تم نے میرے
گرد اس طرح ہجوم کیا جیسے تشنہ لب اونٹ پانی پینے کے
وقت کرتے ہیں جن کے پیروں کی رسیاں ان کے محافظ نے
کھول دی ہوں اور ان کو آزاد کر دیا ہو۔ یہاں تک کہ
میں نے محسوس کیا کہ تم مجھ کو کچل ڈالو گے یا یہ کہ ایک
دوسرے پر سبقت کرنے میں تم ایک دوسرے کو کچل دو
گے۔ اس طرح تم سب نے مجھ سے بیعت کی اور طلحہ اور
زبیر نے بھی قلادہ بیعت اپنی گردن میں ڈالا (تھا)"۔[30]

تقریباً تمام حلقوں کی طرف سے قبولیت بیعت کے اصرار پر حضرت علیؑ نے بالآخر اس عہدہ خلافت کو قبول کر لیا تھا لیکن انہوں نے یہ بات واضح کر دی کہ وہ حکومت کرتے ہوئے قرآن و سنت رسولؐ کی سختی سے پیروی کریں گے اور یہ کہ وہ ہر قسم کی تنقید سے ماورا ہو کر اور کسی جماعت کے مفادات سے متحارب ہو کر صرف اور صرف قانون و انصاف کی عملداری کریں گے۔ طلحہ اور زبیر نے گو کہ کوفہ و بصرہ دونوں میں ان کے طرفدار موجود تھے' محسوس کیا کہ وہ حضرت علیؑ کے امیدوار خلافت ہونے کا مقابلہ کرنے کے لئے مناسب تعداد میں حمایت حاصل نہیں کر سکتے' لہٰذا بیعت کرنے والے وہ پہلے افراد تھے۔ مدینہ والوں نے بشمولیت اس جم غفیر کے جو صوبوں سے آکر مرکز میں خیمہ زن تھا' حضرت علیؑ کو بطور خلیفہ قبول کر لیا۔[31] اس عوامی چناؤ (الیکشن) کے ذریعہ حضرت علیؑ پہلے اور واحد خلیفہ ہوئے جن کے انتخاب میں ملت اسلامیہ کی بہت بڑی اکثریت نے سرگرم حصّہ لیا۔ وہ خلفا میں سب سے پہلے خلیفہ تھے جو حسب و نسب کے اعتبار سے اپنی ذات میں نجابت نسل کا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اصول اور خلافت الیہہ کا اصول نیابت دونوں کو مجتمع کئے ہوئے تھے۔

ابتدا ہی سے حضرت علیؑ کو ایسے سخت مسائل ورثہ میں ملے جو ان کے سابق تین خلفا میں سے کسی کو بھی پیش نہیں آئے تھے۔ مروان بن الحکم حضرت عثمانؓ کا سیکرٹری بنوامیہ کے بعض دوسرے افراد کے ساتھ معاویہ کے پاس شام پہنچ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اپنے ساتھ حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیض اور مقتول خلیفہ کی بیوہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں لے گیا تاکہ ان کو اشتہاری مقاصد کے لئے استعمال کر سکے۔ لہٰذا قتل عثمانؓ کے انتقام کی آواز اٹھی تو شام سے' اور علیؑ کے خلاف مسلسل احتجاجی مہم کا آغاز ہوا تو یہیں سے۔

قتل عثمانؓ کسی ایک فرد کی طرف سے ذاتی رنجش کو دور کرنے کے لئے کوئی معمولی واردات قتل نہ تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ کا قتل تھا قتل عثمانؓ غریب' غیر مطمئن' کچلے ہوئے اور محروم شدہ طبقے کی طرف سے ایک قدیم متمول خاندان کی معاشی' سیاسی اور جاگیردارانہ اجارہ داری کے خلاف ہمہ گیر بغاوت کا نتیجہ تھا۔ زیادہ مذہبی ذہنیت رکھنے والے افراد نے اسلام کے اس سماجی و اقتصادی انصاف و مساوات کے نصب العین کی حفاظت کرنے کے لئے بغاوت کی تھی جس کی قرآن نے تعلیم دی تھی اور جس کو رسول اللہؐ نے نافذ فرمایا تھا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے بڑی احتیاط و اہتمام سے برقرار رکھا تھا۔ خلیفہ اور باغی قراء کے درمیان حضرت علیؑ کا ثالث کا کردار ثابت کرتا ہے کہ ایک تو وہ خود اس بات سے متفق تھے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف تحریک مزاحمت جائز اور منصفانہ مطالبات پر مبنی تھی (اور اسی لئے انہوں نے خلیفہ سے ان شکایات کے ازالہ کے لئے کہا تھا) اور دوسری طرف انہوں نے خلیفہ کو شوریدہ سر ہجوم سے بچانے کے لئے اپنی مقدور بھر کوشش بھی کی تھی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تاہم جذبات اس حد تک بھڑک چکے تھے کہ سب کے قابو سے باہر نکل چکے تھے اور خلیفہ وقت ان انتہا پسندوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے جو انتہائی افراتفری کی حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا کام کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت علیؑ نے خود کو ایک بے قابو صورت حال میں گھرا ہوا پایا۔ اصلی قاتل فرار ہو چکے تھے اور ان کو سزا دینے کے لئے ڈھونڈ نکالنا نہایت ناممکن تھا لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ کے ارد گرد موجود کتنے ہی قراء حادثہ و المیہ کے اتنے ہی ذمہ دار تھے جتنے کہ قاتلان عثمانؓ خود سزاوار تھے۔ حضرت علیؑ نے خود متواتر بیان کیا کہ:

> "..........عثمانؓ کا قتل دور جاہلیت کا ایک فعل تھا (الجاہلیہ: زمانہ قبل اسلام سے متعلق ایک عام اصطلاح) میں مطالبہ قصاص کو نظر انداز نہیں کر رہا مگر فی الوقت (قاتلان عثمانؓ) میرے قابو سے باہر ہیں۔ جیسے ہی میں ان کو پکڑنے میں کامیاب ہوتا ہوں میں ان کو سزا دینے میں تامل نہ کروں گا۔"[32]

یہاں تک کہ طلحہ اور زبیر تک نے اس بات سے اتفاق کیا اور کہا:

"گستاخ اور ناعاقبت اندیش لوگ بھلے مانس اور معقول لوگوں پر غالب آ گئے اور قتل کر دیا۔" (عثمانؓ)[33]

تاہم مسئلہ کا پرامن حل تلاش کرنے میں حضرت علیؑ کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ قتل عثمانؓ پر تاسف، ساتھ ہی قاتلان عثمانؓ یعنی قراء کے جائز مطالبات کی تائید و حمایت کرنا، قاتلان عثمانؓ پر لعن طعن کرنا جبکہ پھر قاتلوں کے ساتھیوں کا حاشیہ نشیں ہونا ایسی متناقص و مہمل صورت حال تھی کہ کوئی بھی چالاک و مکار ترین سیاست دان حالات سے شکست کھا جاتا اور علی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مرتضےؑ کے لئے تو یہ اور بھی سخت مسئلہ تھا کیونکہ ان کی اصول و قواعد دین کی سخت پیروی اکثر عملی طور پر مفید سیاسی حکمت عملی اختیار کرنے کے سلسلے میں ان کی راہ میں حائل ہوتی تھی۔

یہاں یہ بات بہت پہلے واضح ہو گئی تھی کہ بحران کو پرامن طریقے سے حل کرنے کی حضرت علیؑ کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ ان کی حکومت کو جو مختلف مسائل درپیش تھے ان میں حضرت عائشہ بھی شامل تھیں جنہوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے نامزدگی کی خبر سنتے ہی عمرہ سے مدینہ واپس آنے سے انکار کر دیا اور مکہ مکرمہ واپس ہو گئیں۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد طلحہ اور زبیر کو حضرت علیؑ سے علیحدہ ہو جانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے عمرہ ادا کرنے کے بہانہ حضرت علیؑ سے اجازت مانگی۔ گو حضرت علیؑ ان کے منصوبوں سے باخبر تھے پھر بھی حضرت علیؑ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔

دونوں افراد حضرت عائشہؓ سے مکہ مکرمہ میں جا ملے اور اعلان کیا کہ وہ حضرت علیؑ کی بیعت جبر و اکراہ کی حالت میں کرنے پر مجبور کئے گئے تھے[۲۱] اگرچہ یہ دونوں افراد خلافت کے متمنی تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی عوام الناس کا حقیقی قائد نہ تھا کیونکہ کسی کو بھی معقول عوامی تائید حاصل نہ تھی۔ اگر حضرت عائشہؓ کی رفاقت حاصل نہ ہوتی تو ان میں کوئی بھی اپنی کوششوں کو مجتمع نہ کر سکتا۔ حضرت عائشہؓ اب حضرت عثمانؓ کی سیرت پر سخت ناقد و معترض رہنے کے بعد ان کے قتل کی سب سے بڑی مستغیثہ کا کردار اختیار کر چکی تھیں۔ سن ۳۶ھ ۶۵۶ء میں اس جماعت ارباب ثلاثہ نے بصرہ کا رخ کر کے مشرق کی طرف سے حضرت علیؑ کے اقتدار کو ختم کرنا چاہا اور شام کے باغیانہ مسئلہ کو عراق میں ایسا ہی دوسرا مسئلہ کھڑا کر کے اور گھمبیر بنانا چاہا۔ کافی پس و

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیش کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ کی طرف پیش قدمی کی جہاں وہ حضرت عائشہؓ اور ان کے رفقا کو جنگ جمل میں شکست دینے کے لئے کافی طاقت فراہم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ طلحہ اور زبیر اس جنگ میں مارے گئے حضرت عائشہؓ کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کو بحفاظت واپس مدینہ بجھوا دیا گیا۔

فی الحال اپنی قوت عراق میں مستحکم کرنے کے بعد حضرت علیؑ معاویہ کے سنگین تر مسئلہ سے نمٹنے کی طرف متوجہ ہوئے جس نے حضرت عثمانؓ کا ہم قبیلہ ہونے کے حوالے سے ان کے انتقام کا مطالبہ کر رکھا تھا، [35] وہ مطالبہ جسے حضرت علی مرتضٰیؑ اس بنیاد پر رد کر چکے تھے کہ اس حق کے طلب کرنے کے زیادہ مستحق فرزندان عثمانؓ ہیں۔ [36] دراصل معاویہ جانتا تھا کہ اگر حضرت علیؑ اپنا اقتدار مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ اسے شام کے گورنر کی حیثیت سے قائم نہ رہنے دیں گے۔ اس کا واحد علاج یہی تھا کہ حضرت علیؑ کے استحقاق خلافت کے جواز ہی کو تسلیم نہ کیا جائے۔ ان حالات کی موجودگی میں جن میں نئے خلیفہ کو منصب خلافت سپرد کیا گیا تھا ایسا کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ حضرت علیؑ کے طرف دار، خاص طور پر قراء، معاویہ کے ساتھ کسی بھی مصالحت کے سختی سے مخالف تھے اور مالک اشتر نے امیر المومنینؑ کو مشورہ دیا کہ شام کے صوبے دار کے ساتھ کسی قسم کی خط و کتابت نہ کریں۔ پھر بھی حضرت علیؑ اپنے مدمقابل سے مسائل حل کرنے کے لئے پرامن ذرائع استعمال کرتے رہے، بلکہ صرف اس وقت جب ان کا یہ طریقہ کار ناکام ہو گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ معاویہ لڑنے پر بالکل کمربستہ ہو چکا ہے تو انہوں نے شامیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوجوں کے ساتھ کوچ کیا۔

جنگ صفین اور اس کے نتیجہ میں تقرر حکمین کے موضوع کا اکثر محققین نے تنقیدی جائزہ لیا ہے، ہمارا مقصد یہاں اس بحث کو دھرانا نہیں ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

البتہ اتنا سمجھ لینا کافی ہو گا کہ خارجیوں کے منظر عام پر آنے سے حضرت علیؑ کی کیفیت سنگین تر ہوتی چلی گئی اور اذروح کے صلح نامہ نے ان کی قوت کو رفتہ رفتہ ضعف پہنچایا۔ اس وقت جب کہ وہ شام کے خلاف ایک آخری حملہ کی تیاری کر رہے تھے ایک خارجی متعصب عبد الرحمٰن ابن ملجم نے مسجد کوفہ میں زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے ان کے سر پر ضرب لگائی۔ اس طرح خلیفہ چہارم نے ۲۱ رمضان ۴۰ھ / ۲۵ جنوری ۶۶۱ء کو رحلت فرمائی۔

خطبہ شقشقیہ کے آخری حصہ میں حضرت علیؑ نے خود اس سارے دور پر اظہار خیال کیا ہے اور ان کا اپنا تبصرہ اس انتشار و ابتری کو سمجھنے میں کافی مددگار ثابت ہوتا ہے:

> "یہاں تک کہ ان کا تیسرا فرد (عثمانؓ) اپنے کاندھوں کو نخوت سے جنبش دیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند بھی اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ کے مال کو اس طرح کھاتے تھے جیسے اونٹ فصل ربیع کا چارہ کھاتا ہے یہاں تک کہ جو رسی اس نے بٹی تھی وہ کھل گئی اور اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا، اس کے طمع نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔ پھر اچانک لوگوں کے ہجوم نے مجھے دہشت زدہ کر دیا جو میرے اردگرد اتنا گھنا ہو گیا جیسے بجو کے ایال۔ یہ ہجوم لگاتار میری طرف بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ (میرے بیٹے) حسنؑ و حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے جبکہ وہ سب میرے گرد بکریوں کے ریوڑ کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔
>
> لیکن جب میں امر خلافت حاصل کر کے اٹھا تو ایک گروہ نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنی بیعت توڑ ڈالی، دوسرے نے بغاوت اختیار کی اور تیسرے نے حدود اللہ سے تجاوز اختیار کیا گویا انہوں نے خدا کا یہ ارشاد سنا ہی نہ تھا کہ یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے۔ جو زمین پر نہ تو سرکشی اور لڑائی کرتے ہیں اور نہ ہی فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں اور اچھا انجام تو پرہیز گاروں کے لئے ہے، ۲۸،۸۳ بخدا ایسا نہیں ہے بلکہ انہوں نے اللہ کا کلام سنا ہے اور اس کو پوری طرح سمجھتے بھی ہیں لیکن ان کی نگاہوں پر جمال حیات مادی چھا گیا اور اس کی سج دھج نے ان کو لبھا لیا۔

"دیکھو خدائے سبحانہ کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور جس نے مرکز حیات، روح کو خلق کیا کہ، اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت نہ تمام ہو گئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے جاننے والوں سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون سے نہ بیٹھیں گے، تو میں خلافت کی بھاگ ڈور اسی کے کاندھے پر پھینک دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور پھر تم اس وقت دیکھ لیتے کہ تمہاری دنیا میری نظر میں بکری کی چھینک کی رطوبت سے بھی زیادہ ناخوشگوار ہے۔"[37]

اس مختصر خاکہ کو بطور بنیاد کلام کے استعمال کرتے ہوئے ہم حضرت علی مرتضٰیؑ کے اس مختصر دور خلافت میں پیش آنے والے سنگین واقعات کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسباب و نتائج کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ حضرت علیؑ کے امر خلافت پر فائز ہونے کی بعض صحابہ کرام نے مزاحمت کی تھی جس کے نتیجہ میں تاریخ اسلام کی سب سے پہلی خانہ جنگی واقعہ ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کی مبینہ ناکامیاں مکتب تشیع کے نشوونما کی تاریخ میں عہد ساز واقع ہوئیں۔ حضرت علیؑ کی ناکامیوں کے نتیجہ میں ان کے حامیوں کی تلخ کامیوں اور ناامیدیوں نے ان میں فرقہ وارانہ رجحانات پیدا کرنے کے لئے ایک تاریخی اساس کو فراہم کیا اور جو تخریب حضرت علیؑ کے ساتھ روا رکھی گئی اس نے بعد کے شیعوں کو حدود اسلام میں رہتے ہوئے خود اپنے ایک نظام فکر کی تشکیل کے لئے کافی مواد فراہم کر دیا۔

اس تمام صورت حال کو بطور ایک مربوط سلسلہ کے سمجھنے کی کوشش اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کا انتخاب بیک وقت اس مخصوص نظریہ نیابت کی کامیابی تھا جس کو اب تک ٹھکرایا جاتا رہا تھا اور ساتھ ہی ان لوگوں کے لئے ایک زبردست دھچکا بھی تھا جنہوں نے بعد وفات پیغمبرؐ ایک ایسے اصول قیادت کو کامیاب طور پر چلا لیا تھا جو موروثی تقدس کی فضیلت کے تصور سے خالی تھا۔ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہوتے ہی یہ دونوں متحارب نظریات پہلی مرتبہ حقیقی طور پر متصادم ہوئے اور واضح شکل و صورت میں نکھر کر سامنے آ گئے۔ اول الذکر نظریہ جو جلد ہی دوبارہ شکست کھا گیا' ایک علیحدگی پسند رجحان یعنی ایک نئے فرقہ کی تنظیم کے طور پر سامنے آنے والا تھا اور موخرالذکر نظریہ غالب اور زیادہ طاقت ور انداز میں دوبارہ ابھرا اور بالآخر ایسے خدوخال اختیار کر گیا جو اسلامی امہ یا جماعۃ کا مرکز فکر بن گیا۔

یعقوبی نے ہمارے لئے ان خطبات کو نقل کیا ہے جن کو سن کر حضرت علیؑ کے پرجوش انصار اور طرف داروں نے ان کے عنان خلافت سنبھالنے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے موقع پر احسنت و مرحبا کہا اور جو خطبات ان جذبات و میلانات کو شرح و بسط سے بیان کرتے ہیں جن کی روشنی میں اس جماعت نے ان کی شخصیت کا تعین کیا۔ مثلاً مالک ابن حارث اشتر نے اس اعلان مقاصد کے ساتھ بیعت کی کہ علیؑ وصی الاوصیا ہیں اور وارث علم انبیاء ہیں، یعنی انبیاء و مرسلین کے وارثوں میں سے ایک ہیں اور علوم انبیاء و مرسلین کے حامل ہیں۔[38]

Hodgson کو ان کلمات کے ایسے ابتدائی دور میں حضرت علیؑ کے لئے حقیقتاً استعمال کئے جانے پر شک ہے۔[39] سب سے پہلے تو ہمیں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ مالک اشتر یمنی نژاد تھے یمن جو جنوبی عرب میں قدیم تہذیب کا گہوارہ تھا، جہاں ایک ہزار سال سے بادشاہ یکے بعد دیگرے موروثی و خاندانی اصول کے تحت وارث تخت و تاج ہوتے رہے تھے اور ان کو غیر معمولی صفات کا حامل تصور کیا جاتا رہا تھا۔ اگر ساتویں صدی کے عربوں کو بادشاہت کا کوئی ذاتی تجربہ نہ بھی سہی پھر بھی وہ اس مسلسل روایت سے لاشعوری طور پر ضرور متاثر ہوئے ہوں گے۔[40] پس اس سلسلے میں اس قسم کی اصطلاحات جیسے "وصی اور وارث" کا یمنی النژاد انسان کی طرف سے استعمال ایک بہت گہری تہذیبی روایت کا فطری و بے ساختہ تلازم ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس دور ہی کی تحریروں میں اسی جذبے کی عکاسی کرتے ہوئے بے شمار حوالے موجود ہیں۔ حضرت علیؑ کے لئے ابوالاسود الدؤلی اس طرح مدح سرا ہیں:

> "ذاتی اوصاف و دین و ایمان میں آپؑ قریش کے اعلیٰ ترین انسان ہیں۔ علیؑ کی محبت میں مجھے عاقبت و خدا دونوں حاصل ہو جاتے ہیں۔ علیؑ (محمد مصطفیٰ) کے ہارونؑ ہیں۔ علیؑ ہی ان کے وصی ہیں۔"[41]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علاوہ ازیں زیادہ معلومات افزا یہ حقیقت ہے کہ لفظ وارث قرآن پاک میں اکثر وارد ہوا ہے، خاص طور پر خاندان عمرانؑ و اسمٰعیلؑ کے سلسلے میں اور حضرت محمد عربیؐ اس لفظ کو "اہل کتاب" کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ایک دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔[42] لہٰذا قرین قیاس ہے کہ حضرت علیؑ کے بعض طرف داروں نے اپنے نظریات بیان کرنے کے لئے وہی اصطلاحات استعمال کی ہوں۔

مزید برآں جنگ جمل و جنگ صفین کے واقعات پڑھنے والا کوئی بھی فرد رجزیہ و رزمیہ شاعری کی ایک بڑی تفصیل کو موجود پاتا ہے جس کا دونوں طرف کے جنگ جوؤں کے درمیان تبادلہ ہوا اور لفظ وصی اور اس قسم کے دوسرے الفاظ حضرت علیؑ کے طرف داروں کی طرف سے متعدد مرتبہ استعمال ہوئے۔ اس شاعری سے تفصیلی اقتباسات لانا طوالت و ثقالت کا باعث ہو گا۔ لہٰذا مطالعہ کنندہ کو ابن ابی الحدید کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جنہوں نے ابو مخنف (متوفی ۱۵۷ھ بمطابق ۷۷۴ء) کی کتاب "الجمل" سے وہ تمام اشعار جمع کئے ہیں جن میں حضرت علیؑ کو وصی[43] کہہ کر توصیف کی گئی ہے۔[44] ایک اور ابتدائی تصنیف جس میں اشعار کے کثرت سے حوالے دیئے گئے ہیں کتاب وقعۃ صفین مصنفہ نصر بن مزاحم (متوفی ۲۱۲ھ بمطابق ۸۲۷ء) ہے اس میں بھی اور دوسرے ابتدائی حوالوں کے علاوہ ابو مخنف کو کثرت سے نقل کیا گیا ہے۔[45]

ان امور سے قطع نظر ہم پہلے ہی اس حقیقت کو سمجھ چکے ہیں کہ ابتدا ہی سے معتقدین کی ایک جماعت تھی جو حضرت علیؑ کے لئے اپنے مخصوص جوش و جذبے کا اظہار زیادہ تر مذہبی تخیلات کے حوالے سے کرتی تھی اور یہ بات اس جماعت سے متوقع تھی کہ وہ اس عقیدت و وابستگی کا اظہار مناسب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مذہبی الفاظ و اصطلاحات ہی میں کریں۔ اس کے بعد شیعہ شعراء کی جماعت نے جس کی بہترین نمائندگی کمیت، کثیر، سید الحمیری اور فرزدق کرتے ہیں، اکثر و بیشتر حضرت علیؑ کے لئے وصی اور اس طرح کے دوسرے الفاظ خاص طور پر جنگ جمل اور جنگ صفین کا تذکرہ کرتے ہوئے استعمال کیے ہیں۔

سابقہ گفتگو کا مقصد صرف اس حقیقت کو مثالوں کے ذریعہ سمجھنا تھا کہ ایک ایسی جماعت موجود تھی جو حضرت علیؑ کی جانشینی رسولؐ کو باقی امت مسلمہ کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھتی تھی۔ ان کا اقتدار میں آنا ان کی جماعت کی بہت بڑی فتح تھی جن کے ذہن میں معاشرہ کی قیادت کا ایک خاص تصور تھا۔ لہٰذا اس جماعت نے ان مسائل کو اٹھایا جن کو پچھلی تین خلافتوں میں نہ اٹھایا جا سکا تھا جس کے نتیجہ میں حضرت علیؑ کو شروع ہی سے کئی سمتوں سے سنگین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

اولین مزاحمت حضرت عائشہؓ، طلحہ اور زبیر کی طرف سے سامنے آئی جنہوں نے قصاص عثمانؓ کا نعرہ لگایا اور خود کو قتل عثمانؓ کے انتقام کے وارثوں دعویداروں کے طور پر پیش کیا۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ ان کی اس بغاوت کی کیا یہی اصلی وجہ تھی؟ حضرت علیؑ اس قتل کے تنہا ذمہ دار کس طرح قرار دیئے جا سکتے تھے جب کہ طلحہ اور زبیر بھی یکساں طور پر لوگوں کی شکایت کی حمایت میں سرگرم تھے۔ کیا حضرت عائشہؓ، حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں برابر کی شریک نہ تھیں؟[46] جو زبردست جذباتی و ہیجانی ماحول اس وقت مدینہ میں تھا ہم اس سے کم یا زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ خلیفہ وقت سے مختلف الرائے تمام جماعتیں اور معترضین صورت حال کے یکساں طور پر ذمہ دار تھے۔ اپنے ایک خطبہ میں حضرت علیؑ نے ان تمام مدعیان باطل کی یہ کہتے ہوئے قلعی کھولی ہے:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

".......... خدا کی قسم انہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا' نہ انہوں نے میرے اور اپنے درمیان کوئی انصاف برتا۔ پھر بھی وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں جسے خود انہوں نے ترک کر دیا تھا اور اس خون کا انتقام چاہتے ہیں جسے خود انہوں نے بہایا ہے۔ اگر میں اس خون میں ان کا شریک بھی تھا تو پھر اس میں ان کا حصّہ بھی نکلتا ہے اور اگر وہی اس کے مرتکب ہوئے ہیں' میں نہیں ہوا' تو پھر اس کی سزا بھی صرف انہی کو بھگتنا چاہیئے۔ پس میرے خلاف ان کی سب سے بڑی دلیل خود انہی کے خلاف جاتی ہے۔ وہ اس ماں کا دودھ پینا چاہتے ہیں جس کا دودھ ان سے چھڑایا جا چکا ہے اور وہ ایک ایسی بدعت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو موت کی نیند سلایا جا چکا ہے........۔" [47]

آخری تجزیہ کے وقت یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ قصاص عثمانؓ کا ارباب ثلاثہ' (عائشہؓ طلحہ' زبیر) نے بہانہ بنایا اور بعد میں معاویہ نے اس کا ہوا کھڑا کر کے اس واضح خطرہ کو روکنے کی کوشش کی جو اسلام میں پرہیز گار اور متقی گروہ کی حکومت سے معاویہ کو لاحق ہو رہا تھا اور جس کی حمایت معاشرہ کا نچلا طبقہ اور بہت سے انصاران مدینہ بھی کر رہے تھے اور حضرت علی مرتضےٰؑ اس گروہ کے نمائندے تھے۔ ان تینوں جماعتوں کا الحاق قدیم مکی طبقہ امراء کے لئے حقیقی خطرہ تھا جس کو حضرت محمد عربیؐ کی کامیابی نے اور ان کے تصور معاشرہ نے مغلوب کر دیا تھا اور جس کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے سخت ضابطہ کے تحت رکھا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ' جو بنی امیہ کے متمول ترین قبیلے سے تعلق رکھتے تھے' برسر اقتدار آئے تو ان کے قبیلہ کے دوسرے مکی مقتدر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خاندانوں کے استعمار پسند نظریات کو، اپنی طاقت و امارت کو، دوبارہ قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ بڑی ستم ظریفی ہے کہ اسلام نے اتحاد و تنظیم کے جن نظریات کو محرک کیا تھا اس کو اس جماعت نے اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا تاکہ وہ دوبارہ مضبوط ہو کر برسراقتدار آسکے۔ اس سہ فریقی گروپ کی بغاوت دراصل طلحہ اور زبیر کی اپنے مفادات کا تحفظ کرنے کی آخری کوشش کی علامت ہے اور حضرت عائشہؓ نے تو ایک ایسی علامت کا کام دیا کہ جس کے عقب میں رہ کر وہ دونوں اپنی قوتوں کو مجتمع کر سکیں اور حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؑ پر حملہ کرنے میں ملوث کر لینا یقیناً کوئی مشکل کام بھی نہ تھا۔ حضرت علیؑ کے لئے ان کی نفرت کئی وجوہات کی بناء پر بتائی جاتی ہے جن میں سے ایک تو حضرت علیؑ کا حضرت محمد عربیؐ دیا جانے والا وہ مشورہ تھا کہ وہ حضرت عائشہؓ کی کنیز سے اس واقعہ کے متعلق پوچھ گچھ کریں جب وہ ایک سفر میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے دیر سے واپس پہنچیں، جس سے لوگوں کو ان کے متعلق ناروا باتیں کہنے کا موقع ملا۔[48] حضرت عائشہؓ کی حضرت فاطمہؑ سے بدمزگی، حضرت علیؑ کا حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب پر اعتراض کرنا جو حضرت عائشہؓ کے والد بزرگوار تھے،[49] ان دونوں باتوں نے رنجش کو اور بڑھا دیا۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ سہ فریقی اتحاد جنگ جمل میں اپنی ذاتی وجوہات کی بنا پر تھا نہ یہ کہ خون عثمانؓ کی خاطر نبرد آزما تھا جس کو وہ محض ایک مفید و مناسب بہانے کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ گو وہ اپنے اغراض و مقاصد میں ناکام ہوئے لیکن انہوں نے معاویہ کے کام کو حضرت علیؑ کے امر خلافت سے ہٹا دیئے جانے کو اور معاویہ کے افکار و خیالات کو جو حضرت علیؑ کے خلیفہ بن جانے سے معرض خطر میں پڑ گئے تھے، دوبارہ جاری کرنے کو کہیں آسان بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ معاویہ کا قصاص، خون عثمانؓ کا مطالبہ حضرت علیؑ کو اقتدار سے ہٹانے کی اس

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے محض ایک بہانہ تھا۔ حضرت عائشہؓ اور عمر عاص کے درمیان ہونے والے اس مکالمے سے جو جنگ جمل کے فوراً بعد ہوا، صورت حال مزید واضح ہو جاتی ہے۔ عمر عاص نے حضرت عائشہ نے کہا:

> "میری خواہش تھی کہ تم جنگ جمل والے دن ہی ماری جاتیں اور اس طرح جنت میں داخل ہو جاتیں اور ہم تمہاری موت کو علیؑ کو مطعون و بدنام کرنے کے لئے ایک طاقت ور ہتھیار کے طور استعمال کرتے۔"[50]

جنگ جمل نے امت مسلمہ کو دو متحارب جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ اس جنگ کے واقعات قلم بند کرنے والے عام ذرائع معلومات بہت سے ایسے امتیازی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جو مختلف گروہوں نے اپنے انداز فکر کو آئندہ کے کے لئے ظاہر کرنے کی خاطر اختیار کئے تھے۔ یہ امتیازی اصطلاحات اس لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ تصور مذہب، ذاتی و شخصی وفاداریاں، علاقائی مفادات اور سیاسی و معاشی افکار کس طرح ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے تھے جن لوگوں نے جنگ جمل اور پھر جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی طرف داری کی تھی ان کو پہلے اہل عراق اور حضرت علیؑ کی جماعت (شیعان علی یا العلویہ) کہا گیا۔ ان کے مخالفین کو شیعان عثمانؓ یا بالعموم عثمانیہ کہا جانے لگا۔ ان میں حضرت عائشہؓ طلحہ اور زبیر کا گروہ شامل تھا جسے اونٹ والے یا اصحاب جمل کہا گیا اور ان میں شامی بھی شامل تھے (اہل شام) و شیعان معاویہ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ اس عہد کے عام میلان فکر کے مطابق ان سب کے موقف کو زیادہ مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی اصطلاحات یعنی دین کے لفظ سے بھی بیان کیا گیا ہے، یعنی دین عثمانؓ اور دین علیؑ۔ ایک اور طریقہ اس کا یہ تھا کہ کون حضرت عثمانؓ کی سوچ اپنانے کا ادعا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتا ہے اور کون حضرت علیؑ کی سوچ اپنانے کا دعوٰی دار ہے، یعنی رائے علویہ اور رائے عثمانیہ۔[51] تاہم مخالف فرقوں کو بیان کرنے والی ان عمومی اصطلاحات کے علاوہ آئندہ کے لئے زیادہ موزوں امتیازی نام شیعان اہل بیتؑ اور شیعان آل محمدؐ، شغف دین رکھنے والے عقیدت مندوں نے اپنے لئے کثرت سے استعمال کئے ہیں۔ کبھی کبھی عرف عام میں الترابیہ کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لقب حضرت علیؑ کی کنیت ابو تراب سے اخذ کیا گیا جس کے معنی ہیں "مٹی کا باپ" جو ان کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کیا تھا۔[52] زیادہ معنی خیز بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ اپنے مخالفین کا بعض ایسے ناموں سے ذکر کرتے تھے جو ان لوگوں کے دین کی راہ سے بھٹک جانے کی نشان دہی کرتے تھے جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے خلاف لڑنے والوں کو "الناکثون" "وہ جنہوں نے اپنی بیعت توڑ ڈالی کہا گیا۔" یہ لفظ قرآنی آیت سے ماخوذ تھا جو بیان کرتی ہے کہ وہ جو اپنے عہد کو توڑتا ہے (نکث) خود اپنے آپ کو روحانی نقصان پہنچاتا ہے۔"[53] حضرت علیؑ نے صفین میں اپنے دشمنوں کو نسق کہا یعنی "وہ جو راہ راست سے منحرف ہوتے ہیں۔" یہ لفظ بھی قرانی آیت سے لیا گیا ہے جو اس طرح ہے:

"وہ جو راہ راست سے انحراف کرتے ہیں، دوزخ کا ایندھن ہیں۔"[54]

سب سے آخر میں نبی کریمؐ کی ایک سنت کو مدنظر رکھتے ہوئے نہروان کے خارجیوں کے لئے مارقون کہا گیا یعنی "وہ لوگ جو مذہب کی حقیقت سے دور ہو گئے۔"[55] ظاہر ہے کہ طرف داران حضرت علیؑ میں اپنے مخالفین اور ان کی مخالفت کو بیان کرنے کے لئے یہ الفاظ عام استعمال میں آ گئے۔

بہرحال اس تمام عرصہ میں حضرت علیؑ کے طرف دار مسلسل اپنے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لئے حمایت کی ایک وسیع بنیاد استوار کرتے رہے۔ جب تک جنگ جمل واقعہ نہ ہوئی تھی "شیعان علیؑ" حضرتؑ کے کچھ ذاتی مداحوں پر مشتمل جماعت تھی جو شروع ہی سے ان کو بعد رسولؐ ملت اسلامیہ کی قیادت کے لئے عہدہ خلافت کا لائق ترین فرد تصور کرتی تھی۔ جنگ جمل کے بعد شیعان علیؑ کی اصطلاح کے دامن میں وہ تمام افراد شامل ہو گئے جنہوں نے حضرت عائشہ کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی حمایت کی تھی اور اس وقت کے بعد اصلی شیعہ جماعت میں مبہم انداز میں وہ تمام افراد شامل ہو گئے جنہوں نے حضرت علیؑ کی حمایت مذہبی اقتدار کے علاوہ دیگر بنیادوں پر بھی کی تھی۔ یہ دراصل اس وسیع ترین مفہوم کی بات ہے کہ اصطلاح شیعہ جنگ صفین کے وقت تحریر مصالحت میں استعمال ہوئی۔[56] چند عشروں کے بعد ہی جب شیعوں نے اپنے تشخص کو ضوابط و قواعد میں شامل کرنا شروع کیا تو اس وقت یہ کوشش کی گئی کہ حضرت علیؑ کے طرف داروں میں مختلف جماعتوں کی کانٹ چھانٹ کی جائے جو اس ابتدائی دور میں کافی مبہم انداز میں خلط ملط ہو گئے تھے۔ شیعوں کی صفوں میں اس وقت چار قسم کے افراد شامل تھے:

۱۔ "الاصفیا پر خلوص دوست۔"

۲۔ "الاولیا جان نثار دوست۔"

۳۔ "الاصحاب صحابی یا مصاحب۔"

۴۔ "شرطۃ الخمیس" محافظ جماعت۔[57]

پہلی تین اصطلاحات کن افراد کے لئے استعمال ہوئی ہیں۔ اس کا پتہ نہیں چلتا گو کہ بہت سے شیعہ ذرائع معلومات سب سے پہلے طرف داروں سے ان اصطلاحات کو منسوب کرتے ہیں، یعنی مقدادؓ، سلمانؓ، عمارؓ، حذیفہؓ، ابو حمزہؓ، سوصانؓ اور شتیرؓ اصفیا سے تعلق رکھتے تھے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

درجہ بندی کا یہ نظریہ یقیناً بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ پھر بھی ہم کو حضرت علیؑ کے ان طرف داروں میں جو ان کی جانشینی میں لفظ وصی کے مذہبی پہلو پر زور دیتے تھے اور ان طرف داروں میں جو ان کے موقف کی زیادہ تر سیاسی بنیادوں پر حمایت کرتے تھے، فرق کرنا پڑے گا، خاص طور پر جب انہوں نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا۔ سیاسی حلیفوں کی ایک بہت بڑی حمایت کے علاوہ حضرت علیؑ اپنے بعد ایک بہت پر جوش ذاتی معترفین کی جماعت چھوڑ گئے تھے جنہوں نے ان سے عہد کیا تھا کہ وہ "ان کے دوست ہوں گے جن کو وہ دوست رکھتے ہوں گے اور ان کے دشمن ہوں گے جن کے وہ دشمن تھے"[58] اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ حضرت علیؑ "راہ راست پر اور راہ ہدایت پر گامزن تھے" (علی الحق و الھدیٰ) اور ان کے دشمن نتیجتاً غلطی پر تھے، ان لوگوں کا قول تھا کہ حضرت علیؑ اپنی اصل و نسل کے اعتبار سے مسلمانوں پر اختیار و اقتدار اعلیٰ کے سلسلہ میں مخصوص طور پر متصف تھے۔ مذہبی عقیدت مندوں کے اس جاں نثار گروہ کی موجودگی اس حقیقت کی بڑی حد تک وضاحت کر دیتی ہے کہ کس طرح شیعہ تحریک ان متعدد فیصلہ کن شکستوں پر غالب آنے میں کامیاب ہوئی جو عرصہ دراز تک اس تحریک کے شامل حال رہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات باب نمبر 4

1۔ آغانی جلد چہارم ص 334، مسعودی: مروج۔ جلد 2 ص 342،

2۔ طبری جلد 1 ص 2948، دوسرے نقطہ ھائے نظر کیلئے ابن سعد جلد 3 ص 64 ملاحظہ کیجئے اور بلاذری جلد 5 ص 25۔ یعقوبی جلد 2 ص 164۔ دینوری: اخبار ص 139 مسعودی: مروج جلد 2 ص 334، عقد جلد 4 ص 280،

3۔ طبری جلد 1 ص 2932۔ 2933۔ مسعودی: مروج جلد 2 ص 337

4۔ طبری جلد 1 ص 2871۔ بلاذری جلد 5 ص 49

5۔ بلاذری جلد 5 ص 31۔ طبری جلد 1 ص 2845۔ مسعودی: مروج جلد 2۔ ص 335۔ عقد جلد 4 ص 307

6۔ بلاذری جلد 5 ص 40، مسعودی: مروج جلد 2 ص 337۔ طبری جلد 1 ص 2916،

7۔ بلاذری جلد 5 ص 27، طبری جلد 1 ص 2953، اشعری: تمہید ص 99

8۔ بلاذری جلد 5 ص 36۔ یعقوبی جلد 2 ص 170،

9۔ بلاذری جلد 5 ص 48۔ عقد جلد 4 ص 307۔ مزید ملاحظہ کیجئے۔ ابو الاعلی مودودی: خلافت و ملوکیت ص 105 و 106 و 321 و اس سے اگلے صفحے جہاں حضرت عثمان ؓ کا اپنے قریبی اعزا کے ساتھ شریفانا سلوک اور ان کی شرافت سے ان کا ناجائز فائدہ اٹھانا نہایت وضاحت سے لکھا ہوا ہے۔

10۔ بلاذری جلد 5 ص 52 اور اس سے اگلے صفحے۔ طبری جلد 1 ص

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

2858 و اگلے ص۔ مسعودی: مروج جلد 2 ص 339 و اگلے ص۔
یعقوبی جلد 2 ص 171

11۔ یعقوبی حوالہ محولہ بالا۔

12۔ ان تبصروں کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ ایس ایم یوسف کا اسلامک کلچر 1 شمارہ 27 1953 میں مضمون "The Revalt Against Uthman" ص 4-5

13۔ بلاذری جلد 5 ص 26۔ 57۔ طبری جلد 1 ص 2955' 2980 عقد جلد 4 ص 280

14۔ بلاذری جلد 5 ص 53 و اگلے صفحے۔ مسعودی: مروج جلد 2 ص 341 و اگلا ص۔ یعقوبی جلد 2 ص 172 و اگلا ص۔ حدید: شرح جلد 8 ص 252 و اگلے صفحے۔

15۔ نہج البلاغہ جلد 1 ص 303

16۔ بمقابلہ ذرائع حوالہ 14 متذکرہ بالا۔

17۔ بلاذری جلد 5 ص 26' 60۔ 61۔ طبری جلد 1 ص 2948 و اگلا ص ص 2955 و اگلے ص۔ مسعودی: مروج جلد 2 ص 344۔ اشعری: تمہید ص 54

18۔ بلاذری ج 5 ص 40

19۔ کشی: رجال ص 72

20۔ ایضاً ص 79 تا 87

21۔ ایضاً ص 75 تا 78

22۔ طبری ج 1 ص 2942۔ اشعری: تمہید۔ ص 55 و اگلا ص

23۔ واعظ السلاطین (بغداد 1954) ص 148 و بعد'

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

24۔ Origins of Ismailism : Bernard dawis
(کیمبرج 1940) ص 25 American oriental Society
Marshal G . s . Hodgson Journal of the
How did the early shia become sectarian:
شمارہ 75 (1955) ص 2 مزید ذرائع کے لئے دیکھئے انسائکلو پیڈیا آف
اسلام میں مضمون "عبداللہ بن صبا"

25۔ Hodgson : Earlsy shia ص 3

26۔ بلاذری ج 5 ص 49 حضرت ابو بکرؓ کے فرزند محمد حضرت علیؑ کے
بہت زیادہ عقیدت مند تھے اور حضرت عثمانؓ کے سخت مخالف تھے۔
بحوالہ Hodgson : Early Shia ص 2

27۔ بلاذری ج 5 ص 34۔ 48 و 49۔ طبری ج1 ص 3112۔ یقعوبی
ج2 ص 175۔ الامامہ والیاسہ ج1 ص 30

28۔ بلاذری ج 5 ص 62 و بعد'۔ طبری ج1 ص 2988 و بعد' مسعودی:
مروج ج 2 ص 232۔ عقد ج 4 ص 290

29۔ بلاذی ج 5 ص 70 و بعد'۔ طبری 1 ص 3066 و بعد' عقد ج 4
صص 291۔ 310

30۔ عقد ج 4 ص 318

31۔ بلاذری ج 5 ص 70۔ طبری ج 1 ص 3068۔ یعقوبی ج 2 ص
178۔ اشعری: تمہید ص 107۔ دینوری :اخبار ص 140

32۔ طبری ج ا ص 3080

33۔ طبری ج 1 ص 3127

34۔ طبری ج 1 ص 3091۔ 3112 و بعد'۔ یعقوبی ج 2 ص 180۔ حدید:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شرح ج 1 ص 232

35- طبری ج 1 ص 3255

36- عقد ج 4 ص 334- بلاذری ج (8-4) ص 108 جو لکھتا ہے کہ کچھ ساتھیوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے معاویہ کے حق سے انکار کر دیا جبکہ حضرت عثمانؓ کے اور دوسرے قریبی عزیز تھے جو اس کا دعوی کر سکتے تھے

37- ملاحظہ ہو باب 3 میں حوالہ نمبر 8 بالا

38- یعقوبی ج 2 ص 179

39- journel of the American oriental society early shia become sectarian?" : Hodgson " How did the میں مضمون ص 2

40- umayyads" کا مضمون W.Mentgomery watt royal Asiatic sociey " Shiism under the کیجیے موازنہ 161 میں ص (1960) journel of the en Arabia anant l' Islam : J. ryckmans (Louvain 1951) L' ristitution monarchique ص 229 وبعد۔

41- مبرد۔ کامل ج 3 ص 205 مسعودی: مروج ج 2 ص 416 اغانی ج 12 ص 326

P. stroth man متفق ہیں کہ الدوائلی نے اپنی شاعری میں حضرت علیؑ کو مذھبی اعزاز میں نمایاں مقام دیا ہے ("shia"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح کے اشعار کمیت اور کثیر نے بھی لکھے ہیں (cf e article
ملاحظہ ہو مبرد کی کامل ج 3 ص 204 و بعد'

42۔ مثلاً قرآن سورہ 19 آیت 6

43۔ حدید: شرح ج 1 ص 144 تا 149

44۔ ابن ندیم: فہرست ص 93

45۔ مثلاً ص 18' 23 و بعد' 43' 49' 365' 382' 385 مزید ملاحظہ ہو اس کانی کی نقد العثمانیہ ص 84

46۔ بلاذری ج 5 ص 34۔ بلکہ ابن ام کلاب کے اشعار میں حضرت عثمان ؓ کے قتل میں حضرت عائشہ کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو طبری ج 1 ص 3112۔

47۔ شیخ مفید: ارشاد ص 146۔ نہج البلاغہ ص 63

48۔ یہ واقعہ حدیث الافک کے نام مشہور ہے اور امام بخاری نے اسے تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے دیکھو صحیح ج 3 ص 25 و بعد' اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتب میں بعنوان حدیث الافک موجود ہے۔

49۔ عمر ابو نصر: علی و عائیشہ (بغداد تاریخ طباعت نامعلوم) ص 25 و بعد'

50۔ مبرد: کامل ج 1 ص 267

51۔ عرب ذرائع روایات میں یہ عبارات جگہ بہ جگہ موجود ہیں مثلاً طبری ج 1' ص 3196' 3199۔ یعقوبی ج 2 ص 183۔ 184۔ 199۔ آغانی ج 12 ص 334۔ و ج 14 ص 219

52۔ طبری ج 1 ص 1272

53۔ سورۃ 48 آیت 10۔ حدید: شرح ج 1 ص 201

54۔ سورۃ 72 آیت 15 ملاحظہ ہو حدید کا مندرجہ بالا حوالہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

55- حدید حوالہ مندرجہ بالا۔ یعقوبی ج2 ص 193

56- منقری: واقعات صفین ص 504۔ طبری ج 1 ص 3336 و بعد'

57- فہرست ج1 ص 175۔ طبری ج2 ص1۔ کشی: رجال ص 4 و بعد'

58- طبری ج1 ص 3350 و بعد'۔ بحوالہ منٹگمری واٹ umayyads

Shiism under the (jras-1960) ص 160-161

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب پنجم

کوفہ: شیعہ سرگرمیوں کا مرکز

jabir.abbas@yahoo.com

۳۶ھ بمطابق ۶۵۶ء میں یا اس سے بھی کچھ پہلے حضرت علیؑ کے کوفہ منتقل ہونے کے وقت سے یہ شہر شیعہ سرگرمیوں، آرزوؤں، امیدوں اور کبھی کبھی اجتماعی کوششوں کا مرکز بن چکا تھا۔ وہ بہت سے ہنگامہ خیز واقعات جو ابتدائی شیعہ اسلام کی تاریخ میں پیش آئے، ان کا مرکز کوفہ اور اس کے اطراف و اکناف ہی تھے یعنی جنگ جمل و جنگ صفین کے لئے حضرت علیؑ کا افواج کو تیار کرنا، امام حسنؑ کا خلیفہ منتخب ہونا اور خلافت سے دستبرداری، حجر بن عدی الکندی کا خروج، امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا قتل عام، تحریک توابین اور امیر مختار کا حکومت وقت کے خلاف اٹھنا۔ اس کے باوجود کوفہ شیعوں کے لئے ناکامیوں، ناامیدیوں، ناکامیوں بلکہ غداریوں اور ان کی اس آرزو میں ناکامیوں کی بھی آماجگاہ رہا کہ خاندان علیؑ کو مسلمان قوم کے امور کا سربراہ بنایا جائے۔ لہٰذا باب شہر کوفہ کی ساخت اور نوعیت، اہالیان کوفہ کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طینت و میلانات کا مختصر جائزہ کو پیش کرنے کی سعی کرتا ہے۔

شہر کوفہ کی ۱۷ھ بمطابق ۶۳۸ء میں بنیادی رکھی گئی یعنی حضرت عمر بن الخطاب کے مدینہ میں عنان خلافت سنبھالنے کے تقریباً تین سال بعد۔[1] جنگ قادسیہ (۱۵ھ بمطابق ۶۳۶ء) اور جنگ جلولہ (اس سے اگلے سال) میں مسلمانوں کی فتح کے بعد خلیفۃ المسلمین نے سعد ابن ابی وقاص کو، جو عراق میں مسلمان افواج کے سالار تھے، حکم دیا کہ اپنے مقام پر ٹھہرے رہیں، یقیناً عراق پر مسلمانوں کے قبضہ کو مستحکم کرنے کے لئے اور پھر موقع و محل کی مناسبت کو سامنے رکھتے ہوئے ایران میں مزید پیش قدمی کرنے کے لئے۔ لہٰذا سعد ابن ابی وقاص نے عرب افواج کو نئے نئے (تازہ تازہ) فتح کردہ ساسانی مرکز مدائین میں متعین رکھا لیکن جلد ہی وہ مقام عربوں کے لئے ناموافق ثابت ہوا کیونکہ اس کی آب و ہوا مرطوب تھی، یہ گنجان آباد تھا اور اس میں صحرائی ماحول کا فقدان تھا جو صاف ہوا اور مویشی چرانے کے لئے وسیع و کشادہ چراگاہیں فراہم کرتا تھا۔ عرب افواج کی مشکلات سے باخبر ہونے کے بعد جو وہ ایک اجنبی و غیر ماحول میں برداشت کر رہی تھیں خلیفہ نے سعد کو لکھا کہ وہ مدائین سے فوجوں کو ہٹا کر کوئی ایسا مقام ڈھونڈیں جو عرب طرز زندگی کے لئے موافق اور ان کی ضروریات کو پورا کرے۔ دو تین مقامات کا تجربہ کرنے کے بعد سلمان فارسی اور حذیفہ یمانی کی مدد سے ایک ایسے میدان کا انتخاب ہوا جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر واقع قدیم ایرانی شہر الحیرہ کے قریب تھا۔[2] لہٰذا نتیجہ کے طور پر سعد نے اپنی فوجوں کو وہاں قیام کرنے کے لئے اور اسے اپنی مستقل رہائش بنانے کا حکم دیا۔ اس طرح شہر کوفہ کی ابتدا ہوئی۔ شہر کے لئے اس جگہ کا انتخاب کسی جلد بازی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ بہت محتاط غور و خوض اور تقریباً دو سال تک علاقہ کی چھان بین کے بعد ایسا کیا گیا تھا۔[3]

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مختلف تاریخی ذرائع نے شہر کوفہ کی بنیاد کے متعلق جو معلومات دی ہیں وہ اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں کہ اس کا مقصد اول کسی شہری آبادی کا قائم کرنا نہ تھا جتنا کہ عراق کے نئے نئے دور دراز مفتوحہ علاقے میں عربوں کے لئے ایک مضبوط و مستحکم، مستقل اور فوجی اعتبار سے اہم مقام پر واقع چھاؤنی قائم کرنا تھا۔ یہ بات خلیفہ حضرت عمرؓ کے اس ہدایت نامہ سے واضح ہو جاتی ہے جو انہوں نے سعد کو بھیجا تھا:

"مسلمانوں کے لئے ایک جائے ہجرت تلاش کرو (دار الہجرہ)
اور ایک مرکز جہاد (منزل جہاد) قائم کرو۔"[۵]

اس خاص وقت کو سامنے رکھتے ہوئے دار الہجرت سے حضرت عمرؓ کا مطلب تھا کہ جنگ قادسیہ کے مجاہدین کے لئے ایک مستقل اقامت گاہ بنائی جائے جو دور دراز مقامات سے تسخیر عراق کے لئے آئے تھے اور جن کو نئے علاقے پر مسلمان قبضہ کو برقرار رکھنے کے لئے وہاں ٹھہرانا مقصود تھا، منزل جہاد سے غالباً انہوں نے اشارہ دیا تھا کہ ان آباد کاریوں سے توقع تھی کہ وہ ایران میں مزید فوجی پیش قدمی کرتے رہیں گے۔ بلاذری حضرت عمرؓ کے ہدایت نامہ کا ہلکا سا مختلف پہلو پیش کرتے ہیں جس میں "ایک مقام جہاں مسلمان ہجرت کر کے جا بسیں" کے علاوہ ایسی جگہ جس کو مسلمان ایک مشاورتی مرکز (قیروان) کے طور پر استعمال کر سکیں" کا بھی اضافہ کرتا ہے۔[۶] اس بات کا یہی مطلب نکلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ذہن میں کوفہ سے مراد ایک فوجی شہر کا قیام تھا جہاں دور دراز مقامات سے آئے ہوئے مختلف فوجی دستے ٹھہر سکیں اور حسب ضرورت فوری طور پر مہیا ہو سکیں۔ لہٰذا اس فوجی شہر میں آباد ہونے والے سب سے پہلے ہنگامی طور پر جمع کئے گئے وہ فوجی دستے تھے جو جنگ قادسیہ میں لڑے تھے اور جنہیں اہل الایام و القادسیہ کہا جاتا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نئے شہر کی منصوبہ بندی اور ابتدائی آباد کاروں کو آباد کرنے کی تنظیم خاص طور پر جب کہ وہ اتنے متنوع قبائل سے متعلق ہوں، جیسا کہ ہم ابھی جائزہ لیں گے، سعدؓ ابن ابی وقاص کے لئے ایک خاصا مشکل کام تھا۔ ماسوائے بصرہ کے جو صرف ایک سال پہلے ہی قائم کیا گیا تھا اور جو اب تک تعمیری مراحل میں تھا شمالی و وسطی عرب کے لوگوں کو شہری آبادیاں قائم کرنے کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ ایک سیاسی و سماجی تحریک کے کسی شہر کا تصور عربوں کے احساس بودوباش کے لئے اب تک بالکل اجنبی سا تھا۔ حتیٰ کہ شمالی و وسطی قدیم شہروں مثلاً طائف، مکہ اور مدینہ میں قبیلے سماجی و سیاسی اکائیاں ہی تھے، شہر نہیں تھے۔

خلافت حضرت عمرؓ کے آغاز اور بیرون عرب اسلامی سلطنت کے پھیلاؤ کی وجہ سے وہ عرب جو جہاد کے اول مواقع پر نکل کھڑے ہوئے اور اسی غرض سے شام کی طرف ہجرت کر گئے، نسبتاً زیادہ پیوستہ جماعتوں میں منظّم تھے کیونکہ وہ وسیع اور ہم آہنگ قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح حدود بصرہ میں دو قبیلے زیادہ نمایاں تھے، بنی تمیم اور بنی بکر ان کے علاوہ بہت ہی معمولی تعداد میں ۱۳۰۰ افراد) وہ لوگ تھے جو دور دراز کے علاقوں سے آئے تھے۔[۵]

اس کے برعکس ان لوگوں کی تعداد جو کوفہ میں آباد ہونے کے لئے دور دراز علاقوں سے آئے تھے پندرہ ہزار سے بیس ہزار کے لگ بھگ ہو گئی مگر اپنی قبائلی ساخت میں بہت زیادہ غیر مربوط تھے نیز یہ بھی کہ ان میں کسی ایک قبیلے یا قبیلے کی شاخ کے افراد نمایاں طور پر کثرت میں نہ تھے۔ للٰذا سعد نے ان کو آباد کرنے کا یہ حل نکالا کہ بجائے علیحدہ علیحدہ قبائل یا خاندانوں میں تقسیم کرنے کے انہیں وسیع تر قبائلی نظام میں منسلک کر دیا، جیسے نزاری (شمالی عرب) اور یمنی (جنوبی عرب) عربوں کے دو بڑے گروہ بنا دیئے پس نزاری عربوں کو اس خطے کے مغربی سمت میں جگہ دی گئی جب کہ یمنیوں کو مشرقی حصّہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں آباد کیا گیا اور مختلف جماعتوں کو عربوں کے مروجہ دستور قرعہ اندازی کے مطابق تیر پھینک کر علاقے دے دیئے گئے۔[۷] سب سے بڑا قطعہ زمین جسے مسجد کے لئے مختص کیا گیا تھا' اسے شہر کا مرکزی حصّہ بننا تھا۔ مسجد سے متصل عامل کی رہائش گاہ اور بیت المال تعمیر کئے گئے۔ تاہم آباد کاری کا یہ ابتدائی انتظام آئندہ ۳۳ سال میں تین مرتبہ از سر نو ترتیب و تنظیم کے مراحل سے گزرا۔

کوفے کی آبادی کو ان دو بڑی یعنی نزاری اور یمنی طبقوں میں جلد ہی غیر تسلی بخش ثابت ہوئی۔ اول اول نزاریوں کے مختلف قبائل اور یمنیوں کی مختلف جماعتوں نے آپس میں مل جل کر رہنے کو موافق طبع محسوس نہ کیا اور جلد ہی ان کو سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ علاوہ ازیں پیوستہ وہم آہنگ فوجی دستوں کی تشکیل کے راستے میں اس انتظام نے مزید سنگین مشکلات کھڑی کر دیں۔ کوفہ تو ایک فوجی چھاؤنی کے طور پر قائم کیا گیا تھا جہاں سے فوجی اقدام کے لئے نہایت منظّم دستے فراہم کرنا مقصود تھا۔ لیکن آبادی کے دو بڑے طبقوں میں منقسم ہونے کی صورت میں ایسا ہونا مشکل تھا۔ آخری بات یہ تھی کہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے منظّم نہ ہو سکنے کی وجہ سے یا ہم آہنگ جماعت نہ بنا سکنے کی وجہ سے وظائف کے انتظام تقسیم کا کام مشکل ہو گیا' جس پر آبادی کا گزارہ تھا۔ سعد نے ان مشکلات کے پیش نظر خلیفہ حضرت عمرؓ سے مشورہ کرنے کے بعد آبادی کو سات حصّوں میں از سر نو منظّم کیا۔ اس توازن و ترتیب نو (ازالہ' تعدیل) کو ایک دوسرے کے حلیف قبیلوں کی اور شجرہ نسب کی بنیاد پر دو معروف و مشہور ماہرین حسب و نسب (نساب) کی مدد سے سرانجام دیا گیا۔[۸] جو راہنما اصول اس ساری تنظیم نو میں مدنظر رکھا گیا وہ واضح طور پر وہی قبائلی تنظیم کا روایتی' قبل از اسلام کا عرب انداز تھا' جس میں قبیلے یا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان کی شاخیں ایک لچک دار اتحاد قبائل کی شکل میں ایک دوسرے کے سیاسی حلیف بن جاتے تھے۔ اس طرح کوفہ کی ساری آبادی کو سات گروہوں میں، جن کو اصباء کہا گیا، درج ذیل حصوں میں تقسیم کر دیا گیا:[9]

۱۔ کنانہ، جن میں ان کے حلیف احابش اور بنی جدیلہ وغیرہ شامل تھے۔ کنانہ مکہ کا ایک قبیلہ تھا اور قریش اس کی ایک شاخ تھے۔ جب کہ جدیلہ بنی قیس عیلان کی ایک شاخ تھی۔ یہ بھی حجاز سے تعلق رکھتی تھی اور کنانہ سے ان کا اچھا خاصا تعلق تھا۔ یہ دونوں صاحبان عزت و احترام سمجھے جاتے تھے (اہل العالیہ) کنانہ اور قریش نے بعض دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر ماضی میں ایک اتحاد قائم کیا تھا جو خندف کے نام سے متعارف تھا۔ لہٰذا یہ ایک فطری بات تھی کہ کوفہ میں کنانہ و جدیلہ دونوں کے اچھے تعلقات ہوں اور قریشی گورنروں کے ساتھ تعاون کریں اور گو کہ یہ کم تعداد میں تھے پھر بھی ان کو خاص استحقاقی حیثیت حاصل تھی۔[10]

۲۔ قضاعہ، غسان، بجیلہ، خثعم، کندہ، حضرموت اور ازد،[11] مل کر ایک زبردست یمنی جماعت کی تشکیل کر رہے تھے۔ ان میں سے دو یعنی باجیلا جس کے سردار جریر بن عبد اللہ[12] جو کہ خلیفہ عمرؓ کے ذاتی دوست تھے، اور کندہ جن کا سردار اشعث بن قیس[13] تھا، وہ اپنی جماعت میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

۳۔ مذحج[14] حمیر،[15] ہمدان[16] اور ان کے حلیف یہ ایک اور طاقتور یمنی جماعت تھی جن میں سے ہمدان نے کوفہ میں ایک اہم سیاسی مقام حاصل کر لیا، شیعہ اغراض و مقاصد کے لئے بڑا اہم کردار ادا کیا اور بعض نہایت کٹر شیعہ پیدا کئے۔[17]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۔ تمیم، رھاب، ھوازن، ان تینوں کا بنی مضر سے تعلق تھا۔[18]

۵۔ اسد، غطفان، محارب، نمر، ضبیعہ، تغلب،[19] ان میں اکثر کا تعلق بکر اور ربیعہ سے تھا جو نزاری گروہ کی جماعتیں تھیں۔

٦۔ ایاد، عق، عبد القیس، اہل الجر اور حمرعاء۔ ان میں سے ایاد[20] اور عق[21] نزاری عدنانی نسل سے تھے اور ایک عرصہ سے عراقی علاقے میں رہ رہے تھے۔ انہوں نے ساسانی افواج کے خلاف مسلم افواج کا ساتھ دیا تھا۔ عبد القیس[22] جو عدنانیوں کی ایک شاخ تھی، بحرین کی طرف ہجرت کر گئی تھی اور اہل الجر کہلاتی تھی۔ انہوں نے ۹ھ بمطابق ٦٣٠ء میں ایک بڑا وفد بحرین سے مدینہ بھیجا تھا اور اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان میں بہت سوں نے اصحاب رسولؐ میں نمایاں مقام حاصل کیا تھا[23] اگرچہ یہ عرب قبائل کی ملی جلی سی جماعت تھی لیکن ان کی اہمیت کو ہرگز کم نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ عبد القیس ایک طاقتور تمیمی سردار زہرہ بن حاویہ کی سربراہی میں قادسیہ پہنچا تھا جو قادسیہ کی مسلم فتح کا ذمہ دار تھا جس نے اپنی کمان میں ان تینوں قبائل کو مضبوطی سے متحد کر کے ایرانیوں پر کاری ضربیں لگائیں۔ قادسیہ کی فتح کے فوراً بعد اس جماعت کی اہمیت میں بہت نمایاں اضافہ ہوا جب چار ہزار ایرانی غلاموں نے اپنے سردار دیلم کی سرکردگی میں (جن کا نام دیلمی ہوا) سعد سے خاص مراعات حاصل کر کے اسلام قبول کر لیا اور اس تمیمی خانوادے کے سردار کی سرپرستی میں اس گروہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس طرح ایاد، عق اور عبد القیس کے ساتھ یہ ایک اتحاد قبائل میں شریک ہو گئے۔ اس جماعت میں حمرعاء انہی چار ہزار ایرانی غلاموں کا دوسرا نام ہے۔[24] کوفہ میں متعین دستوں میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تعداد کے اعتبار سے یہی گروہ طاقتور جماعتوں میں سے ایک تھا اور نتیجتاً ان کی عددی برتری کو کوفہ کے سماجی سیاسی شیرازہ میں ان قبائل کے مفادات اور بہتر مطالبات سے، جو زیادہ اونچا سماجی رتبہ رکھتے تھے، جلد ہی برسرپیکار ہونا پڑا۔ اس جماعت کے وہ عناصر جو عبد القیس سے متعلق تھے مختلف ذرائع تاریخی کی نظر میں جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؑ کی زبردست حمایت کے لئے نمایاں ہیں۔[25]

۷۔ ساتواں گروہ سبع، جس کا طبری نے خاص طور پر ذکر نہیں کیا، وہ یقیناً بنی طے ہیں جو یمن کا ایک طاقتور قبیلہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ طے ہی ہیں جن کا طبری نے معاویہ کے عروج تک حالات کوفہ قلم بند کرتے ہوئے سینکڑوں صفحات میں جگہ بہ جگہ حوالہ دیا ہے۔ طے ۹ھ بمطابق ۶۳۰ء میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور جب ۱۱ھ بمطابق ۶۹۲ء میں تمام دور دراز کے قبائل مرتد ہو گئے تو بنی طے دین اسلام پر ہی مستقل و مستحکم رہے۔ انہوں نے مثنیٰ بن الحارثہ کے ساتھ عراقی جنگوں میں الحیرہ کی فتح تک شرکت کی اور پھر جنگ قادسیہ میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے بعد بنی طے کا نام جنگ صفین و جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰؑ کے زبردست حامیوں میں سننے میں آتا ہے۔[26]

دوسری مرتبہ بنی طے کے سردار عدی بن حاتم کا نام امام حسنؑ کے طرف داروں میں سننے میں آتا ہے، جب وہ اہل کوفہ کو ان کے امام کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے ابھار رہے تھے کہ وہ ان کے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند ہیں۔[27] تاہم بنی طے کی تعداد و طاقت آہستہ آہستہ کوفہ سے چلے جانے کے بعد ختم ہوتی گئی اور ان میں سے اکثر اپنے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قبیلہ والوں کے ساتھ بصرہ و کوفہ کے درمیان پہاڑی علاقہ میں اپنے مضبوط مرکز سے جا ملے۔[28] لہٰذا ہم طرماح بن عدی الطائی کا ذکر سنتے ہیں جو امام حسینؑ سے اس وقت ملے جب امامؑ عازم کوفہ تھے۔ انہوں نے امام حسینؑ سے پرزور اپیل کی کہ وہ کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیں اور ان کے ساتھ بنی طے کے ناقابل تسخیر پہاڑی مرکز کی پناہ گاہوں میں چلیں۔[29]

اس طرح کوفہ کو سات قبائلی جنگجو گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا (مقاتلہ) جو سات فوجی علاقے ہی تھے۔ یہ فوجوں کو متحرک کرنے، وظائف کو تقسیم کرنے اور مال غنیمت تقسیم کرنے کے مراکز بھی تھے۔ ہر گروہ کو اس کا اپنا جبانہ دیا گیا تھا جو مویشی چرانے اور مردے دفن کرنے کی کھلی جگہ بنائی گئی تھی۔ یہ کھلے مقامات شہر کی بعد کی ترقی و توسیع کے لئے بڑے اہم ثابت ہوئے کیونکہ جو لوگ بعد میں کوفہ میں آئے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ رہائش پذیر ہوئے ان کے لئے ان کھلے میدانوں میں کافی گنجائش مل گئی۔

قبائل کی یہ شیرازہ بندی اگلے ۱۹ سال تک اسی طرح چلتی رہی حتیٰ کہ یہ ۳۶ھ بمطابق ۶۵۶ء میں ایک اور تبدیلی سے گزری جب حضرت علی مرتضیٰؑ کوفہ آئے۔ جیسا کہ آگے چل کر جائزہ لیا جائے گا گذشتہ ۲۵ عجیب و غریب سال میں ان ساتوں گروہوں میں سیاسی قوت کا سلسلہ بری طرح تبدیل ہو گیا۔ بہت سے گروہوں میں بعض جماعتوں کو اسی گروہ کے دوسرے حصوں پر غیر معمولی برتری حاصل ہو گئی اور اس دور میں بہت سے قبیلوں میں ان کے اور بہت سے اہم قبیلے نووارد شامل ہو گئے۔ اس طرح ان کی تعداد بڑھتی چلی گئی جس سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کسی خاص گروہ میں طاقت کا توازن بگڑ گیا۔ لہٰذا حضرت علی مرتضیٰؑ نے ان ساتوں گروہوں کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی ساخت اور ہیئت میں ردو بدل کر کے یا ایک گروہ سے کچھ قبیلے دوسرے میں تبدیل کر کے، بعض اہم تبدیلیاں نافذ کیں۔ Massingnon کے تجزیہ کے مطابق حضرت علیؑ نے قبائل کو از سرنو اس طرح منظم کیا:

۱۔ ہمدان اور حمیار (یمنی)

۲۔ مذحج، اشعر، طی (یمنی)

۳۔ کندا، حضرموت، قضاعہ، محر (یمنی)

۴۔ ازد، بجیلا، خثعم، انصار (یمنی)

۵۔ قیس کی تمام نزاری شاخیں، عبس، زوبیہ اور بحرین کے عبد القیس۔

۶۔ بکر، تغلب اور ربیعہ کی تمام شاخیں (نزاری)

۷۔ قریش، کنانہ، اسد، تمیم، ضبہ، رباب (نزاری)[30]

اس نئی شیرازہ بندی میں تین اہم نکتے خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ اول یہ کہ کچھ ایسے قبائلی نام ہیں، جیسے اشعر، محر اور ضبہ، جو سعد کی ترتیب دی ہوئی، شیرازہ بندی میں موجود نہیں ہیں۔ اس کا غالباً مطلب یہ ہے کہ یہ قبائل عددی اعتبار سے سعد کے زمانہ میں ۱۷ھ بمطابق ۶۳۹ء) برائے نام تھے، لیکن ۳۶ھ بمطابق ۶۵۸ء تک ان کی تعداد اتنی بڑھ چکی تھی کہ ان کا انفرادی تشخص ضروری ہو گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ سعد کی قبائلی تنظیم میں تین یمنی اور چار نزاری حصے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کی تنظیم نو میں یمنی گروہوں کی تعداد بڑھا کر چار کر دی گئی اور نزاری کی تعداد گھٹا کر تین کر دی گئی۔ یہ بات آئندہ زیر بحث لائی جائے گی کہ یمنی شروع ہی سے نزاریوں کے مقابلہ میں تعداد میں زیادہ تھے (بارہ ہزار اور آٹھ ہزار علی الترتیب)۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت علی مرتضیٰؑ نے عربوں کی ان دونوں شاخوں کی تعداد کو ملحوظ خاطر رکھا اور ان کے افراد کی تعداد کے مطابق تنظیم نو کی۔ اس طرح یمنیوں کے کوفہ میں جائز حق کو منظور فرمایا۔ تیسری بات یہ ہے حضرت علیؑ نے نسب و نسل کی قبائلی بنیاد کو، جس پر سعد نے آبادی کو مرتب و منظم کیا تھا، تبدیل نہیں کیا۔

کوفے کی انتظامیہ میں چوتھی اور سب سے آخری تبدیلی ۱۴ سال بعد واقع ہوئی جب زیاد بن ابی سفیان نے سن ۵۰ھ بمطابق ۶۷۰ء میں اس شہر کے عامل کے طور پر اختیار حاصل کیا۔ اس نے سات گروہوں میں موجود اس قبائلی تنظیم کو یکسر ختم کر دیا اور تمام آبادی کو چار نئے انتظامی حلقوں (اربعہ) میں نئے سرے سے تقسیم کیا۔ یعنی:-

۱۔ اہل العالیہ۔
۲۔ تمیم و حمدان۔
۳۔ ربیعہ (بکر) اور کندا۔
۴۔ مذحج اور اسد۔[۵۵]

زیاد کے نئے نظم و نسق میں کئی اہم نکتے قابل توجہ ہیں۔ اول یہ کہ وہ نہ صرف کوفہ کا عامل تھا بلکہ بصرہ کا بھی، جہاں شروع ہی سے ساری آبادی چار انتظامی حلقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ (اربعہ) بصرہ کے عوام کی تنظیم کے لئے یہ تقسیم اتنی مفید رہی تھی کہ زیاد نے وہی انتظامی ڈھانچہ کوفے میں بھی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے یہ کہ اس نے قبائلی گروہ بندی کے سلسلے میں اتحادی دوستوں اور نسب و نسل کا تسلیم شدہ عرب قاعدہ کلیہ بالکل نظرانداز کر دیا بلکہ اس نے نزاری و یمنی عوام کو آپس میں ملا دیا ماسوائے پہلی جماعت اہل العالیہ کے۔ اور تیسرے یہ کہ پہلے گروہ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے اس نے چھ سب سے طاقتور قبائل کا انتخاب کیا اور باقی چھوٹے چھوٹے قبائل یا گروہوں کو ان

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں ضم کر دیا۔

پہلی جماعت یعنی اہل العالیہ قریش اور مکہ کی مختلف شاخوں پر مشتمل تھی جس کو اس نے بالکل اسی طرح رہنے دیا کیونکہ یہ سعد کے زمانہ سے آئندہ مقرر ہونے والے قریشی عوامل کے لازمی حلیف چلے آ رہے تھے اور زیاد کو ان سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ دوسرے حلقے میں اس نے ربع، تمیم (نزاری) اور کندا (یمنی) کو اکٹھا کر دیا۔ تیسرے حلقہ میں بکر (نزاری) اور کندا (یمنی) تھے اور چوتھے حلقہ میں اسد (نزاری) اور مزج (یمنی) شامل تھے۔ ہر حلقہ پر اس نے اپنی پسند کا ایک سربراہ یا نگراں مقرر کر دیا۔[32] جس کے فرائض میں سے ایک فرض اپنے متعلقہ حلقہ کے مشمولہ اجزا پر مضبوط نظم و ضبط کو برقرار رکھنا تھا۔ چوتھی اور آخری یہ بات قابل توجہ ہے کہ کوفہ کے اسباع کو ارباع میں تبدیلی کرنے کی زیاد کی تنظیم نو نہ تو نسل و نسب پر مبنی تھی اور نہ دوستانہ معاہدہ کے اتحادی شرکاء کی بنیاد پر تھی، بلکہ مکمل طور پر سیاسی مصلحتوں پر مبنی تھی جن کا مقصد شہر پر بنی امیہ کی حکومت کو مستحکم کرنا تھا۔

کوفہ میں سب سے پہلے آباد کاروں کی صحیح تعداد کا تعین مشکل ہے۔ پھر بھی مختلف ذرائع تاریخ سے حاصل ہونے والی اطلاعات کی روشنی میں ہم اس تعداد کا کافی معقول اندازہ لگا سکتے ہیں۔ طبری جنگ قادسیہ میں لڑنے والی عرب افواج کی مکمل تفصیل فراہم کرتے ہیں۔ ان کے مطابق قریباً تیس ہزار عرب فوجیوں نے اس جنگ میں حصّہ لیا تھا۔[33] یہ تعداد مبالغہ پر مبنی ہو سکتی ہے کیونکہ قادسیہ کے تمام مجاہدین تو کوفہ میں نہ ٹھہر گئے ہوں گے۔ ایک اور روایت کے مطابق جو یا قوت نے دی ہے، حضرت عمرؓ نے سعد کو مسجد کوفہ کی تعمیر کے منصوبہ کا حکم دیا جس میں ان چالیس ہزار فوجیوں کی گنجائش ہو جن کو کوفہ میں متعین کرنا تھا۔[34] اس سلسلہ میں ایک زیادہ محتاط، معتدل اور قابل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعتماد روایت بلاذری کی ہے جو الشعبی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ کوفہ میں سب سے پہلے عرب آباد کاروں کی تعداد بیس ہزار تھی' بارہ ہزار یمنی اور آٹھ ہزار نزاری۔ ان میں وہ چار ہزار دیلمیوں کا اضافہ کرتے ہیں (الحمراع) جو یقیناً عربوں کے ساتھ سب سے پہلے آباد کار تھے۔[35] معلوم ہوتا ہے کہ صرف چوبیس ہزار آباد کاروں کی تعداد دوسرے مبالغہ آمیز اعداد و شمار کے مقابلہ میں وہ صحیح مقدار ہے جس سے شہر کوفہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ ان ابتدائی آباد کاروں یا نئے آنے والوں میں جیسا کہ ان کو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان ۷۰ ۳ مہاجرین و انصار صحابیان رسولؐ کی معقول تعداد کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو کوفہ کے قائم ہونے کے ساتھ ہی وہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔[36] ان میں ایسی ایسی اہم شخصیات بھی موجود تھیں جیسے عبد اللہ ابن مسعودؓ' عمار بن یاسرؓ' حذیفہ بن الیمانؓ' براءہ بن عازب' سلمان الفارسیؓ' زید بن ارقم' ابو موسیٰ اشعری وغیرہ۔ ان صحابیوں میں مورخ ابن سعد ۷۰ ایسے صحابیوں کا شمار بھی کرتے ہیں جنھوں نے اہل مکہ کے خلاف جنگ بدر سن ۲ھ بمطابق ۶۲۳ء' اسلام کے پہلے معرکہ میں' دوسرے مجاہدین کے ساتھ داد شجاعت دی تھی اور ۳۰۰ ایسے صحابیوں کو بھی شمار کرتے ہیں جو ان میں سے تھے جنھوں نے سرکار رسالت پناہؐ سے صلح حدیبیہ سن ۷ھ بمطابق ۶۲۸ء کے وقت تجدید بیعت کی تھی۔[37] یہ اظہار وفاداری بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور بعد میں یہ بیعت ان افراد کے لئے' جنھوں نے اس آزمائش کے وقت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ پر اپنے غیر متزلزل اعتماد و یقین کا اظہار کیا تھا' ایک بہت بلند اسلامی عزت و وقار کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

کوفہ کی آبادی کی مختلف النوع کیفیت اور کسی ایک واحد قبیلے کے نمایاں اقتدار کے نہ ہونے کی صورت نے خلیفہ حضرت عمرؓ کو اس نو آباد شہر

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں خاص دلچسپی لینے کی ضرورت پر مجبور کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اتنے قبیلوں اور خانوادوں کا محض مجتمع ہو جانا ہی، جو عرب معاشرہ میں اس سے پہلے کبھی تجربہ میں نہ آیا تھا، اور لوگوں میں جذبہ اسلام کو بیدار کرنے کے لئے نہایت بلند مرتبت صحابیان پاک کی اتنی بڑی تعداد، یقیناً یہ دونوں امور شہر کوفہ کو صحیح معنی میں ایک عظیم اسلامی وسیع المرتبت شہر بنا دیں گے۔ کوفہ میں حضرت عمرؓ کی دلچسپی کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے اس شہر کو مینار اسلام (قبة السلام) اور مسلمانوں کے سر (راس اہل الاسلام) کا نام دیا۔ اسی طرح کوفہ کے آباد کاروں کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

> "وہ خدا کی سنان ہیں، خزینہ ایمان ہیں، عربوں کے سرخیل ہیں جو اپنی سرحدی قلعہ بندیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور دوسرے عربوں کے لئے قوت کا باعث بھی ہیں۔"[۲۸]

یہ بات قابل احساس ہے کہ عزت و امتیاز کے ایسے القاب دمشق یا بصرہ جیسے کسی اور شہر کو عطا نہیں کئے گئے۔ حضرت عمرؓ یقیناً قبائلی برتریوں کے مخالف تھے جو عربوں کے سماجی و سیاسی نظام پر اس قدر چھائی ہوئی تھیں۔ کوفہ کی آبادی کے مختلف النوع ہونے کی کیفیت نے ان کو اسلامی سیاسی سماجی نظام قائم کرنے کے لئے ایک مناسب بنیاد فراہم کر دی جس میں قبائلی حاکمیت کو اسلامی حاکمیت میں مدغم کرنے کا امکان موجود ہو سکتا تھا۔ اس کا اصل مطلب یہ تھا کہ فوقیت و قیادت ان کا حصہ عمل ہے جو اسلامی تقدم و فوقیت (سابقہ) کے مالک ہیں اور یہ کہ قبائلی اقتدار کو اسلامی اقتدار کے ماتحت رکھنا ضروری ہے۔ عمارؓ بن یاسر کا کوفہ کے عامل کے طور پر تقرر، جو کسی قبائلی آن بان کے مالک نہ تھے، بلکہ صرف سابقون فی الاسلام سے ایک تھے اور موقف اسلام کے دلی شیدائی تھے، نیز عبد اللہ بن مسعودؓ کا تقرر بطور نائب عامل

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت عمرؓ کی حکمت عملی کا واضح اظہار تھا۔[39] ان کے تقرر کے وقت حضرت عمرؓ نے کوفہ کے باشندوں کے نام لکھا:

"میں عمارؓ کو تمہارے پاس بطور عامل اور عبداللہؓ کو معلم اسلام اور عمارؓ کے نائب کے طور پر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں پیغمبر اسلامؐ کے نہایت جلیل القدر اور ممتاز (نجباء) اصحاب پاک میں سے ہیں۔ للہذا ان کی بات غور سے سنو اور ان کی فرمانبرداری کرو۔ میں نے تم کو خود اپنے آپ پر ترجیح دی ہے (ورنہ میں ان دونوں کو اپنے پاس ہی رہنے کو ترجیح دیتا۔"[40]

عمارؓ اور ابن مسعودؓ کی صفات و صلاحیت اور رتبہ و منزلت کی اہمیت پر بطور پیغمبر اسلامؐ کے جلیل القدر اصحاب پاک کے زور دینا اور کوفہ کی قیادت کے لئے ان افراد کا خصوصی انتخاب حضرت عمرؓ کے اس عندیہ کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ قبائلی حقوق پر اسلامی حقوق کے تفوق کو چاہتے تھے اور اس طرح مدینہ کی سیاسی حاکمیت اعلیٰ کو بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

جب حضرت عمرؓ نے سن ۲۰ھ بمطابق ۶۴۱ء میں تقسیم و ظائف (دیوان) کے نظام کو منظم کیا ان کا واحد معیار سابقین فی الاسلام کو ترجیح دینا تھا۔ للہذا انہوں نے کوفہ کے آباد کاروں کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا: مہاجرین و انصار کے مختلف گروہ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ارتداد و بغاوت کے خلاف مہمات میں شرکت کی یا یوں کہہ لیں کہ قادسیہ اور یرموک کی جنگوں سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اور پھر ان جنگوں میں شریک ہوئے تھے، جن کو اہل الایام والقادسیہ کہا جاتا تھا، پھر وہ لوگ جو قادسیہ اور یرموک کے بعد کوفہ آئے یا مہاجرین کے دوسرے اور تیسرے گروہ جن کی فتوحات میں شرکت کے وقت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے اعتبار سے درجہ بندی کی گئی۔[41] لہٰذا ان کے وظیفے ۳۰۰۰ سے ۵۰۰۰، ۲۰۰۰ سے ۳۰۰۰ اور ۲۰۰ سے ۱۵۰۰ درہم سالانہ کے اعتبار سے بالترتیب مقرر کئے گئے۔ اس مقام پر ہمارے مقصد گفتگو کے لئے اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ تقسیم وظائف کے سلسلے میں ہر گروہ کو مزید چھوٹے گروہوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر گروہ سے ایک نگران تقسیم مقرر کیا گیا تھا۔ یہ گروہ عرافہ کہلاتے تھے اور نگران کو عارف کہتے تھے۔ اکثر و بیشتر ہر گروہ ایک ہی قبیلے کے افراد پر مشتمل ہوتا تھا، لیکن اسے حسن اتفاق کہہ لیں، یا احتیاط کہ دونوں اعتبار سے اسلامی سطح پر مشابہ حیثیت کے افراد ہی کسی گروہ کی تشکیل کرتے تھے[42] کیونکہ عام طور پر یا تو پورے کا پورا قبیلہ یا متعلقہ افراد کا گروہ بیک وقت مسلمان ہوتا تھا۔ بہ نسبت ایک فرد کے کوفہ کے عرفاء کا یہ گروہ شہر کے سیاسی حالات میں غالب حیثیت رکھتا تھا۔ حالات کوفہ بیان کرنے کے سلسلہ میں اشراف القبائل کی اصطلاح عام طور پر سرداران قبائل کے لئے استعمال کی جاتی تھی لیکن ان سربراہان کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی جتنی کہ مختلف تاریخی ذرائع سے محسوس ہوتی ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہ عرفاء اپنے اپنے گروہوں کی حضرت عثمانؓ و حضرت علیؑ اور ان کے بعد کے بدامنی کے ادوار میں قیادت سنبھال چکے ہوں۔ اگر لفظ اشراف میں کوفہ کے عرفاء کو شامل نہ کیا جائے تو پھر اس لفظ کی شناخت اور اطلاق مشکل نظر آتے ہیں کیونکہ مورخین نے اس کا عام طور پر اور اکثر استعمال کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں حدود سلطنت اسلامیہ حیران کن تیز رفتاری سے بڑھ رہی تھیں اور اسی نسبت سے کوفہ کی آبادی بھی بڑھ رہی تھی۔ دو نئے اہم، تیز رفتار اضافوں کو بغیر کسی حیل و حجت کے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ پہلا اضافہ کوفہ میں نووارد عربوں کی تعداد کا تھا، جنہیں روادف کہتے تھے، جو سن

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۰ھ بمطابق ۶۴۱ء تک شام مسر اور جزیرہ کی فتوحات کی تکمیل کے بعد ان مغربی محاذوں پر مزید کسی مال غنیمت نہ ملنے کے امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے اب مملکت ایران میں کسی نئے حملے کی امید کر رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سے ان کو مال غنیمت اور دیگر فوائد کے مواقع میسر آئیں گے۔ اس سے کوفہ کی آبادی میں مزید اضافہ ہوا۔ جب ۲۱ھ بمطابق ۶۴۲ء میں جنگ نہاوند کے لئے کوفہ میں مسلم افواج کو متحرک کیا گیا تو یہ نووارد قدرتی طور پر اپنی خدمات پیش کرنے کے سلسلے میں بہت پر جوش تھے اور ایرانیوں سے مقابلوں میں یہی وہ افراد تھے جنہوں نے غیر معمولی دلیری کا مظاہرہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے تقسیم دیوان کے سلسلے میں اپنی حکمت عملی میں کچھ ترامیم کیں اور ان نووارد آباد کاروں کے وظائف کو اولین آباد کاروں (اہل القادسیہ) کے وظائف کے برابر کر دیا۔[۴۳] اس عمل سے دوسرے لوگوں کو بھی کوفہ میں آباد ہونے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس طرح شہر کی عرب آبادی میں اضافہ ہوا اور پہلے سے موجود عرب قبائل و خاندان مزید پھیلتے چلے گئے۔ کوفہ میں دوسرا ہجوم ایرانی گروہوں کا تھا۔ ان کے کوفہ میں سب سے زیادہ جمع ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں، جن کو عنقریب واضح کیا جائے گا۔

اس نئے اضافوں کے نتیجہ میں خلافت حضرت عمرؓ کے اختتام سے کہیں پہلے کوفے کی آبادی بہت بڑھ چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے فوراً بعد ہی جب حضرت عثمانؓ نے الولید بن عقبہ کو ۲۴ھ بمطابق ۶۴۵ء میں یا ۲۵ھ بمطابق ۶۴۶ء میں کوفہ کا گورنر مقرر کیا ہے تو صرف لڑنے والوں (مقاتلہ) کی تعداد چالیس ہزار تھی۔[۴۴] اگر القادسیہ کے وقت ان اولین آنے والوں کو شمار کیا جائے، جو اب لڑنے کے قابل نہ رہے تھے، لیکن کوفہ کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنا مستقل جائے سکونت بنا چکے تھے یا ان میں چالیس ہزار جوانوں کے بہت سے غلاموں' ملازموں اور افراد خاندان کو شمار کیا جائے' تو کوفہ کی آبادی دس سال ہی میں ایک لاکھ سے کہیں تجاوز کر چکی ہو گی۔ اس تعداد میں ہم ان بہت سے لوگوں کو بھی شامل کریں گے جو سواد کوفہ میں بستے تھے (کوفہ کی زرخیز زرعی زمین) جس کے متعلق حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ اس کو القادسیہ کے فاتحین میں تقسیم نہ کیا جائے' بلکہ اس کو یہاں بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ سواد کے اصلی مالکان کو بطور حکومت کے زیر حفاظت (ذمی) افراد کے اس زمین کو کاشت کرنے کی اجازت تھی مگر اہل کوفہ کے وظائف کے لئے ان کو جذیہ ادا کرنا پڑتا تھا[45] اس کے برعکس وہ زمینیں جو ساسانی بادشاہوں اور شاہی خاندان کے افراد کی ملکیت تھیں (جن کو صوافی کہتے تھے)' حضرت عمرؓ نے القادسیہ کے فاتحین کے خصوصی استعمال کے لئے مخصوص کر دی تھیں۔ ان لوگوں کو ان زمینوں کو آپس میں تقسیم کر لینے کی اجازت تھی' یعنی وہ اگر چاہتے تو وہاں آباد ہو سکتے تھے یا اپنی مرضی کے افراد کو ان زمینوں پر منتظم مقرر کر سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت کم عرصہ میں شہر کوفہ ایسے گنجان آباد دیہات کے درمیان آ چکا تھا جو اصلی و ابتدائی زمین داروں کے علاوہ ان لوگوں سے معمور تھے جو نئی حاصل شدہ زمینوں پر کام کرنے کے لئے وہاں گئے تھے۔ دراصل ایسا غلاموں کی روز افزوں بڑھتی ہوئی تعداد اور مزدور طبقوں میں اضافہ کی وجہ سے ہوا جو اب حدود کوفہ میں جمع ہو چکے تھے۔ مزید یہ کہ کوفہ کی معاشی زندگی میں اضافہ' جیسا کہ اور دوسرے فوجی چھاؤنی والے شہروں میں ہوا' تاجروں' ہنرمندوں اور گھریلو ملازموں کی کثیر تعداد کے شہروں میں امنڈ آنے کی وجہ سے ہوا۔ جو وہاں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شہر کوفہ کی تاسیس اور ابتدائی ترقی کے اس مختصر جائزہ کے بعد اب ہم آبادی کے عام تانے بانے، خصوصیت اور خدوخال کے معائنہ کے اصلی مقصد کی طرف رجوع کریں گے جنہوں نے ان لوگوں کے مذہبی و سیاسی رجحانات اور خواہشات کی تشکیل کی تھی لیکن یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ کئی پیچیدہ عناصر پیدا ہو چکے تھے جن کی نوعیت جغرافیائی، تاریخی، لسانی، نسلی اور معاشی تھی جو آپس میں مدغم ہو گئے اور جو اس شہر اور اس کے باشندوں کے تجزیہ کو مشکل بنا رہے ہیں۔ جس بات کو سب سے پہلے واضح کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس شہر کی آبادی تقریباً اس کی تاسیس کے وقت ہی سے دو نمایاں خصوصیات کے طور پر عجیب گروہوں پر مشتمل ہو چکی تھی یعنی عرب اور ایرانی۔ ہم عرب افراد کو "اساسی جزو" کہہ سکتے ہیں اور ایرانیوں کو "ثانوی جزو۔" کوفہ میں عرب عنصر کی ساخت کسی اور عرب شہر کے مقابلے میں بے حد پیچیدہ تھی۔ عرب قبائل کے ان سات گروہوں پر نظر ڈالتے ہوئے جن کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے اور بعد میں آنے والی عرب جماعتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر شخص فوراً یہ محسوس کرتا ہے کہ عرب عنصر اپنی بنیاد و پس منظر میں انتہائی غیر معمولی طور پر مختلف النوع تھا۔ سب سے پہلے تو یہ دو واضح حصوں میں منقسم تھا، یمنی و نزاری جن کا ہم تجزیہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ حجاز کے رہنے والے قلیل التعداد قریش جو ہر جگہ جامد رہتے تھے اور بزرگی و تقدس و شرف میں مشہور چلے آرہے تھے۔

۲۔ قطعی طور پر خانہ بدوش افراد جیسے مضر کے قبائل بنی تمیم اور بنی طے کے یمنی پڑوسی۔

۳۔ نیم خانہ بدوش عناصر جیسے ربیعہ، اسد، بکر، جو عرب کے شمال، شمال مغرب، مشرق اور جنوبی مشرق سے آئے تھے اور الجزر سے آنے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

والے عبد القیس۔

۴۔ خالصتاً جنوبی عرب کے عناصر جو حضرموت اور یمن کے میدانوں سے آئے تھے، جن میں سے بعض وہاں نیم جامد زندگی گزارتے تھے جیسے کندا اور بجیلا اور دوسرے لوگ جو قدیم و مستقل بستیوں میں رہتے رہے تھے، جیسے مذحج، حمیر اور ہمدان۔[46]

۵۔ عربوں کی ایک اور بھی قسم تھی جو کوفہ کی تاسیس کے وقت وہاں آباد ہو گئی تھی۔ وہ بعض عیسائی عرب قبائل تھے جیسے بنی تغلب، نمر، ایاد اور نجران کے کچھ عیسائی بھی۔[47] ان عیسائی قبائل کو پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے خاص رعایات اور حقوق عطا کئے گئے تھے جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے برقرار رکھے تھے۔

۶۔ عربوں کا ایک اور طبقہ ایسا بھی ہے جس کا پہلا تذکرہ آچکا ہے جس کا ذکر ضروری ہے۔ یہ ان نمایاں خاندانوں پر مشتمل تھے جن کو بیوتات العرب کہتے تھے۔ ابن سعد اس نکتہ کو خاص طور پر قلم بند کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ عربوں کے تمام معزز خانوادوں کے افراد کوفہ میں موجود تھے جب کہ بصرہ میں ایسا نہیں تھا۔[48]

ایرانی کوفہ کی آبادی کا دوسرا بنیادی جزو تھے جو اس شہر کی نوعیت کی تشکیل کر رہے تھے۔ کسی اور شہر کی بجائے خاص کوفہ میں ایرانیوں کے ورود کی بہت سی وجوہات تھیں۔ ان میں سے تین وجوہات بہت اہم تھیں۔ ان میں سے تین وجوہات نمایاں ہیں۔ اول تو مدائین، قادسیہ اور پھر اس کے بعد جنگ نہاوند کی زبردست فتح جس کے نتیجہ میں اتنی کثیر تعداد میں قیدی بطور غلام فاتحین کے ہاتھ لگے اور کوفہ لائے گئے جن کی اکثریت جلد ہی مسلمان ہو گئی اور اپنے عرب آقاؤں سے آزادی حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی مگر ان

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی حلیف یا طرف دار و تابع ہی رہی۔ دوسری بات کوفہ کو جغرافیائی قربت یعنی اس کا ساسانی عراق کی سرحد پر واقع ہونا تھا جس نے ان ایرانیوں کے لئے' جو اپنے اکثر ذرائع آمدنی کی سلطنت ایران میں رہتے ہوئے کھو چکے تھے' اس شہر کو نقل مکانی کر جانے کے لئے ایک مناسب مقام بنا دیا تھا۔ ان کے لئے کوفہ نئے مواقع فراہم کر رہا تھا۔ اسی طرح کاشت کاروں کی ایک بہت بڑی تعداد نے ساسانی جاگیردارانہ نظام کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے اور مسلمان حکومت کے آزادی فراہم کرنے سے اب اپنی زمین کو مفید محسوس نہ کیا اور نئے ابھرتے ہوئے شہروں کی طرف متبادل ملکیت و قبضہ کے طور پر رخ کیا۔ ان کے لئے کوفہ نہایت پر کشش مقام تھا۔ تیسرے ان چار ہزار ایرانیوں کی موجودگی جنہیں دیلمی کہتے تھے' جو کوفہ کی تاسیس کے وقت ہی سے وہاں مقیم ہو گئے تھے' پھر جنگ نہاوند کے جنگی قیدیوں کی معقول تعداد کے اضافہ نے اور دوسرے اکھڑے ہوئے ایرانیوں کے لئے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ جا بسنے کے لئے ایک ہم آہنگ معاشرتی فضا فراہم کی۔ مزید یہ کہ جنگی قیدیوں میں عورتوں کی ایک خاصی بڑی تعداد تھی جو عرب فاتحین کے ہاتھ لگی۔ یہ عورتیں اپنے عرب آقاؤں کی قانونی بیویاں بن گئیں اور ان سے ان کی اولادیں ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵ سال سے بھی کم عرصہ میں یعنی حضرت علی مرتضٰیؑ کے کوفہ آنے تک کوفہ کے عربوں کی ایک نئی نوجوان نسل تیار ہو چکی تھی جن کی مائیں ایرانی تھیں۔ مثلاً اس دور کے کوفہ کے مشہور عالم الشعبی کی والدہ جنگ جلولہ کے وقت گرفتار ہو کر آئی تھی۔[۴۹] یہاں اس بات کا تذکرہ اہم ہے کہ ایرانیوں کو کوفہ شہر کے معاشرتی نظام میں ان کے ساتھی عرب شہریوں نے برابر کے حقوق نہیں دیئے تھے۔ ان کو موالی (مولا کا واحد) کہا جاتا تھا' یا حاشیہ نشیں ماتحت' ایک ایسی اصطلاح جو کمتر معاشرتی حیثیت کو ظاہر کرتی تھی۔ چونکہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

موالیوں نے کوفہ کی مذہبی و سیاسی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا' خاص طور پر شیعہ تحریک میں لہٰذا ان کے متعلق تھوڑا بہت جاننا انتہائی مفید ہو گا اگرچہ موالی کی اصطلاح شروع شروع میں آزاد کردہ غلاموں کے معنی دیتی تھی لیکن مسلمانوں کی فتوحات کے بعد اس کا اطلاق غیر عرب لوگوں پر بھی ہونے لگا۔

کوفہ کے موالیوں کو پانچ گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ غیر عرب فوجی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور عرب افواج میں شامل ہو گئے یہ زیادہ تر ایرانی فوجی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا اور عرب افواج کے شانہ بشانہ لڑے تھے جیسے کہ حمرا یا دیلمی وغیرہ۔ کوفہ کے عاملوں نے انہیں پولیس کے طور پر استعمال کیا اور عربوں کی طرف سے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا گیا۔ اکثر و بیشتر ان کو کسی نہ کسی عرب قبیلے یا خانوادے میں شامل ہو جانا پڑتا تھا' یا کسی عرب سردار کی سرپرستی میں شامل حال ہو جانا پڑتا تھا جیسا کہ دیلمیوں نے کیا جب انہوں نے بنی تمیم کے سربراہ کو اپنا سرپرست قبول کر لیا۔

۲۔ وہ کسان (زیادہ تر ایرانی) جن کے شہر یا گاؤں مسلمان فتوحات کے دوران تباہ کر دیئے گئے تھے اور جو اپنی زرعی اراضی کو چھوڑ کر روزگار کی تلاش میں کوفہ چلے آئے۔ ساسانی جاگیردارانہ نظام کے زوال اور مسلمان حکمرانوں کی دی ہوئی آزادی نے کسانوں کو اپنی سابقہ زمینیں چھوڑنے پر مجبور کیا جو اب نفع بخش نہ تھیں۔ اس کی وجہ سے وزارت خزانہ میں مالیہ اور لگان خسارہ میں جانے لگے جس کے نتیجہ میں انتظامیہ نے ان پر ٹیکس بڑھا دیا جو اب بھی اپنی زمینوں پر کام کر رہے تھے۔ اس بات نے کسانوں کو اور زیادہ مجبور کیا کہ وہ اپنی زمینیں چھوڑ کر زیادہ ٹیکس سے بچ سکیں اور زیادہ منفعت بخش

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ملازمت کے لئے کوفہ منتقل ہو جائیں۔ تاہم ان کسانوں نے ایک ایسے موالی گروہ کی بنیاد ڈالی جو کسی بھی قبائلی گروہ کے ساتھ منسلک نہ تھے۔ یہ لوگ براہ راست عامل کے ماتحت تھے جس کو ان پر وسیع اختیارات حاصل تھے اور وہ نتیجتاً ان کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ ان میں سے کسی کی طرف سے غیر ارادی قتل پر وزارت خزانہ کو خوں بہا دینا پڑتا تھا۔[50]

۳۔ ایرانیوں اور دوسرے افراد کے بڑے بڑے گروہ، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بطور تاجر یا ہنرمند، کوفہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کی زمینیں مسلمانوں نے فتح کر لی تھیں مگر ان کو غلام نہیں بنایا تھا۔ انہوں نے بخوشی اسلام قبول کیا تھا اور اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لئے وہ کوفہ چلے آئے تھے جہاں انہوں نے تاجر و صنعتکاروں کے پیشے اختیار کر لئے تھے۔ شہر کی معاشی حالت بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد بطور موالی مسلسل بڑھتی رہی۔ وہ ان قبائل میں آزاد افراد تھے جن کے ساتھ وہ انتظامی مقاصد کی وجہ سے منسلک کر دیئے گئے تھے۔

۴۔ آزاد کردہ غلام: یہ گروہ ایسے افراد پر مشتمل تھا جن کو عربوں نے جنگی قیدی بنا لیا تھا، ان کو مسلمان کر لیا تھا اور وہ آزاد بھی کر دیئے گئے تھے، لیکن جس خاندان کے وہ غلام رہے تھے اسی کے ساتھ منسلک رہنے کے پابند تھے۔ موالی کی اصطلاح کے تکنیکی یا اصلی معنی کے اعتبار سے یہ حقیقی موالی تھے اور کوفہ میں ان کی تعداد صرف مندرجہ بالا تیسری قسم ہی سے کم تھی (باقی سب سے زیادہ تھی)۔

۵۔ ایرانی اور دوسرے حلقہ بگوشان اسلام جو اعلیٰ خاندانوں سے تعلق

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رکھتے تھے۔ وہ جذیہ سے مثنٰی تھے جس کو وہ اپنے لئے باعث توہین سمجھتے تھے۔ لیکن ان کو اپنی اراضی پر خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ دیگر موالی گروہوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ عربوں نے کچھ مختلف سلوک رکھا ہوا تھا کیونکہ یہ اپنے ہم قوموں میں معزز و معتبر تھے اگرچہ شکست ہی کھا گئے تھے۔ وہ اپنے تعلق کو ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں بدلنے میں آزاد تھے۔ پھر بھی اس کا درجہ موالی ہی کا رہتا تھا' یعنی دوسرے درجے کے شہری' لہٰذا قبیلے میں خادمانہ حیثیت رکھتے تھے۔ کئی معاملات میں کوفہ میں ان کے مفادات اور عرب قبائلی سرداروں کے مفادات ایک جیسے تھے۔[51]

اس کے باوجود چند ہی عشروں میں موالیوں کی تمام اقسام کی کل تعداد اس حد تک بڑھ گئی کہ اپنے مدمقابل عربوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئی۔ جنگ جماجم میں موالی افواج کی تعداد جو ابن الاشعث کے حق میں لڑنے کے لئے آئیں ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔[52] ان کی تعداد اور طاقت کے باوجود عرب ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ عرب ان کے مقابلے میں نہ صرف اپنے آپ کو فاتح تصور کرتے تھے بلکہ نسلی برتری کا رویہ بھی اختیار کئے ہوئے تھے۔ لہٰذا کوفہ کے موالیوں کے ذہن میں بے اطمینانی کے احساس کا مسلسل بڑھنا ایک لازمی امر تھا۔

آبادی کے اس تانے بانے میں تین امور کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ کوفہ اپنی ابتدا سے مکہ' مدینہ یا دمشق' کی طرح کا خالص عربی شہر نہ تھا۔ دوم کوفہ میں ابتدائی آباد کاروں کی اکثریت' عرب ہوں یا ایرانی' فوجی دستے تھے جو اکثر اوقات اپنے بال بچوں کے بغیر آئے تھے اور کافی عرصہ تک بطور ایک محارب فوج کے اقدام کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ لہٰذا

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فطری طور پر ان کا عسکری مزاج کافی عرصہ تک قائم رہا اگرچہ بعد میں وہ بطور شہری آبادی کے رہنے لگے تھے اور عربوں اور ایرانیوں کے زیادہ مہذب لوگ ان کے شامل حیات ہو گئے۔ یہ بات اور دیگر کئی عوامل ان کی بے چین طبیعت' ان کی بدامن اور سرکش روش کی بخوبی توضیح کرتے ہیں۔ آخری اور غالباً اہم ترین بات یہ ہے کہ کوفہ کی اپنی کوئی روایات نہ تھیں جو لوگوں کی توجہ جذب کر لیتیں یا ان کو متاثر کرتیں۔ جزیرہ نمائے عرب سے باہر زبردست توسیع کے بعد وہ عرب جو شام' مصر یا ایران کے شہروں کی طرف ہجرت کر گئے' ان شہروں کی مروجہ روایات کے براہ راست اثر میں آئے اور ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کے برعکس کوفہ صحرائے عرب اور لخمدی بادشاہت کے قدیم شہر الحیرہ کے درمیان واقع ایک غیر آباد میدان میں بطور فوجوں کے مستقر کے قائم ہوا تھا' وہ بادشاہت جو ایرانیوں کی باج گزار اور ان کے ثقافتی و تہذیبی اثر میں تھی۔ اس نئے آباد شدہ شہر کو خود اپنا ایک تشخص استوار کرنا تھا جو مختلف المزاج لوگوں کے اس اژدھام میں اتنا آسان نہ تھا جہاں شمال اور جنوب کے عرب یا نزاری و یمنی' خانہ بدوش بدو اور مستقل طور پر سکونت گزیں قبائل' مشہور اعلیٰ خانوادوں کے امیر طبقے (بیوتات العرب) اور عوام الناس اور ہر طبقہ و درجہ کے ایرانی اکٹھے ہو کر رہنے لگے تھے۔ پھر بھی آبادی کی اکثریت کے رجحان پر چھا جانے والی ایک خاص بات تھی اور وہ یہ کہ آبادی کا عرب حصہ یعنی یمنی یا جنوبی عرب کے رہنے والے' شمالی عرب کے رہنے والوں یعنی' نزاری سے تعداد میں زیادہ تھے (12 ہزار' 8 ہزار)۔ یہ بات باب اول میں تفصیل سے زیر بحث آ چکی ہے کہ جنوبی عرب والے روحانیت' مذہبی بادشاہت کی اپنی دیرینہ اور راسخ روایت کی وجہ سے جو موروثی تقدس اور موروثی نیابت پر مبنی تھی' اس قیادت کی طرف زیادہ مائل تھے جسے ہم امت کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قیادت کا شیعہ معیار قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ آبادی کا ایرانی حصہ بھی شریک کار تھا جو دینی' سیاسی قیادت کے لئے اسی قسم کی روایات کا حامل تھا۔ اس طرح یمنی اور ایرانی دونوں' یعنی آبادی کے دو تہائی حصہ نے پورے شہر کے رجحان کو شیعہ میلان طبع اور انداز فکر کی طرف موڑ دیا۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کوفہ میں مقیم تمام یمنی شیعہ تھے یا شمالی عرب کے نزاریوں میں کسی نے بھی شیعہ مکتب فکر کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ ایسی الجھی ہوئی صورت حال میں کوئی بھی واضح درجہ بندی صحیح نہیں ہو گی۔ جو کچھ کہا گیا ہے وہ بڑے بڑے گروہوں کے عام رجحانات کو ظاہر کرتا ہے جو بعض مخصوص حالات پر مبنی تھے اور جو سیاسی' معاشی مفادات کے سامنے ابھرتے ہی فوراً محو بھی ہو سکتے تھے۔

کوفہ میں شدید ترین کشیدگی دونوں طاقتور گروہوں کے مقصد کے درمیان ٹکراؤ کی صورت میں سامنے آئی جن کو ہم نئی ابھرتی ہوئی "مذہبی یا اسلامی درجہ بندی" کی اصطلاح سے موسوم کر سکتے ہیں اور "روایتی قبائلی امارت" سے عبارت کر سکتے ہیں۔ پہلا گروہ ان اصحاب پاک پر مشتمل تھا جن کا قیادت کوفہ کے لئے دعوی ان کے سابقون فی الاسلام ہونے پر' موقف اسلام کے لئے ان کی خدمات اور سب سے بڑھ کر اس احترام پر مبنی تھا جو پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے ان کو حاصل تھی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے حضرت عمرؓ ان افراد کے ذریعہ کوفہ پر حکمرانی کرنا چاہتے تھے جو اسلامی تقدم و فوقیت کے مالک تھے اور اس طرف وہ قبائلی اقتدار کو غیر اہم اور ماتحت کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ردہ سرداروں میں سے کسی کو بھی' خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو' کسی کلیدی اسامی پر مقرر نہ کیا۔ دوسرا گروہ قبائلی سرداروں پر مشتمل تھا جن کے قیادت کے دعوے قدیم عرب روایات کے تحت دولت و حشمت اور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طاقت و منزلت پر مبنی تھے۔ یہ راہنمائی ان کو ان کے قبائل کی طرف سے حاصل تھی۔ لہٰذا یہ فطری بات تھی کہ وہ ان لوگوں کی قیادت و برتری کو تادیر برداشت نہ کر سکے جن کی کوئی قبائلی طاقت نہ تھی یا جو کسی بھی مقتدر خاندان سے تعلق نہ رکھتے تھے۔

جب تک حضرت عمرؓ زندہ و سلامت رہے قبائلی سردار اپنی طاقت کو بروئے کار لانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ جیسے کمزور خلیفہ کے بر سر اقتدار آتے ہی (۲۳ھ بمطابق ۶۴۳ء) صورت حال تیزی سے تبدیل ہونے لگی اور اقتدار کی کشمکش جواب تک دبی ہوئی تھی، کھل کر سامنے آ گئی۔ ولید بن عقبہ، جو حضرت عثمانؓ کا سوتیلا بھائی اور طبقہ امرا سے تعلق رکھتا تھا، ان کے گورنر کوفہ مقرر کیے جانے سے قبائلی سرداروں کو اپنی قوت اور حاکمیت کو بحال کرنے میں بڑی مدد ملی لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف طاقتور قبائلی سردار بلکہ ردہ سردار پورے زور و شور سے ابھر کر صوبے بھر میں جلد ہی ارباب نظم و نسق بن بیٹھے۔[53] مثال کے طور پر الاشعث بن قیس الکندی مرتدین کے ایک مشہور راہنما کو اردبیل کی بلا شرکت غیرے کمان سونپ دی گئی اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو وہاں بھیجا گیا تاکہ وہ ایک مستقل مقامی فوج کا کام دے سکیں اور انہیں اشعث بن قیس الکندری کے زیر نگران دے دیا گیا۔[54] یہ طریقہ کار جسے حجر بن عدی الکندی، جو قبائلی عزت و حشم کے مقابلہ میں اسلامی عزت و حشم کا زیادہ مالک تھا اختیار کیا گیا۔ ایک اور چونکا دینے والی مثال سعید بن قیس ہمدانی کارے کے علاقہ پر تقرر ہے[55] جہاں یزید بن قیس ارحابی سن ۲۲ھ بمطابق ۶۴۳ء سے حاکم چلا آ رہا تھا۔[56] اول الذکر ہمدان کے بہت بااثر خاندانوں میں سے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا مگر اس کو کسی قسم کا اسلامی تقدم اور فوقیت حاصل نہ تھی جبکہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مئوخرالذکر کو زیادہ تر ایک اسلامی قائد کے مرتبہ کا مالک تھا گو کہ حمدانی قبائلی مدارج میں اسے کوئی خاص اہم مقام حاصل نہ تھا۔ الاشعث جیسے شخص کا ردہ پس منظر کے ساتھ اور سعید بن قیس کا بغیر کسی اسلامی مرتبت کے بڑے بڑے عہدے حاصل کرلینا' مروجہ نظام سے یقیناً ایک واضح اور بہت بڑا انحراف تھا جس نے اقتدار کے تانے بانے کا اچانک شیرازہ بکھیر دیا اور یہ ان ابتدائی آباد کاروں کی برطرفی میں نتیجہ خیز ثابت ہوا جن کی معاشرتی حیثیت و اہمیت کی بنیاد قبائلی کے مقابلے میں اسلامی و دینی تھی۔ اس قسم کے برطرف شدہ سرداروں کی طویل فہرست میں خاص اہمیت کے افراد مالک الاشترالنخعی' مسیب بن نجبہ الفزاری' یزید بن قیس الرجی' عدی بن حاتم الاطائی' صعصعہ بن صوحان العبدی' وغیرہ شامل ہیں۔ اپنے درجوں اور عہدوں سے معزول ہونے کے بعد کوفہ کے یہ بزرگ' جن کو مختلف تاریخی ذرائع نے کوفہ کے صف اول کے قراء میں شمار کیا ہے'[57] ولید بن عقبہ اور اس کے جانشین سعید بن عاص کے شدید مخالفین میں سے تھے جو مکہ کا ایک اور امیر زادہ تھا اور نتیجتاً حضرت عثمانؓ کے بھی شدید مخالف ہوگئے جنہوں نے اپنے آپ پر قدیم طبقہ امراء کو غالب کرلیا تھا۔ کچھ دیر نہ لگی تھی کہ مخالف گروہ قوت و وسعت کے اعتبار سے بہت بڑھ گیا اور دوسرے بہت سے افراد ان کے ساتھ شریک ہوگئے جو سب مدینہ میں جمع ہوئے۔ یہ بغاوت قتل عثمانؓ پر منتج ہوئی۔ غرض شہر کوفہ کا انداز اس طرح ٹھہرا کہ پوری آبادی دو گروہوں میں منقسم ہو کر رہ گئی۔

۱۔ طاقتور اور بااثر قبائلی' خاندانی سردار اور ان کے حامی' خاص طور پر ابتدائی آباد کاروں کے سردار' جن کو عام طور پر اشراف القبائل کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ لوگ جو قبائلی یا خاندانی قیادت کے اعتبار سے کم بااثر تھے' البتہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنے اسلامی تقدم اور فوقیت کی وجہ سے دور حضرت عمرؓ میں بڑے باا ثر و ممتاز عہدوں پر فائز تھے، جنہیں اب قوت و امارت سے محروم کر دیا گیا تھا۔ ان میں بعد میں آنے والوں کی کثرت تھی۔ مختلف وابستگیوں اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے قراء یا مذہبی و دینی ماہرین اس میں شامل تھے۔ اس میں خاصی تعداد میں منتشر گروہ بھی تھے اور ابتدائی آباد کاروں اور بعد میں سکونت اختیار کرنے والوں کے ملے جلے لوگوں کی خاصی تعداد بھی شامل تھی۔ شہر کے ایرانی یعنی موالی حصہ کے لوگوں کو اس دوسرے گروہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کرنا پڑا۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں تاریخ کوفہ کے تیسرے اور نازک ترین دور کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے دور میں سن ۱۷ھ بمطابق ۶۳۸ء میں شہر کی بنیاد رکھی گئی تھی جو حضرت عمرؓ کی وفات یعنی سن ۲۴ھ بمطابق ۶۴۴ء تک قائم رہا۔ دوسرا دور حضرت عثمانؓ کے قتل یعنی ۳۵ھ بمطابق ۶۵۵ء تک رہا اور اسی دوسرے دور نے تیسرے دور کو جنم دیا جو اسی سال حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے تک موجود تھا۔ جیسا کہ باب چہارم میں بتایا گیا ہے حضرت علیؑ کو مسند خلافت پر زیادہ تر انصاران مدینہ کی عمومی رائے نے اور ان باغی جماعتوں نے، جو مختلف صوبوں سے آئے تھے بٹھایا تھا۔ کوفہ والوں نے مالکؒ اشتر کی سرکردگی میں سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰؑ کی بیعت کی تھی۔[58] لازمی بات ہے کہ ان عناصر کی حضرت علیؑ کے اس اقتدار اعلیٰ کے لئے انتخاب کی حمایت کو نہ صرف امرائے بنی امیہ نے زبردست خطرہ گردانا جو دور عثمانیؓ کے بارہ برس میں اقتدار کے تمام عہدوں اور منفعت و مفاد کے تمام سلسلوں کو آپس میں بانٹ چکے تھے، بلکہ قریش نے بھی عمومی طور پر اس کو برا محسوس کیا۔ لہٰذا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت علیؑ کی مخالفت میں شام کے بنی امیہ کے علاوہ مکہ میں قریش کا ایک ایسا گروہ وجود میں آیا جس میں زیادہ تر صحابہ کرام اور مہاجرین تھے، جو بنی امیہ کے غلبہ کے مخالف ہوتے ہوئے بھی در پردہ مہاجرین کے لبادہ میں قریش کی مجموعی برتری کے حامی تھے۔[۵۹] اس زمانہ میں فوجی قوت کوفہ اور بصرہ کے دو مخالف گروہوں میں منقسم تھی جن کے زیر اثر طویل و عریض علاقے تھے جب کہ شام مکمل طور پر بنی امیہ کی گرفت میں تھا۔ بصرہ اور کوفہ کے درمیان حریفانہ چپقلش کو بھانپتے ہوئے مکہ والے بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے تاکہ اپنے حق میں قبائلی امداد کو متحرک کر سکیں۔ لہٰذا حضرت علیؑ کے پاس مدینہ چھوڑ کر عراق چلے جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ رہا تاکہ وہ کوفہ والوں کی حمایت پر انحصار کریں جنہوں نے ان کی طرف رغبت کا پہلے ہی اظہار کیا تھا۔ وہ کوفہ کے قرب و جوار میں قریباً ایک ہزار افراد کے ہمراہ پہنچے جو مدینہ سے ان کے ہم رکاب تھے۔ یہاں بارہ ہزار کوفی فوراً ان کے ساتھ ہو گئے۔[۶۰] جنگ جمل میں یہی افراد ان کی فوج کا بڑا حصہ تھے۔ مکہ اور بصرہ کی اتحادی فوجوں کو شکست ہوئی اور حضرت علیؑ بصرہ پر قبضہ میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے عبد اللہؓ بن عباس کو بصرہ میں اپنا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ کوفہ میں داخل ہوئے لیکن اس لئے نہیں کہ اس کو اپنا دارالحکومت قرار دیں بلکہ اس جنگ سے بھی زیادہ شدید جنگ کی تیاری کے لئے یعنی معاویہ کے ساتھ لڑنے کے لئے کوفہ والوں کو منظم اور اپنی مزید حمایت پیدا کریں۔

ایک بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ جہاں جنگ جمل میں کوفہ والوں کی اکثریت نے حضرت علیؑ کا ساتھ دیا تھا وہاں مختلف قبائلی سرداروں اور سربراہان قبیلہ نے جو دوران خلافت عثمانؓ طاقت حاصل کر چکے تھے، حضرت علیؑ کی حمایت نہ کی یا کم از کم اس معاملہ میں، تذبذب تھے۔ یہ قبائلی

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سردار یعنی اشعث بن قیس، جریر بن عبد اللہ اور سعد بن قیس حضرت علیؑ سے وہی خوف محسوس کر رہے تھے جو اہل مکہ اور بنی امیہ ان سے محسوس کر رہے تھے۔ کوفہ میں اپنے آپ کو مستحکم کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے خالص اسلامی سماجی، سیاسی، نظام قائم کیا جس کا صاف مطلب اسلامی قیادت تھا اور اس طرح یہ روایتی قبائلی امارت کے لئے نقصان دہ تھا جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پوری طرح وجود میں آ چکی تھی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کوفہ کی آبادی اپنے شجرہ نسب کے اعتبار سے یا دوستانہ معاہدوں کی طرف داریوں کے اعتبار سے سات قبائلی گروہوں میں منقسم تھی۔ نئی قیادت دراصل انہی سات قبائلی گروہوں میں پوری طرح جڑیں پکڑے ہوئے تھی۔ اس قیادت کو کمزور کرنے کے لئے پہلا قدم جو حضرت علی مرتضیٰؑ نے اٹھایا وہ ان ساتوں گروہوں میں شامل تمام قبائل کے ردوبدل اور تنظیم نو کے ذریعہ ان کی ساخت میں بنیادی تبدیلیاں تھا۔ اس طرح انہوں نے اب تک موجود ان لیڈروں کی قوت کو بحال کرنے کی کوشش کی جو اسلامی تقدم و فوقیت کی بنیاد پر دعویٰ قیادت کر رہے تھے۔ لہٰذا مالک بن حارث الاشتر، حجر بن عدی الکندی اور عدی بن حاتم الطائی، جو اب تک طاقتور قبائلی قیادت سے مغلوب تھے، دوبارہ سنبھل گئے۔ مثال کے طور پر اشعث بن قیس کی جگہ حجر بن عدی کو لایا گیا اور جنگ صفین میں کندہ کی قیادت بھی حجر ہی کو سونپی گئی۔[61] مالک الاشتر ایک نئی جماعت کے سربراہ ہوئے جو مزحج، نخعی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے قبیلوں پر مشتمل تھی۔ ان کی حیثیت اور مستحکم ہو گئی جب حضرت علیؑ نے ان کو جزیرہ کا گورنر مقرر کیا۔[62] اسی طرح ایک اور رہبر یعنی عدی بن حاتم کو بنی طے کا واحد رہنما بنا کر حضرت علیؑ نے اس کی حمایت کی اگرچہ اس قبیلے کی دوسری شاخوں میں اس کی خاصی مخالفت تھی۔[63]

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مالک الاشتر، حجر اور عدی مع اپنے حمایتیوں کے، خاص طور پر اپنے قبیلوں میں نئے آنے والوں کے، حضرت علیؑ کے طرف داروں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے اور کوفہ میں شیعوں کا مرکز تھے۔ اس کے برعکس طاقتور قبائلی سردار، جنہوں نے اپنے قبائل کی طاقت پر خود کو مستحکم کیا تھا، حضرت علیؑ میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ ان دونوں گروہوں میں واضح فرق کی نشاندہی اس حقیقت سے ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؑ کے کوفے میں آتے ہی مالک اشتر، حجر بن عدی اور دوسرے افراد مسلسل حضرت علیؑ پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ بغیر کسی التوا کے، یا معاویہ کے ساتھ خط و کتابت کے، اس پر حملہ کر دیں جب کہ قبائلی سرداروں کی کثرت کسی فوری اقدام کے حق میں نہ تھی۔ [۵۵] تاہم جب حضرت علیؑ و معاویہ کی فوجیں صفین میں آمنے سامنے ہوئیں تو کوفہ کے ان قبائلی سرداروں نے اپنی حیثیت کو خطرہ میں پایا۔ وہ حضرت علیؑ سے بالکل الگ تھلگ نہ رہ سکے اور انہیں میدان جنگ میں ان کا ساتھ دینا پڑا، لیکن پھر بھی وہ بد دل اور سرد مہرے رہے۔ در حقیقت انہوں نے اپنے مفادات کا تکملہ حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان مسئلہ کے الجھے رہنے میں بہتر جانا۔ وہ گومگو کی کیفیت میں تھے کیونکہ حضرت علیؑ کی کامیابی ان کی قبائلی قوت کا زوال تھی، لیکن اس کے برعکس معاویہ کی کامیابی آزادی عراق کا فقدان تھی جس پر ان کی تمام قوت کا دارومدار تھا۔ الغرض حضرت علیؑ کے کوفہ میں ورود سے لے کر صفین کے معرکوں تک اور عراق میں بعد کی تبدیلیوں سے حضرت علیؑ کی شہادت تک، ان دونوں گروہوں کی صف بندی قائم رہی۔ جنگ صفین کو فیصلہ کن کرنے کے لئے شیعہ سرکردہ افراد حضرت علیؑ کو معاویہ سے لڑائی جاری رکھنے پر زور دیتے رہے۔ وہ ہر قسم کی صلح یا ثالثی کی تجاویز کے مخالف تھے اور انہوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ اپنے آپ کو غیر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مشروط طور پر وابستہ کر رکھا تھا جب کہ قبائل کے اکثر سردار معاویہ سے لڑائی جاری رکھنے کا کوئی میلان نہ رکھتے تھے۔ وہ میدان صفین میں بھی بددلی ہی سے شریک ہوئے تھے اور اس لئے ثالثی کی تجاویز امن کو انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔[۵۳]

یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ دراصل قراء نے حضرت علیؑ کو ثالثی پر راضی ہونے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ قبائلی سردار اور ان کے پیروکار اس کے ذمہ دار تھے کیونکہ لڑائی جاری رکھنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں کرنا تھا بلکہ انہیں مسئلہ کے تعطل میں بہت فائدہ تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ دراصل یہ قراء ہی کا گروہ تھا جس نے حضرت علیؑ کو مجبور کیا کہ وہ ابو موسیٰ اشعری کو اپنے حکم کے طور پر قبول کرلیں اگرچہ اس کا پورا ماضی ظاہر کرتا تھا کہ وہ مکہ والوں کا طرف دار تھا اور قریش کی ہمہ گیر برتری کا حامی تھا۔ لٰہذا اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کو حکم بنانا دراصل قبائلی سرداروں ہی کا انتخاب تھا۔

لفظ قراء جیسا کہ صفین کے واقعات کے سلسلے میں استعمال ہوا ہے' خاصی احتیاط کے ساتھ سمجھنے کے قابل ہے۔ کوفہ کے اولین قراء میں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی قیادت کی تھی' جیسے مالک اشتر' حجر بن عدی اور عدی بن حاتم وغیرہ رہبر تھے اور یہ سب حضرت علی مرتضیٰؑ کے قابل اعتماد طرف دار تھے۔ کوفہ کے ان اولین قراء کے علاوہ ہمیں صفین میں ایسے بہت سے لوگ ملتے ہیں جن کو مختلف تاریخی ذرائع بڑی آسانی سے قراء کہہ دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض بصرہ سے آئے تھے اور بعض ان دونوں علاقوں کے دور دراز مقامات سے آئے تھے۔ لٰہذا یہ یقیناً وہ قبائلی تھے جو اسلامی تقدم و فوقیت کی بنیاد پر اپنے استحقاق کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہی وہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لوگ تھے جنہوں نے قبائلی سرداروں کے زیر اثر پہلے تو حکمین کی حمایت کی اور پھر اس کے خلاف بغاوت کی۔ یہ خوارج کہلائے اور صفین کے بعد پیش آنے والے واقعات میں انہوں نے حضرت علیؑ کی قوت کو داخلی محاذ پر بھی اور معاویہ کے خلاف بھی مزید کمزور کر دیا۔

کوفہ کے اشراف القبائل کے خفگی پر مبنی رویہ کی بڑی وجہ غالباً حضرت علی مرتضیٰؑ کا امتیازات مٹا دینے کا طریق کار تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے نہ صرف وظائف کی تقسیم کے سلسلے میں کوفہ میں پہلے بسنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درمیان فرق کو ختم کر دیا بلکہ انہوں نے اسلامی تقدم و فوقیت کو اپنا طریق کار بنایا اور اسلامی معیارات و اقدار سے وابستگی اور ان پر عمل کو اپنا اصول بنایا۔ یہ بات حضرت علیؑ کے بے شمار خطبات سے، جو انہوں نے اس دور میں ارشاد فرمائے، اور نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں،[66] پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جب حضرت علیؑ کوفہ میں آئے تو شہر میں مزید نوواردد داخل ہوئے جو حضرت علی مرتضیٰؑ کے ساتھ ہی وارد کوفہ ہوئے اور انہوں نے ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا، باوجودیکہ انہوں نے نئی نئی شہریت حاصل کی تھی۔ یہ ان قبائلی سرداروں کے لئے سنگین خطرہ تھا جو کوفہ کے اس بیت المال کا ایک بڑا حصہ اپنے خرچ میں لا رہے تھے جو پہلے ہی فتوحات میں تعطل کی وجہ سے اپنے وسائل میں مختصر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؑ نے عرب اور غیر عرب کے لئے وظائف کی تقسیم میں مساوات کا اصول برتا۔ یہ بات اشراف القبائل کے لئے ناگوار اور توہین آمیز تھی کیونکہ مالی امور کے علاوہ وہ سمجھتے تھے کہ غیر عرب موالی بطور مفتوحہ قوم کے فاتحین کے نہ تو برابر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو برابر کیا جانا چاہیئے تھا۔[67]

یہ بات قبائلی سرداروں اور ان کے حواریوں پر بلاشک وشبہ واضح ہو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چکی تھی کہ حضرت علیؑ کے زیر نگیں وہ سب کچھ کھو دینے کے امکان واضح ہیں جو وہ اپنی قبائلی طاقت کے بل بوتے پر دور عثمانؓ میں حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ تاہم کوفہ کے حالات کے پیش نظر ابھی ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا اور نہ ہی قرین مصلحت تھا کہ حضرت علیؑ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر دیں۔ پھر بھی صفین کی غیر فیصلہ کن صورت حال اور اس کے بعد حکمین کے ناموافق نتیجہ کے بعد قبائلی سردار جو اب تک لاابالی پن اور دغابازی کے بین بین تھے، حضرت علیؑ کے خلاف اپنے برہم رویئے میں زیادہ واضح ہو گئے۔ وہ حضرت علی مرتضیٰؑ کی اس فوج کی اعلیٰ و ادنیٰ صفوں میں شامل تو رہے جو وہ معاویہ کے خلاف آخری اور فیصلہ کن معرکہ کے لئے تیار کر رہے تھے، مگر شامیوں سے لڑنے کے لئے حضرت علیؑ کے مطالبہ مبارزت کو بالکل نظرانداز کر دیا، بلکہ انہوں نے پہلے خوارج سے مقابلہ پر زور دیا جو نہروان کے مقام پر جمع ہو رہے تھے۔[۵۳] جس بات میں انہیں تشویش تھی وہ دراصل یہ تھی کہ انکی حیثیت بطور کوفہ کے قبائلی سرداروں کے کسی نہ کسی طرح برقرار رہے:۔ خوارج سے انہیں اس بات کے لئے خطرہ تھا البتہ معاویہ ایسا خطرہ نہ تھا۔ خوارج کے نہروان میں شکست کھانے کے بعد جب حضرت علیؑ نے انہیں معاویہ کے خلاف جنگ کرنے کو کہا تو الاشعث اور دوسرے طاقتور قبائلی سرداروں نے حیلے بہانے کر کے انکار کر دیا اور حضرت علیؑ کو کوفہ واپس آنے پر مجبور ہونا پڑا۔[۵۴] حضرت علیؑ کی قوت مزید کمزور ہو گئی کیونکہ جنگ نہروان نے مقتول خوارج کے رشتہ داروں اور برادری میں حضرت علیؑ کے دشمنوں میں اضافہ کر دیا۔ مزید برآں قبائلی سرداروں نے مختلف قبائل میں حضرت علیؑ کی بڑھتی ہوئی ناپسندیدگی سے اور زیادہ فائدہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ حکمین کے فیصلے کے بعد سے معاویہ مسلسل ان سرداروں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا اور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دولت و منصب کی پیش کش سے ان کو جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لہٰذا وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ان کے مقاصد کو کیا امور تقویت دے سکتے ہیں۔

کوفہ والوں کے اس رویہ کا بہترین اظہار حضرت علی مرتضیٰؑ کے خود اپنے بے شمار خطبات سے ہوتا ہے جو انہوں نے اس دور میں ارشاد فرمائے۔ اپنی شہادت سے کچھ ہی عرصہ پہلے اپنی ایک تقریر میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"سنو! میں نے رات دن' علانیہ و پوشیدہ ہر طرح اس قوم (شامیوں) سے لڑنے کے لئے تمہیں پکارا اور تم سے کہا کہ ان سے جنگ کرو' قبل اس کے کہ یہ تم پر حملہ کریں۔ اس لئے کہ خدا کی قسم جن افراد قوم پر ان کے گھروں کی حدود کے اندر ہی حملہ ہو جاتا ہے۔ وہ ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ لیکن تم نے پس و پیش اختیار کیا یہاں تک کہ تم پر مسلسل حملے ہوئے اور تمہارا علاقہ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا۔۔۔۔ یقیناً کتنے تعجب کی بات ہے ان لوگوں کا باطل پر ایکا کر لینا جبکہ تمہاری جمیعت کا حق سے بکھر جانا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور رنج و اندوہ بڑھا دیتا ہے۔ برا ہو تمہارا اور جلو بھنو تم' تم تو تیروں کا نشانہ بنے ہوئے ہو' تم پر یورش ہو رہی ہے اور تم دشمن پر حملہ نہیں کرتے جبکہ تم پر حملہ کئے جا رہے ہیں اور تم جوابی حملہ بھی نہیں کرتے۔ اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے اور تم اس کے تماشائی بنے ہوئے ہو۔

اگر میں گرمیوں میں تمہیں ان کی طرف بڑھنے کے لئے کہتا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوں تو تم کہتے ہو کہ شدت کی گرمی کا زمانہ ہے' اتنی مہلت دیجئے کہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے۔ اگر سردیوں میں چلنے کے لئے کہتا ہوں تو کہتے ہو کہ کڑا کے کا جاڑا پڑ رہا ہے۔ اتنا ٹھہر جائیے کہ سردی کا موسم گزر جائے۔ یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کی محض باتیں ہیں۔ پھر خدا کی قسم جب سردی اور گرمی سے تم اتنا بھاگتے ہو تو تلواروں کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بھاگو گے۔

اے مردوں کی شکل و شبہات والے نامردو! تمہاری عقلیں بچوں کی سی اور تمہاری سمجھ حجلہ نشین عورتوں جیسی ہے۔ کاش میں نے تمہاری صورت بھی نہ دیکھی ہوتی اور تم سے جان پہچان نہ ہوئی ہوتی' کیونکہ تمہاری شناسائی صرف ندامت کا باعث بنی ہے اور اس کا نتیجہ رنج و اندوہ ہے۔ خدا تمہیں غارت کرے' تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے لبریز کر دیا ہے۔ تم نے مجھے غم و اندوہ کے جرعے پر جرعے پلائے ہیں' اپنی غداریوں اور نافرمانیوں سے میری رائے و تدبیر کو تباہ کر دیا ہے' حتیٰ کہ قریش کہنے لگے کہ ابو طالب کا بیٹا' علیؑ ہے تو مرد شجاع' لیکن فن حرب و ضرب سے واقف نہیں ہے۔

اللہ ان کا نگہبان ہو! ان میں کوئی ہے جو جنگ و جدال کے طریقوں سے اتنا واقف ہو جتنا میں ہوں' اور ان میں کوئی ہے جو کارہائے جنگ میں مجھ سے بلند تر ہو۔ میں ابھی بیس سال کا بھی نہ تھا کہ جدال و قتال میں کود پڑا تھا اور میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اب بھی جب کہ ساٹھ سال سے تجاوز کر چکا ہوں وہی جنگ
جو ہوں لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات مانی نہ
جائے۔"[70]

اس طرح حضرت علیؑ اہل کوفہ کو متضاد مفادات رکھنے والے ایسے گروہوں کی شکل میں چھوڑ گئے جن کو اب واضح طور پر پہچانا جا سکتا تھا اور علیحدہ گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا' بہ نسبت اس دور کے جب وہ اب سے پانچ سال قبل کوفہ میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں اول گروہ ان مومنین کاملین کا تھا جو ابتدائی آنے والوں میں اور بعد کے آنے والوں میں نہ صرف آپؑ کی ذات سے مکمل عقیدت رکھتے تھے بلکہ ان کا ایمان تھا کہ مسلمانوں کی قیادت صرف اور صرف خانوادہ رسولؐ ہی میں رہنی چاہیئے۔ بے شک اس سوچ میں معاشرتی و معاشی نوعیت کے امور بھی شامل تھے لیکن یہ احساسات ان مذہبی اقتدار اور نظریہ انصاف سے متلازم تھے جو ان لوگوں کے خیال میں صرف الوھی و روحانی طور پر فیضان یافتہ قائد ہی کے ذریعہ بروئے کار آ سکتے تھے۔ تاہم ان لوگوں میں بھی ایسے افراد موجود تھے' اگرچہ یہ کم تعداد میں تھے' جن کی زندگی میں مذہبی و روحانی امور ہی قوت محرکہ تھے:' معاشی معاملات۔ حضرت علیؑ کے ساتھ ان کی عقیدت و وابستگی کے رہنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھے۔ پھر بھی بعض اوقات ان کے پیچھے معاشی مفادات کارفرما بھی ہوتے تھے اور بعض دوسرے افراد کے لئے معاشی معاملات اتنے ہی اہم تھے جتنے مذہبی معاملات۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان دونوں مفادات کا مناسب مجموعہ صرف حضرت علیؑ ہی کے ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک پہلو پر زیادہ یا کم زور سے قطع نظر حضرت علیؑ کے مضبوط طرف داروں کے دونوں حصّوں کے ذہن میں یکساں عقیدت تھی کہ قیادت امت مسلمہ ہر حالت میں خانوادہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رسالتؐ میں ہونا لازم ہے۔

دوسرا گروہ قبائلی و خاندانی سرداروں پر مشتمل تھا جن کے مفادات ان سرداروں کے ساتھ وابستہ تھے۔ یہ لوگ اپنی سیاسی حیثیت و مقام اور معاشی اجارہ داریوں کو محفوظ رکھنے اور قائم رکھنے میں بنیادی طور پر دلچسپی رکھتے تھے جو حضرت علیؑ کے اقتدار کو کوفہ میں مستحکم کر لینے کی صورت میں سنگین خطرات سے دو چار ہو سکتی تھیں۔ پس یہ لوگ حضرت علیؑ سے لاتعلق اور معاویہ کی طرف مائل تھے جس میں وہ اپنی مخصوص حیثیت و ذاتی مفادات کے تحفظ کو موجود پا رہے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ معاویہ کی کھلی اطاعت گزاری کرنے میں متامل بھی تھے اور اس طرح اس کے ساتھ اپنی سودے بازی کو کھونا بھی نہیں چاہتے تھے۔ یہی دراصل وہ وجہ تھی جس کے لئے وہ حضرت علیؑ کی فوج کے ہر حصہ میں ظاہر طور پر شامل تھے جب کہ معاویہ پر بھی اپنے مخصوص حقوق کی ضمانت کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے۔ اس طرح وہ ظاہر کر رہے تھے۔ کہ وہ شیعہ موقف کے طرف دار ہیں، حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جو صرف حضرت علی مرتضیٰؑ کے سیاسی مددگار تھے، جن کا تذکرہ باب چہارم میں کیا جا چکا ہے۔

ان متضاد مفادات کے حامل دونوں گروہوں میں ہم ایک تیسرے گروہ کو بھی شامل کریں گے جو کوفہ کے عوام الناس پر مشتمل تھا، جن میں زیادہ تر یمنی اور غیر عرب موالی تھے، جو نظریاتی طور پر تو قیادت کے شیعہ معیار کی طرف مائل تھے، لیکن اسے کسی خطرہ کی صورت میں بڑے مایوسانہ انداز میں صمیم قلب سے خالی تھے جو خطرہ کسی وقت بھی ان کو درپیش ہو سکتا تھا۔ اہل بیت رسولؐ میں سے جب بھی کسی کی کامیابی کی جھلک دیکھتے تھے تو وہ جوش و جذبے سے اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، لیکن عملی طور پر جوں ہی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کامیابی کے امکان کو کمزور پڑتا دیکھتے تھے تو فوراً اس کا ساتھ چھوڑ دیتے تھے۔ ان میں وہ مناسب ہمت یا کردار کی مضبوطی نہ تھی جو کسی لحہ آزمائش کا سامنا کر سکتی۔

آئندہ آنے والے دو ابواب میں بیان ہونے والے واقعات ان تینوں گروہوں کے رویہ اور کردار کی توضیح کریں گے۔ البتہ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت علی کی شہادت کے بعد اور ان کے فرزند امام حسنؑ کی خلافت سے دست برادری کے بعد جب معاویہ نے کوفہ پر اپنا قبضہ مستحکم کیا تو طاقتور قبائلی سرداروں اور خاندانی سربراہوں ہی کو صوبے کے حکومتی شیرازے میں مصالحتی نمائندوں کا کردار سونپا گیا۔ دمشق کی مرکزی مقتدرہ اپنی قوت اقتدار کو انہی افراد پر اور انہی کے توسط سے استعمال کرنے کے حق میں تھی۔ قدیم قبائلی روش کو دوبارہ مستحکم کیا گیا اور حکومت کی طاقت کو ایک ایسے قبائلی نظام میں سمویا گیا جس میں قبائلی سردار حکومت کی مدد دے رہے تھے اور جواب میں مدد پا بھی رہے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کی شہادت کے وقت قبائلی سردار میزان اقتدار کے ایک طرف اور شیعان علیؑ دوسری طرف تھے، جب کہ عوام الناس ان دونوں کے درمیان میں سرگرداں تھے۔ مفادات کے اس بنیادی تضاد کو طے کرنے کے لئے آئندہ سال بالکل فیصلہ کن تھے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات — باب نمبر 5

1۔ بلاذری: فتوح البلدان ترجمہ philip.H.Hilti نے بنام The origins of the islamic state (بیروت 1966) ص 434 یا قوت: معجم البلدان (تہران 1965) ج 4 ص 323 ۔ طبری ج1 ص 2485 خلیفہ بن خیاط: تاریخ تدوین ذکر (قاہرہ 1967) ج1 ص 129

2۔ ملاحظہ کیجیے ماخذ مندرجہ بالا نوٹ نمبر1

3۔ محمد حسین الذبیدی: الحیات الاجتماعیہ والاقتصادیہ فی الکوفہ (قاہرہ 1970) ص 25۔ یوسف خلیف: حیات الشعرفی الکوفہ (قاہرہ 1968) ص 23

4۔ طبری ج1 ص 2360۔ یا قوت: معجم البلدان ج4 ص 322

5۔ بلاذری ترجمہ origins کی صورت میں محولہ بالا ص 434

6۔ M. Hind کی کتاب "Kufan political alignments in Mid century A D:" مضمون۔ Journal of middle east stadies international (اکتوبر 1971) ص 351

7۔ باذری ترجمہ شدہ originds ص 435 و بعد'۔ یا قوت: معجم البلدان ج 4 ص 323

8۔ طبری ج ا ص 2495۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

9۔ ایضاً

10۔ برائے کنعان ملاحظہ ہو عمر رداکحالہ: معجم قبائل العرب (دمشق 1949) ص 996۔ عقد ج3 ص 339۔ 359۔ برائے جدیلہ قیس عیلان ملاحظہ ہو کحالہ ص 173۔ عقد ج 3 ص 350

11۔ ان یمنی قبائل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کحالہ ص 957، 844 و بعد، ص 63 و بعد، 131 بعد،۔ 998 بعد،۔ 282۔ 15 بعد، علی الترتیب عقد ج3 ۔ ص 371۔ 382۔ 388۔ 391 بعد،۔ 403۔ 385 375 علی الترتیب۔

12۔ کحالہ ص 64۔ عقد ج3 ص 388

13۔ 9ھ بمطابق 630ء اس نے بنی کندہ کے ایک وفد کی قبول اسلام کے لئے مدینہ کی طرف قیادت کی ملاحظہ ہو کحالہ ص 999

14۔ مذحج میں سے کئی اور اہم ذیلی قبائل تھے جیسے نخاع اور ملے ملاحظہ کحالہ ص 1062۔ عقد ج 3 ص 393

15۔ کحالہ ص 305 بعد۔ عقد ج 3 ص 369

16۔ کحالہ ص 01225 عقد ج 3 ص 389 بعد،

17۔ کحالہ ص 1225۔ عقد ج 3 ص 389

18۔ کحالہ ص 126بعد،۔ 315۔ 1231 علی الترتیب۔ عقد ج3 ص 344 بعد، 343 بعد، 353 بعد،

19۔ کحالہ ص 21 بعد،۔ 888۔ 1042۔ 1192۔ 664۔ 120 بعد، علی الترتیب عقد ج3 ص 340 بعد،۔ 351۔ 319۔ 358۔ 356۔ 359

20۔ کحالہ۔ ص 52 بعد،

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

21- غیر یقینی ماخذ۔ بعض کی رائے میں ان کا تعلق قحطانی سے تھا اور بعض کا خیال ہے کہ ان کا تعلق الدیث بن عدنان کی وجہ عدنانیوں سے ہے ملاحظہ ہو کحالہ ص 802 بعد'

22- کحالہ ص 726 بعد۔ عقد ج 3 ص 357۔

23- کحالہ ص 726۔

24- بلاذری ترجمہ Origins ص 440 بعد۔ EI^2 مضمون "دیلم"۔

25- کحالہ ص 726۔

26- کحالہ ص 691۔

27- مقاتل ص 61۔ شرح ج 14 ص 38 ملاحظہ ہو ص 142 زیریں۔

28- کحالہ ص 689۔

29- طبری ج2 ص 304 بعد' ملاحظہ ہو ص 200 بعد' زیریں

30- Massignon: خطاط ص 11 بمقابلہ طبری ج1 ص 3174۔ خلیف: حیات الشعرفی الکوفہ ص 29۔

31- Massignon: خطاط ص 15 و بعد' طبری ج2 ص 131 خلیف محولہ بالا ص 30' بعد۔

32- طبری ج2 ص 131۔

33- طبری ج1 ص 2221 و بعد'

34- معجم البلدان ج4 ص 324۔

35- بلاذری ترجمہ بصورت Origins ص 436' 440' یا قوت معجم البلدان ج4 ص 323۔

36- ابن سعد ج4 ص 9

37- ایضاً ج4 ص 12۔ 66۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

38- ابن سعد ج 4 ص ے۔ بلاذری ترجمہ بصورت Origins ص 448۔

39- ابن سعد ج 4 ص 13 و بعد' طبری ج 1' ص 2645۔

40- ابن سعد ج 4 ص ے۔

41- طبری ج 1 ص 2414' و بعد۔

42- طبری ج 1 ص 2496۔ برائے ادارہ عریف ملاحظہ ہو EI[2] مضمون "عریف"

43- طبری ج 1 ص 2633۔

44- طبری ج 1 ص 2805۔

45- طبری ج 1 ص 2418۔

46- Massignon: خطاط۔ ص 13۔ طبری ج 1 ص 2418۔

47- طبری ج 1 ص 2418 و بعد۔

48- ابن سعد ج 6 ص 11

49- طبری ج 1 ص 2464۔ التنظیمات۔

50- S.A. Al' ALI: الاجتماعیہ والاقتصادیہ فی البصرہ اشاعت دوم (بیروت 1969) ص 88 و بعد۔

51- ایضاً ص 82۔

52- طبری ج 2 ص 1072۔

53- طبری ج 1 ص 2668۔

54- طبری ج 1 ص 2927۔

55- ایضاً۔

56- طبری ج 1 ص 2651۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

57۔ بلاذری: انساب ج5 ص 46۔

58۔ طبری ج1 ص 3075 و بعد۔ الامامہ و السیاسہ ج1 ص 47۔

59۔ Hind پہلے حوالہ آچکا ہے ص 361۔

60۔ طبری ج1 ص 3174۔

61۔ نصر: وقعت صفین ص 105۔

62۔ ابن اعثم ج2 ص 350۔ نصر: وقعت صفین ص 12۔

63۔ طبری ج1 ص 3279۔

64۔ طبری ج1 ص 3256۔

65۔ Hind حوالہ آچکا ہے ص 363۔

66۔ مثلاً۔ خطبات نمبر21۔23۔24۔42 مثال کے لئے صرف چند مذکور ہیں۔

67۔ حضرت علیؑ کی مالی حکمت عمل اور مساویانہ رویہ کے لئے ملاحظہ ہو طبری 1 ص 3227۔

68۔ مسعودی: مروج ج2 ص 404۔

69۔ ایضاً ص 407۔

70۔ نہج البلاغہ ج1 ص 76 تا 79۔ مبرد: کامل ج1 ص 20، بعد۔ بعض معاملات میں معمولی اختلاف تعبیر کے ساتھ۔ میں نے زیادہ نہج البلاغہ کے متن کو پیش نظر رکھا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas
jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب ششم

امام حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری

خلافت علوی کے آخری برس کے دوران معاویہ ابن ابو سفیان گورنر شام جو، حضرت علی مرتضیٰؑ کا سب سے بڑا حریف تھا، بلاد اسلامیہ کے ایک بڑے حصہ کو اپنے زیر نگین لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جنگ صفین کے بعد عمر بن عاص کی طرف سے صلح نامہ اضروح کے نتیجہ میں حق حکومت اس کو تفویض ہو چکا تھا حالانکہ جن حالات میں ایسا ہوا تھا وہ مشکوک و مبہم تھے۔ اس کے باوجود جب تک حضرت علی مرتضیٰؑ زندہ تھے معاویہ اپنے لئے امیرالمومنین کا لقب اختیار نہ کر سکتا تھا۔ حضرت علیؑ اب بھی مدینہ میں امت کے منتخب و جائز خلیفہ تھے اور اس بات کی ملت اسلامیہ نے ابھی تک اعلانیہ تردید بھی نہیں کی تھی، نہ ہی مہاجرین و انصار نے ابو موسیٰ الاشعری کے حضرت علیؑ کو معزول کرنے یا عمر بن عاص کے معاویہ کو خلیفہ مقرر کرنے کے اعلان کو تسلیم کیا تھا۔ لہٰذا باوجود اپنی سیاسی و فوجی کامیابیوں کے معاویہ اس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکا کہ خود کو صرف امیر کہلائے۔[1] حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کی ہوس جاہ کی آخری منزل کے لئے راستہ بالآخر صاف ہو چکا تھا۔ وہ موافق حالات جو اہل مدینہ کی اور بقیہ بزرگان ملت کی بے بسی کی صورت میں پیدا ہو چکے تھے، حضرت علیؑ کے جانشین امام حسنؑ عراقی طرف داروں کی مذبذب ذہنیت اور معاویہ کی مخصوص سیاسی چالبازی کی وجہ سے سازگاری پیدا کر رہے تھے، یہ سب اس کو اس مقصد میں کامیابی کی طرف لے گئے جو وفات عثمانؓ کے بعد اس نے اپنے لئے مقرر کیا تھا (خلافت پر اپنا اور اپنے خاندان کا قبضہ)

حضرت علیؑ کی شہادت کے فوراً بعد امام حسنؑ کو جو حضرت علیؑ و جناب فاطمہؑ کے فرزند اکبر تھے، چالیس ہزار افراد نے کوفہ میں خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کر لیا۔[2] مورخین بتاتے ہیں کہ جنگ صفین یعنی صفر ۳۷ھ بمطابق جولائی ۶۵۷ء میں حضرت علی مرتضیٰؑ کی شہادت سے تقریباً تین سال پہلے ان کی فوج میں ایسے ستر صحابی تھے جو جنگ بدر میں سرکار دو عالمؐ کے لئے نبرد آزما ہوئے تھے، اسی فوج میں سات سو وہ افراد تھے جنہوں نے صلح حدیبیہ کے وقت رسول پاکؐ سے تجدید بیعت (بیعت رضوان) کی تھی، باقی مہاجرین و انصار میں سے چار سو دیگر افراد بھی شامل تھے۔[3] ان میں اکثر حضرت علی مرتضیٰؑ کے ساتھ کوفہ میں موجود تھے جب وہ معاویہ کے خلاف آخری فیصلہ کن معرکہ کی تیاری کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے امام حسنؑ کے انتخاب میں یقیناً حصہ لیا ہو گا اور ان کو نیا خلیفہ تسلیم کیا ہو گا، بہ صورت دیگر ہمارے معزز مئورخین امام حسنؑ کے جانشین ہونے کی کسی بھی مخالفت کا ضرور تذکرہ کرتے۔ جبکہ ایسی کسی بھی صورت حال کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ مدینہ و مکہ کے رہنے والوں نے اس خبر کو بڑے اطمینان قلب یا کم از کم پر سکون رضا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مندی کے ساتھ سنا۔ یہ حقیقت اس بات سے ثابت ہے کہ امام حسنؑ کے انتخاب کے خلاف ان دونوں شہروں کی طرف سے کسی قسم کے احتجاج یا مخالفت کی کسی آواز کا تذکرہ اوراق تاریخ میں نہیں ملتا۔

اس رویہ کی دو بڑی وجوہات پیش کی جا سکتی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت مہاجرین میں تقریباً تمام ممتاز صحابہ کرامؓ وفات پا چکے تھے حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ کے چھ اراکین میں سے صرف سعد ابن ابی وقاص اب تک زندہ تھے۔ ملت اسلامیہ کے دیگر اکابرین بھی انتقال کر چکے تھے اور نوجوان معززین یعنی عبد اللہ ابن عباس، عبد اللہ ابن زبیر، محمد ابن طلحہ اور عبد اللہ ابن عمرؓ میں سے کوئی امام حسنؑ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا جو پیغمبر خدا کے بڑے اور عزیز ترین نواسے تھے۔ اہل مدینہ کے ذہن میں اس والہانہ محبت و شفقت کی یاد جس کا رسول کریمؐ اپنے ان نواسوں کے لئے کثرت سے اظہار فرمایا کرتے تھے، ابھی تک تازہ تھی، جیسا کہ امام حسنؑ کا مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے ہوئے اپنے لمبے کرتے میں الجھ کر گر جانا، نبی پاکؐ کا اپنے وعظ کو منقطع کر کے منبر سے نیچے اترنا اور اپنے نواسے کو گود میں اٹھا لینا،[۳] حالت سجدہ میں پشت مبارکؐ پر ان نواسوں کا سوار ہونا اور رسول پاکؐ کا سجدے کو طول دینا،[۴] اس کے علاوہ ان غیر معمولی پاس داریوں اور ناز برداریوں کے بے شمار واقعات موجود ہیں جو پیغمبر خدا اپنے ان نواسوں کے لئے اکثر ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمام واقعات نہ صرف شیعہ تواریخ میں محفوظ ہیں بلکہ اہل سنت کی تصنیفات میں بھی بہت زیادہ مرقوم ہیں[۵] امام حسنؑ کا نبی پاکؐ سے مشابہ ہونا بھی متفقہ طور پر اکثر مورخین نے لکھا ہے۔[۶] دوسرے یہ کہ اہل مکہ و مدینہ سے کیسے توقع کی جا سکتی تھی کہ معاویہ ابن ابو سفیان، نمائندہ بنی امیہ کے قائد بننے پر وہ خوش ہوں۔ یہ ابو سفیان ہی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھا جس نے سرکار رسالت مابؐ سے دشمنی کو منظم و استوار کیا تھا اور ان کے خلاف تمام فوج کشی اسی نے کی تھی۔ بنی امیہ بالعموم اور خاندان ابو سفیان بالخصوص فتح مکہ تک رسول پاکؐ پر ایمان نہیں لائے تھے' لہٰذا ان کا اسلام لانا ایک سہولت پسندی تو ہو سکتی ہے' تیقن و توثیق ہرگز نہیں۔ معاویہ کا اپنے شامیوں کی مدد پر انحصار تھا جن سے بطور عامل 20 سال سے اس کا رابطہ تھا' اپنے وسیع و طاقتور قبیلے' ان کے دوستوں اور حلیفوں کی مدد بھی اسے حاصل تھی اور یہی لوگ اس کے حلقہ بگوش تھے۔ لہٰذا یہ ایک فطری امر تھا کہ ایسے حالات میں یثرب و بطحا جیسے متبرک مقامات کے باشندے جو اسلامی امہ کا مرکز تھے' کے باشندے کس طرح امام حسنؑ کی خلافت کی مخالفت کر سکتے تھے' خاص طور پر جب کہ ابو سفیان اور ھندہ کا بیٹا ایک متبادل قائد بن رہا تھا۔

جہاں تک عراقیوں کا تعلق ہے ان کے لئے حضرت علی مرتضیٰؑ کے فرزند اکبر کا انتخاب ہی واحد منطقی فیصلہ تھا اگرچہ آپ کے تمام طرف دار یکساں احساسات سے متوجہ نہیں ہوئے تھے' نہ ہی یکساں غرض و مقصد رکھتے تھے۔ ان میں اکثر کے خیال میں امام حسنؑ کے جانشین حضرت علیؑ ہونے کا مطلب حکمرانی معاویہ اور شامیوں کے عراقیوں پر غلبہ کے خلاف حضرت علیؑ کی پالیسی کا تسلسل تھا جبکہ بعض دیگر افراد کے خیال میں اب امام حسنؑ ہی ملت اسلامیہ کی قیادت کے لئے دینی صلاحیت کے مالک تھے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عراقیوں نے سیاسی' یا مذہبی مقاصد کے تحت امام حسنؑ کو خلیفتہ المسلمین تسلیم کر لیا تھا کیونکہ وہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند ہونے کی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ کے نواسے تھے۔[۵] حضرت علی مرتضیٰؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کا فوری انتخاب عراقیوں کے اس میلان کو ظاہر کرتا ہے' خواہ دھندلے انداز ہی میں سہی' جو وہ ملت کی قیادت کے اس جائز و شرعی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اصول نیابت کی طرف رکھتے تھے جس کا اظہار حضرت علیؑ کے انتخاب کے وقت ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا عراق کے باشندے اس ابتدائی دور میں بھی دختر رسول اللہؐ کے خاندان کا بنی ہاشم کے باقی افراد سے واضح امتیاز کر سکتے تھے کیونکہ بصورت دیگر وہ عبد اللہ ابن عباس کا بھی انتخاب کر سکتے تھے جو رسول مقبولؐ کے چچا زاد بھائی تھے، امام حسنؑ سے عمر میں بڑے بھی تھے اور انتظام سلطنت کا تجربہ بھی رکھتے تھے کیونکہ وہ بصرہ میں حضرت علیؑ کے عامل رہ چکے تھے۔ حضرت امام حسنؑ کی نبی پاکؐ سے قربت و قرابت کو بالعموم ان کی طرف لوگوں کے خصوصی رجحان کی وجہ بھی قرار دیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی قائم کردہ روایت کے مطابق امام حسنؑ نے متمکن خلافت ہونے کے موقع پر ایک تقریر کی۔ اس خطاب میں، جو مختلف تواریخ میں کم و بیش طوالت اور الفاظ کے ساتھ مذکور ہے، امام حسنؑ نے اپنے خاندان کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے اپنے والد بزرگوار کی بے مثال صفات اور ان کے خلافت کے لئے مخصوص استحقاق کو بھی بیان فرمایا۔[9] انہوں نے رسول پاکؐ کے ان کے ساتھ قلبی تعلق کو اہمیت کے ساتھ واضح کیا، اپنے اوصاف و صفات و استحقاق کو بیان کیا اور ان آیات کے حوالے دیئے جو اہل بیت اطہارؑ کی مخصوص حیثیت کو آشکار کرتی ہیں۔[9] قیس بن سعد بن عبادہ انصاری نے، جو حضرت علیؑ کے ایک پرجوش حامی تھے اور ان کی فوج کے ایک پر اعتماد سالار تھے، سب سے پہلے فرد تھے، جنہوں نے حضرت امام حسنؑ سے بیعت کی۔ عراق کی اس چالیس ہزار فوج نے، جس نے حضرت علی مرتضیٰؑ کی بیعت کی تھی کہ ان کے لئے جان تک قربان کر دیں گے حضرت امام حسنؑ کو نئے خلیفہ منتخب ہونے پر مسرت کا اظہار کیا۔[10] عراقی افواج نے اور اپنے جذبات کا بظاہر اظہار کرتے ہوئے قیس نے بھی اس شرط کو نافذ کرنے کی کوشش کی کہ بیعت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو نہ صرف قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہونا چاہیئے بلکہ ان لوگوں کے خلاف جنگ (قتال) کرنے کی شرط پر بھی مبنی ہونا چاہیئے جنہوں نے حرام کو حلال قرار دے دیا ہے۔ امام حسنؑ نے یہ کہہ کر بیعت کرنے والوں کو اس پابندی سے معاف کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں پہلی دو شرائط میں تیسری شرط کماحقہ شامل تھی۔ جو افراد عراقیوں میں معاویہ سے لڑنے کے خواہش مند تھے وہ بیعت کی شرائط میں سے اس تیسری شرط کو خارج کر دینے کے حق میں نہ تھے، لیکن انہوں نے پھر بھی امام حسنؑ کی بیعت کر لی۔[11] بعد کے واقعات بخوبی ظاہر کرتے ہیں کہ امام حسنؑ شروع ہی سے عراقیوں کی تلون مزاجی کے شاکی تھے اور آزمائش کے لمحوں میں ان میں پختگی عزم کے فقدان سے باخبر تھے۔ لہٰذا وہ ایسے انتہائی عہد کی پابندی سے بچنا چاہتے تھے جو مکمل خرابی کی طرف لے جا سکتی تھی۔ مزید برآں وہ حلیم الطبع اور امن پسند طبیعت کے انسان تھے جو مسلمانوں میں خون ریزی سے نفرت کرتے تھے۔[12] تاہم مورخین کی اکثریت کے مطابق بیعت کرنے والوں کے حلف وفاداری میں یہ بات شامل تھی۔

> "وہ اس سے جنگ کریں گے جو امام حسنؑ سے جنگ کرے گا اور اس سے صلح کریں گے جو امام حسنؑ سے صلح پر قائم رہے گا۔"[13]

عراقیوں کی طرف سے خلافت امام حسنؑ کا اقرار حجاز، یمن اور ایران کی طرف سے خاموش توثیق، چاہے کسی احتجاج یا اختلاف کے نہ کرنے ہی کی صورت میں سہی، دونوں امور معاویہ کے لئے بہت خطرے کا باعث تھے جو وفات حضرت عثمانؓ ہی کے دن سے اس عہدے کے لئے کوشاں تھا اور جو پانچ سال کی انتھک، مسلسل جدوجہد کے بعد پہلی مرتبہ غیر متنازعہ اقتدار کی راہ کو واضح دیکھ رہا تھا، اس لئے کہ حضرت علیؑ اب دنیا میں نہ تھے۔ اس نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنے اقدام میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ سب سے پہلے جونہی خلافت امام حسنؑ کی اطلاع معاویہ کو ملی اس نے اس تقرر کو تسلیم نہ کیا اور اپنے مکتوبات و خطبات دونوں میں امام حسنؑ کو خلیفہ نہ تسلیم کرنے کے اٹل فیصلے کا اعلان کیا۔[14] دوسرے یہ کہ اس نے اپنے بہت سے گماشتے اور جاسوس کوفہ بھیجے تاکہ لوگوں کو امام حسنؑ کے خلاف بھڑکائیں۔ اس قسم کے کارندے پہلے ہی یمن، حجاز اور ایران کے صوبوں میں مسلسل متحرک تھے جو اس وقت بھی حضرت علیؑ کی سلطنت کا جزو تھے چاہے ان کی شہادت کے وقت مکمل طور پر ان کے ماتحت نہ رہے تھے۔ یہ گماشتے عراق کے مراکز میں حتیٰ کہ کوفہ میں بھی سرگرم تھے جو حضرت علیؑ کی واحد مضبوط ملکیت تھا۔ ان سرگرمیوں میں کسی بھی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ معاویہ نے اس پہلے سے سرگرم و منظم جاسوسی نظام کو مزید مضبوط کر دیا اور اس کو بہت بڑے پیمانے پر پھیلا دیا تھا۔ اس جاسوسی کے موضوع پر امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان بے شمار خطوط کا تبادلہ ہوا ہے اور ایسا ہی معاویہ اور عبد اللہ ابن عباسؓ کے درمیان بھی ہوا ہے،[15] یہاں تک کہ معاویہ نے ان تخریبی سرگرمیوں کی تردید بھی نہیں کی۔ بالآخر وہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگا اس نے شام، فلسطین اور شرق اردن میں اپنے تمام سالاروں کو طلب کر کے فوراً ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ امام حسنؑ پر چڑھائی کر دی۔[16] اس حملہ کے لئے اس نے عمومی راستہ جو عراق سے گزر کر مسکن تک جاتا تھا اور پھر دریائے دجلہ کے ساتھ ساتھ موصل سے سواد تک پہنچتا تھا، استعمال کیا۔ جب معاویہ کی فساد کی نیت کا امام حسنؑ کو پتہ چلا تو انہیں بھی جنگ کی تیاری کرنا پڑی اور اس سے پیشتر کہ وہ یا تو اپنی حیثیت کو مستحکم کرتے یا اس انتظامیہ کی تنظیم نو کرتے، جو ان کے والد کی شہادت سے متفرق و منتشر حالت میں تھی، میدان جنگ کی راہ لینا پڑی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معاویہ کے اس فوری اقدام کا مقصد دوہرا تھا۔ اول یہ کہ اسلحہ و طاقت کے اس مظاہرہ سے امام حسنؑ سے اپنی شرائط منوا لینے کی راہ استوار کرنا تھا جبکہ دوسرے یہ کہ اگر یہ اقدام ناکام ہو جائے تو عراقی فوجوں پر، پیشتر اس کے کہ وہ سنبھل سکیں، حملہ کر دیا جائے۔ لیکن دراصل یہ پہلی وجہ ہی تھی جس کو پورا کرنے کی نیت سے معاویہ عراق کی سمت بہت آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا، اس کے ساتھ ساتھ خط پر خط ارسال کر رہا تھا جن میں امام حسنؑ پر زور دے رہا تھا کہ وہ لڑنے سے گریز کریں اور ان کو معاہدہ یا صلح کر لینے پر مجبور کر رہا تھا۔ اگر امام حسنؑ جنگ ہار جاتے تو اس سے معاویہ کو صرف قوت و اقتدار ملتا لیکن اگر امام حسنؑ خلافت سے دستبردار ہو جاتے تو اس سے معاویہ کو ایک قانونی جواز فراہم ہوتا اور اس کے حق حکومت کی شرعی توثیق بھی ہو جاتی۔ دراصل معاویہ اسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ شکست خوردہ یا مقتول امام حسنؑ پھر بھی ایک سنگین خطرہ پیدا کر سکتے تھے تاوقتیکہ وہ اپنے حقوق سے مستعفی ہو جائیں، ورنہ بصورت دیگر بنی ہاشم سے کوئی اور فرد ان کے جانشین ہونے کے حق کا دعوے دار ہو سکتا تھا۔ اگر وہ معاویہ کے حق میں مستعفی ہوتے تو پھر اس قسم کے دعوی کا کوئی قانونی جواز یا نفاذ ممکن نہ تھا اور بنی امیہ کی حیثیت یا موقف مستحکم ہو جاتا۔ یہ حکمت عملی درست ثابت ہوئی جیسا کہ آئندہ اوراق میں واضح کیا جائے گا۔ اس کے دس سال بعد یعنی حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے بعد جب اہل عراق نے ان کے برادر خورد حضرت امام حسینؑ سے حکومت کے خلاف اقدام کرنے کے سلسلے میں ملاقات کی تو انہوں نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ جب تک معاویہ زندہ ہے، انتظار کریں کیونکہ امام حسنؑ کا اس کے ساتھ معاہدہ برقرار تھا۔

امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان خط و کتابت، جو اس پورے دور پر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پھیلی ہوئی ہے' تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے اور بعض بڑی اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ دونوں حضرات مدلل اور مناظرانہ انداز سے خلافت کے پرانے مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ معاویہ کے نام ایک طویل مکتوب میں امام حسنؑ نے اپنے حقوق خلافت کو ان دلائل پر استوار کیا کہ حق خلافت پیغمبر خدا میں سے وجود پاتا ہے' جو زمین پر بہترین انسان اور افضل ترین مخلوق تھے' جن کی قیادت و راہنمائی میں عربوں نے نور ہدایت حاصل کیا تھا۔ جب کہ وہ جہل مرکب میں محصور تھے اور ان کو جنہوں نے ادنی و ارزل حالت سے عزت و شان و شوکت کے اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچایا تھا۔ نیز یہ کہ امام حسنؑ پیغمبر خدا سے قربت و قرابت میں نزدیک ترین تھے۔ اس کے بعد امام حسنؑ نے اپنے والد بزرگوار کی دلیل کو استعمال کیا جو رسول مقبولؐ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے خلاف انہوں نے پیش کی تھی کہ اگر قریش انصار کے مقابلے میں قیادت کا حق اس بنیاد پر طلب کر رہے ہیں کہ نبی اکرمؐ قریش سے تھے تو پھر آنحضورؐ کے اہل خاندان جو ہر حیثیت سے ان کے قریب تر ہیں' امت مسلمہ کی قیادت کے لئے بہتر صفات کے مالک ہیں۔ امام حسنؑ نے ایک مکتوب کے آخری حصہ میں لکھا:

"ہم حیران و ششدر رہ گئے جب کچھ لوگوں نے ہمارا حق غصب کر لیا حالانکہ وہ لوگ بزرگی و شان والے' پاکیزہ اوصاف والے' صلاحیتوں والے تھے اور اسلام کے سابقین و اولین میں سے تھے (اول تین خلفا کی طرف حوالہ ہے)۔ لیکن اب کتنی زبردست حیرانی و وحشت خاطر کی بات ہے کہ تم' اے معاویہ! اس عہدہ پر فائز ہونے کی کوشش کر رہے ہو جس کا تم کو بالکل حق نہیں ہے۔ دین کے لحاظ سے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تم میں کوئی بھی واضح صفت نہیں پائی جاتی نہ ہی دین اسلام میں تمہارا کوئی ایسا کارنامہ ہے جس کی کبھی تعریف کی گئی ہو۔ اس کے برعکس تم ایسے شخص کے فرزند ہو جو مخالف اسلام جماعتوں کے اتحاد کا سردار تھا (حزب من الاحزاب)، ان جماعتوں کے اتحاد کی طرف حوالہ ہے جس نے معاویہ کے والد ابوسفیان کی سرکردگی میں اہل مدینہ کو کچلنے کے لئے آخری متحدہ کوشش کی تھی، اور قریش میں سے سب سے بڑے دشمن رسول ؐ کے فرزند ہو............ لہٰذا تمہیں لازم ہے کہ چھوڑ دو باطل پر اپنے ایمان کو اور دوسرے لوگوں کی طرح میری بیعت کر لو کیونکہ یقیناً تم اس حقیقت سے واقف ہو کہ میں تمہارے مقابلے میں امر خلافت کا کہیں زیادہ مستحق ہوں، خدا کی نظر میں بھی اور ارباب حل و عقد لوگوں کی نظر میں بھی۔ پس خدا سے ڈرو، غداری سے بچو اور مسلمانوں کا خون بہانے سے گریز کرو، اس لئے کہ بخدا مسلمانوں کا خون اپنے سر پر لئے اپنے مالک خدا کے سامنے پیش ہونے سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔" [17]

معاویہ کی طرف سے امام حسنؑ کے اس خط کا تفصیلی جواب اور بھی دلچسپ ہے کیونکہ اس نے وہی دلیل استعمال کی ہے جو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کے خلاف پیش کی تھی۔ حضرت امام حسنؑ کو خطاب کرتے ہوئے معاویہ لکھتا ہے:

"تم نے رسول پاکؐ کے اوصاف اور شان و شوکت کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

متعلق جو بھی کہا ہے آنحضورؐ یقیناً اپنے سے قبل و بعد کے تمام لوگوں سے گزشتہ یا آئندہ پیرو جوان سب سے افضل تھے۔ یقیناً خدا نے حضرت محمدؐ کو اپنے پیغام کے لئے منتخب کیا تھا' ان ہی سے ہم نے ہدایت پائی' تباہی سے بچائے گئے اور جہالت و ظلمت سے نجات پائی۔

تم نے رحلت رسولؐ کا ذکر کیا ہے اور اس تنازعہ کا جو اس وقت مسلمانوں میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور اس طرح تم واضح طور پر حضرت عمرؓ و ابوبکرؓ و ابوعبیدہ کے خلاف الزامات عائد کر رہے ہو اور مہاجرینؓ و انصار کے شریف لوگوں کے خلاف الزام تراشی کر رہے ہو۔ میں ان افراد کے خلاف الزامات سے نفرت کرتا ہوں جن کے افعال و اعمال ہماری اور دوسرے لوگوں کی نظر میں شک و شبہ اور عیوب سے بالاتر تھے۔

جب اس امت کو بعد رسولؐ قیادت سے متعلق اختلاف کا سامنا ہوا تو امت تمہارے خاندان کے اوصاف' تمہارے تقدم و فوقیت اور رسول پاکؐ سے تمہاری قرابت سے بے خبر نہ تھی' حوضۂ اسلام میں امت تمہارے بلند رتبہ سے بھی بے خبر نہ تھی نہ ہی تمہاری اہلیتوں سے بے خبر تھی۔ لیکن امت نے یہ محسوس کیا کہ (امر خلافت) اگر قریش میں رہے تو زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کر لیا لوگوں نے امت کے متعلق اسی فیصلہ کو بہتر جانا۔ تم مجھ سے مسئلہ کو پرامن طریقے سے حل کرنے کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور جھک جانے کو کہہ رہے ہو جبکہ آج میرے اور تمہارے درمیان صورت حال ایسی ہی ہے جیسی تمہارے خاندان اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان بعد وفات رسولؐ تھی۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ تم میرے مقابلہ میں رعایا پر زیادہ گرفت رکھتے ہو یا، تم امت کی مجھ سے زیادہ حفاظت کر سکتے ہو، میرے مقابلے میں مسلمانوں کے جان و مال کی بہتر حفاظت کر سکتے ہو اور دشمنوں کو مجھ سے زیادہ شکست دے سکتے ہو تو پھر میں جو تم مجھ سے چاہتے ہو وہی کرتا۔ لیکن میرا دور حکومت طویل تر ہے (غالباً اپنی گورنری کا حوالہ دے رہا ہے)، میں زیادہ تجربہ کار ہوں، زیادہ بہتر سیاستدان ہوں اور تمہارے مقابلہ میں عمر رسیدہ ہوں۔ لہٰذا تمہارے لئے بہتر ہو گا کہ تم اس بات پر زور مت دو جس کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو۔ اگر اس وقت تم میری اطاعت اختیار کر لو تو میرے بعد خلافت تمہیں ہی ملے گی۔"[18]

معاویہ کا یہ خط اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ اس رخ کا صحیح اندازہ فراہم کر رہا ہے جو مسلمانوں کی تدبیر سلطنت اب بظاہر اختیار کر رہی تھی۔ معاویہ خلافت کے حق کے لئے جو دلائل پیش کر رہا ہے وہ ان خطوط فکر اور اصول عمل کو واضح طور پر ظاہر کر رہے تھے جن کی روشنی میں مسئلہ خلافت پہلے تین خلفا کے دور میں طے کیا گیا تھا اور وہ دعویٰ کر رہا تھا کہ وہی اہم امور اب بھی اور آئندہ بھی فیصلہ کن عوامل کے طور پر قائم رکھے جائیں۔ اس کے خیال میں مفاد سلطنت اور معاشرتی زندگی کے مادی و دینوی پہلو ایسے عوامل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھے جو مسئلہ قیادت کو طے کرتے تھے۔ معاویہ نے امام حسنؑ کے اس بلند رتبے سے انکار نہیں کیا جو ان کو قرابت رسول اللہؐ کی وجہ سے حاصل تھا اور اسلام میں ان کے برتر مقام و منزلت سے بھی انکار نہیں کیا لیکن یہ دعویٰ ضرور کیا کہ قومی قیادت کے لئے یہ صحیح معیار نہ تھا۔ معاویہ کے استدلال کی رو سے اس عہدہ کی صلاحیتیں ذاتی قوت' استحکام' سیاسی تدبر' انتظام سلطنت' توسیع مملکت' مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت اور رعایا پر موثر حکم رانی تھیں۔ اس طرح معاویہ نے' اب تک جو بات صیغہ راز میں تھی اسے واضح کر دیا' یعنی سیاسی مصلحتوں کو دینی و مذہبی اصولوں سے علیحدہ کر دینا' جسے اب تک ایک مستقل طور پر طے شدہ طریقہ کار قرار دے دیا گیا تھا۔ پس وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اکثریت نے مذہبی قیادت کو معاشرہ کے مجموعی تناظر میں دیکھا (جماعتہ)' جس کی بات علمائے کرام بطور محافظین مذہب اور محافظین قرآن و سنت نبویؐ کے شارحین کر رہے تھے اور حکومت کو اختیارات کے مفترض الطاعتہ تسلیم کرتے تھے۔ یہ گروہ سنی کہلانے لگا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی ایک اقلیت اپنی مذہبی ضروریات کے لئے کہیں بھی سکون نہ پا سکی سوائے اس معجزانہ قیادت میں جو خانوادہ رسالتؐ کے افراد میں موجود تھی' یعنی اہل بیت رسولؐ جو ان کے خیال میں واحد شارحین قرآن و سنت رسول اللہؐ تھے' گو کہ یہ اقلیت بھی حکومت کے اختیارات کو تسلیم کرتی تھی۔ یہ گروہ شیعہ کہلانے لگا۔

ان واقعات کی تعمیر نو کی کوشش میں مزید پیش قدمی کرنے سے قبل جنھوں نے امام حسنؑ کو بالآخر دست برداری کی طرف مجبور کر دیا' اس موضوع پر ہمیں اپنے شواہد کے سلسلہ میں کچھ کہہ دینا ضروری ہے۔ امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان کشمکش کا دراصل ابھی تک پوری طرح سے ناقدانہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انداز میں مطالعہ ہی نہیں کیا گیا۔ یہ اسلامی تاریخ کے اولین حصہ کے تاریک ترین ابواب میں سے اب بھی ایک باب ہے۔ ویل حاوزن (Well Hausen) امام حسنؑ کی دست برداری کا ایک مختصر اور سرسری ذکر [19] کرتے ہوئے شکوہ کناں ہے کہ واقعات کو بڑی افراتفری اور قطع و برید سے پیش کیا گیا ہے، لہٰذا بہت مشکل ہے کہ اس واقعہ کی بعض اہم جزئیات کو صحیح زمانی ترتیب میں رکھا جا سکے۔ بے شک اوقات وقوع کے اعتبار سے ترتیب واقعات ابتدائی تاریخ اسلام کی ہمیشہ ہی سے ایک سنگین مشکل یا مسئلہ رہی ہے۔ لیکن اس موضوع پر اپنے مختصر بیان کے سلسلے میں ویل حاوزن (Well Hausen) نے صرف یعقوبی [20] دینوری [21] اور طبری [22] پر انحصار کیا ہے۔ یعقوبی اور دینوری دونوں اپنی مختصر و جامع تواریخ میں بیان واقعہ پر حاشیہ آرائی کرتے ہیں۔ لہٰذا ان سے امام حسنؑ کی خلافت سے دست برداری کے کسی مفصل اظہار کی توقع کرنا بے سود ہے۔ ان دونوں کے مقابلے میں طبری زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے، لیکن اس موضوع کو وہ بھی اپنی حسب معمول تفصیل نگاری سے بیان نہیں کرتا اور کئی ایک اہم سوالات پر اپنے قاری کو غیر مطمئن چھوڑ دیتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ تینوں مورخین ایک مشترک خامی سے دوچار ہیں، وہ یہ کہ ان کی ترجمانی واقعات صحیح زمانی ترتیب میں نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو یہ نتیجہ نکالنے نہیں دیتا کہ امام حسنؑ نے اپنی خوشی اور مرضی سے دست برداری اختیار کی، یا وہ ستم ظریفی حالات کا شکار ہوئے۔

تین ابتدائی، واہم مؤرخین اور ہیں جن سے ویل حاوزن Well Hausen نے استفادہ نہیں کیا، یا جن کا اسے علم نہیں ہوا۔ یہ تصانیف، جن کا سابقہ صفحات میں بھی ذکر آ چکا ہے، ابن اعثم الکوفی [23] (المتوفی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۱۴ھ بمطابق ۹۲۶) ابوالفرج الاصفہانی [24] (المتوفی ۳۵۶ھ بمطابق ۹۶۷ء) اور ابن ابی الحدید [25] (المتوفی ۶۵۵ھ بمطابق ۱۲۵۷ء) کی ہیں ابو الفرج نے اس سارے واقعہ کو ابو مخنف سے لیا ہے اور پانچ دوسرے راویوں کے توسط سے اضافہ و استناد کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان راویوں کے بیانات ایک دوسرے میں خلط ملط ہیں لیکن معنوی اعتبار سے یکساں ہیں۔ ابن ابی الحدید گو کافی بعد کے مصنف ہیں، تاہم سب سے باخبر مؤرخ ہیں۔ وہ اپنے تاریخی مواد کو زیادہ تر مشہور مورخ مدائینی سے حاصل کرتے ہیں اور ابو مخنف سے اپنی تذکرہ نگاری کی تکمیل کرتے ہیں۔ ابن ابی االحدید کے بیانات کا دوسرا جزو ابو الفرج کے متعلقہ حصہ سے مشابہ ہے۔ یہ حقیقت کہ ابو مخنف اور مدائینی دونوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے، ان کی تصانیف کی اس فہرست سے، جو ابن ندیم نے تیار کی ہے، ثابت ہو جاتی ہے۔ [26]

ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی الکندی ایک خاص اہمیت کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی تصنیف کتاب "الفتوح" اسلام کی ابتدائی فتوحات و تسخیر ممالک اور ملت اسلامیہ میں ابتدائی خانہ جنگی کے موضوع پر سب سے پہلی مفصل و منظم تصنیف ہے۔ ڈاکٹر شعبان [27] کے مطابق، جو دور جدید کے ایک محقق ہیں، یہ کتاب سن ۲۰۴ھ بمطابق ۸۱۹ء لکھی گئی اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اس کے مصنف کی تاریخی وفات ۳ صدی ھ بمطابق ۹ء کے وسط میں قرار دی جا سکتی ہے نہ کہ ۳۱۴ھ بمطابق ۹۲۶ء کے، جیسا کہ اب تک خیال کیا جاتا رہا ہے۔ بہرحال اس کی تاریخ عربوں کی ابتدائی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ ثابت ہوتی ہے، خاص طور پر واقعات عراق کے سلسلے میں۔ ابو محمد احمد ابن اعثم اس سلسلے میں خوش قسمت ہیں کہ ان کی رسائی زہری، ابو مخنف اور ابن الکلبی

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی تحریروں تک ہو گئی۔ نیز بعض دوسرے کم تر محدثین کی اصلی اور غیر آمیزش شدہ تحریروں تک بھی ان کی رسائی ہوئی۔ اس کے طریق استدلال و نہج تحقیق کے مطابق جو کہ "الفتوح" سے ظاہر ہے وہ ان ابتدائی مؤرخین کی روایتوں کو بغیر تسلسل توڑنے اور اپنی ہر ایک روایت کے راوی کا حوالہ دے کر پیوستہ و مربوط تاریخی بیانیہ میں یکجا کر دیتا ہے۔ اس سب کے باوجود جب بھی وہ کوئی خاص روایت قلم بند کرتا ہے تو حوالہ جات ضرور رقم کرتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ مدائینی کو اپنا ایک مستند ذریعہ معلومات سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر شعبان کے مطابق ابن اعثم کو اس عظیم ماہر تاریخ سے اس کے حین حیات ہی میں حوالہ جات حاصل کرنے کی ایک قطعی انفرادیت حاصل ہے [۶۵] کیونکہ ابن اعثم مدائینی کے ہم عصر بھی ہیں۔ ابن اعثم کے رقم کردہ واقعات کا مدائینی کی روایات سے (جیسا کہ طبری نے نقل کیا ہے) تقابل ظاہر کرتا ہے کہ طبری کے رقم کردہ مواد کی ابن اعثم نہ صرف مفید جانچ پڑتال کرتا ہے بلکہ اہم اضافی مواد بھی فراہم کرتا ہے جسے طبری نے نظر انداز کر دیا تھا اور جو کتاب الفتوح میں محفوظ ہے۔ امام حسنؑ کے متعلق واقعات کے سلسلے میں ابن اعثم ہی کے ذریعے مدائینی کا مکمل متن ہم تک پہنچ سکا ہے۔ اس بات کی ابن اعثم اور ابی الحدید کے بیانات کے تقابل سے تائید ہو جاتی ہے۔ مؤخرالذکر بھی مدائینی سے ہی استفادہ کرتے ہیں۔ [۶۶] مدائینی امام حسنؑ کی دست برداری کو بہت مختصر انداز سے پیش کرتے ہیں لیکن ابن اعثم مدائینی کے مقابلے میں اس سلسلہ واقعات کی مکمل تفصیل قلم بند کرتے ہیں۔

ان تینوں مورخین کے ذریعے ہم امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان ہونے والی اس طویل خط و کتاب کے مکمل متن حاصل کرتے ہیں جس میں نے صرف دو خطوط مندرجہ بالا سطور میں زیر حوالہ آئے ہیں۔ ان دونوں خطوط

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے مندرجات کے استناد پر شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اسلام کے ابتدائی ادوار میں اہم شخصیات کے درمیان خط و کتابت کا ایک مفصل ذخیرہ موجود ہے اور عرب ذرائع تاریخ میں اس مواد کے اکثر حوالے دیئے جاتے ہیں۔ امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان خط و کتابت کو اسی روشنی میں دیکھنا اور اس کی مناسب اہمیت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ مذکورہ بالا دوسرے ذرائع تاریخ کے ساتھ مل کر اس قسم کا موادِ دست برداری کے قصہ کی واضح تصویر کشی کرنے میں مفید ثابت ہوتا ہے، جب کہ ایسا پہلے ممکن نہ تھا۔

طبری ان واقعات کو زہری اور عوانہ کی دو جدا جدا روئدادوں سے بیان کرتا ہے۔ زہری کی روئداد، امام حسنؑ کے موقف کی سبکی کرتے ہوئے معاویہ کے موقف کی کسی حد تک تائید کرتی ہے،[30] یا اس تفصیل پر حاشیہ آرائی کرتی ہے جو خلافت بنی امیہ کے بانی کی حیثیت کو کمزور کر سکتی ہے۔ یہ بات یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ زہری دربار بنی امیہ سے قریبی وابستگی رکھتا تھا اور معاویہ کے جانشینوں کے زیر اثر لکھ رہا تھا۔ اس کا بیان ایک مبہم، الگ تھلگ سی روایت ہے جو دوسرے ماہرین نے قلم بند نہیں کی۔ اور اس کے مقابلے میں عوانہ کی روئیداد[31] ان واقعات کو بیان کرنے کے سلسلے میں، جن کے تحت امام حسنؑ کو دست بردار ہونا پڑا، زیادہ متوازن دکھائی دیتی ہے۔ زہری کے انداز فکر کے برعکس عوانہ کا بیان اس لحاظ سے بہت معقول تاریخی قدر و قیمت کا حامل ہے کیونکہ یہ باقی دوسرے ماہرین یعنی یعقوبی و دینوری کے رقم کردہ بیانات سے مطابقت رکھتی ہے۔

زہری کے خیال میں امام حسنؑ بہتر شرائط کے عوض، جو وہ اپنے مدمقابل سے اپنے لئے منوا سکتے تھے، خلافت اس کے سپرد کرنے پر شروع ہی سے مائل تھے۔ اپنی شہادت سے پہلے حضرت علیؑ اپنی چالیس ہزار فوج کی کمان

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معاویہ کے خلاف کارروائی کے لئے قیس بن سعد کو تفویض کر چکے تھے، جو ان کے نہایت معتمد اور سرگرم حامیوں میں سے تھے۔ قیس شامیوں اور معاویہ کے سخت ترین دشمن تھے اور مارنے مرنے کی حد تک حضرت علیؑ کی بیعت کر چکے تھے۔ امام حسنؑ جانتے تھے کہ قیسؓ کبھی بھی معاویہ کے حق میں دست بردار ہونے کے ان کے منصوبے پر راضی نہیں ہوں گے۔ لہٰذا انہوں نے قیسؓ کو فوج کی سپہ سالاری سے معزول کر کے عبد اللہؓ ابن عباس کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ اہل کوفہ پہلے ہی امام حسنؑ کے ارادوں پر شک کر رہے تھے کیونکہ جس وقت ان کی بیعت ہوئی ہے انہوں نے معاویہ سے لڑنے کے لئے خود کو واضح طور پر پابند نہیں کیا تھا۔ جلد ہی وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ امام حسنؑ ان کے شامی دشمنوں کے خلاف صحیح قائد نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا وہ دن بہ دن زیادہ بددل و بے چین ہوتے چلے گئے۔ امام حسنؑ کوفیوں کے ان ناموافقانہ جذبات سے ابھی باخبر ہی ہوئے تھے کہ ایک کوفی کی طرف سے ان پر حملہ ہوا جس سے انہوں نے ران میں نیزہ کا زخم کھایا۔ باقی تمام مورخین کے بیانات کے برعکس زہری امام حسنؑ پر اس حملے کے نہ تو وقت اور نہ مقام کی نشان دہی کرتے ہیں، جو ان کے سارے تذکرہ کو اور بھی زیادہ مبہم و مشکوک کر کے رکھ دیتا ہے۔

حملہ ہونے کے بعد امام حسنؑ نے معاویہ کو بڑی عجلت سے خط لکھا کہ وہ خلافت سے الگ ہونے کے لئے تیار ہیں، بشرطیکہ انہیں اس کے عوض ایک مخصوص رقم ادا کی جائے۔ ادھر امام حسنؑ نے اس مکتوب کے ساتھ ایک نمائندے کو معاویہ کے پاس بھیجا، ادھر مؤخرالذکر نے اپنے نمائندہ کو امام حسنؑ کے پاس اپنے دستخط و مہر شدہ خالی کاغذ کے ساتھ روانہ کر دیا جس پر وہ ان تمام شرائط کو ازخود لکھ سکتے تھے جو وہ دست برداری کے عوض چاہتے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہیں۔ دونوں طرف سے خطوط ایک دوسرے کو مل گئے۔ جب معاویہ کو امام حسنؑ کا خط ملا تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا کہ امام حسنؑ کے بغیر کسی خاص مشکل کے دست بردار ہونے پر راضی ہو گئے ہیں۔ اس نے امام حسنؑ کے خط کو اس بات کے ثبوت کے طور پر اپنے پاس رکھا اور ان کو اطلاع دی کہ اس نے ان کی تمام شرائط کو تسلیم کر لیا ہے۔ جب امام حسنؑ کو معاویہ کی طرف سے تمام سیاہ و سفید کا اختیار ملا تو انہوں نے اس پر مزید مالی مطالبات کا اضافہ کر دیا۔ غالباً رسمی سرکاری انتقال اقتدار کے موقع پر جب امام حسنؑ کی ملاقات معاویہ سے ہوئی تو اول الذکر نے معاویہ سے کہا کہ وہ ان کے سابقہ خط کو نظر انداز کر کے اس کی بجائے اپنے ارسال کردہ سادہ کاغذ پر تحریر کو بنیاد مصالحت قرار دے دے جس پر امام حسنؑ نے مالی امور سے متعلق نئی شرائط کو لکھ دیا ہے' مگر معاویہ اب مزید نئی شرائط کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس نے کہا:

"تم نے جو کچھ پہلے کہا' میں نے اس سے اتفاق کیا اور تم کو دے دیا۔ اب میری 'جو بھی مرضی آئے لکھ لو' کی پیشکش کی پابندی مجھ پر باقی نہیں رہی کیونکہ تم نے اپنی شرائط لکھ کر اپنے آپ کو ان کا پابند کر لیا ہے۔"

لہٰذا امام حسنؑ معاویہ سے مزید کچھ حاصل نہ کر سکے اور اپنی عجلت پسندی یعنی دست برداری کی شرائط لکھ بھیجنے پر افسوس کرنے لگے۔[32]

اس سے آگے زہری مزید لکھتا ہے کہ جب عبد اللہؓ ابن عباس نے دیکھا کہ امام حسنؑ معاویہ سے شرائط دستبرداری طے کر رہے ہیں تو وہ خود بھی خفیہ طور پر اپنی حفاظت اور مالی شرائط کے لئے معاویہ سے رابطہ کرنے لگے۔ معاویہ نے فوراً ابن عباسؓ کی شرائط کو تسلیم کر لیا جس پر موخر الذکر نے فوج کو خیرباد کہا اور رات کی تاریکی میں معاویہ سے جا ملے۔[33] امام حسنؑ کی فوج

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے جب اپنے آپ کو بغیر کسی سالار کے پایا تو انہوں نے دوبارہ قیس کو اپنا قائد اس شرط پر چن لیا کہ وہ اس وقت تک معاویہ سے لڑائی جاری رکھے گا جب تک وہ حضرت علیؑ کے پیروکاروں کو ان کے جان و مال کا تحفظ اور معافی عام نہ دے۔ قیس نے معاویہ سے یہ تمام رعایات بڑی آسانی سے حاصل کر لیں۔ معاویہ خود یہ تمام مراعات دینے کو تیار تھا بشرطیکہ وہ قیس کی طاقت ور فوج سے ٹکرانے سے بچ جاتا ہے اور اس کے ساتھ پر امن تصفیہ تک پہنچنے کے قابل ہو جاتا۔ اس نے قیس کو بھی ذاتی طور پر مراعات کی پیشکش کی مگر موخرالذکر نے معاویہ کی طرف سے ہر پیشکش و رشوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنی ذات کے لئے کسی بھی سلوک کو طے کئے بغیر معافی عام اور عراقی فوج کے لئے تحفظ کی شرائط پر مزاحمت ترک کر دی۔[۲۷]

امام حسنؑ کی دست برداری کے واقعات قلم بند کرنے کے سلسلے میں زہری نے جس مفاد پرستی کا مظاہرہ کیا ہے اس سے حقیقت کے سامنے آنے کی بجائے مزید شکوک و شبہات ابھرتے ہیں۔ یہ روئداد جو امام حسنؑ کی طرف سے صاف طور پر کم سے کم مزاحمت ظاہر کرتی ہے، بنی امیہ ہی کی طرف سے تراشی گئی ہو گی جو اجماع، نص اور شوریٰ جیسے تین اصولوں اور ضابطوں کی غیر موجودگی میں، جن کی بنیاد پر سابقہ چار خلفاء نامزد ہوئے تھے، اپنی حکومت کے لئے کسی قانونی بنیاد و جواز کے لئے پریشان تھے۔ امام حسنؑ کی معاویہ کے حق میں رضاکارانہ دست برداری، جیسا کہ زہری ہم کو یقین دلانا چاہتا ہے، اس قسم کا قانونی جواز و بنیاد فراہم کرتی ہے۔ یہ بات زہری کے لئے لازمی تھی کہ اموی دمشق کے ماحول میں وہ وہی روایت اختیار کرتا جو اس شہر میں مقبول ہو اور دور دور تک پھیلی ہوئی ہو۔ وہ واقعات جو امام حسنؑ کی دست برداری کا باعث ہوئے، بہرکیف اتنے سیدھے سادے نہیں ہیں، جتنا کہ زہری بیان کرتا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے۔[35]

تاریخ طبری میں عوانہ کی بیان کردہ روئداد اور مذکورہ بالا دوسرے تاریخی ذرائع ان واقعات کا کچھ ایسا تاثر قائم کرتے ہیں جو زہری کی بیان کردہ کیفیت سے بالکل مختلف ہے۔ عوانہ کے بقول حضرت علیؑ کی زندگی میں قیس ساری فوج کے سالار نہ تھے بلکہ بارہ ہزار فوج کے ہراول دستہ کے سالار تھے جس پر ان کی کمان امام حسنؑ کے اپنے والد کے جانشین ہونے تک قائم تھی۔ معاویہ کی عراق کی طرف پیش قدمی کی خبر سن کر امام حسنؑ نے قیس کو اس بارہ ہزار فوج کے ہراول دستہ کے طور پر دشمن کو روکنے کے لئے بھیجا تاکہ بقیہ مرکزی فوج کے ساتھ وہ بعد میں آ ملیں۔[36] یعقوبی، ابوالفرج اور ابن ابی الحدید کے بقول بارہ ہزار فوج کا یہ ہراول دستہ امام حسنؑ نے عبید اللہ بن عباس کی کمان میں بھیجا تھا اور اس کے ساتھ قیس بن سعد اور سعید بن قیس بطور مشیر بھیجے تھے جن کے مشورہ کے تحت عبید اللہ کو اقدام کرنا تھا۔[37] امام حسنؑ کی روانگی میں التوا کی وجہ ان کے حامیوں میں جوش و خروش کی کمی معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات اس روایت سے واضح ہے کہ جب انہوں نے کوفیوں سے معاویہ کے خلاف اپنے ساتھ کوچ کرنے کے لئے کہا تو ان کی طرف سے کمزور ردعمل ہوا۔ صرف عدی بن حاتم نے جو حضرت علی مرتضیٰؑ کے ایک دیرینہ اور جاں نثار پیروکار تھے اور بنی طے کے سردار تھے، جنھوں نے کوفیوں سے خطاب کیا اور ان پر زور دیا کہ وہ اپنے امام، جو نبی پاکؐ کی دختر کے فرزند تھے،[38] کی آواز پر لبیک کہیں جس کے بعد کوفی جنگ میں شرکت کے لئے میدان میں آئے۔

اس کے فوراً بعد امام حسنؑ اپنی فوج کا بڑا حصہ لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے اور مدائن پہنچے، جہاں وہ شہر کے مضافات میں ٹھہر گئے۔ قیس اور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان کا ہراول دستہ معاویہ کی فوج کے آمنے سامنے مقام مسکن پر پہنچ چکے تھے۔ گورنر شام (معاویہ) نے قیس کو دس لاکھ درہم کی رشوت دینے کی کوشش کی بشرطیکہ وہ امام حسنؑ کی فوجوں سے الگ ہو کر معاویہ سے آملیں۔ قیس نے یہ کہتے ہوئے نہایت نفرت سے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا: "تم مجھے میرے دین سے بھٹکانا چاہتے ہو۔"[39] اس کے بعد معاویہ نے عبید اللہ ابن عباس کو اسی طرح کی پیشکش کی (یا ان کے بڑے بھائی عبد اللہ کو، بقول زہری) جس نے اسے قبول کر لیا اور معاویہ سے اپنی آٹھ ہزار فوج کے ساتھ جا ملے۔ اس طرح قیس صرف چار ہزار فوج کے ساتھ رہ گئے۔ اب انہیں امام حسنؑ کی فوج کی آمد کا انتظار تھا۔[40] تسلسل کلام کے ساتھ ساتھ ہم یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ گو عبید اللہ امام حسنؑ کی دست برداری کے اعلان سے قبل ہی معاویہ سے جا ملے تھے ان کی غداری کا وقت، جیسا کہ یعقوبی نے ذکر کیا ہے، درست نہیں ہے۔ عبید اللہ کی غداری امام حسنؑ کے اعلان دست برداری سے کچھ عرصہ پیشتر ہی واقع ہوئی جس حقیقت کو ہم بہت جلد زیر بحث لا رہے ہیں۔

بہرحال جس وقت امام حسنؑ کا ہراول دستہ مقام مسکن میں ان کے آنے کا انتظار کر رہا تھا، امام حسنؑ مدائین میں خود ایک سنگین صورت حال سے دو چار تھے۔ ان کی فوج کے ایک حصہ نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تھی ان کے خیمہ کو تاخت و تاراج کر کے ان پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ذرائع تاریخ[41] میں اس واقعہ کے پانچ رخ یا پانچ نوعیتیں بیان کی گئی ہیں۔ عوانہ کے مطابق امام حسنؑ کی فوج میں کسی نے اچانک یہ خبر پھیلا دی کہ قیس کو شکست ہو گئی، وہ قتل ہو گئے اور اب فوج کو بھاگ جانا چاہیئے۔ اس کے بعد امام حسنؑ کا خیمہ لوٹ لیا گیا اور خود ان پر بھی حملہ کر دیا گیا۔ اگر واقعہ کی یہ تعبیر صحیح ہے تو پھر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

افواہ کا پھیلانا ایک باقاعدہ طے شدہ سوچی سمجھی چال تھی اور معاویہ کے جاسوسوں کی طرف سے جاسوسی کا ایک شوشہ تھا' جو بلاشک و شبہ امام حسنؑ کی فوج کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ واقعہ کی ایک دوسری تعبیر یعقوبی بیان کرتے ہیں۔[42] وہ لکھتے ہیں کہ جونہی امام حسنؑ مدائین پہنچے معاویہ نے مغیرہ بن شبعہ' عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمٰن بن ام الحکم کو اپنی طرف سے امام حسنؑ کے پاس گفتگو کے لئے بھیجا۔ امام حسنؑ سے راز دارانہ گفتگو کے بعد ان کے خیمہ سے رخصت ہوتے ہوئے انہوں نے یہ خبر پھیلا دی کہ امام حسنؑ معاویہ کے حق میں دست بردار ہونے پر رضامند ہو گئے ہیں' جس پر امام حسنؑ کے فوجی ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے خیمہ کو لوٹ لیا۔ یعقوبی یوں بھی رقم طراز ہیں کہ دراصل معاویہ نے امام حسنؑ کی طرف اپنے آدمی اس لئے بھیجے تھے کہ وہ یہ خبر پھیلا دیں کہ قیس معاویہ سے صلح کر کے اس سے جا ملے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی معاویہ نے قیس کی فوج میں یہ خبر بھی اڑا دی کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی ہے۔[43] اس صورت میں بھی امام حسنؑ کی فوج میں بغاوت کی ذمہ دار معاویہ کی چال بازیاں اور جاسوسیاں ہی ہیں۔

واقعہ کی تیسری تعبیر دینوری نے کی ہے۔ اس کی روایت کے مطابق امام حسنؑ کوفہ سے مدائین کے لئے روانہ ہوئے۔ جس وقت وہ مقام سباط پر پہنچے' جو مدائین کے مضافات میں ہے' تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی فوج کا ایک حصہ لڑنے سے گریزاں ہے' ان میں مقصد کا فقدان ہے اور جنگ سے لا تعلقی یا علیحدگی کا رویہ نظر آ رہا ہے۔[44] پس امام حسنؑ سباط کے مقام پر ٹھہر گئے' اپنی فوج کو وہاں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور ان سے یوں خطاب فرمایا:

> "اے لوگو! میں مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی عداوت یا عناد نہیں رکھتا۔ میں تو تم پر ایسا ہی نگران ہوں (تمہارے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مفادات کا سرپرست) جیسا کہ اپنے مفادات یا ذات پر نگراں ہوں۔ میں اب ایک منصوبہ پر غور کر رہا ہوں۔ اس میں مجھ سے مخالفت نہ کرو وہ ہے مصالحت، جس کو تم میں سے بعض ناپسند کریں گے، جو اندریں حالات اس افتراق سے بہتر ہے جو تم میں سے بعض اختیار کرنا پسند کرتے ہیں، خاص طور پر جب کہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ تم میں سے اکثر جنگ سے کترا رہے ہیں اور لڑنے میں پس و پیش کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں اس بات میں کوئی عقل مندی محسوس نہیں کرتا کہ تم پر ایک ایسی بات مسلط کر دوں جو تم اچھی نہیں سمجھ رہے۔"[45]

جب ان کی افواج نے یہ سنا تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور اپنے شکوک و شبہات کے بارے میں سوچنے لگے۔ ان میں خوارج نے کہا: حسنؑ لادین (کافر) ہو گئے ہیں، جیسا کہ ان کا باپ ان سے پہلے ہو گیا تھا۔" انہوں نے اچانک ان پر دھاوا بول دیا، ان کے نیچے سے قالین گھسیٹ لیا اور ان کی ردا پھاڑ ڈالی۔ امام حسنؑ نے قبیلہ بنی ربیعہ اور بنی همدان میں اپنے عقیدت مند اور طرف داروں کو مدد کے لئے پکارا، جو ان کی امداد کے لئے دوڑ پڑے اور حملہ آوروں کو ان سے الگ کیا۔[46]

واقعہ کی چوتھی تعبیر مدائینی کی ہے، جو تاریخ "ابن ابی الحدید"[47] میں درج ہے، وہ لکھتے ہیں کہ جب امام حسنؑ مدائین کی راہ میں تھے تو وہ مقام سباط میں ایک نیزے کے وار سے زخمی ہو گئے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع معاویہ کو ہوئی تو اس نے اس خبر کو خوب مشتہر کیا جس پر امام حسنؑ کے بارہ ہزار کے ہراول دستہ میں سے معززین و قائدین

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منحرف ہو کر معاویہ کی طرف جانے لگے۔ عبد اللہ ابن عباس نے اس سنگین صورت حال سے امام حسنؑ کو باخبر کیا۔ اسی موقع کی بات ہے کہ امام حسنؑ نے اپنی مرکزی عراقی فوج کے سرداروں کو طلب کیا۔ بڑی مایوسی کے انداز میں تمام جدوجہد اور سرگرمی کو منقطع کرنے کے لئے ان کو سمجھایا اور اپنے دست بردار ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس سے قبل کہ ہم پانچویں روایت پر غور کریں، بر سبیل تذکرہ اتنا کہنا مناسب ہو گا کہ ان چاروں تعبیروں کے مطابق امام حسنؑ کا دست بردار ہو جانے کا فیصلہ ان کا اپنا نہیں تھا، بلکہ حالات کی ستم ظریفی اور متعدد مجبوریوں کا نتیجہ تھا۔

واقعہ کی پانچویں تعبیر ابن اعثم اور ابوالفرج نے کی ہے [48] جس کے ماخذ روایت واضح نہیں ہیں۔ ابن اعثم، جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے، اپنے ذرائع معلومات کا اکثر حوالہ نہیں دیتے۔ اپنے بیان روئداد کے آغاز ہی میں ابو الفرج ابو مخنف اور پانچ دوسرے راویوں کے حوالے دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات واضح نہیں ہے کہ آیا یہ بیان روئداد ابو مخنف سے متعلق ہے یا ان پانچ راویوں میں سے کسی ایک کا ہے۔ تاہم اس تعبیر کی رو سے جب امام حسنؑ مدائین پہنچے تو انہوں نے اچانک اپنی فوج کو وہاں قیام کرنے کا حکم دیا اور ایک تقریر کی جس میں اپنے دست بردار ہونے کے ارادے سے انہیں باخبر کیا۔ تھوڑی بہت ردبدل کے ساتھ اس خطاب کے الفاظ تقریباً یکساں ہیں جیسا کہ دینوری کے حوالے سے اوپر بیان کیا گیا ہے۔ امام حسنؑ کی تقریر سننے کے بعد ان کی افواج میں سے بعض افراد ان پر ٹوٹ پڑے، ان کے خیمہ کو لوٹ لیا اور ان کی ردا پھاڑ ڈالی۔ واقعہ کی یہ تعبیر باقی چار دوسری تعبیرں کے مقابلے میں، جن کو اوپر بیان کیا گیا ہے، امام حسنؑ کے اس فیصلہ کی کوئی وجہ بیان نہیں کرتی کہ انہوں نے اس خاص موقع پر مدائین میں خطاب کرنے کا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیوں ارادہ کیا۔ اس طرح یہ بات تمام صورت حال کو مبہم او بڑے سنگین تضادات کھڑے کر دیتی ہے، نیز کئی ایک لاینحل سوالات ابھار دیتی ہے، مثلاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام حسنؑ نے پہلے لوگوں کو برانگیختہ کیوں کیا اور تقاریر کیں کہ معاویہ کے خلاف لڑنے کے لئے ان کی فوج میں شامل ہو جائیں، جیسا کہ اس سے پہلے ابو الفرج کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے۔ آخر کیوں انہوں نے کوفہ سے مدائین کی اتنی طویل مسافت کی ان تمام ضروری تیاریوں کے ساتھ طے کی اور پھر اچانک اپنا خیال تبدیل کر کے اور مدائین پہنچ کر اعلان امن کر دیا (اگر انہیں لڑنا نہ ہوتا) للذا ہم کو گزشتہ چار تعبیروں میں سے ایک کو تسلیم کر لینا چاہیئے، جن میں غالبا دینوری کی رائے زیادہ مناسب ہے کہ امام حسنؑ کا خطاب اور عہدہ خلافت سے ان کا استعفیٰ عراقیوں کے مکارانہ و غدارانہ رویہ سے نیز آخر الامر معاویہ کی جاسوسی و موقع شناسی کے کامیاب استعمال سے وجود میں آیا۔

اپنی ہی فوجوں کے ہاتھوں اس قسم کے برتاؤ کئے جانے کے بعد دل شکستہ و آزردہ امام حسنؑ نے اس فوج کے پاس ٹھہرنا ناممکن سمجھا، گھوڑے کی باگ پر ہاتھ رکھا اور اپنے قریبی ساتھیوں اور معتمد طرف داروں کی معیت میں مدائن کے قلعہ ابیض کی پناہ گاہ کی طرف کوچ کیا جو ان کے گورنر کی رہائش گاہ تھی۔ یہ واقعہ راہ مدائن پر پیش آیا جب ابھی قلعہ کچھ فاصلے پر تھا کہ ایک کٹر خارجی الجراح بن سنان الاسدی امام حسنؑ پر چھپ کر وار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے خنجر سے ان کی ٹانگ کو زخمی کیا۔ اور بد کلامی کی کہ "تم کافر و لادین ہو گئے ہو، جس طرح اس سے قبل تمہارے باپ ہو گئے تھے۔" [۹۵] الجراح کو قابو میں کر لیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ امام حسنؑ کو اس حالت میں قلعہ پہنچایا گیا کہ ان کے زخم سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا، جہاں ان کے گورنر سعد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بن مسعود الثقفی نے ان کا علاج کیا۔ امام حسنؑ پر حملہ کی خبر کو معاویہ نے بہت زیادہ مشتہر کیا اور جلد ہی یہ خبر دور دور تک پھیل گئی۔ اس بات نے امام حسنؑ کی دل شکستہ فوج کو مزید بددل کر دیا اور یہ بات ان کی فوج کے بڑے پیانے پر فرار ہو جانے کا باعث بنی۔[50]

اتنا بیان کرنے کے بعد یعقوبی، دینوری اور طبری بعد کے واقعات کی تفصیل بیان نہیں کرتے اور بڑے سرسری انداز میں امام حسنؑ کے دست بردار ہونے کو بیان کرتے ہیں، گو اول الذکر دونوں مورخین نے چند ایک جزوی جملے اس موضوع پر لکھے ہیں، مگر وہ بھی بہت کم اہمیت رکھتے ہیں۔ ان چند ایک فقیروں کے انداز تحریر اور اسلوب کو مدنظر رکھیں تو اس اختصار کی وجہ بخوبی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ابن اعثم اور ابوالفرج ہمارے سامنے ان واقعات کو بڑی شرح و بسط پیش سے کرتے ہیں جو امام حسنؑ پر حملے کے واقعہ اور ان کی دست برداری کے درمیان پیش آئے۔ البتہ ان دونوں مورخین کا بیان بعض امور میں مختلف ہے جس کا علیحدہ علیحدہ زیر غور لانا ضروری ہیں۔

ابن اعثم کے بیان کے مطابق جس وقت امام حسنؑ مدائین میں ان مشکلات سے دو چار تھے قیس بن سعد اپنی بارہ ہزار ہراول فوج کے ساتھ مسکن میں معاویہ کی فوج کے بالمقابل امام حسنؑ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ جب قیس نے امام حسنؑ پر حملہ کی خبر سنی تو انہوں نے شامیوں کے ساتھ اپنی فوج کو جنگ میں مصروف کرنے میں مصلحت جانی تاکہ ان کے فوجی اس صورت حال سے خبردار ہو کر بددلی کا شکار نہ ہو جائیں۔ دونوں فوجوں کے درمیان ٹکراؤ ہوا جس میں دونوں طرف سے کچھ نقصان ہوا۔ اس کے بعد معاویہ کے ایلچی آگے بڑھے اور قیس سے ان الفاظ میں مخاطب ہوئے:

"تم اب کس کے لئے (وجہ) ہم سے لڑ رہے ہو اور خود کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہلاک کر رہے ہو؟ ہمیں پختہ اطلاع مل چکی ہے کہ تمہارے قائد کو تمہارے ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہے وہ خنجر سے زخمی کر دیئے گئے ہیں اور قریب المرگ ہیں۔ لٰہذا تم کو اس وقت تک لڑائی سے گریز کرنا چاہئے جب تک صورت حال سے متعلق بالکل صحیح اطلاع نہ مل جائے۔

قیس اس طرح لڑائی روکنے پر مجبور ہو گئے اور امام حسنؑ کی طرف سے سرکاری مصدقہ اطلاع کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اس دوران ان کے فوجی بڑی تعداد میں ان کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ سے ملنے لگے۔ جب قیس نے اس بڑے پیمانے پر دغابازی کو دیکھا تو انہوں نے امام حسنؑ کو صورت حال کی سنگینی سے باخبر کیا۔[51] قیس کا خط ملنے پر امام حسنؑ کا حوصلہ ٹوٹ گیا انہوں نے فوراً عراقی عمائدین اور سرداران کو مشورہ کے لئے طلب کیا اور دل شکستگی و بے زاری کے عالم میں انہیں خطاب کیا:

"اے اہل عراق! میں تم لوگوں کے ساتھ جو میرے ارد گرد جمع ہو کیسے پیش آؤں؟ یہ ہے قیس ابن سعد کا مکتوب جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ تمہارے معززین (اشراف) تمام معاویہ سے جا ملے ہیں۔ تمہارا یہ کیسا حیران کن اور قابل نفرت رویہ ہے۔ تم ہی تھے جنہوں نے میرے والد کو صفین میں تحکیم کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا اور جب یہ ثالثی جس پر وہ مجبوراً راضی ہو گئے (تمہارے مطالبہ کی وجہ سے)، عمل میں آ گئی تو تم ان کے خلاف ہو گئے۔ پھر جب انہوں نے معاویہ کے خلاف دوبارہ فوج کشی کے لئے تم سے کہا تو تم نے سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کیا۔ میرے والد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی شہادت کے بعد تم از خود میرے پاس آئے اور اپنی رضا مندی اور خواہش سے تم نے میری بیعت کی۔ میں نے اسے قبول کیا اور معاویہ سے جنگ کے لئے نکلا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میں کیا کچھ کرنا چاہتا تھا (معاویہ کے مبارزہ کا مقابلہ کرنے کے لئے میں کتنا جذبہ و ہمت سے بھرا ہوا تھا)۔ اب پھر تم وہی کچھ کر رہے ہو جو اس سے پہلے تم نے کیا (میرے والد کے ساتھ)۔ اے اہل عراق! میرے سلسلہ میں تمہارے لئے یہ ہی بہتر ہو گا کہ تم مجھے میرے دین میں رسوا نہ کرو کیونکہ بس اب میں اس سلسلے کو (امر خلافت) معاویہ کے حوالہ کرنے لگا ہوں۔"[52]

یعقوبی بھی امام حسنؑ کی دست برادری کی یہی وجہ لکھتے ہیں جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے گو وہ اس موضوع کو اختصار سے طے کر جاتے ہیں۔

اگر اس روئداد کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ پوری صورت حال کو واضح کر دیتی ہے جس کے تحت امام حسنؑ نے دست برداری کا فیصلہ کیا۔ یہ روئداد اس بات کی واضح عکاسی کرتی ہے کہ امام حسنؑ ابتدا ہی سے 'بلکہ واقعہ صفین کے زمانے ہی سے' عراقیوں کے ناقابل اعتماد کردار سے مطمئن نہ تھے۔ ان کے خیال میں عراقی غیر معتمد لوگ تھے جو فوری طور پر تو جوش میں آجاتے تھے مگر جب آزمائش کا وقت آتا تو ثابت قدم نہ رہتے تھے۔ امام حسنؑ کی دست برداری کے سلسلے میں مختلف مورخین نے اس حقیقت کا براہ راست تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن ان کا یہ کردار اس وقت ثابت ہو گیا جب ان کے بھائی امام حسینؑ ان ہی کوفیوں کے حکومت وقت کے خلاف قیام کرنے کے لئے کسی قائد کی ضرورت کا جواب میں کوفہ تشریف لے جا رہے تھے۔ ان تمام افراد نے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جنہوں نے کوفیوں کی اپیل کا مثبت جواب دینے کے خلاف امام حسینؑ کو مشورہ دیا تھا واضح طور پر یاد دہانی کرائی تھی کہ اس سے قبل کس طرح نہایت اہم مواقع پر عراقیوں نے ان کے والد بزرگوار اور بھائی سے دغابازی کی تھی۔
امام حسنؑ کے یہ جذبات دراصل ان کے والد علی مرتضیٰؑ کے اس رویہ کی بازگشت ہیں جو وہ اپنے عراقی طرف داروں کی اکثریت کے لئے رکھتے تھے اور یہ وہی جذبہ ہے جس کا وہ اکثر و بیشتر اپنے ان خطبات میں اظہار بھی کرتے تھے جو نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں اور بہت سی دوسری ابتدائی تواریخ میں بھی موجود ہیں۔

عراقی سالاروں کے سامنے تقریر کے بعد امام حسنؑ نے فوراً معاویہ کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ دست بردار ہونے کو تیار ہیں۔ جب امام حسنؑ کے اس فیصلہ کی اطلاع قیس کو ملی تو انہوں نے اپنے شرکائے کار سے کہا:

"اب تم کو دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ہے، یا بغیر کسی قائد کے لڑو یا دین سے بھٹکے ہوئے (ضلال) کی بیعت کر لو (معاویہ)"

انہوں نے جواب دیا۔

"بیعت کر لینا ہمارے لئے خون ریزی سے آسان تر ہے۔"

پس قیس ان تمام افراد کے ساتھ، جو اب بھی ان کے طرفدار تھے، میدان جنگ مسکن سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ عبید اللہ ابن عباس کا نام اس سارے ماجرے میں کہیں نہیں ملتا۔

اب ابوالفرج کی طرف آئیں۔ جیسا کہ اس سے قبل سطور میں یعقوبی کے حوالے سے بتایا گیا ہے اس بارہ ہزارہ ہراول فوج کے سپہ سالار عبید اللہ ابن عباس تھے نہ کہ قیس ابن سعد۔ معاویہ اور عبید اللہ ابن عباس دونوں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی دن شام کو اپنی اپنی افواج کے ساتھ مسکن پہنچے جس دن امام حسنؑ مدائین پہنچے تھے۔ اس سے اگلے دن نماز فجر کے بعد جب امام حسنؑ کو اپنی فوج کی طرف سے لوٹ مار اور بغاوت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ زخمی بھی ہو گئے تھے معاویہ اور عبید اللہ کی افواج کے درمیان بمقام مسکن ایک مختصر جھڑپ ہوئی۔
جب رات ہوئی تو معاویہ نے عبید اللہ کو پیغام بھجوایا:

"حسنؑ نے صلح کے لئے مجھ سے رابطہ کر لیا ہے اور خلافت میرے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں اگر تم فوراً میرے ساتھ مل جاؤ تو میں تم کو بطور ایک قائد (مطبوعہ) کے قراردوں گا ورنہ میں تمہاری فوج میں گھس جاؤں گا اور پھر تم کو صرف رعیت (طابع) کا درجہ دیا جائے گا۔ اگر اب بھی تم مجھ سے مل جاؤ تو میں تم کو دس لاکھ درہم پیش کروں گا جس میں سے نصف فوراً ادا کر دیئے جائیں گے اور نصف اس وقت جب میں کوفہ میں داخل ہوں گا۔"[۴۳]

رات کی تاریکی میں عبید اللہ چپکے سے معاویہ کی طرف چلے گئے۔ جب صبح لوگ نماز فجر کے لئے اکٹھے ہوئے کہ وہ باہر آئیں اور ان کی امامت کرائیں تو باوجود تلاش کے وہ نہ ملے پس قیس نکلے اور امامت کرائی۔ اس کے بعد انہوں نے پھر شعلہ بیان تقریر کی جس میں عبید اللہ، اس کے باپ عباس اور بھائی عبد اللہ ابن عباس کے متلون کردار اور بار بار بدل جانے والے طرز عمل کی زبردست مذمت کی۔ قیس کی بات سننے کے بعد لوگ پکارے:

"خدا کا شکر ہے کہ وہ (عبید اللہ) ہمارے درمیان سے چلتے بنے۔ اب ہم شمشیر بکف دشمن کی افواج پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"یہ کہہ کر انہوں نے حملہ کر دیا۔ بسر بن ابی ارطاط جو معاویہ کا خاص معتمد تھا' 20 ہزار فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور بولا۔"

"یہ ہے تمہارے سپہ سالار (عبید اللہ) جو معاویہ کی بیعت کر چکا ہے اور امام حسنؑ بھی صلح کے لئے متفق ہو چکے ہیں۔ پھر کس لئے تم خود کو موت کے منہ میں ڈالتے ہو؟"

قیس نے پھر دوسری مرتبہ خطاب کیا اور کہا:

"دو میں سے ایک راہ اختیار کر لو۔ یا بغیر امام کے لڑو یا بھٹکے ہوئے اور بے دین (معاویہ) کی بیعت کر لو۔"

لوگوں نے جواب دیا کہ وہ بغیر امام کے لڑائی جاری رکھیں گے۔ پس انہوں نے شامیوں پر ایک مختصر حملہ کیا اور پھر اپنی فرودگاہوں کو واپس آ گئے۔ تاہم جب یہ بات واضح ہو گئی کہ امام حسنؑ دست برداری پر راضی ہو چکے ہیں تو وہ کوفہ کی طرف مراجعت کر گئے۔[55]

امام حسنؑ پر حملہ اور ان کے دست برداری کے فیصلے کے درمیان ہونے والے واقعات کی روئداد جو ابوالفرج نے بیان کی ہے' اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ عبید اللہ کے دشمن کے ساتھ جا ملنے کے وقت کی زیادہ منطقی و قابل فہم توجیہہ کرتی ہے جو باقی دیگر دوسرے مورخین نے بڑے الجھے ہوئے انداز میں پیش کی ہے۔ ان کے اس بیان سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ دونوں بھائیوں میں جو معاویہ سے جا ملے عبید اللہ تھے نہ کہ ان کے بڑے بھائی عبد اللہ ابن عباس' جن کا ذکر صرف زہری کے ہاں ملتا ہے۔ تاہم ابوالفرج کی روایت کہ عراقیوں نے قیس کو جواب دیا کہ وہ بغیر امام کے لڑائی جاری رکھیں گے ناقابل یقین ہے کہ یہ اس بنیاد پر باقی تمام مورخین کے بیانات سے بالکل متضاد ہے جو سب متفقہ طور پر بیان کرتے ہیں کہ ساری فوج

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے معاویہ کو قبول کرنے کے حق میں جواب دیا۔

مختلف مورخین نے امام حسنؑ کے دست بردار ہو جانے کی جو شرائط و کیفیات فراہم کی ہیں ان میں نہ صرف بہت زیادہ فرق ہے بلکہ بہت زیادہ ابہام و التباس بھی ہے۔ یعقوبی و مسعودی ان شرائط امن کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ طبری تین شرائط کو تو براہ راست لکھتے ہیں اور چوتھی اور ہی سیاق و سباق کے حوالے سے بالواسطہ لکھتے ہیں۔ پہلی تین شرائط یہ تھیں:

۱۔ امام حسنؑ ان پچاس لاکھ درہم کو جو کوفہ کے بیت المال میں موجود تھے، اپنے پاس رکھیں گے۔

۲۔ امام حسنؑ ایرانی علاقہ درب جرد کا سالانہ لگان اپنے پاس رکھیں گے۔

۳۔ حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ ہو گا جیسا کہ علی مرتضیٰؑ کی خلافت کی ابتداء سے معاویہ کا دستور تھا۔ کم از کم امام حسنؑ کی موجودگی میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔[56]

پہلی شرط :۔

امام حسنؑ کوفہ کے بیت المال سے ۵۰ لاکھ درہم اپنے پاس رکھیں گے دو واضح وجوہات کی بنا پر بے معنی ہو جاتی ہے۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اپنی دست برداری تک امام حسنؑ کوفہ میں منتخب خلیفہ تھے اور اس طرح خزانہ پہلے ہی ان کے قبضہ میں تھا۔ دوسری یہ، جس پر تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت علیؑ کا یہ معمول تھا کہ ہر ہفتہ کے اختتام پر بیت المال کو خالی کر دیتے تھے۔ لہٰذا یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ امام حسنؑ کے برسراقتدار آنے کے چند ماہ کے اندر، خاص طور پر بھاری جنگی اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور حضرت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علی مرتضیٰؑ کی اچانک شہادت کی وجہ سے انتظامیہ کی غیر منظم کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے (اور ٹیکس کی وصول یابی کو بھی) کوفہ کے بیت المال میں 50 لاکھ درہم کیسے جمع ہو گئے۔[57] یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ طبری بصرہ پر حکومت کرتے ہوئے بسر بن ارطاط کے مظالم کو تادیر بیان کرنے کے بعد امام حسنؑ کی دست برداری کی چوتھی شق کا ذکر کس طرح لے آتے ہیں۔ یہ شق اس طرح بیان کی گئی ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے اس شرط پر صلح کی کہ حضرت علیؑ کے تمام دوست اور پیروکار جہاں کہیں بھی ہوں عام معافی کے مستحق ہوں گے اور محفوظ زندگی گزاریں گے۔[58] جیسا کہ آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ کریں گے یہ شرط دوسرے مورخین نے مناسبت مقام پر درج کی ہے۔

اپنے بیان واقعات میں دینوری کی درج ذیل شرائط کا ذکر کرتے ہیں:۔

۱۔ اہل عراق میں کسی سے نفرت کا برتاؤ نہیں کیا جائے گا اور ہر ایک کو امن و سلامتی کی ضمانت حاصل ہو گی چاہے کسی قسم کا الزام یا جرم اس کے خلاف عائد ہوتا ہو۔

۲۔ امام حسنؑ اھواز کے علاقہ کی سالانہ آمدنی کے مستحق ہوں گے (جب کہ طبری نے درب جرد کا نام دیا ہے۔

۳۔ بنی ہاشم کو (علوی و عباسی بمقابلہ بنی عبد الشمس (امیہ) انعامات وظائف وغیرہ کی منظوری میں (عطا) ترجیح حاصل ہو گی۔[59]

ابن عبد البراور ابن اثیر، جو اصحاب رسولؐ کی سیرت قلم بند کرنے میں بہت محتاط و منصف مئورخین ہیں، دو اور شرائط کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ ان شرائط کو دوسرے افراد نے بھی لکھا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔ مدینہ، حجاز اور عراق کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی کسی ایسی چیز یا ملکیت سے محروم یا بے قبضہ نہیں کیا جائے گا جو اسے خلافت علوی میں حاصل تھی۔

۲۔ معاویہ کی موت کے بعد خلافت، امام حسنؑ کو دوبارہ واپس کر دی جائے گی۔[60]

ابوالفرج باقی اور دوسروں کی طرح ان شرائط کے مفصل بیان کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اس کے بقول معاویہ نے عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمٰن بن سمرہ کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے امام حسنؑ کے پاس بھیجا۔ "انہوں نے معاویہ کی طرف سے امام حسنؑ کو ان تمام شرائط کی منظوری دی جن سے معاویہ اتفاق کر چکا تھا یعنی کہ شیعان علیؑ میں سے کسی کو بھی تنگ نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علیؑ کا ذکر سوائے اچھے انداز کے کسی اور طرح نہیں کیا جائے گا اور اس کے علاوہ اور دوسری چیزیں جو امام حسنؑ چاہتے تھے۔"[61]

تاہم سب سے جامع و مانع بیان ابن اعثم کا ہے[62] جو مدائنی سے لیا گیا ہے کیوں کہ ابن ابی الحدید[63] بھی بالکل یہی شرائط مدائنی کو اپنی سند روایت قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ ابن اعثم کے مطابق ان واقعات کے بعد جو مدائین میں پیش آئے اور پھر عمائدین کوفہ سے امام حسنؑ کے خطاب کے بعد جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے امام حسنؑ نے عبد اللہ ابن نوفل ابن حارث کو دست بردار ہونے کی رضامندی بتانے اور شامی حکم کے ساتھ شرائط دست برداری طے کرنے کے لئے معاویہ کے پاس بھیجا۔ صرف ایک ہی شرط تھی جو امام حسنؑ نے عبد اللہ بن نوفل کو واضح طور پر بتائی تھی کہ تمام لوگوں کو عام معافی دی جائے گی۔ عبد اللہ مسکن پہنچے اور معاویہ کو بتایا کہ امام حسنؑ نے اپنی جانب سے انہیں امن کی شرائط طے کرنے کے لئے اختیار دیا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے' جو مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ خلافت' معاویہ کی موت کے بعد امام حسنؑ کو واپس کر دی جائے گی۔

۲۔ امام حسنؑ بیت المال سے 50 لاکھ درہم سالانہ وصول کریں گے۔

۳۔ امام حسنؑ درب جرد کا سالانہ لگان وصول کریں گے۔

۴۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے تحفظ کی ضمانت دی جائے گی۔[۱۵]

یہ سنتے ہی معاویہ نے ایک خالی کاغذ اٹھایا اپنے دستخط اور مہر ثبت کی اور عبد اللہ سے کہا: "یہ خالی کاغذ امام حسنؑ کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ جو چاہیں اس پر لکھ لیں۔" معاویہ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا اس کے دستخط کرنے اور عہد پر گواہ رہیں۔ عبد اللہ خالی کاغذ اور قریش کے بعض عمائدین کے ساتھ' جن میں عبد اللہ بن عامر' عبد الرحمٰن بن سحرا اور بعض شامی عمائدین تھے امام حسنؑ کے پاس واپس ہوئے اور ان کو بتایا کہ:

"معاویہ نے ان تمام شرائط سے اتفاق کرلیا ہے جو آپؑ نے پیش کی تھیں اور جو آپؑ خود بھی اس سادے کاغذ پر لکھ سکتے ہیں۔"

امام حسنؑ نے جواب دیا۔

"جہاں تک خلافت کا تعلق ہے میں اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اگر مجھے اس کی چاہت ہوتی تو میں اس کو اس کے حوالے ہی نہ کرتا۔ جہاں تک رقم کا تعلق ہے معاویہ میرے لئے اسے کوئی شرط قرار نہیں دے سکتا جب کہ زیر بحث اصلی معاملہ تمام امت مسلمہ کی پریشانی کا مسئلہ ہے۔"

امام حسنؑ نے پھر اپنے کاتب کو طلب کیا اور لکھنے کا حکم دیا: "یہ ہیں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ شرائط جن کی بنیاد پر حسنؑ بن علی ابن ابی طالبؑ معاویہ ابن ابو سفیان کے ساتھ امن و صلح کر رہے ہیں اور امیر المومنین حضرت علیؑ کی حکومت کو اس کے حوالے کر رہے ہیں:

۱۔ معاویہ کتاب اللہ کے تحت سنت رسول اللہؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت کے مطابق حکومت کرے گا۔

۲۔ معاویہ اپنے بعد خلافت کے لئے کسی کو نامزد یا مقرر نہیں کرے گا بلکہ اس انتخاب کو مسلم شوریٰ کے حوالے کر دے گا۔

۳۔ لوگ جہاں جہاں خدا کی زمین میں بس رہے ہوں گے ان کو امن حاصل گا۔

۴۔ حضرت علیؑ کے ساتھی اور پیروکار، ان کی زندگیاں، مال و اسباب، ان کے اہل و عیال سب محفوظ رہیں گے اور ان کو امن کی ضمانت دی جائے گی۔ یہ خدا کے حضور ایک مقدس عہد نامہ اور پاک اتفاق رائے ہے جو معاویہ ابن ابو سفیان کو پابند کرتا ہے کہ اسے برقرار رکھے اور پورا کرے۔

۵۔ کوئی بھی نقصان دہ یا خطرناک کام، پوشیدہ یا اعلانیہ امام حسنؑ یا ان کے بھائی امام حسینؑ کے یا اہل بیت نبیؐ کے کسی فرد کے خلاف نہیں کیا جائے گا۔

اس صلح نامہ پر عبد اللہ بن نوفل، عمر بن ابی سلمٰی اور دوسرے افراد گواہ ہیں۔[65]

ابن اعثم نے جس طرح شرائط امن کو پیش کیا ہے اور جس طرح امام حسنؑ نے ان کو طے کیا تھا، یہ انداز کئی مسائل کو حل کر دیتا ہے اور دوسرے مورخین کے مختلف مبہم بیانات کی صراحت کر دیتا ہے۔ معاویہ کی طرف سے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام حسنؑ کو سفید کاغذ بھیجے جانے کا وقت طبری کے ہاں غیر واضح تھا جب کہ ابن اعثم نے اس کا جو وقت دیا ہے پورے معاملہ کو قابل فہم بنا دیتا ہے۔ طبری، ابوالفرج اور بعض دوسرے مورخین عبد اللہ ابن عامر اور عبد الرحمٰن بن سمرہ کے نام لکھتے ہیں جن کو معاویہ نے امام حسنؑ کے ساتھ شرائط امن طے کرنے کے لئے اپنے نمائندوں کے طور پر بھیجا تھا۔ ابن اعثم اس روایت کی تصدیق کرتے ہوئے ان کے تقرر کا مناسب و معقول موقع و محل بھی فراہم کرتے ہیں۔ ابن اعثم شرائط کو دو حصوں میں رقم کرتے ہیں: پہلا حصہ جب امام حسنؑ کے نمائندہ عبد اللہ بن نوفل شرائط کو پیش کرتے ہیں اور دوسرا حصہ جس میں امام حسنؑ خود شرائط کو تحریر کراتے ہیں، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ اگر شرائط کے دونوں حصوں کو اکٹھا کر لیا جائے تو باقی شرائط سوائے ان دو شرائط کے جو اوپر کی سطور کے شروع میں درج کی گئی ہیں، وہی ہیں جو دوسرے مورخین کے ہاں ایک غیر مرتب انداز میں بکھری ہوئی پائی جاتی ہے۔ ان شرائط میں پہلی یعنی معاویہ قرآن و سنت رسول اللہؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت کے مطابق حکومت کرے گا، اس دور کے جذبہ و میلان کی شدید عکاسی کرتی ہے جو اب بھی عہدہ خلافت کی نوعیت اور عمل پر چھائی ہوئی تھی۔ غالب امکان یہی ہے کہ حضرت علیؑ اور خلفائے راشدین کا فوری جانشین بغیر اسی روایتی شرط کو ظاہر کئے، چاہے کم از کم ظاہری طور پر ہی سہی، اس عہدہ کو منتقل نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ہم ان اطلاعات کو تسلیم کرنے کے سلسلے میں زیادہ شک ہی سے کیوں نہ کام لیں تاہم اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ شوریٰ کے دور سے ہی حضرت علیؑ، ان کا خانوادہ اور ان کے طرف دار ہمیشہ اسی بات پر زور دیتے تھے کہ وہ سنت رسول اللہؐ کا اتباع کریں گے اور پہلے تین خلفا کی سنت سے قانونی نفاذ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے تھے۔ لہٰذا یہ بات

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرین قیاس ہے کہ خلفائے راشدین کا اتباہ کرنے کا حوالہ بعد کا اضافہ ہے تاکہ (اجماع) جماعت کے سلسلے میں باہمی رضامندی ہو سکے، جیسا کہ گذشتہ ابواب میں عرض کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام حسنؑ شوریٰ میں اپنے والد گرامی کے موقف کی تکذیب نہیں کر سکتے تھے جہاں موخرالذکر نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی سیرت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

دوسری شرط :-

یعنی معاویہ کسی کو بھی خلافت کے لئے نامزد نہ کرے گا اور اس انتخاب کو مسلمانوں کی مجلس شوریٰ پر چھوڑ دے گا ہم کو اس کے قبول کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ اپنے جانشین کو نامزد کرنے کی روایت اور وہ بھی چند سرکردہ شخصیات کی توثیق سے ہی، حضرت ابو بکرؓ کی طرف سے قائم ہو چکی تھی جب انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ تاہم حضرت ابو بکرؓ کا یہ فیصلہ مسلم امہ کے مفادات کے ساتھ ان کے پر خلوص تعلق کی وجہ سے تھا للہذا انہوں نے اپنے بیٹے یا کسی اور رشتہ دار کو کسی انتظامی عہدہ پر مقرر نہیں کیا۔ لیکن یہ بات معاویہ یا بنی امیہ سے متوقع نہ تھی۔ پس امام حسنؑ کا اس شرط کو معاویہ پر مسلط کرنا صورت حال کا ایک قدرتی و منطقی نتیجہ تھا۔ نیز یہ شرط کہ خلافت معاویہ کی موت کے بعد امام حسنؑ کو بحال ہو جائے گی، جو بہت سے مورخین نے بیان کی ہے، ضرور زیر بحث آئی ہو گی۔ معاویہ کے اس مکتوب سے جس کا حوالہ اوپر آ چکا ہے، ہم یہ نتیجہ صحیح طور پر اخذ کر سکتے ہیں کہ معاویہ نے امام حسنؑ کی جانشینی کو اپنے بعد ایک غالب امکان تصور کیا تھا۔ لیکن اپنی طرف سے کسی واضح عہد و پیمان کی پابندی ظاہر نہ کی تھی۔ کچھ عرصہ بعد شیعان علیؑ نے ایک اجتماع میں اس بات سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ امام حسنؑ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے مناسب ضمانت کیوں نہ طلب کی اور معاویہ سے اس بات پر عمل کرنے کی ذمہ داری کیوں نہ لی کہ موخرالذکر اپنی موت کے بعد خلافت کو امام حسنؑ کے حوالے کر جائے گا۔[66]

سب سے آخری اہم نکتہ معاویہ کا حضرت علیؑ کے تمام ساتھیوں اور پیروکاروں کے لئے مکمل طور پر عام معافی قبول کر لینا دکھائی دیتا ہے۔ اس خاص شرط کا قبول کر لینا جنگ و قتال جاری رکھنے کی معاویہ کی بار بار بیان کردہ وجہ سے باطل ہونے کو ثابت کرتا ہے جو انتقام خون عثمان اور ان کے قاتلین کو سزا دینے کے سلسلے میں پیش کی جاتی تھی۔ شیعان علیؑ میں، جن کو امام حسنؑ کے ساتھ شرائط طے کرتے ہوئے معاویہ نے مکمل اور عام معافی دی تھی، ایسے افراد بھی شامل تھے جیسے عامر بن حمق الخزاعی جو قتل عثمان میں ملوث قرار دیا جاتا ہے اور مالک اشتر جو اہل کوفہ کے باغی دستوں کا سردار تھا۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قتل عثمان کے انتقال کی وجہ، جیسا کہ کسی اور مقام پر واضح کیا گیا ہے، ایک بہانہ تھا جو خلافت پر اپنا قبضہ جمانے کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے معاویہ نے استعمال کیا تھا۔

معاہدہ مکمل ہونے کے بعد امام حسنؑ کوفہ کو مراجعت کر گئے جہاں قیس ان سے آن ملا۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد معاویہ اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ ایک عام جمعیت قائم ہوئی اور لوگوں کے مختلف گروہوں نے یکے بعد دیگرے معاویہ کی بیعت کر لی۔ ہمارے ذرائع معاویہ کو اپنا نیا حاکم ماننے کے سلسلے میں لوگوں کے ملے جلے جذبات کی مکمل تفصیل فراہم کرتے ہیں۔ بہت سوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے دفع الوقتی کا رویہ اختیار کیا جبکہ بہت سے لوگ بنی امیہ کے حاکم سے اپنے جذبات ناپسندیدگی، بلکہ نفرت کو پوشیدہ نہ رکھ سکے، لیکن پھر بھی انہیں صورت حال کے ساتھ مصالحت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرنا پڑی۔[67] دونوں (طرف کے) حریفوں کے درمیان مشتعل کلمات کا تبادلہ' تندو تلخ تقاریر اور غم و غصہ سے لبریز مکالمات' ایسے قابل توجہ اور معلومات سے لبریز حالات کی نشان دہی کرتے ہیں جن کا مطالعہ دلچسپ ہو گا اور جن کا تفصیلی جائزہ یہاں ممکن نہیں۔ تاہم عمر بن عاص اور معاویہ کے شرائط پر اصرار کے موقع پر امام حسنؑ کا خطبہ قابل توجہ ہے گو مختلف مورخین نے مختلف الفاظ و معانی کے ساتھ اسے قلم بند کیا گیا ہے۔ سب سے مختصر انداز واقعہ فہمی طبری کا ہے جسے انہوں نے زہری سے لیا ہے اور جو کچھ اس طرح ہے: "اے اللہ کے بندو! خدائے تعالیٰ نے تمہیں ہمارے بزرگوں کے ذریعہ (محمدؐ و علیؑ) ہدایت نصیب کی اور ان کے ذریعہ تمہیں خون خرابے سے بچایا' جنہوں نے ان کا اتباع کیا (اپنی ذات کو مراد لیتے ہوئے)۔ لاریب یہ (خلافت) بے حقیقت شے ہے بلکہ ایک آنی جانی چیز ہے۔ یہ مال و دولت دنیا فانی ہے۔ اس کے قابض و مالک متواتر تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے پیغمبرؐ سے ارشاد فرمایا: وان ادری لعله فتنة لکم و متاع الٰی حین ○ اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید یہ (تاخیر عذاب) تمہارے واسطے امتحان ہو اور ایک معین مدت تک (تمہارے لئے) چین ہو۔" القرآن ۲۱/۱۱۱

اس مقام پر معاویہ خوف زدہ ہو گیا' اس نے حسنؑ سے کہا بس کریں اور عمرابن عاص سے ملامت آمیز لہجہ میں کہا: "یہ ہیں میرے لئے تمہارے مشورے۔"[68]

مدائینی نے' جن سے ابن ابی الحدید نے اپنی تاریخ میں اقتباسات لئے ہیں' اس تقریر کی کافی طویل روئداد بیان کی ہے جس میں امام حسنؑ اپنے دست بردار ہونے کی وجوہات کی وضاحت کرتے ہیں' مع معاویہ کی ہوس جاہ و بغاوت کے اور اپنے طرف داروں کے ناقابل اعتماد اور دغا بازانہ رویہ کے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہی نہیں بلکہ امام حسنؑ نے دور علی مرتضیٰؑ کا بھی حوالہ دیا ہے کہ کس طرح لوگوں نے ان سے رد گردانی کی۔[69] ایک اور مورخ ابولفرج امام حسن کی تقریر سے صرف ایک بات نقل کرتے ہیں جو اس طرح ہے: "خلیفہ (جانشین رسولؐ) وہ ہے جو اللہ کی راہ پر خود کو وقف کر دے، سنت پیغمبرؐ پر قائم ہو جائے اور وہ شخص ایسا نہیں ہو سکتا۔ جو ظالم اور جارح ہو۔ ایسا تو صرف بادشاہ (ملک) کہلا سکتا ہے جو ایک سلطنت (ملک) پر حکومت کرتا ہے، جس کی لطف اندوزی نہ ہونے کے برابر ہے اور جس کا عیش چند روزہ ہے، جو اس طرح فانی ہے، گویا معدوم ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے آزمائش نہیں ہے اور (دنیاوی) روزی کی تمہارے لئے (محدود) عرصہ کے لئے عطا و بخشش ہے۔"[70] یہ بات جاننا مفید ہو گی کہ اگر یہ اقتباس تاریخی اعتبار سے صحیح ہے تو یہ معاویہ اور اس کے جانشینوں کے لئے لفظ ملک (بادشاہ) بہ نسبت خلیفہ کے ابتدائی مسلمانوں مورخین کی طرف سے استعمال ہونے والی اصطلاحات کی ابتداء ہے۔ تاہم لاتعداد ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں معاویہ کو اپنے لئے یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے: "میں اسلام میں پہلا بادشاہ ہوں۔"[71] ان حالات کی مفصل روئداد، جن کا امام حسنؑ کو اپنی ابتدائے زمانہ خلافت ہی سے سامنا تھا، ظاہر کرتی ہے کہ عیش و آرام کی زندگی کی کشش خلافت سے ان کی دست برداری کی محرک نہ تھی، جیسا کہ دور حاضر کے بعض مورخین ہمیں یقین دلانا چاہتے ہیں۔

مختلف مورخین امام حسنؑ کی دست برداری کی وجوہات محبت، امن، سیاسیات اور اس کی تفرقہ اندازی سے بیزاری و نفرت اور امت مسلمہ میں وسیع پیمانے پر خون ریزی سے بچنے کی خواہش قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ مسئلہ فوجی سازو سامان کی طاقت سے طے کرنے پر زور دیتے تو ان کی ذات، ان کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خاندان اور ان کے مٹھی بھر با اعتماد جاں نثاروں کے لئے کتنے خطرناک نتائج مرتب ہو سکتے تھے۔[72] لہٰذا وہ اس سے بخوبی باخبر تھے اور انہوں نے اس وقت کی موجودہ سیاسی حقیقتوں کو تسلیم کیا اور اس کے ساتھ ساتھ وقت حاصل کرتے چلے گئے تا کہ شیعہ میلان فکر اپنے معتقدین کو نظریاتی بنیادوں پر استوار کر سکے۔ یہ بات ان کے اس خطبہ کی کسی بھی روئداد سے، جو مورخین نے بیان کی ہے، واضح ہے جو معاویہ کو خلافت منتقل کرنے کے موقع پر آپؑ نے ارشاد فرمایا تھا اور جس کا حوالہ اوپر آ چکا ہے۔

خلافت سے دست برداری کے باوجود امام حسنؑ کو اہل تشیع، حضرت علیؑ کے انتقال کے بعد، اپنا امام یا راہنما مانتے رہتے حتیٰ کہ وہ شیعہ افراد بھی جنہوں نے ان کے اقدام دست برداری پر تنقید کی تھی، اس بات کی توثیق کرنے سے کبھی نہ رکے کہ ان کے والد نے امام حسنؑ کو اپنے بعد امیر المومنین ہونے کے لئے نامزد کیا تھا۔ بے شک نظریہ امامت کی جزئیات بعد میں تیار کی گئیں تاہم یہ حقیقت اپنے مقام پر قائم رہتی ہے کہ جب تک امام حسنؑ زندہ رہے شیعہ اور امام حسنؑ کے خاندان کے تمام افراد ان کو خاندان علویہ کا اور اہل بیت رسولؐ کا سربراہ تسلیم کرتے تھے اور شیعوں کی تمام تواریخ میں یہ بات واضح ہے کہ ان کو حضرت علی مرتضیٰؑ کے بعد دوسرا امام تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

امام حسنؑ کی دست برداری ان عراقیوں کے لئے انتہائی تلخ و ترش تھی جنہوں نے ان کی اور اس سے قبل ان کے والد کی حمایت کی تھی، خاص طور پر شامی بالادستی سے نفرت کی وجہ سے اور خوارج کے لئے بھی یہ بات اتنی ہی پریشان کن تھی جو امام حسنؑ کے گرد صرف اس وجہ سے جمع ہوئے تھے کہ وہ معاویہ سے جنگ کریں گے۔ ایک خارجی ہی تھا جس نے امام حسنؑ کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

دست بردار ہونے کی خبر سن کر ان پر شدید حملہ بھی کیا تھا اور ایک دوسرا گروہ بھی تھا جس کی نمائندگی حجر بن عدی الکندی جیسے افراد کر رہے تھے جو امام حسنؑ کے اس فیصلے سے مضطرب ہوئے تھے لیکن ان کے مضطرب ہونے کی وجوہات کچھ اور تھیں۔ یہ ہے وہ آخری گروپ جو اس دور میں صحیح شیعان حضرت علیؑ کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا ایمان تھا کہ حضرت علیؑ اور ان کا خانوادہ خالص مذہبی بنیاد پر خلافت کا مستحق تھا جن کے مقابل وہ لوگ تھے جو حضرت علیؑ کے موقف کی یا بعد میں امام حسنؑ کے موقف کی سیاسی و معاشی اغراض کے تحت مدد کر رہے تھے۔ پس شیعان علیؑ کو عثمان کے زیر حکومت صوبوں میں بنی امیہ کی بالادستی کے وقت سے دو واضح جماعتوں یعنی سیاسی اور مذہبی گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان خانہ جنگی کے دوران دونوں جماعتیں ایک مشترک دشمن کے مقابلے میں عارضی طور پر متحد ہو گئی تھیں لیکن جب معاویہ کی بے پناہ سیاسی و فوجی قوت نے تنازعہ کے نتائج کو شک و شبہ سے بالاتر کر دیا تو امام حسنؑ کے طرف داروں کا سیاسی گروہ منتشر ہو گیا اور معاویہ سے ہجوم در ہجوم جا ملا جب کہ مذہبی عیقدت مند اپنے ایمان میں راسخ و پختہ رہے۔ امام حسنؑ کی دست برداری کے فیصلہ سے ان کی حوصلہ شکنی ہوئی لیکن وہ اب بھی ملت کی قیادت کے سلسلے میں اپنے نظریہ و معیار پر قائم رہے۔ انہوں نے اہل بیت رسولؐ کے حریفوں کے مقابلے میں ایک مخالف گروہ کے طور پر اپنی شناخت کو اس وقت بھی نہ کھویا جب خاندان رسالتؐ کی سیاسی حمایت شکستہ ہو چکی تھی اور انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا[73] جسے اکثریت بخوشی یا ناخوشی قبول کر چکی تھی، جیسا کہ درج ذیل سطور میں سامنے آئے گا۔

ایک عرصہ بعد جب اسلامی تاریخ کے ابتدائی واقعات کو باقاعدہ ضبط

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تحریر میں لایا گیا تو سنی و شیعہ دونوں مؤرخین اور راویوں نے امام حسنؑ کے اقدام کو ایک ایسے لائق ستائش کام سے تعبیر کیا جس کے ذریعہ انہوں نے دو متحارب گروپوں کا تصفیہ کرا دیا۔ ان کی دست برداری کے سال کو عام الجماعۃ کے سال سے پہچانا گیا، یعنی امت مسلمہ کا سال اور رسول پاکؐ کی ایک حدیث کے متعلق یہ اطلاع دیتے ہوئے بتایا گیا کہ: "میرا یہ فرزند ایسا سردار (سید) ہے جو مسلمانوں کی دو جماعتوں کو اکٹھا کر دے گا۔"[74] یہ حدیث پہلی صدی کے دوسرے نصف اور دوسری صدی کی ابتد کی ان کوششوں کی عکاسی کرتی ہے جب ایک مرکزی جمعیت (جماعۃ) ایک مبہم صورت حال میں سے ابھر رہی تھی۔ اور اس طرح یہ حدیث اس میلان کی واضح نشان دہی کرتی ہے جس سے یہ مرکزی جماعت وجود میں آ رہی تھی۔ پس شیعوں نے امام حسنؑ کے اقدام کی ان انتہا پسندوں کے مقابلے میں تائید کی جو ان کو دست بردار ہونے کا الزام دے رہے تھے۔ اس کے برعکس سنیوں نے اس توضیح کو اس لئے قبول کر لیا کہ یہ دونوں مخالف گروہوں کے درمیان صلح صفائی کی ضرورت پر پوری اترتی تھی، یعنی حضرت عثمان کی جماعت، جس کا معاویہ ترجمان تھا اور حضرت علیؑ کی جماعت جس کی قیادت ان کے فرزند امام حسنؑ کر رہے تھے۔ بعد میں مرکزی اسلام میں جماعۃ کے لقب سے موسوم ہو گیا (عام طور پر اس کا انگریزی میں راسخ العقیدہ گروہ سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے) اور اس گروہ کو فرقہ وارانہ قرار دے دیا گیا جو اس شیرازہ بندی سے متفق نہ ہوا تھا یا اتفاق نہ کر سکا۔

گو امام حسنؑ نے معاویہ کے حق میں دست بردار ہو کر تنازعہ کے خون ریز فوجی حل کو روک دیا تھا تاہم معاشرہ کی خلیج کو نہ پاٹ سکے۔ در حقیقت ان کی دست برداری بعد میں شیعیت کے ارتقا کے لئے دور رس نتائج کا باعث بنی۔ برائے نام ہی سہی تاہم امام حسنؑ مومنین کے ایک مرکزی گروہ

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اظہار کرتے رہتے تھے۔

امام حسنؑ کی عمر نے مزید وفا نہ کی اور انہیں اپنے حریف سے کہیں پہلے ۴۹ ہجری بمطابق ۶۶۹ء کو شہید کر دیا گیا۔ معاویہ نے امام حسنؑ سے خلافت ۵۸ سال کی عمر میں حاصل کی تھی اور بہ عمر ۷۷ سال ۶۰ ہجری بمطابق ۶۸۰ء میں انتقال کیا' جب کہ امام حسنؑ کی عمر دست برداری کے وقت صرف ۳۸ سال تھی اور وہ ۴۵ یا ۴۶ سال کی عمر میں شہید کر دیئے گئے۔ عمر میں یہ فرق نہایت قابل توجہ ہے' خاص طور پر معاویہ کے ذہن کے اس تناظر میں کہ وہ خلافت کو اپنے خانوادے میں رکھنے کا کتنا خواہش مند تھا اور اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ بات ان شرائط کی وجہ سے ممکن نہ تھی جن کی بنیاد پر امام حسنؑ خلافت سے دست بردار ہوئے تھے اور نہ امام حسنؑ اور اپنی عمر میں اتنا زیادہ فرق سامنے رکھتے ہوئے معاویہ یہ توقع ہی کر سکتا تھا کہ امام حسنؑ اس سے پہلے وفات پا جائیں گے۔ لہٰذا اپنا منصوبہ مکمل کرنے اور اپنی آرزو پوری کرنے کے لیے معاویہ کے لئے امام حسنؑ کو راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔ ہمارے مورخین اور راویوں میں سے سنی و شیعہ دونوں کی اکثریت ناقل ہے کہ امام حسنؑ کی موت کا باعث وہ زہر تھا جو ان کی ایک بیوی نے ان کو دیا تھا' جس کا نام جعدہ بنت اشعث تھا۔[78] معاویہ کے متعلق روایات ہیں کہ اس نے ایک بڑی رقم کے وعدہ اور اپنے بیٹے یزید سے شادی کر دینے کا وعدہ کر کے جعدہ کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ جب جعدہ نے یہ کام کر لیا تو معاویہ نے اسے وہ رقم تو ادا کر دی مگر یہ کہہ کر یزید سے اس کی شادی کرنے سے انکار کر دیا کہ اسے اپنے بیٹے کی جان عزیز ہے (یعنی تو کہیں اسے بھی زہر نہ دے دے)۔[79] زبردست تاریخی شہادت موجود ہے کہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کرنے کی خواہش کی تکمیل جو اس نے امام حسنؑ کی شہادت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تحریر میں لایا گیا تو سنی و شیعہ دونوں مؤرخین اور راویوں نے امام حسنؑ کے اقدام کو ایک ایسے لائق ستائش کام سے تعبیر کیا جس کے ذریعہ انہوں نے دو متحارب گروپوں کا تصفیہ کرا دیا۔ ان کی دست برداری کے سال کو عام الجماعۃ کے سال سے پہچانا گیا، یعنی امت مسلمہ کا سال اور رسول پاکؐ کی ایک حدیث کے متعلق یہ اطلاع دیتے ہوئے بتایا گیا کہ: "میرا یہ فرزند ایسا سردار (سید) ہے جو مسلمانوں کی دو جماعتوں کو اکٹھا کر دے گا۔"[74] یہ حدیث پہلی صدی کے دوسرے نصف اور دوسری صدی کی ابتد کی ان کوششوں کی عکاسی کرتی ہے جب ایک مرکزی جمعیت (جماعۃ) ایک مبہم صورت حال میں سے ابھر رہی تھی۔ اور اس طرح یہ حدیث اس میلان کی واضح نشان دہی کرتی ہے جس سے یہ مرکزی جماعت وجود میں آ رہی تھی۔ پس شیعوں نے امام حسنؑ کے اقدام کی ان انتہا پسندوں کے مقابلے میں تائید کی جو ان کو دست بردار ہونے کا الزام دے رہے تھے۔ اس کے برعکس سینوں نے اس توضیح کو اس لئے قبول کر لیا کہ یہ دونوں مخالف گروہوں کے درمیان صلح صفائی کی ضرورت پر پوری اترتی تھی، یعنی حضرت عثمان کی جماعت، جس کا معاویہ ترجمان تھا اور حضرت علیؑ کی جماعت جس کی قیادت ان کے فرزند امام حسنؑ کر رہے تھے۔ بعد میں مرکزی اسلام میں جماعۃ کے لقب سے موسوم ہو گیا (عام طور پر اس کا انگریزی میں راسخ العقیدہ گروہ سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے) اور اس گروہ کو فرقہ وارانہ قرار دے دیا گیا جو اس شیرازہ بندی سے متفق نہ ہوا تھا یا اتفاق نہ کر سکا۔

گو امام حسنؑ نے معاویہ کے حق میں دست بردار ہو کر تنازعہ کے خون ریز فوجی حل کو روک دیا تھا تاہم معاشرہ کی خلیج کو نہ پاٹ سکے۔ در حقیقت ان کی دست برداری بعد میں شیعیت کے ارتقا کے لئے دور رس نتائج کا باعث بنی۔ برائے نام ہی سہی تاہم امام حسنؑ مومنین کے ایک مرکزی گروہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے سربراہ چلے آ رہے تھے۔ لیکن اب واقعات و حالات کسی قدر مخالف سمت اختیار کر رہے تھے اور عثمانی گروہ معاویہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا مرکزی گروہ بن چکا تھا جب کہ شیعان حضرت علیؑ ایک چھوٹی سی حزب اختلاف کی حیثیت میں محدود ہو چکے تھے جو اس طرح ایک فرقہ کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ تاہم اس حزب اختلاف کے نقیب امام حسنؑ نہ تھے بلکہ حجر بن عدی الکندی اور ان کی جماعت تھی۔ کوفہ کے راسخ العقیدہ شیعوں کی ایک بڑی تعداد ان کی طرف دار تھی۔ لہٰذا معاویہ کے خلاف احتجاج کو انہوں نے کبھی ترک نہ کیا اور بنی امیہ کے منبروں سے حضرت علی مرتضیٰؑ پر سرکاری طور پر ہونے والے سب و شتم کے خلاف آواز اٹھاتے رہے جس کو معاویہ نے بطور پروپیگنڈہ پالیسی کے اختیار کر رکھا تھا۔

امام حسنؑ کی دست برداری ۴۱ھ بمطابق ۶۶۰ء میں اور ان کی رحلت ۴۹ھ بمطابق ۶۶۹ء کے درمیان نو برس کا عرصہ ایسا تھا جس میں شیعہ جذبات و رجحانات ایسی حالت سے گزر رہے تھے جیسے کوئی سلگتی ہوئی چنگاری یا ایک زیر زمین آگ جس کی بظاہر کوئی نمایاں تپش دکھائی نہ دے رہی ہو۔ شیعہ نصب العین کے ارتقا کے لئے اس دور کا تاریخی جائزہ بہت مشکل ہے کیوں کہ ہمارے تمام مورخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ اس کے باوجود یہ دور خانوادہ رسالتؐ کی حمایت میں اور معاویہ کے خلاف جگہ جگہ سے وقتاً فوقتاً اٹھائی جانے والی آوازوں سے خالی نہیں پایا جاتا۔ مختلف اوقات میں ایسے افراد یا چھوٹی چھوٹی جماعتیں نظر آتی ہیں جو زیادہ تر کوفہ سے تعلق رکھتی تھیں اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے مل کر ان کو حکومت کے خلاف قیام کرنے کی دعوت دیتی رہتی تھیں جو ایسی درخواست تھی جس پر دونوں امامؑ عمل کرنے سے انکار کرتے رہتے تھے۔[75] اس دور میں شیعوں کا سکوت دو وجوہات سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خالی نہیں۔ اول تو وہ سخت گرفت تھی جو معاویہ نے اپنی تربیت یافتہ اور وفادار، شامی فوجوں کی مدد سے تمام سلطنت پر قائم کر رکھی تھی اور جو اتنی شدید تھی کہ کوئی بھی سر اٹھا نہیں سکتا تھا۔ دوسرے شیعہ تحریک ابھی اتنی منظم نہ تھی کہ اتنی زبردست طاقت کے سامنے کوئی قدم اٹھا سکتی لیکن یہ تحریک اپنے قدرتی ارتقاء کی منازل سے ضرور گزر رہی تھی تاآں کہ وسیع حمایت کو وجود میں لا سکے اور خود کو عمل میں ڈھال سکے۔ تاہم معاویہ کوفہ کی آبادی کے بعض حصوں میں شدید شیعہ جذبات سے پوری طرح باخبر تھا اور اس نے ہر قسم کی سازش یا سرکشی کو روکنے کے لئے بہت سے اقدامات کر لئے تھے۔ کوفہ پر قابض ہو کر اس نے بعض ایسے قبائل کو جو خاندان علویہ کے عقیدت مند تھے، شہر سے کہیں اور منتقل کر دیا اور ان کی جگہ شام، بصرہ اور الجزیرہ سے ایسے قبائل آباد کر دیئے جو اس کے وفادار تھے۔[76]

خلافت سے دست برداری کے بعد امام حسنؑ نے کوفہ سے رخصت ہو کر مدینہ میں سکونت اختیار کر لی اور سیاست سے بالکل کنارہ کش، خاموش و بے تعلق زندگی گزارنے لگے۔ ان کا رویہ اس بات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ واپس مدینہ سفر کرتے ہوئے القادسیہ کے مقام پر انہیں معاویہ کا ایک خط ملا جس میں ایک خارجی بغاوت کے خلاف فوج کشی میں حصہ لینے کے لئے ان سے درخواست کی گئی تھی، جو حال ہی میں رونما ہوئی تھی۔ امام حسنؑ نے جواب دیا کہ انہوں نے معاویہ کے خلاف جنگ صرف اس لئے بند کی ہے کہ لوگوں کو امن نصیب ہو۔ لہٰذا وہ اس کی طرف داری میں کسی قسم کی مہم میں حصہ نہ لیں گے[77] انہوں نے معاویہ کے لئے اپنا کنارہ کش اور غیر مزاحم رویہ اس وقت بھی برقرار رکھا جب وہ وقتاً فوقتاً آنے والے شیعوں کو صبر کی تلقین کرتے تھے اور جو بنی امیہ کی حکمرانی کے خلاف اپنے تلخ و ترش جذبات کا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اظہار کرتے رہتے تھے۔

امام حسنؑ کی عمر نے مزید وفا نہ کی اور انہیں اپنے حریف سے کہیں پہلے ۴۹ ہجری بمطابق ۶۶۹ء کو شہید کر دیا گیا۔ معاویہ نے امام حسنؑ سے خلافت ۵۸ سال کی عمر میں حاصل کی تھی اور بہ عمر ۷۷ سال ۶۰ ہجری بمطابق ۶۸۰ء میں انتقال کیا' جب کہ امام حسنؑ کی عمر دست برداری کے وقت صرف ۳۸ سال تھی اور وہ ۴۵ یا ۴۶ سال کی عمر میں شہید کر دیئے گئے۔ عمر میں یہ فرق نہایت قابل توجہ ہے' خاص طور پر معاویہ کے ذہن کے اس تناظر میں کہ وہ خلافت کو اپنے خانوادے میں رکھنے کا کتنا خواہش مند تھا اور اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ بات ان شرائط کی وجہ سے ممکن نہ تھی جن کی بنیاد پر امام حسنؑ خلافت سے دست بردار ہوئے تھے اور نہ امام حسنؑ اور اپنی عمر میں اتنا زیادہ فرق سامنے رکھتے ہوئے معاویہ یہ توقع ہی کر سکتا تھا کہ امام حسنؑ اس سے پہلے وفات پا جائیں گے۔ لٰہذا اپنا منصوبہ مکمل کرنے اور اپنی آرزو پوری کرنے کے لئے معاویہ کے لئے امام حسنؑ کو راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔ ہمارے مورخین اور راویوں میں سے سنی و شیعہ دونوں کی اکثریت ناقل ہے کہ امام حسنؑ کی موت کا باعث وہ زہر تھا جو ان کی ایک بیوی نے ان کو دیا تھا' جس کا نام جعدہ بنت اشعث تھا۔[78] معاویہ کے متعلق روایات ہیں کہ اس نے ایک بڑی رقم کے وعدہ اور اپنے بیٹے یزید سے شادی کر دینے کا وعدہ کر کے جعدہ کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ جب جعدہ نے یہ کام کر لیا تو معاویہ نے اسے وہ رقم تو ادا کر دی مگر یہ کہہ کر یزید سے اس کی شادی کرنے سے انکار کر دیا کہ اسے اپنے بیٹے کی جان عزیز ہے (یعنی تو کہیں اسے بھی زہر نہ دے دے)۔[79] زبردست تاریخی شہادت موجود ہے کہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کرنے کی خواہش کی تکمیل جو اس نے امام حسنؑ کی شہادت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے فوراً بعد کی' اس امر کی گواہ ہے کہ معاویہ یقیناً زہر خورانی کا محرک تھا۔ چاہے یہ حقیقت بالکل واضح طور پر پایہ ثبوت کو نہ بھی پہنچ سکے پھر بھی یہ واقعہ کہ امام حسنؑ کی شہادت زہر سے واقع ہوئی ہے' جو ان کی بیوی جعدہ نے ان کو دیا تھا' کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ایک تاریخی حقیقت ہے۔ امام حسنؑ کے خود اپنے بیان کے مطابق یہ تیسرا موقع تھا کہ ان کو زہر دیا گیا اور اس مرتبہ یہ مہلک ثابت ہوا۔ ہمارے ذرائع تاریخ بتاتے ہیں کہ امام حسنؑ کی شہادت کی اطلاع ملتے ہی معاویہ اپنے احساس اطمینان' بلکہ مسرت کو پوشیدہ نہ رکھ سکا اس نے ابن عباس پر طنز آمیز جملے کسے[80] اور ایک دوسری حقیقت جس کو مورخین متفقہ طور پر نقل کرتے ہیں' یہ ہے کہ امام حسنؑ کی شہادت کے فوراً بعد معاویہ نے یزید کو اپنا جانشین نامزد کرنے کے اقدامات شروع کر دیئے'[81] جیسا کہ آپ درج ذیل تحریر میں ملاحظہ کریں گے۔

ادھر معاویہ نے امام حسنؑ کی شہادت کے موقع پر خلافت کے لئے اپنے بیٹے یزید کی نامزدگی حاصل کرنے کے منصوبہ کو آگے بڑھانا چاہا' ادھر شیعان کوفہ نے خانوادہ علوی کی طرف خلافت کو لوٹانے کی ایک اور کوشش کرنے کے لئے اس موقع کو مناسب سمجھا۔ جونہی شیعان کوفہ نے امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سنی انہوں نے سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں ایک جلسہ مشاورت کیا اور امام حسین ابن علیؑ کو ایک طویل خط لکھا۔ اس خط میں وصی رسولؐ کے فرزند' دختر پیغمبرؐ کے لخت جگر اور شمع ہدایت کے انتقال پر ملال پر افسوس کرنے اور تعزیت کرنے کے بعد انہوں نے معاویہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لئے امام حسینؑ کو آمادہ کرنا چاہا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اس مقصد میں اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ لیکن امام حسینؑ نے معاویہ کے ساتھ اپنے بھائی کے کئے ہوئے معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے یہ دعوت قبول

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرنے سے انکار کیا اور تحریک چلانے سے اجتناب کرنے کا مشورہ دیا' نیز جب تک معاویہ زندہ ہے انہیں اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہنے کو کہا۔[82]

البتہ شیعوں میں وہ افراد جو بہت زیادہ پرجوش تھے' وہ زیادہ دیر تک لاتعلق نہ رہ سکے۔ حجر بن عدی الکندی اور ان کے ساتھی جنھوں نے کبھی شیعہ نصب العین کو ترک نہ کیا تھا' اب کھل کر معاویہ اور اس کے گورنر زیاد بن ابی سفیان کے سامنے آ گئے۔ جو کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کے ۵۱ھ بمطابق ۶۷۱ء میں انتقال کے بعد سے کوفہ اور بصرہ دونوں علاقوں پر حکومت کر رہا تھا۔ تمام ابتدائی مورخین نے اس بغاوت کو بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے اور اس دور میں دوبارہ اٹھنے والی اس تحریک میں شدید شیعہ جذبات کو نقل کیا ہے اگرچہ یہ تحریک کسی خاص فوجی اہمیت یا نتائج کی حامل نہ تھی۔ لیکن یہ امر کہ بہت سے اولین مورخین نے حجر پر طویل ابواب قلم بند کئے ہیں'[83] اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کے انقلابی واقعات میں کم اہم تاثیر نہ رکھتا تھا۔

تاریخ کے طلب علم باخبر ہیں کہ خوش عقیدہ شیعہ نہ صرف حضرت علی مرتضیٰؑ پر سب و شتم کے خلاف مسلسل احتجاج کر رہے تھے' بلکہ معاویہ کی حکومت کے خلاف بھی آواز اٹھا رہے تھے' جس کو وہ خاندان علوی کے حق خلافت کا غاصب گردانتے تھے۔ ان کا نعرہ تھا کہ "خلافت جائز و حلال ہی نہیں ہے سوائے خاندان ابو تراب کے۔"[84] زیاد تو بصرہ میں تھا اور کوفہ میں اس کا نائب عمرو بن حریث عامل تھا۔ ان دنوں یہ شیعہ حضرات اکثر مسجد کوفہ جاتے معاویہ اور زیاد کو اعلانیہ برا بھلا کہتے۔ ایک مرتبہ نماز جمعہ کے وعظ کے دوران زیاد نے جب ان کو اس کھلی بغاوت کے نتائج سے متنبہ کرنے کی کوشش کی تو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انہوں نے اس پر سنگ باری کی' یہاں تک کہ اسے دارالامارہ میں بھاگ کر پناہ لینا پڑی۔[85] ان افراد کی تعداد کا اندازہ جو شیعہ موقف میں اپنی حمایت کا اظہار کرتے تھے' اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مسجد کوفہ کے نصف پر قابض ہوا کرتے تھے۔[86] یاد رہے کہ مسجد کوفہ میں چالیس ہزار کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

اپنے نائب کے ذریعہ اس پریشان کن صورت حال سے باخبر ہونے کے بعد زیاد تیزی سے کوفہ پہنچا۔ گورنر نے سب سے پہلے بعض ایسے یمنی قبائلی سرداروں کو' جو شیعہ میلانات رکھتے تھے' حجر بن عدی کے پاس بھیجا جن سرداروں کے ساتھ وہ عارضی تصفیہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ اس خطرناک راہ سے حجر کو ڈرائیں جس پر وہ چل رہا تھا۔ ذرائع تاریخ اس بات کی پوری شہادت دیتے ہیں کہ جب سے (۵۱ھ بمطابق ۶۷۱ء) زیاد نے کوفہ کی گورنری سنبھالی تھی اس نے حجر کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی تھی۔ زیاد اپنی انتظامی کونسل میں انہیں ایک عہدہ کی پہلے ہی پیش کش کر چکا تھا اور قبیلہ بنی کندہ میں ان کی منزلت اور زیادہ بلند کرنے پر بھی رضامند تھا۔ تاہم موخر الذکر کا انداز فکر تبدیل کرنے میں زیاد کا کوئی بھی حربہ کامیاب نہ ہوا۔ اگر اس مسئلہ کو کسی بھی حیثیت میں سیاسی نوعیت کا حامل قرار دیا جائے تو پھر بھی یہ کہا جائے گا کہ تقریباً تمام سیاسی مراعات اور مادی فوائد حجر کو مطمئن کرنے کے لئے گورنر کی طرف سے پہلے ہی پیش کئے جا چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ حجر کا ان تمام مراعات کو قبول کرنے سے انکار کرنا جو گورنر اس کو نہایت فیاضی سے دے رہا تھا' اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حجر کو کسی ذاتی قوت و اقتدار کی خواہش میں الجھانے میں ہر ممکن طور پر ناکام ہو چکی تھیں۔ وہ اس لالچ سے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے ماورا ہی ہو چکے تھے' یہاں تک کہ اگر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ امام حسینؑ کو خلیفہ بنا کر شیعوں کو برسر اقتدار لانے میں کامیاب ہو بھی جائے پھر بھی ان کی حیثیت اس منزلت سے ہرگز آگے نہ بڑھتی جو ان کو حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے دور میں حاصل تھی۔ اس قسم کے ذاتی فوائد ان کو پہلے ہی زیاد کی طرف سے پیش کئے جا چکے تھے لیکن وہ ان تمام رعایات کو مکمل طور پر ٹھکرا چکے تھے۔ سب کچھ چھان پھٹکنے کے بعد ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حجر کا واحد جذبہ اہل بیت اطہارؑ کی قیادت میں ان کا مذہبی اعتقاد اور ناقابل تزلزل ایمان تھا۔ وہ تمام قبائلی سردار جن میں سے بعض تو حجر کے دیرینہ دوست تھے، جن کو صلح صفائی اور تصفیہ کرانے کے لئے بھیجا گیا تھا، اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکے تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے گورنر کو مشورہ دیا کہ وہ حجر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ [87] یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ان سب کی نظر میں حجر کی کتنی زبردست عزت و وقعت اور خاص ادب و احترام تھا۔ قبائلی سرداروں سے کسی اقتدار کے بھوکے اور سیاسی لالچ کے مارے خود غرض اور مفسدہ پرداز انسان کی حمایت و دفاع کی توقع کرنا عبث تھا، (یعنی حجر ایسے نہ تھے) جو ان کی اپنی سرداری یا قیادت کو گھٹائے یا ان سے مبارزہ کرے۔ وہ تو اس کے برعکس ایک ایسے آدمی کی عزت و حمایت کرنا چاہتے تھے جس کے شدید مذہبی اعتقادات ان کے اپنے خیالات سے مطابقت رکھتے ہوں اور جو اپنے اصولوں کی پاس داری میں بہت زیادہ اخلاقی جرات رکھتا ہو۔

زیاد نے حجر کے لئے ان کی وضاحتیں قبول کرنے سے ہر طرح انکار کر دیا اور ان کو گرفتار کرنے کے لئے اپنی پولیس بھیجی، لیکن حجر کے مستعد طرف دار اتنی تعداد میں تھے کہ ان کو مار بھگایا۔ صورت حال کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے زیاد نے فوراً زعما و عمائدین کو طلب کیا، خاص طور پر ان سرداروں کو جو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یمنی قبائل سے متعلق تھے' اور ان سے یوں خطاب کیا کہ آپ ہی کے لوگ ہیں جو حجر کی مدد کر رہے ہیں اور اگر ان لوگوں نے حجر کی مدد ترک نہ کی تو میں پھر مکمل انسداد کے لئے شامی فوجوں کی مدد طلب کر لوں گا۔ مختلف کتب تاریخ میں زیاد کے خطاب کا ایک جملہ دیا گیا ہے جو کوفہ کے ان قبائلی سرداروں کے کردار و انداز فکر کی پوری وضاحت کرتا ہے۔ طبری کے بقول ابن زیاد نے کہا: "تمہارے جسم میرے ساتھ ہیں مگر تمہاری محبتیں اور جذبات حجر کے ساتھ ہیں۔"[88] ابو الفرج تو ایک مکمل متن نقل کرتا ہے۔ جو اس طرح ہے: "تمہارے جسم میرے ہمراہ ہیں مگر تمہارے جذبات اس احمق انسان کے ساتھ ہیں جو مکھیوں سے گھرا ہوا ہے (یعنی لوگوں سے جو مکھیوں کی طرح کسی چیز کے گرد جمع ہو جائیں)۔ تم تو میرے ساتھ ہو مگر تمہارے بھائی' تمہارے بیٹے اور تمہارے ہم قبیلہ حجر کے ساتھ ہیں۔"[89] اپنے مراتب کے زوال کے خوف سے کوفہ کے ان سرداروں نے ایک مرتبہ پھر اپنی مخصوص کمزوری کا مظاہرہ کیا اور اپنے قبیلے والوں کو ترغیب دی کہ شامی فوجوں سے ٹکر نہ لیں۔ لیکن ایک خاصہ بڑا گروہ حجر کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوا جب کہ ان افراد کی اکثریت' جو حجر کے حلقہ بگوش تھے' بالآخر ان کے ساتھ چھوڑ گئی۔ البتہ ان کی وفادار جماعت نے ان کی گرفتاری کی مزاحمت کی۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے زیاد کو فوجی طاقت استعمال کرنا پڑی جس کے لئے اس نے کوفہ میں مقیم یمنی دستوں سے فوجی جوانوں کا انتخاب کیا۔

تاہم پھر بھی کام اتنا آسان نہ تھا' نہ صرف اس وجہ سے کہ حجر اپنے ذاتی وقار و احترام اور بہت بڑی حمایت کی وجہ سے کوفہ کے عوام میں ہر دل عزیز تھے بلکہ قبائلی آویزش کے پیدا ہو جانے کے خوف سے بھی ابن زیاد' جو ایک پیشہ ور سیاست دان تھا' اور بغاوت کو کچلنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا' ان یمنی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قبیلوں تک کو اس مہم میں ملوث کرنے میں کامیاب ہو گیا جو حجر کے اپنے قبیلے کے تھے۔ اس طرح زیاد' نزاری اور یمنی قبیلوں کے درمیان ایک سنگین لڑائی کا خطرہ مول لینے سے محفوظ رہا۔ بڑی مہارت سے اس نے یمنی گروہوں کو ہی آپس میں لڑا دیا اور نبی کندہ کے عام افراد اور عمائدین کو خوف زدہ کر دیا۔ اس نے حجر کے اپنے قبیلے کو ہلاکت اور مال و اسباب کی تباہی کی دھمکی دے کر کہا کہ اگر اس سے بچنا ہے تو وہ حجر کو اس کے حوالے کر دیں۔ اس واقعہ کی ایک تفصیلی روئداد' جسے ابو مخنف نے قلم بند کیا اور جس طرح دوسرے ابتدائی مورخین طبری اور ابوالفرج نے نقل کیا ہے' کئی حیثیتوں سے قابل مطالعہ ہے' یہ ظاہر کرتی ہے کہ کس طرح قبائلی سرداروں کے ذاتی اغراض و مفادات کو ان کو اپنی مذہبی خواہشات سے متصادم کر کے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا اور کس طرح قبائلی رقابت کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا گیا' کس طرح حجر کے طرف داروں پر جبر و اکراہ روا رکھا گیا اور یہ کہ بالآخر زیاد شیعان کوفہ کے ایک نہایت معزز رہنما کو گرفتار کرنے اور کس طرح ایک نہایت مضبوط تحریک کو دبانے میں کامیاب ہوا۔

حجر کے علاوہ تیرہ دیگر سرکردہ شیعہ راہنما بھی گرفتار کر لئے گئے۔[۲۰]

ان چودہ گرفتار شدگان کی قبائلی وابستگیاں اس طرح منقسم کی جا سکتی ہیں: کندہ کے دو افراد' حضرموت سے ایک فرد' بنی عبس سے دو افراد' نبی خثعم سے ایک' بجیلا سے دو افراد' بنی ربیعہ سے ایک' بنی ہمدان سے ایک' بنی تمیم سے تین اور بنی ہوازن سے ایک فرد۔ یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی ضروری ہے کہ ان چودہ میں سے آٹھ مختلف یمنی قبیلوں میں سے تھے۔۔۔ کندا' حضرموت' خثعم' بجیلا اور ہمدان' اور چھ افراد شمال کے نزاری قبائل سے تھے یعنی عبس ربیعہ' تمیم اور ھوازن' یہ اعداد و شمار تحریک کے حدود اربعہ کو صاف ظاہر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کوفہ میں شیعہ جذبات محض یمنیوں تک محدود نہیں تھے۔

زیاد نے ان مقبوضین کو معاویہ کے ہاتھ سے درست کروانے کے لئے شام روانہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ان کے ساتھ ایک فہرست جرائم بھی بھیجی جس پر لوگوں کی باقاعدہ تصدیق بھی موجود تھی۔ لہٰذا اس نے کوفہ کی آبادی کے چار انتظامی حصوں کے چاروں ناظموں کو طلب کیا۔[91] ان چاروں لیڈروں نے حجر کے خلاف الزامات کی درج ذیل ترتیب بیان کی:

۱۔ حجر لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا ہے۔ اعلانیہ خلیفہ کو سخت سست کہتا ہے اور لعنت ملامت کرتا ہے۔

۲۔ وہ امیر کے خلاف جنگ کرنے کے لئے لوگوں کو اکساتا ہے۔

۳۔ اس نے کوفہ میں افراتفری پھیلائی اور خلیفہ کے گورنر کو مار بھگایا۔

۴۔ وہ اس بات کو پھیلاتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے کہ امر خلافت صرف خاندان ابو طالبؑ کا حق ہے اور کسی کا نہیں۔

۵۔ وہ اس بات کی تبلیغ کرتا ہے کہ ابو تراب (علیؑ) ہر قسم کے الزام سے پاک تھے، ان کی تعریف و تحسین کرتا ہے اور لوگوں کو ان سے محبت کرنے اور ان کی عزت کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

۶۔ وہ حضرت علیؑ کے دشمنوں سے اور ان تمام افراد سے جنہوں نے ان کے خلاف جنگ کی، علیحدہ ہو جانے اور بیعت توڑ دینے کی دعوت دیتا ہے۔

۷۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ اس کے عقیدت مندوں کے سردار ہیں اور اسی قسم کی رائے یا نظریات رکھتے ہیں۔[92]

حجر کے خلاف اس دستاویز میں کوفہ کے چار سرداروں کی طرف سے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو الزامات عائد کئے گئے تھے وبلاشبہ درست تھے۔ وہ حجراور ان کے ساتھیوں کے خیالات احساسات اور سرگرمیوں کی پوری عکاسی کرتے تھے۔ یہ دستاویز جو بغیر کسی تحریف یا مفہوم کو چھپانے کی کسی کوشش کے اب تک محفوظ نظر آتی ہے، حجر کے دور میں شیعہ مذہبی نقطہ نظر، ان کے احساسات مذہبی خواہشات، علی مرتضیٰؑ اور ان کے خاندان سے ان کی محبت اور معاویہ سے بطور غاصب ان کی ناراضگی و خفگی کی ہمارے سامنے پوری تصویر کشی کرتی ہے۔

زیاد اس دستاویز سے ہرگز مطمئن نہ تھا۔ اس کی واضح وجہ جو مؤرخین نے قلم بند کی ہے اہم ترین صورت حال کی حقیقت پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔ زیاد نے اس دستاویز کا معائنہ کرنے کے بعد خود کہا:

> "میں نہیں سمجھتا کہ یہ فرد جرم مکمل ہے۔ میں اس پر مزید گواہوں کی تصدیق چاہتا ہوں، بہ نسبت ان چار سرداروں کی گواہی کے۔"[33]

جو الزامات اصلی فرد جرم میں لگائے گئے تھے وہ حجر کے شیعہ موقف اور خانوادہ علی مرتضیٰؑ سے محبت کی خاص طور پر نشان دہی کرتے تھے۔ زیاد کا خیال تھا کہ وہ یمنی جن کی اس دستاویز پر گواہی کو خاص طور پر درج کروانا چاہتا تھا، زیادہ تعداد میں ایسا کرنے سے گریز کریں گے جبکہ بنیاد الزامات یہ ہو کہ شیعہ تصورات و افکار حجر کی سرگرمیوں کا محور قرار دیئے جائیں۔ اکثر یمنی شیعہ رجحانات رکھتے تھے، بے شک عملی وابستگی میں کوئی کم تھا کوئی زیادہ۔ مزید برآں زیاد معاویہ کو سرکاری طور پر یہ بتانے سے پس و پیش کر رہا تھا کہ کوفہ میں شیعہ احساسات و سرگرمیاں شدید اور اعلانیہ طور پر موجود تھیں، حالانکہ وہ اس صوبہ کا گورنر تھا۔ دراصل یہ بات اس کے لئے ایک خاص وقار و استحقاق کا باعث تھی کہ وہ بیک وقت کوفہ و بصرہ کا گورنر تھا جو ایسا مقام تھا جو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔

اس صورت حال کے پیش نظر ایک اور فرد جرم تیار کی گئی جس میں مندرجہ ذیل الزامات عائد کئے گئے:

۱۔ حجر بن عدی نے خلیفہ سے اپنی بیعت توڑ دی ہے۔

۲۔ اس نے معاشرہ میں فرقہ بندی پیدا کی ہے۔

۳۔ وہ خلیفہ پر لعنت کرتا ہے۔

۴۔ وہ حکومت کے خلاف خروج کی دعوت دیتا ہے اور اس نے لوگوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔

۵۔ وہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کرتا اور ان کو امیر کی بیعت توڑنے اور اسے خلافت سے ہٹانے پر اکساتا ہے۔

۶۔ وہ ملحد ہو چکا ہے (اللہ پر ایمان نہیں رکھتا)۔[۳۵]

دونوں دستاویزات میں فرق کافی واضح ہے۔ پہلی دستاویز میں بیان کردہ الزامات کا مرکز حجر کی سرگرمیاں اور شیعہ موقف کی حمایت میں کھلم کھلا اعلان جنگ ہے جبکہ دوسری دستاویز حکومت کے خلاف بغاوت اور معاویہ کے اقتدار کی مخالفت پر زور دیتی ہے۔ یہ شیعہ تحریک کا کوئی حوالہ نہیں دیتی۔ پہلی دستاویز حجر کی علی مرتضیٰؑ کے لئے غیر متزلزل محبت کو اور مذہبی بنیاد پر ان کے خاندان کے ساتھ اس کی عقیدت کو نمایاں طور پر پیش کرتی ہے اور دوسری دستاویز اس الزام کی جگہ حجر پر ایک نیا الزام لگاتی ہے کہ وہ خدا پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر کی قائم کردہ مثال کی روشنی میں سزائے موت کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے وہ تمام تاریخی شبہات جو ہمارے پاس موجود ہے اس شک کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی کہ الزامات جو پہلی فرد جرم میں لگائے گئے وہی درست تھے۔ جبکہ دوسری فرد جرم ایک خیال ثانی تھی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور دوسری فرد جرم اوپر بیان کی گئی وجوہات کی روشنی میں من گھڑت اور خود ساختہ لگتی ہے۔ یہ بات اس اطلاع کی وضاحت کردیتی ہے کہ معاویہ فرد جرم کو تسلیم کرنے میں مذبذب تھا اور حجر کے خلاف سخت اقدام کرنے میں پس و پیش کررہا تھا مزید برآں آئندہ ثابت ہوگا کہ معاویہ کی عائد کردہ واحد شرط جس کی بجاآوری سے شیعہ قائدین اپنی جانیں بچا سکتے تھے' یہ تھی کہ وہ حضرت علیؑ پر سب و شتم اور لعنت کریں۔ یہ بات مزید ثابت کرتی ہے کہ ان کا سب سے بڑا جرم شیعہ موقف سے موافقت رکھنا تھا' خلیفہ کے خلاف جرائم کا ذکر نہ تھے جیسا کہ دوسری فرد جرم میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ حجر کوفہ والوں کی نظر میں بلاشک و شبہ ایک راسخ العقیدہ شیعہ لیڈر تھے اور نہایت مقدس و پارسا مسلمان بھی شمار کئے جاتے تھے۔ اس حقیقت کو ان افراد کی شہادت بھی حاصل ہے جو ان کے نظریات میں شریک نہ تھے۔ قاضی شریح بن حارث نے معاویہ کو لکھا:

> "میں گواہی دیتا ہوں کہ حجر ایک متقی مسلمان ہے' پابند صلوٰۃ ہے' خیرات و زکوٰۃ دیتا ہے ماہ رمضان میں روزہ رکھتا ہے اور ہمیشہ حج و عمرہ بجا لاتا ہے لہٰذا وہ یقیناً اسلام میں ایک بلند مقام رکھتا ہے۔"[۵۵]

اس کے باوجود زیاد نے اس فرد جرم کی صداقت کی تصدیق کے لئے لوگوں کو بلایا۔ ستر افراد نے' جن میں سے پینتالیس کے نام خاص طور پر مرقوم ہیں' اس دستاویز پر دستخط کئے[۵۶] جبکہ ان دستخطوں میں سے بعض جعلی بھی تھے' جیسا کہ ان ناموں کو رقم کرنے والے مورخین عام طور پر لکھتے ہیں۔ قاضی شریح نے ایک خط میں معاویہ سے احتجاج کیا کہ اس نے اس دستاویز پر دستخط نہیں کئے اور یہ کہ اس کا نام اس کے علم کے بغیر اس فہرست میں شامل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا گیا ہے۔ بعض دیگر اصحاب نے بھی دستخطوں پر بعد میں معافی مانگی جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ زیاد نے ان پر دباؤ ڈالا تھا کہ وہ الزامات کی توثیق کریں۔ [۲۳]

جب یہ گرفتار شدگان معاویہ کے پاس پہنچے تو مختلف قبائل کی طرف سے اس پر سخت دباؤ ڈالا گیا کہ ان کے متعلقہ ہم قبیلہ افراد کو رہا کیا جائے۔ ان چودہ افراد میں سے سات کو ان کے رشتہ داروں کے دباؤ و اثر و رسوخ کی بنا پر رہا کر دیا گیا۔ حجر اور دوسرے دیگر چھ افراد کو جان بچانے کا موقع اس شرط پر دیا گیا کہ وہ عوام کے سامنے علی الاعلان حضرت علیؑ کو برا بھلا کہیں اور ان پر لعنت کریں۔ معاویہ کے جلادوں نے ان کو صاف الفاظ میں بتایا:

> "ہم کو حکم ہے کہ تم کو جان بچانے کا ایک موقع دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ تم حضرت علیؑ کو برا بھلا کہو اور ان پر لعنت کرو۔ اگر تم ایسا کرنے سے انکار کرو گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔"

حجر اور ان کے چھ ساتھیوں نے بڑے استحکام و استقلال کے ساتھ جواب دیا:

> "قسم بخدا ہم ایسا ہرگز نہ کریں گے۔"

اس پر ان کے سر قلم کر دیئے گئے۔ [۲۵]

ان افراد کا حضرت علیؑ کی تنقیص کرنے کی بجائے اپنی جانوں کی قربانی دینا ایک ایسا معاملہ ہے جسے حقیر و خفیف نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کے معنی سیاسی مفادات کی سطح سے کہیں عمیق تر ہیں۔ تاریخ مذاہب ایسے بہت سے افراد کے ذکر سے بھری پڑی ہے جنھوں نے موت قبول کر لی لیکن اپنے دین و ایمان کو بیچنا گوارا نہیں کیا۔ تاریخ انسانیت محض سیاسی و معاشی اصطلاحات کے حوالے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے واضح نہیں کی جا سکتی۔ تاریخ کو محض مادی و منفعتی حوالوں سے دیکھنا جدید تاریخ نگاری کا ایک بلاشبہ قابل افسوس پہلو ہے۔ اس کے برعکس مذہبی شعور کو کسی ایک صورت حال میں ماننا اور دوسری میں انکار کر دینا' چاہے حالات بالکل یکساں ہی کیوں نہ ہوں' تعصب و تنگ نظری کی یکساں طور پر قابل ملامت مثال ہے۔ بے شک انسانی معاشرہ میں اکثر عوامی تحریکیں سیاسی و معاشی عوامل کے ماتحت اٹھیں اور چلی ہیں' لیکن ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جہاں انسانی ضمیر ان افکار و اغراض سے کہیں ارفع و اعلیٰ پایا گیا ہے۔ حجر بن عدی الکندی یقیناً ایسی ہی ایک مثال ہیں۔ نہ صرف ان کو اپنی زندگی بچانے کا موقع دیا گیا بلکہ زیاد کی طرف سے ان کو سیاسی اقتدار اور معاشی فوائد کی پیش کش بھی ہوئی۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ان کے لئے حضرت علیؑ کو برا کہہ کر اور ان پر لعنت کر کے یہ چیزیں حاصل کرنا دین و ایمان پر لعنت کرنے کے مترادف تھا۔ اس واقعہ کی سیاسی نتیجہ خیزی یا مفہوم تو ہو سکتا ہے مگر اس طرح کہ جیسے سیاسی اغراض و مقاصد مذہبی منازل کی ضمنیات ہوتے ہیں۔ پس حجر کا تعلق خاطر کہ کون خلیفہ ہو' کوئی سیاسی یا معاشی سوال نہ تھا' بلکہ وہ یہ ایمان رکھتے تھے اور اس کے لئے نذرانہ جان پیش کرنے کو تیار تھے جیسا کہ انہوں نے کر کے بھی دکھایا کہ جو مخصوص اوصاف خداوند تعالیٰ نے خاندان رسالتؑ کو عطا کئے تھے' وہ مخلوق کی حکم رانی کے لئے انتہائی موزوں و مناسب تھے۔

پس حجر اور ان کے رفقا کو ان اولین شیعوں کا نمائندہ و ترجمان تصور کرنا لازم ہے جنہوں نے وصال پیغمبرؐ کے فوراً بعد علی مرتضیٰؑ کے حق میں اپنی مذہبی رائے کا اظہار کیا اور وہ ان ترقی پذیر تحریک کے ارتقا کے پیش رو تھے جو جلد ہی مسلم معاشرہ کے ایک مکمل شعبہ کے طور پر نکھر کر سامنے آنے والی تھی۔ حجر ایک ممتاز صحابی رسول پاکؐ تھے' جن کی عزت ان کے تقویٰ اور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مذہبی اعمال کے ساتھ عقیدت رکھنے کے باعث ہر شخص کرتا تھا' حالانکہ وہ علی مرتضیٰؑ کے ایک بڑے طرف دار تھے۔ ان کے اندوہناک انجام نے تمام بلاد مقدس میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑا دی۔ حتیٰ کہ بیوہ رسولؐ بی بی عائشہؓ اور عبد اللہ ابن عمرؓ تک نے اس قتل پر زبردست احتجاج کیا۔[99] یہ بات جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ حجر کے المیہ نے شیعوں کے لئے مبحث شہادت کی بنیاد رکھی اور ان کی شہادت پر بے شمار رثائی نظموں میں آنسو بہائے گئے۔ یہ وہ نظمیں ہیں جو شیعہ اسلام کے قیمتی ادب میں ارتقا پذیر ہوئیں۔ لازمی و قدرتی امر تھا کہ اس المیہ سے کوفی سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ ان کے جذبات میں اس آفت و مصیبت کے شدید احساس نے ہل چل مچا دی اور شدید رد عمل پیدا کیا۔ انہوں نے مدینہ میں امام حسینؑ کے پاس ایک وفد بھیجا اور معاویہ کے خلاف مسلح بغاوت کی قیادت کرنے کے لئے زور دیا۔ امامؑ نے اس درخواست کو پہلے کی طرح رد کر دیا۔[100] معاویہ امام حسینؑ کے ساتھ اس سلسلہ جنبانی سے بے خبر نہ تھا۔ وہ ان سرگرمیوں سے چوکنا اور پریشان ہو چکا تھا' خاص طور پر جب اسے مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم سے ایک خط وصول ہوا جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو وفد کوفہ سے بھیجا گیا تھا وہ مدینہ میں ٹھہرا ہوا ہے اور امام حسینؑ سے ملاقاتیں کر رہا تھا۔ خلیفہ نے امام حسینؑ کو ایک تہدیدی خط لکھا' لیکن موخرالذکر نے موجودہ صورت حال پر اپنے جواب میں اسی لاتعلقی کا رویہ اختیار کیا اور معاویہ کو یقین دلایا کہ وہ اپنے بھائی کے کئے ہوئے معاہدہ کو برقرار رکھیں گے۔[101]

سوائے حجر کی مخالفت و بغاوت کے' جو سخت اقدامات سے دبا دی گئی تھی' امام حسنؑ کی شہادت اور معاویہ کی موت کے درمیان کا عرصہ شیعہ تحریک کی تاریخ میں ایک خاموش دور پایا جاتا ہے۔ مختلف کتب تاریخ سے جو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک عام تاثر ہمیں ملتا ہے وہ دونوں طرف خوف و احتیاط کی فضا کی خبر دیتا ہے۔ کسی ممکن شیعہ قیام کے امکانات سے متعلق معاویہ کا خائف و مشوش رویہ حجر کے خلاف انتہائی اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کی محدود مگر نہایت سنگین بغاوت اس کا اظہار کرتی ہے۔ یہ حقیقت کہ معاویہ' جو اپنی مطلب برآری کے لئے نہایت تیز و طرار سیاسی جوڑ توڑ کے لئے مانا جاتا تھا حجر کے خلاف اتنے شدید اقدامات سے پیش آیا' شیعہ حمایت و ہمدردی کے خلاف اس کے غیر مصالحانہ رویہ کو ظاہر کرتی ہے' جو نہایت گہری جڑیں پکڑنے والی کسی شیعہ تحریک کے خوف کا نتیجہ ہو سکتا ہے' خاص طور پر کوفہ میں جہاں یہ جماعت سب سے طاقت ور تھی۔ اس کے برعکس امام حسینؑ کا کوفہ کے جوشیلے افراد کی کھلی بغاوت کی قیادت کرنے سے مسلسل انکار ان کے محتاط رویہ کو ظاہر کرتا ہے اور اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ وہ معاویہ کو کوئی ایسا موقع یا بہانہ دینا نہ چاہتے تھے کہ وہ خانوادہ علوی کے طرف داروں کو مکمل طور پر ملیا میٹ کر دے۔ اس عرصہ کے دوران معاویہ ذرا سے بہانہ پر حضرت علیؑ کے ان طرف داروں کو برباد کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو خریدے نہ جا سکتے ہوں یا اطاعت و فرماں برادری کے لئے خوف زدہ نہ کئے جا سکتے ہوں' اس لئے کہ جب تک یہ کام پایہ تکمیل تک نہ پہنچ جائے خلافت پر اموی گرفت غیر مستحکم و کمزور ہی رہتی۔

یہ بات ناقابل فہم نہیں کہ بنی امیہ کے منبروں پر سے علی مرتضیٰؑ پر سب و شتم کروانے کی ایک وجہ شیعہ ہمدردیاں رکھنے والوں کو کھلی بغاوت پر اکسانا تھا اور افواج کے ہاتھوں انہیں حملوں اور تباہی کا شکار کرنا تھا۔ جب مغیرہ بن شعبہ کو ۶۶۱/۴۱ میں کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو مختلف فرائض میں سے ایک فرض جو معاویہ کی طرف سے اسے سونپا گیا' وہ یہ تھا کہ وہ زور و شور اور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تندہی سے حضرت علیؑ پر سب و شتم کروائے، اور ان کے اور ان کے عقیدت مندوں کے خلاف شہرت و مخالفت پیدا کرے، حضرت علیؑ اور ان کے پیروکاروں کے کردار کو داغ دار کرنے، ان کو سبک کرنے، ان کی توہین کرنے کی مہم کو شدید تر کر دے نیز عثمانؓ اور ان کے طرف داروں کی صفات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کر کے انہیں ہر دل عزیز بنائے۔ یہی ہدایات زیاد بن ابو سفیان کو دی گئیں جب اسے مغیرہ بن شعبہ کی موت پر (۶۷۰/۵۰) میں کوفہ کی عملداری سونپی گئی۔ ان دونوں گورنروں نے ان فرائض کو معاویہ کی ہدایات کے مطابق پورا کیا۔ حجر اور بعض دیگر افراد اس مسلسل اشتعال انگیزی کو برداشت نہ کر سکے اور اس فریب میں آ گئے، جب کہ دیگر حضرات محتاط و ہوشیار رہے۔ امام حسینؑ نے اپنے مقام پر صورت حال کو پوری طرح سمجھتے ہوئے اپنے طور پر معاویہ کو اشتعال دلانے سے مکمل احتراز کیا اور اقدام کرنے کے لئے مناسب موقع و محل کا انتظار کیا۔ اس طرح ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو شدید جبر و تشدد سے بچانے میں کامیاب رہے اور دوسری طرف اپنے بھائی کے کئے ہوئے معاہدہ کا احترام کرنے کے بھی پابند رہے اگرچہ یہ معاہدہ امام حسینؑ کو بالواسطہ طور پر تحریک میں شامل کرتا تھا۔

غالباً شیعہ قیام کے ارتقا کی تاریخ میں اہم ترین واقعہ معاویہ کا یزید کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کرنا تھا۔ معاویہ امام حسنؑ کی زندگی میں اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کر سکتا تھا۔ لیکن جونہی اس نے امام حسنؑ کے انتقال کی خبر سنی وہ فوراً اس منصوبہ پر عمل کرنے میں سرگرم ہو گیا جس سے اس کے خاندان بنو امیہ کی حکم رانی کو مستقل کرنے کی خواہش پوری ہو سکتی تھی۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا خلیفہ کو اس سلسلہ میں پھونک پھونک کر اقدام کرنا تھا اور ان تمام تراکیب کو استعمال کرنا تھا جو اس کے انداز حکومت کا خاصہ تھیں: یعنی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سیاسی جوڑ توڑ، فیاضانہ تحفہ و تحائف کی ادائیگی، رشوت اور آخری حربہ تہدید و غلبہ۔ یہاں ہمیں ان تفاصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے جن سے معاویہ سرداران قبائل کو خریدنے میں یا شدید جبرو تشدد سے پختہ کار افراد کو خاموش کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ تفاصیل مختلف کتب تاریخ میں کسی خاص فرق کے بغیر محفوظ ہیں، البتہ ہمارے مقصد کے لئے یہاں اسی قدر کہنا کافی ہو گا کہ اپنے عاملوں کی مدد سے دانش مندانہ انتظامات کر لینے کے بعد معاویہ نے مختلف صوبوں سے نمائندوں کی جماعتیں طلب کرنے کا بندوبست کیا جنہوں نے منصوبے کے مطابق یزید سے بطور ولی عہد اپنی وفاداری و بیعت کا اعلان کیا۔[103] تاہم حجاز کا مسئلہ کسی قدر مختلف تھا کیونکہ یہاں مسلمان عمائدین کا منتخب طبقہ موجود تھا۔ اور ممتاز ترین صحابہ کرام کی اولاد رہائش پذیر تھی جن میں سب سے نمایاں حسین ابن علیؑ، عبد الرحمٰن ابن ابوبکرؓ، عبد اللہ ابن عمرؓ، عبد اللہ ابن زبیرؓ وغیرہ تھے۔ مدینہ سے بیعت کے لئے آنے والا کوئی بھی وفد بغیر ان ممتاز افراد کے بے معنی تھا جبکہ ان افراد کا تعاون کرنے سے انکار کر دینا بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ لہٰذا معاویہ ایک ہزار سواروں کے ساتھ ذاتی طور پر مدینہ پہنچا تاکہ اس کے طرز عمل میں پس و پیش کرنے والوں سے خود نمٹ سکے۔

ایک روایت کے مطابق مدینہ پہنچ کر اور بیرون شہر ملاقات کے لئے ان چاروں کو بلا کر معاویہ اتنے درشت انداز میں پیش آیا کہ وہ سب مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ یہ سب کچھ معاویہ کی خواہش و تدبیر کے مطابق انجام پا گیا۔ پس ان حضرات کی غیر حاضری میں معاویہ نے یزید کی نامزدگی کا اعلان کر دیا۔ جسے اس کے طرف داروں نے قبول کر لیا جب کہ باقی کسی میں مزاحمت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مدینہ کا مسئلہ حل ہونے کے بعد معاویہ نے مکہ کا رخ کیا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہاں اس نے اپنا انداز عمل تبدیل کر لیا اور اس نے ان چاروں حضرات کو بے مثال دوستی و خوشامد کے ساتھ جیتنے کی کوشش کی۔ ان کے ساتھ کافی وقت صرف کرنے اور ان کے لئے بہت زیادہ محبت و شفقت' عزت و احترام ظاہر کرنے کے بعد واپسی کے لئے روانہ ہونے سے قبل یزید کی حمایت کرنے کے لئے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اس نے انہیں سمجھایا کہ وہ ان سے کوئی زیادہ بڑا مطالبہ نہیں کر رہا' یزید تو محض برائے نام خلیفہ ہو گا اور یزید کے نام سے دراصل یہی افراد حکومت کا نظام سنبھالیں گے۔ قدرے سکوت کے بعد عبداللہ ابن زبیر نے سب کی ترجمانی کرتے ہوئے خلیفہ کی تجویز کو مسترد کر دیا۔ اس پر معاویہ نے غصہ سے کہا:

"کسی اور مناسب موقعہ پر جب میں منبر پر آ کر بات کروں گا تو جو کوئی بھی چاہے گا میری گفتگو پر اعتراض کر سکتا ہے لیکن جو بھی اس وقت میری مخالفت کرے گا اس کو تلوار خاموش کر دے گی۔"

اس کے بعد وہ مسجد مکہ میں داخل ہوا اپنے چاروں مخالفین کو ساتھ رکھا اور اعلان کیا:

"ان چاروں افراد نے' جن کے بغیر جانشینی کے مسئلہ پر یزید کی نامزدگی سے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا تھا' یزید کی نامزدگی کو قبول کر لیا ہے۔ پس اے لوگو! اب تم میں سے کسی کو بھی ایسا کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔"

اس پر لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ جب کہ وہ چاروں خوف و ہراس کے باعث خاموش رہے۔[104] اگر اس منصوبہ کو محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے بعد کی حاشیہ آرائی متصور کر لیا جائے تو کم از کم اس بات سے انکار نہیں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا جا سکتا کہ معاویہ کا سفر حجاز یقیناً ان چاروں افراد کو یزید کی مخالفت سے روکنے کی خاطر کیا تھا۔[105]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات — باب نمبر 6

1- طبری ج2 ص 5۔

2- طبری ج2 ص1 و بعد۔ مسعودی: مروج ج2 ص 426۔ تنبیہہ ص 300۔ عقد ج4 ص 361۔ یعقوبی ج2 ص 214 و بعد، دینوری ص 216، و بعد۔ استیعاب ج1 ص 385 اسد الغابہ ج2 ص 14

3- یعقوبی ج2 ص 188۔ بمطابق ابن سعد ج6 ص 4370 جیسے ہی حضرت عمرؓ نے کوفہ کی چھاونی بسائی ابتدائی صحابہ کرام وہاں آباد ہونا شروع ہو گئے۔

4- اسد الغابہ ج2 ص 12۔ ترمذی جلد2 ص 306۔ مسند احمد ابن حنبل ج5 ص 354 حدید: شرح ج 16 ص 27۔

5- مسندج 2 ص 513۔

6- احادیث و روایات کی تمام مستند و معیاری کتب حضرت امام حسین علیہ السلامؑ اور حضرت امام حسنؑ کے محاسن پر علیحدہ باب مختص کرتے ہیں۔ باب مناقب الحسنؑ والحسینؑ)

7- ابن حبیب: محبر۔ ص 46۔ صحیح بخاری: ج2 ص 175۔ 198۔ اسد الغابہ ج2 ص 13۔

8- ابو الفرج الاصفہانی کی رائے میں (مقابل الطالبین ص 52) عبد اللہ ابن عباس خود ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت امام حسنؑ کا نام بطور خلافت تجویز کیا تھا اور جناب علی مرتضیٰؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؑ کی بیعت کے لئے لوگوں کو دعوت دی تھی۔ ملاحظہ

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیجئے۔

حدید: شرح ج 16 ص 31 و بعد۔

9۔ دینوری ص 216۔ مقاتل ص 52۔ حدید: شرح ج 16 ص 30۔

10۔ طبری ج2 ص1۔ اسد الغابہ ج2 ص 14۔ حدید حوالہ محولہ بالا۔ استیعاب ج1 ص 383۔

11۔ ایضاً۔

12۔ ایضاً۔

13۔ ابن اعثم ج4 ص 148۔ طبری جلد 2 ص 5۔ حدید: شرح ج 16 ص 22۔

14۔ مقاتل ص 52 و بعد۔ حدید: شرح ج16 ص 31۔

15۔ اغانی ج 21 ص 26۔ مقاتل حوالہ مذکورہ بالا۔ یعقوبی جلد 2۔ ص 314۔

حدید: شرح ج 16۔ ص 31۔

16۔ ابن اعثم ج4 ص 153۔ حدید: شرح ج 16۔ ص 26۔

17۔ مقاتل ص 56 (از ابو مخنف)۔ ابن اعثم ج4 ص 151۔ حدید: شرح ج 16 ص 25 (از مدائینی) ص 33 بحوالہ (از ابو مخنف کچھ معمولی تبدیلی کے ساتھ)

18۔ مقاتل ص 57۔ (از ابو مخنف)۔ ابن اعثم ج4 ص 152۔ حدید: شرح ج 16 ص 25 (از مدائینی) ص 35 (از ابو مخنف معمولی تبدیلی کے ساتھ)

19۔ Arab Kingdon ص 104 تا 107۔

20۔ تاریخ۔ ج2 ص 214 و بعد۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

21- اخبار ص 217 و بعد۔

22- تاریخ ج2 ص 1 تا 8۔

23- کتاب الفتوح ج4 ص 147 تا 167۔

24- مقاتل ص 46 تا 77۔

25- شرح ج 16 ص 9 تا 52۔

26- فہرست ص 93، 101 و بعد، بالترتیب (باب 2 مسلم و قایع نگاری کے اس ابتدائی دور کے ان دو مصنفین کی اہمیت پر بحث کی گئی ہے)

27- M.A.Shaban کا EI^2 مضمون "ابن اعثم" ملاحظہ ہو۔

28- Shahan مذکورہ بالا نظرثانی شدہ یا قوت ارشاد الاریب الی معرفت الادیب تدوین D.S. Hargoliouth (لیڈن 31-1907 ج1 ص 379)

A Bio-biblio graphical servey C.A.Story Persian Literature:

(لنڈن 1927) ج1 دیباچہ اور ص 1260۔

29- ملاحظہ ہو جمھرت رسایل العرب فی عصور العربیتہ الزاھرہ مولفہ احمد زکی صفوت (قاہرہ 1937) چار جلدوں میں یہ تالیف رسول پاکؐ سے لے کر بنی عباسیہ تک کے تمام خطوط بمعہ اسناد کا احاطہ کرتی ہے۔

30- طبری ج2 ص1 و بعد۔ 5 تا 8 ملاحظہ کیجئے Well Hausen (ص Arab Kingdon 107)

31- طبری ج2 ص 2 تا 5۔

32- طبری ج2 ص 1 و 5 و بعد۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

33۔ طبری ج 2 ص 2 و 7۔
34۔ طبری ج 2 ص 7، 8۔
35۔ طبری ج 2 ص 2 تا 4۔
36۔ طبری ج 2 ص 2۔
37۔ یعقوبی ج 2 ص 214۔ مقاتل ص 62۔ شرح ج 16 ص 40۔
38۔ مقاتل ص 61 شرح ج 16 ص 38۔
39۔ یعقوبی ج 2 ص 214۔
40۔ ایضاً۔
41۔ طبری ج 2 ص 2۔
42۔ یعقوبی ج 2 ص 115۔
43۔ ایضا۔
44۔ عربی مقولہ یہ ہے۔ ملما اتنی الی سباط رامن اصحابہ فشل و تواکل عن العرب۔
45۔ دینوری ص 216۔
46۔ ایضاً۔
47۔ شرح ج 16 ص 22۔
48۔ فتوح ج 4 ص 154۔ مقابل ص 63۔
49۔ دینوری ص 217۔ ابن اعثم ج 4 ص 155 یعقوبی ج 2 ص 215۔ مقاتل ص 64،
50۔ دینوری حوالہ بالا۔ ابن اعثم حوالہ بالا۔ یعقوبی حوالہ بالا۔ مقاتل حوالہ بالا۔
51۔ ابن اعثم۔ ج 4 ص 156، وبعد۔

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

52۔ ایضاً ص 157۔

53۔ طبری ج 2۔ ص 220 ۔223۔ 274۔ دینوری۔ ص 299c 243۔
عقد ج 4 ص 376۔

54۔ مقاتل ص 64 و بعد۔

55۔ مقاتل ص 65 و بعد۔

56۔ طبری ج 2 ص 3 و 4۔

57۔ اس کی خلافت کا کم سے کم وقت 3 ماہ اور زیادہ سے زیادہ 7 ماہ دیا گیا ہے۔

58۔ طبری ج 2 ص 13۔

59۔ دینوری ص 218۔

60۔ استیعاب ج 1 ص 355 و بعد' اسد الغابہ ج 2 ص 14 میں اتنا اضافہ ہے۔
"اور کچھ اسی قسم کے بعض دوسرے احوال"
مزید ملاحظہ ہو ابن حجر الہیثمی: صواق محرقہ ص 134۔ الامامہ و السیاسہ۔ ج 1 ص 140۔

61۔ مقاتل ص 66 و بعد' شرح ج 16 ص 43 و بعد۔

62۔ ابن اعثم۔ ج 4 ص 158' و بعد۔

63۔ شرح ج 16 ص 2 بعد۔

64۔ ابن اعثم ج 4 ص 158۔

65۔ ابن اعثم ج 4 ص 159 و بعد۔ شرح 16 ص 22 و بعد۔

66۔ ابن اعثم ج 4 ص 165۔

67۔ ابن اعثم ج 4 ص 161 تا 167۔ مقاتل ص 68 تا 73۔ طبری

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ج 2 ص 6 تا 9 یعقوبی ج 2 ص 216 و بعد۔

68۔ طبری ج 2 ص 6۔ یعقوبی ج 2 ص 215۔

69۔ حدید: شرح ج 16 ص 28۔

70۔ مقاتل ص 72 و بعد۔

71۔ استیاب ج 3 ص 1420۔ ابن کثیر: البدایہ و النہایہ ج 8 ص 135۔

72۔ مثلاً اس کا جواب حجر کو ملاحظہ ہو کر انہوں نے اپنے مٹھی بھر سچے عقیدت مندوں کی جان بچانے کے لئے خلافت سے دستبرداری اختیار کی۔ دیکھو دینوری ص 220۔

73۔ ابن اعثم ج 4 ص 164 و بعد۔ مقاتل ص 67 و بعد۔ یعقوبی ج 2 ص 216 و بعد۔ دینوری ص 220 و بعد۔ استیعاب ج 1 ص 387 و بعد۔

74۔ اسد الغابہ ج 2 ص 13 و بعد۔ استیاب ج 1 ص 384۔ بخاری صحیح ج 2 ص 198۔ طبری ج 2 ص 199۔ جاحز رسایل میں "رسالہ فی بنی امیہ" ص 65 آملی: عیان ج 4 ص 54۔

75۔ دینوری ص 220 و بعد۔

76۔ طبری ج 1 ص 1920۔

77۔ بلاذری: انساب ج (A-4) ص 138۔ حدید: شرح ج 16 ص 14۔ مزید ملاحظہ ہو Vagleri کا EI[2] مضمون "حسن"۔

78۔ مسعودی: مروج ج 2 ص 426 و بعد مقاتل ص 73 و بعد۔ حدید: شرح ج 16 ص 10 و بعد' و 17۔ استیعاب ج 1 ص 389 و بعد۔ اسد الغابہ ج 2 ص 14۔ یعقوبی ج 2 ص 225۔ ابن خلکان: و فیات ج 2 ص 66۔

79۔ مسعودی: مروج ج 2 ص 427۔ مقاتل ص 73۔ حدید۔ شرح ج 16

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ص 11۔

80۔ دینوری: اخبار ص 222۔ یعقوبی ج 2 ص 225۔ عقد ج 4 ص 361۔ مسعودی۔ حوالہ بالا۔

81۔ ابن اعثم ج 4 ص 206 و 224' و بعد۔ مقاتل ص 73۔ یعقوبی ج 2 ص 228 استیعاب ج 1 ص 391۔

82۔ یعقوبی ج 2 ص 228۔ دینوری ص 221۔

83۔ طبری ج 2 ص 111 تا 155۔ بلاذری ج 4 الف۔ ص 211 تا 236 اغانی جلد 17 ص 78 تا 96۔ دینوری ص 223 تا 225۔ استیعاب 0ج 1 ص 329۔ تا 333۔

84۔ طبری ج 2 ص 131۔ دینوری ص 223 و بعد۔ آغانی ج 17 ص 79 و بعد۔

85۔ ایضاً۔

86۔ ایضاً۔

87۔ ابن سعد ج 6 ص 219۔

88۔ طبری ج 2 ص 117۔ بلاذری ج 4 الف ص 214۔

89۔ اغانی ج 17 ص 82۔

90۔ طبری ج 2 ص 117 و بعد۔ 136۔

91۔ کوفہ کا کنٹرول حاصل کرنے کے بعد زید نے ساری آبادی کی چار انتظامی حلقوں میں تقسیم نو کی۔ اور ہر حلقے کا سربراہ اپنی مرضی کا مقرر کیا۔ باب پنجم میں کوفہ کے ان حالات کے عام جائزہ کے طور پر بحث کی گئی ہے۔

92۔ طبری ج 2 ص 131۔ اغانی ج 17 ص 89۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

93- طبری حوالہ محولہ بالا۔ اغانی حوالہ محولہ بالا۔

94- طبری ج 2 ص 132۔ اغانی حوالہ محولہ بالا۔ بلاذری ج 4 الف ص 221۔

95- بلاذری ج 4 الف ص 222 و بعد۔ طبری ج 2 ص 137۔

96- طبری ج 2 ص 133، و بعد، اور کچھ ترامیم کے ساتھ ملاحظہ ہو بلاذری ج 4 الف ص 221۔ و بعد۔ اغانی ج 17 ص 89 و بعد۔

97- ملاحظہ ہوں وہ ماخذ جو اوپر نوٹ 95 میں دیئے گئے ہیں۔

98- طبری ج 2 ص 140۔ آغانی ج 17 ص 92 و بعد بلاذری ج 4 ص 224۔

99- طبری ج 2 ص 145۔ استیعاب ج 1 ص 299 و بعد، بلاذری ج 4 الف ص 22۔ 228۔ 229۔ و بعد۔

100- دینوری ص 224۔

101- ایضاً۔

102- طبری ج 2 ص 111 و بعد۔ بلاذری ج 4 ص 211 و بعد۔

103- تفصیل کے لئے دیکھئے طبری 56ھ سے 60ھ مسعودی بھی مروج ج 3 ص 27 و بعد۔

104- تفصیل کے لئے دیکھئے ابن اعثم ج 4 ص 235 تا 249۔ ابن اثیر الکامل فی التاریخ (بیروت 1965) ج 3 ص 508 تا 511۔

105- مندرجہ بالا نوٹ 103 و 104 ملاحظہ ہو اور طبری ج 2 ص 175 و بعد۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب ہفتم

شہادت امام حسینؑ

معاویہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا یزید' نہایت انوکھے طریقہ سے جس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ رجب ۶۰ھ بمطابق مارچ ۶۸۰ء میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ وہ اس طرز زندگی کا من و عن نمائندہ تھا جو قبل اسلام اموی طبقہ امرا کے نوجوانوں کا طرہ امتیاز تھا۔ لہذا یزید کو معاشرے میں کسی عزت و احترام کی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا عالم اسلام میں اس کا غیر شرعی چال چلن اور نمایاں غیر اسلامی حرکات زباں زد خاص و عام تھیں اور اس کے لئے نفرت و ناپسندیدگی کا موجب تھیں خاص طور پر ان لوگوں کی نگاہ میں جو دین و مذہب کا ادب و لحاظ رکھتے تھے وہ چند مورخین بھی جو خاندان بنی امیہ کی نازیبا معلومات کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں' اس بات کے اظہار سے پہلو تہی نہیں کر سکے کہ یزید خلفائے اسلام میں وہ پہلا فرد تھا جو کھلے بندوں شراب نوشی کرتا اور بد چلن افراد کی صحبت پسند کرتا تھا۔ اپنا وقت زیادہ تر رقص و موسیقی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی تصدیق کرتی ہے کہ یزید کی جانشینی کے لئے اسلام کے ان چاروں سربر آوردہ شخصیات کی توثیق حاصل کرنے کے سلسلے میں معاویہ کی کوششیں کامیابی سے ہم کنار نہ ہوئی تھیں۔

خلافت پر غیر متنازع قبضہ حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلا کام یزید نے یہ کیا کہ مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو حکم دیا کہ تمام منحرفین سے بیعت طلب کرے، خاص طور پر حسین ابن علیؑ اور عبد اللہ ابن زبیرؓ سے۔ گورنر کے نام اپنے خط میں اس نے سخت ترین احکامات صادر کئے کہ ان کو لیت و لعل نہ کرنے دی جائے اور اگر یہ انکار کریں تو فوراً ان کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ بعض مورخین عبد اللہ ابن عمرؓ کا نام بھی ان افراد میں شامل کرتے ہیں جن کا اس خط میں خاص طور پر ذکر کیا گیا تھا۔[۵] لہٰذا ولید نے امام حسینؑ اور ابن زبیرؓ کو رات ہی کو بے وقت بلا بھیجا تاکہ نئے خلیفہ کی بیعت کرنے پر انہیں مجبور کرلے۔ دونوں نے محسوس کر لیا کہ معاویہ مرچکا ہے اور دونوں ہی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یزید کی بیعت سے متعلق اپنے انکار پر قائم رہیں گے۔ ابن زبیرؓ گورنر کے محل میں نہ گئے اور اگلی رات مکہ کی طرف فرار ہو گئے۔ حسین ابن علیؑ گورنر سے ملنے گئے لیکن کسی سنگین مقابلے کا سامنا کرنے کے لئے ان کے طرف داروں کی ایک طاقتور جماعت ان کے ہمراہ تھی۔ اپنے حامیوں کو دروازہ پر چھوڑ کر امام حسینؑ تنہا محل کے اندر تشریف لے گئے۔ ولید نے یزید کا خط پڑھ کر انہیں سنایا اور خلیفہ کی فوری طور پر بیعت کا مطالبہ کیا۔ امام حسینؑ نے بغیر کوئی عہد کئے جواب میں فرمایا کہ بیعت اس وقت ہی جائز اور قانونی ہو گی جب عوام کے سامنے ہو لہٰذا گورنر کو مسجد میں عوام کو جمع کرنا چاہیئے جہاں وہ خود بھی موجود ہوں گے۔ جس وقت امام حسینؑ رخصت ہونے کے لئے اٹھے تو مروان بن الحکم نے جو وہاں موجود تھا، گورنر کو سرزنش

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم! اگر تو نے حسینؑ کو بیعت کئے بغیر اس وقت جانے دیا تو پھر تو ان سے کبھی بھی بیعت نہیں لے سکے گا۔ لہٰذا ان کو ابھی گرفتار کر لے اور اس وقت تک رہا نہ کرنا جب تک یہ بیعت نہ کر لیں' یا ان کا سر تن سے جدا کر دے۔"

دراصل مروان پہلے ہی ولید کو مشورہ دے چکا تھا کہ ان دونوں کو بیعت کے لئے بلایا جائے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو فوراً قتل کر دیا جائے' اس سے پیشتر کہ معاویہ کی موت کی خبر پھیل پائے۔ تاہم ولید نے مروان کے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ جونہی امام حسینؑ محل سے رخصت ہوئے ولید نے مروان کے درشت رویہ کا یہ کہتے ہوئے منہ توڑ جواب دیا:

"مروان مجھے اس سلسلے میں ملامت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم مجھے ایسا کام کرنے کا مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین کی مکمل تباہی و بربادی ہے۔ خدا کی قسم اگر تمام دنیا کی دولت اور خزانے مجھے دے دیئے جائیں تب بھی میں حسینؑ کو قتل نہ کروں گا۔ اگر میں صرف اس وجہ سے ان کو قتل کر دوں کہ وہ یزید کی بیعت سے انکار کر رہے ہیں تو میں روز قیامت مکمل تباہی کا شکار ہو جاؤں گا کیونکہ اللہ کے نزدیک کوئی بات اتنی قابل مواخذہ نہ ہو گی جتنا کہ خون حسینؑ۔"[۱۵]

ولید کا مروان کو یہ جواب' جو تقریباً تمام مورخین نے قلم بند کیا ہے' اس مخصوص احترام کی نشاندہی کرتا ہے جو نہ صرف فرزند رسول مقبولؐ کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیروکاروں کی نظر میں پایا جاتا تھا بلکہ عام مسلمانوں کی نظر میں بھی ان کو بہت زیادہ توقیر و منزلت حاصل تھی۔ تاہم امام حسینؑ دو دن تک مطالبہ بیعت کو ٹالنے میں کامیاب ہو گئے اور آخر کار رات کے وقت اپنے اہل و عیال اور دوسرے بنی ہاشم کے ہمراہ مکہ کی طرف کوچ کر گئے۔ ولید بن عتبہ کو فرزند رسولؐ کے ساتھ نرم رویہ رکھنے کی سزا بھگتنا پڑی اور اس کو اس کے فوراً بعد ہی مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا گیا۔

ابن زبیر' جو امام حسینؑ سے پہلے مکہ پہنچے تھے' یزید کے خلاف بہت سے افراد جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے دل میں خلافت کی آرزو رکھتے تھے۔ لیکن جونہی امام حسینؑ مکہ میں تشریف لائے لوگوں نے ابن زبیر کو چھوڑ دیا اور امام حسینؑ کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ ایک فطری عمل تھا کیونکہ تمام مورخین اس بات کو صاف طور پر لکھتے ہیں کہ "امام حسینؑ اہل حجاز کی نظر میں ابن زبیرؓ سے بہت زیادہ محترم سمجھے جاتے تھے اور ابن زبیر جانتے تھے کہ جب تک امامؑ مکہ میں ہوں گے کوئی بھی اس کی پیروی نہ کرے گا۔"[۵] امام عالی مقامؑ کی طرف لوگوں کا جھکاؤ اتنا زیادہ تھا کہ آپؑ کے وہاں پہنچنے کے بعد لوگ آپؑ کی اقتدا میں نماز ادا کرتے' آپؑ کے ساتھ طواف کعبہ بجا لاتے اور اپنا زیادہ وقت آپ کی مصاحبت میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔

امام حسینؑ اپنے برادر بزرگ امام حسنؑ کی طرح پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ دونوں کی طرف سے حق وراثت کا شرف رکھتے تھے اور اب امام حسنؑ کی شہادت کے بعد خانوادہ رسالتؐ کی طرف سے خلافت کے واحد امیدوار تھے' لیکن گزشتہ برسوں میں انہوں نے اپنے اس حق کی حمایت میں کوئی خاص کوشش نہ کی تھی۔ یزید کی نامزدگی کے سلسلے میں انہوں نے اپنا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب ہفتم

شہادت امام حسینؑ

معاویہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا یزید' نہایت انوکھے طریقہ سے جس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ رجب ۶۰ھ بمطابق مارچ ۶۸۰ء میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ وہ اس طرز زندگی کا من وعن نمائندہ تھا جو قبل اسلام اموی طبقہ امرا کے نوجوانوں کا طرہ امتیاز تھا۔ لٰہذا یزید کو معاشرے میں کسی عزت و احترام کی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا عالم اسلام میں اس کا غیر شرعی چال چلن اور نمایاں غیر اسلامی حرکات زباں زد خاص و عام تھیں اور اس کے لئے نفرت و ناپسندیدگی کا موجب تھیں خاص طور پر ان لوگوں کی نگاہ میں جو دین و مذہب کا ادب و لحاظ رکھتے تھے وہ چند مورخین بھی جو خاندان بنی امیہ کی نازیبا معلومات کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں' اس بات کے اظہار سے پہلو تہی نہیں کر سکے کہ یزید خلفائے اسلام میں وہ پہلا فرد تھا جو کھلے بندوں شراب نوشی کرتا اور بد چلن افراد کی صحبت پسند کرتا تھا۔ اپنا وقت زیادہ تر رقص و موسیقی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی محافل میں گزارتا تھا اور شکاری کتوں اور بندروں سے دل بہلاتا تھا۔ اس کا اپنا دین و مذہب نہ تھا اور نہ ہی وہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام کرتا تھا۔ وہ عادی شراب خور، طوائفوں اور مغنیہ لڑکیوں کی طرف مائل، ہر قسم کی بدکاریوں میں غرق تھا۔ کسی بھی مکتب فکر کے مؤرخ یا کسی بھی دور کے کسی مسلم مورخ نے اس کے لئے اچھے الفاظ استعمال نہیں کئے۔[۱۵] اسلامی شعائر کی مسلسل اور برملا خلاف ورزی ملت اسلامیہ کے لئے اور بھی حیران کن تھی کیوں کہ پیغمبر اسلامؐ اور خلفائے راشدین سے اس کا قریبی تعلق تھا، جن کا جانشین ہونے کا وہ دعویٰ دار تھا اور جن کی سند و وثوق سے اس نے اپنے لئے ان کا لقب اختیار کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود معاویہ کے بے حد محتاط بندوبست نے اور عالم اسلام پر اس کی خطرناک فوجی گرفت نے اس کے بیٹے کی جانشینی کو یقینی بنا دیا اور تمام قبائل و صوبہ جات کی طرف سے یزید کو "خلیفہ وقت" کے طور پر خوش آمدید کہا گیا۔ لیکن اس کی حقیقت و حیثیت اسلام میں ان چار نہایت نمایاں شخصیات کی بیعت حاصل کئے بغیر معرض خطر میں تھی جن کو معاویہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود نہ تو خرید سکا تھا نہ ہی مجبور کر سکا تھا، جس طرح وہ باقی دوسرے نمایاں افراد اور سرداران قبائل کو خریدنے میں کامیاب ہوا تھا۔

معاویہ رسول پاکؐ کے بعد پہلی نسل کا آخری فرد تھا اور جو اپنے لئے کسی نہ کسی سیاسی اہمیت کا مدعی بھی ہو سکتا تھا، خلافت دوسری نسل (تابعین) میں پہنچ گئی ہے۔ اس نسل کے بلند مرتبہ افراد، جیسا سابقہ باب میں بتایا گیا ہے، حسین ابن علیؑ، عبد اللہ ابن زبیرؓ، عبد اللہ ابن عمرؓ اور عبد الرحمن ابن ابوبکرؓ تھے جو پیغمبر اسلامؐ کے چار اہم ترین صحابہ کے فرزند تھے اور ملت اسلامیہ میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ امام

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حسینؑ، جو رسول پاکؐ کے واحد زندہ نواسے بھی تھے، باقی تینوں کی نسبت اور زیادہ منزلت کے مالک تھے۔ لہٰذا ظاہر ہے ان کی تائید و توثیق کے بغیر یزید کی حاکمیت و شخصیت پوری طرح مستحکم نہ ہو سکتی تھی۔ معاویہ ان چاروں افراد کی اہمیت سے پوری طرح باخبر تھا۔ یزید کی جانشینی کے لئے ان کی موافقت حاصل کرنے میں ناکامی پر اس نے اپنے بیٹے کو مرنے سے قبل اس خطرہ سے باخبر کر دیا۔ اپنے بستر مرگ پر اس نے یزید کو تلقین کی:

"اے میرے فرزند! میں نے تیری خاطر سب کچھ کر دیا ہے اور تمام عربوں کو تیری اطاعت و فرمانبرداری پر راضی کر لیا ہے۔ کوئی بھی اب تیرے حق خلافت کی مخالفت نہیں کرے گا لیکن میں حسین ابن علیؑ، عبد اللہ ابن عمرؓ، عبد الرحمٰن ابن ابی بکرؓ اور عبد اللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے بہت خائف ہوں۔ ان میں حسین ابن علیؑ اپنے اعلیٰ و ارفع حقوق کی وجہ سے اور رسول اللہؐ سے قریب ترین رشتہ کے باعث بہت زیادہ عزت و احترام کے مالک ہیں میرے خیال میں اہل عراق ان سے ہرگز الگ نہ ہوں گے جب تک کہ ان کے حق میں تیرے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔ لیکن جو شخص تجھ پر شیر کی طرح حملہ آور ہو گا اور موقعہ ملتے ہی لومڑی کی طرح تجھ پر جھپٹ پڑے گا وہ عبد اللہ ابن زبیرؓ ہے۔ جب بھی تجھے موقع ملے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔"[2]

معاویہ کی یہ وصیت جو بہت سے مورخین نے نقل کی ہے، اس بات

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی تصدیق کرتی ہے کہ یزید کی جانشینی کے لئے اسلام کے ان چاروں سربر آوردہ شخصیات کی توثیق حاصل کرنے کے سلسلے میں معاویہ کی کوششیں کامیابی سے ہم کنار نہ ہوئی تھیں۔

خلافت پر غیر متنازع قبضہ حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلا کام یزید نے یہ کیا کہ مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو حکم دیا کہ تمام منحرفین سے بیعت طلب کرے، خاص طور پر حسین ابن علیؑ اور عبد اللہ ابن زبیرؓ سے۔ گورنر کے نام اپنے خط میں اس نے سخت ترین احکامات صادر کیے کہ ان کو لیت و لعل نہ کرنے دی جائے اور اگر یہ انکار کریں تو فوراً ان کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ بعض مورخین عبد اللہ ابن عمرؓ کا نام بھی ان افراد میں شامل کرتے ہیں جن کا اس خط میں خاص طور پر ذکر کیا گیا تھا۔[۵] لہٰذا ولید نے امام حسینؑ اور ابن زبیرؓ کو رات ہی کو بے وقت بلا بھیجا تاکہ نئے خلیفہ کی بیعت کرنے پر انہیں مجبور کر لے۔ دونوں نے محسوس کر لیا کہ معاویہ مر چکا ہے اور دونوں ہی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یزید کی بیعت سے متعلق اپنے انکار پر قائم رہیں گے۔ ابن زبیرؓ گورنر کے محل میں نہ گئے اور اگلی رات مکہ کی طرف فرار ہو گئے۔ حسین ابن علیؑ گورنر سے ملنے گئے لیکن کسی سنگین مقابلے کا سامنا کرنے کے لئے ان کے طرف داروں کی ایک طاقتور جماعت ان کے ہمراہ تھی۔ اپنے حامیوں کو دروازہ پر چھوڑ کر امام حسینؑ تنہا محل کے اندر تشریف لے گئے۔ ولید نے یزید کا خط پڑھ کر انہیں سنایا اور خلیفہ کی فوری طور پر بیعت کا مطالبہ کیا۔ امام حسینؑ نے بغیر کوئی عہد کیے جواب میں فرمایا کہ بیعت اس وقت ہی جائز اور قانونی ہو گی جب عوام کے سامنے ہو لہٰذا گورنر کو مسجد میں عوام کو جمع کرنا چاہیئے جہاں وہ خود بھی موجود ہوں گے۔ جس وقت امام حسینؑ رخصت ہونے کے لئے اٹھے تو مروان بن الحکم نے جو وہاں موجود تھا، گورنر کو سرزنش

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم! اگر تو نے حسینؑ کو بیعت کئے بغیر اس وقت جانے دیا تو پھر تو ان سے کبھی بھی بیعت نہیں لے سکے گا۔ لہٰذا ان کو ابھی گرفتار کر لے اور اس وقت تک رہا نہ کرنا جب تک یہ بیعت نہ کر لیں' یا ان کا سر تن سے جدا کر دے۔"

دراصل مروان پہلے ہی ولید کو مشورہ دے چکا تھا کہ ان دونوں کو بیعت کے لئے بلایا جائے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو فوراً قتل کر دیا جائے' اس سے پیشتر کہ معاویہ کی موت کی خبر پھیل پائے۔ تاہم ولید نے مروان کے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ جونہی امام حسینؑ محل سے رخصت ہوئے ولید نے مروان کے درشت رویہ کا یہ کہتے ہوئے منہ توڑ جواب دیا:

"مروان مجھے اس سلسلے میں ملامت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم مجھے ایسا کام کرنے کا مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین کی مکمل تباہی و بربادی ہے۔ خدا کی قسم اگر تمام دنیا کی دولت اور خزانے مجھے دے دیئے جائیں تب بھی میں حسینؑ کو قتل نہ کروں گا۔ اگر میں صرف اس وجہ سے ان کو قتل کر دوں کہ وہ یزید کی بیعت سے انکار کر رہے ہیں تو میں روز قیامت مکمل تباہی کا شکار ہو جاؤں گا کیونکہ اللہ کے نزدیک کوئی بات اتنی قابل مواخذہ نہ ہو گی جتنا کہ خون حسینؑ۔"[۵۰]

ولید کا مروان کو یہ جواب' جو تقریباً تمام مورخین نے قلم بند کیا ہے' اس مخصوص احترام کی نشاندہی کرتا ہے جو نہ صرف فرزند رسول مقبولؐ کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیروکاروں کی نظر میں پایا جاتا تھا بلکہ عام مسلمانوں کی نظر میں بھی ان کو بہت زیادہ توقیر و منزلت حاصل تھی۔ تاہم امام حسینؑ دو دن تک مطالبہ بیعت کو ٹالنے میں کامیاب ہو گئے اور آخر کار رات کے وقت اپنے اہل و عیال اور دوسرے بنی ہاشم کے ہمراہ مکہ کی طرف کوچ کر گئے۔ ولید بن عتبہ کو فرزند رسولؐ کے ساتھ نرم رویہ رکھنے کی سزا بھگتنا پڑی اور اس کو اس کے فوراً بعد ہی مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا گیا۔

ابن زبیر، جو امام حسینؑ سے پہلے مکہ پہنچے تھے، یزید کے خلاف بہت سے افراد جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے دل میں خلافت کی آرزو رکھتے تھے۔ لیکن جونہی امام حسینؑ مکہ میں تشریف لائے لوگوں نے ابن زبیر کو چھوڑ دیا اور امام حسینؑ کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ ایک فطری عمل تھا کیونکہ تمام مورخین اس بات کو صاف طور پر لکھتے ہیں کہ "امام حسینؑ اہل حجاز کی نظر میں ابن زبیرؓ سے بہت زیادہ محترم سمجھے جاتے تھے اور ابن زبیر جانتے تھے کہ جب تک امامؑ مکہ میں ہوں گے کوئی بھی اس کی پیروی نہ کرے گا۔" [۴] امام عالی مقامؑ کی طرف لوگوں کا جھکاؤ اتنا زیادہ تھا کہ آپؑ کے وہاں پہنچنے کے بعد لوگ آپؑ کی اقتدا میں نماز ادا کرتے، آپؑ کے ساتھ طواف کعبہ بجا لاتے اور اپنا زیادہ وقت آپ کی مصاحبت میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔

امام حسینؑ اپنے برادر بزرگ امام حسنؑ کی طرح پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علی مرتضٰیؑ دونوں کی طرف سے حق وراثت کا شرف رکھتے تھے اور اب امام حسنؑ کی شہادت کے بعد خانوادہ رسالتؐ کی طرف سے خلافت کے واحد امیدوار تھے، لیکن گزشتہ برسوں میں انہوں نے اپنے اس حق کی حمایت میں کوئی خاص کوشش نہ کی تھی۔ یزید کی نامزدگی کے سلسلے میں انہوں نے اپنا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مخالفانہ رویہ بھی اپنی ذات تک محدود رکھا تھا اور نہ امام حسنؑ کے معاویہ کے ساتھ معاہدہ کی رو سے ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ معاویہ کی زندگی میں کوئی اقدام کر سکیں۔ یہی بات انہوں نے شیعان کوفہ کو بار بار سمجھائی تھی جب بھی وہ ان کے پاس خروج کرنے کے سلسلہ میں رسائی حاصل کرتے تھے۔ البتہ معاویہ کی موت نے صورت حال کو تبدیل کر دیا۔ ایک حیثیت سے تو اب وہ اپنے بھائی کے معاہدہ کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو چکے تھے اور دوسرے شیعان کوفہ کی طرف سے ایک سرگرم قیادت و رہنمائی کا مطالبہ روز افزوں زور پکڑتا جا رہا تھا۔ جونہی اس گروہ کو معاویہ کی موت کی خبر موصول ہوئی، انہوں نے امام حسینؑ کی پر جوش اور ولولہ انگیز حمایت ظاہر کرنے کے لئے بار بار اجلاس کئے۔ انہوں نے بے شمار خطوط بھیجے اور قاصدوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ان کو کوفہ آن کر قیادت سنبھالنے کی دعوت دے رہا تھا، کیونکہ آپؑ کے علاوہ اب ان کا کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلا خط امام حسینؑ کو ۱۰ رمضان ۶۰ھ بمطابق ۱۵ جون ۶۸۰ء کو وصول ہوا۔ اس پر سلیمان بن صرد الخزاعی مسیب بن نجبہ، رفعی بن شداد، حبیب ابن مظاہر اور مسلم ابن عوسجہ کے علاوہ دیگر شیعان و مسلمانان کوفہ کے دستخط ثبت تھے اس خط کا متن کچھ اس طرح تھا:

"ہم خدا کا شکر کرتے ہیں جس نے آپ کے دشمن کے ظالمانہ دور حکومت کو ختم کر دیا ہے، جس کے بغیر کسی حق کے اس ملت پر اپنے اقتدار کے لئے غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا، خدا کے مال کو طاقت ور اور مال دار لوگوں کے ہاتھ میں جانے دیا تھا اور بہترین انسانوں کو قتل کر کے (اشارہ ہے حجر بن عدی اور ان کے حمائیتیوں کی طرف) بدترین افراد کو زندہ چھوڑ رکھا۔ ہم آپؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے ہیں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیونکہ ہماری ہدایت کے لئے کوئی امام نہیں ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ آپؑ کے توسط سے خدا ہم کو صراط مستقیم پر متحد رکھے گا ہم نماز جمعہ کے اجتماعات میں گورنر کوفہ نعمان بن بشیر کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے نہیں جاتے اور نہ عید کے روز اس کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔
اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپؑ ہمارے پاس تشریف لا رہے ہیں تو ہم شہر کے گورنر کو بالکل باہر نکال دیں گے۔
آپؑ پر خدا کا درود و سلام ہو۔"[۵]

مندرجہ بالا افراد کے دستخط شدہ اس خط نے امام حسینؑ کو اہل کوفہ کی طرف یقیناً مائل کیا ہو گا' کیونکہ یہ دستخط کنندگان ان کے گھرانے کے ابتدا ہی سے معتمد پیروکار رہے تھے اور انہوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ اپنی وفاداری کو جنگ جمل اور جنگ صفین میں ثابت بھی کر دیا تھا' گو کہ وہ امام حسنؑ کی معاویہ کے حق میں دست برداری سے انتہائی پریشان و پژمردہ ہوئے تھے۔ لیکن وہ اول الذکر کے ساتھ ہمیشہ وفادار رہے اور موخر الذکر کے مخالف ہی رہے۔ ان صف اول کے شیعوں کے علاوہ کوفہ کے اور بہت سے باشندوں نے بھی امام حسینؑ کو خطوط لکھے جن میں سے ہر ایک خط اسی غرض و غایت پر مبنی لا تعداد افراد کی طرف سے دستخط شدہ ہوتا تھا۔[۶] اسی قسم کے خطوط شیعان بصرہ کی طرف سے بھی بھیجے گئے' جن میں امام حسینؑ کو باقاعدہ عملی قیادت اختیار کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ البتہ سب کے سب خطوط یکساں مذہبی ارادے اور مقاصد لئے ہوئے نہ تھے۔ بعض میں سیاسی خواہشات پوشیدہ تھیں جن میں صرف شامی غلبہ کو ختم کر دینے کی توقعات کا اظہار کیا گیا تھا۔

اس کے باوجود امام عالی مقامؑ کے اقدامات یہ بتاتے ہیں کہ شروع

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے آخر تک ان کی تدبیر و مصلحت کا ہدف خلافت پر متمکن ہونے کی بجائے ارفع و اعلیٰ تر مقصد کا حصول تھا۔ ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ جب وہ مکہ میں مقیم تھے تو انہوں نے اپنے ارد گرد جمع ہونے والے افراد میں اپنے لئے عملی طور پر سرگرم طرف داروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی یا ان لوگوں میں اپنے مطمع نظر کی اشاعت کی ہو جو کثیر تعداد میں بغرض حج مکہ پہنچ رہے تھے۔ ایسی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ انہوں نے بغاوت پر اکسانے کے لئے اپنے ایلچی یمن یا ایران جیسے صوبوں میں بھیجنے کی کوشش کی ہو' جو صوبے ان کے خانوادے کے ہمیشہ ہی سے وفادار رہے تھے حالانکہ ان کے اہل خاندان میں سے بعض نے ان کو ایسا مشورہ بھی دیا۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اگر وہ اہل کوفہ کی دعوت پر نہایت مستعدی سے قدم اٹھاتے' جب کہ کوفہ کی گورنری نعمان ابن بشیر جیسے کمزور فرد کے ہاتھ میں تھی تو ان کی کامیابی کا صاف موقع حاصل ہو جاتا۔ ان کا بہ عجلت کوفہ پہنچ جانا اموی حکومت کی طرف سے کسی بھی موثر کارروائی کا انسداد پہلے ہی کر دیتا' بلکہ کوفیوں میں حقیقی جذبہ کو ابھار سکتا تھا اور یہی بات تحریک کے مختلف سربراہوں نے اپنے خطوط میں زور دے کر لکھی بھی تھی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'
شیعہ مومنین کی طرف سے حسین ابن علیؑ کے نام! زیادہ
عجلت سے کام لیجئے' لوگ آپؑ کے بہت زیادہ منتظر ہیں'
اس لئے کہ ان کا کوئی امام نہیں ہے سوائے آپؑ کے' پس
مولا جلدی کیجئے جلدی' درود و سلام ہو آپؑ پر۔" [۹۵]

اس آخری خط پر بہت زیادہ افراد کے دستخط ثبت تھے اور اس کے ساتھ ہی ایک وفد ھانی ابن ھانی السبیعی اور سعید بن عبد اللہ الحنفی' دو نہایت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معتمد کوفی شیعوں کی قیادت میں ملنے بھی آیا۔ ان تمام مراسلات کے جواب میں اس آخری وفد کی وساطت سے آپؑ نے صرف ایک خط بھیجا۔ اس خط کے مندرجات قابل توجہ ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"حسین ابن علیؑ کی طرف سے مومنین و مسلمین کی طرف (ملاحظہ کہ لفظ شیعہ یہاں استعمال نہیں کیا گیا) ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر میرے پاس آئے۔ وہ تمہارے قاصدوں میں اور میری طرف آنے والوں میں سب سے آخری لوگ تھے۔ جو کچھ تم نے لکھا' میں نے سمجھ لیا ہے۔ تم نے مجھے آنے کی دعوت دی ہے کیونکہ تمہاری ہدایت کے لئے کوئی امام نہیں ہے۔ نیز یہ کہ میرا وہاں پہنچنا' تمہیں حق و صراط مستقیم پر متحد و مجتمع کر دے گا۔ میں اپنے چچا زاد اور اپنے خاندان کے ایک معتمد فرد کو بھیج رہا ہوں (مسلم ابن عقیل) کہ وہ تمہارے حالات و احوال سے مجھے مطلع کریں۔ اگر ان کی رائے تمہاری تحریروں کی مطابقت کرے گی تو میں بہت جلد آؤں گا' لیکن تمہیں اس بات کو جان لینا چاہیئے۔ کہ امام صرف وہ ہوتا ہے جو قرآن کا اتباع کرے' اپنے قول و عمل و کردار' عدل و انصاف' دیانت و ایمان داری قائم کرے۔ سچائی اور حق پر مبنی رائے قائم کرتا ہو۔ اور خود کو اللہ کی اطاعت کے لئے وقف کر دیتا ہو۔ والسلام۔"[۵]

اس خط کا آخری فقرہ جس میں امام کے فرائض پر روشنی ڈالی گئی ہے اور امامت کی ماہیت کی وضاحت کی گئی ہے' ہمیں تمام مسئلہ پر امام حسینؑ کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طرز فکر و عمل، رویہ و انداز کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ابو مخنف نے امام حسینؑ کے شیعان بصرہ کے نام خط کو ہمارے لئے اوراق تاریخ میں محفوظ کیا ہے، جو یہاں **حوالةً** درج کرنے کے لائق ہے۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

"خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے حضرت محمد مصطفیؐ کو برگزیدہ فرمایا، اپنی رسالت سے انہیں سرفراز فرمایا اور اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے انہیں منتخب کیا۔ جب وہ لوگوں کو سمجھا چکے اور ان تک اس کا پیغام پہنچا چکے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس واپس بلا لیا۔ ہم جو ان کے اہل بیتؑ ہیں، ان کے قریبی رفقا ہیں، اوصاف نیابت و وصائیت (ولایت) سے مزین کئے گئے ہیں، ان کے امین و نائب (اوصیا) ہیں اور ان کے وارث ہیں، جن کے مرتبہ کو پہچاننے کی وصیت کی گئی ہے اور تمام امت میں ان کے جانشین ہونے کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ لیکن ہمارے اس حق پر لوگوں نے اپنے آپ کو ترجیح دی، ہم نے قناعت اختیار کی اور تفرقہ پیدا کرنا ناپسند کیا اور (ملت اسلامیہ کے) خیر و امن کو برقرار رکھنے میں سرگرم رہے، گو کہ ہم پوری طرح باخبر تھے کہ ہم اس امر (قیادت) کے ان لوگوں کے مقابلے میں جنہوں نے اسے غصب کر لیا تھا، زیادہ مستحق ہیں......... میں نے اپنا سفیر تمہارے پاس بھیجا ہے اور میں تمہیں قرآن کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور پیغمبر اسلامؐ کی سنت کی طرف متوجہ کرتا ہوں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ سنت پاک جو محو کر دی گئی ہے اور بدعتیں زور پکڑ رہی، اور بڑھتی چلی جا رہی ہیں اگر تم میری بات سنتے ہو اور میرا کہا مانتے ہو تو میں راہ حق دکھانے تک تمہاری ہدایت کروں گا۔ خداوند تعالے کی برکتیں اور سلامتی تم کو حاصل ہو۔"[15]

اس خط کے مندرجات شیعہ اصول امامت کا اس ابتدائی دور ہی میں ایک مکمل بیان ہے تمام تاریخی ماخذ نے شیعہ نظریات دین و سیاست پر بہت ہی کم لکھا ہے۔ اس کی وجہ مورخین کی واقعات میں دلچسپی تھی، نہ کہ ان واقعات کے محرک و مابین اصولوں میں، پھر بھی بیان واقعات میں مورخین نے بعض ایسے مخطوطات و دستاویزات کو محفوظ کیا ہے جیسے کہ خطوط، خطبات، جو اس نصب العین کی جھلک دکھاتے ہیں، جو ان واقعات کی روح رواں ہیں۔ ہم نے امام حسنؑ کے ایک خط کا سابقہ باب میں حوالہ دیا تھا اور اہل بیت اطہارؑ کے انداز فکر کی نشان دہی کی تھی۔ اب 20 سال بعد بھی امام حسینؑ کے دور میں امام عالی مقامؑ کے خطوط بالکل اسی فکری روش کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان خطوط میں امام حسینؑ موضوع ولایت پر کافی روشنی ڈالتے ہیں جو واضح کرتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خانوادہ نبوت و رسالتؐ کو خاص منزلت و صفات سے نوازا تھا، ان کو معیاری حکمران بنایا تھا اور اس طرح زمین خدا پر ان کے وجود ذی جود کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا نور رحمت و ہدایت جگمگاتا تھا۔ دوسری دو اصطلاحات جو اصولی و بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، وصایۃ یعنی امانت و پاسبانی اور وراثت یعنی ترکہ دار اور مصلح ہونا، جو امام حسینؑ نے استعمال کی ہیں۔ ہم باب چہارم میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ خلافت کے لئے علی مرتضیٰؑ کے منتخب ہونے کے وقت ان کو انہی الفاظ و القاب میں ان کے قریبی ساتھیوں کی طرف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ اب ۳۵ سال بعد وہی الفاظ و اصطلاحات امام حسینؑ کی طرف سے استعمال کی جا رہی ہیں۔ یہ دونوں اصطلاحات خاندان رسالت مابؐ کو انسانوں کی ہدایت کے لئے خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ و برگزیدہ بنانے کے نظریہ کی حامل ہیں۔ اسی لئے محمد عربیؐ نے حضرت علیؑ کو منتخب کیا اور پھر بوقت انتقال، حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو منتخب کیا، جنہوں نے خانوادہ رسالتؐ کی روایت و وراثت کو امام حسینؑ کے سپرد کیا۔ البتہ ان تصورات کے اصول ماحصل کے پوری بہار پر آنے کے لئے ابھی آغاز کار ہی تھا۔ لیکن پھر بھی ان کی موجودگی کو ان کی ابتدائی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امام حسینؑ کے خط کا دوسرا اہم حصہ ان کا یہ فرمان ہے کہ ملت اسلامیہ کی فرماں روائی کا حق بالتخصیص صرف خانوادہ رسالتؐ کو حاصل ہے اور صرف وہی ان کو راہ نجات و جادہ حق دکھا سکتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہی وہ افراد ہیں جن میں ان کے مخصوص اوصاف کی وجہ سے مادی اقتدار و مذہبی رہنمائی یکجا ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ امام حسینؑ نے اس بیان سے خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ پر بھی اپنا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ پھر اپنے خط کے آخری حصہ میں لوگوں کی توجہ سنت رسول اللہؐ کی طرف مبذول کراتے ہوئے امام حسینؑ نے پہلے تین خلفا کی تاویلات کو کنایۃً رد کر دیا ہے، کیونکہ وہ اہل بیت رسولؐ میں شامل ہی نہ تھے۔ لہٰذا خانوادہ رسالتؐ کے پیرو کار سنت رسول اللہ اور اپنے آئمہ اطہارؑ کی طرف براہ راست رجوع کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے روحانی فیضان حاصل کرتے ہیں (ولایۃ)

لہٰذا امام حسینؑ نے ان کی دعوت کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ دو واضح امور نے ان کے لئے اقدام کا جذبہ پیدا کیا۔ اول بانی اسلامؐ کے نواسہ ہونے کے سبب انہوں نے ان مسلمانوں کے مسلسل اصرار پر متوجہ ہونا اپنا فرض

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سمجھا اور دوسرے یزید کا بیعت کا مطالبہ اتنا زور پکڑ رہا تھا کہ امام عالی مقامؑ کی جبلی پرہیز گاری اور احساس فضیلت و عظمت نے اس بیعت کو قبول کرنے کی اجازت نہ دی۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ مسلمان حکومت کے سربراہ کے طور پر معاویہ کے اقتدار و حاکمیت کو تسلیم کرنا یزید کے قبول کرنے سے بہت مختلف مسئلہ تھا۔ معاویہ نے اپنی مادیت و دنیا پرستی اور مذہب سے لا تعلق رویہ کے باوجود اسلامی شعائر کی مکمل خلاف ورزی نہ کی تھی یا کم از کم کھلم کھلا تو ایسا نہیں کیا تھا۔ یزید نہ صرف قرآنی شعائر و سنت رسول اللہؐ کی خلاف ورزی کر رہا تھا بلکہ محرمات مذہب سے توہین و تمسخر روا رکھتا تھا جیسا کہ ہر دور کے مسلم مورخین کی متفقہ رائے رہی ہے' حتیٰ کہ معاویہ کے اپنے کارندے بھی یزید کی نامزدگی کے منصوبہ پر عمل درآمد کرتے ہوئے موخر الذکر کے کردار کے بارے میں پریشان تھے۔ پس جب معاویہ نے زیاد سے کہا کہ کوفہ و بصرہ کے لوگوں کو یزید کی نامزدگی قبول کرنے کے لئے تیار کرے تو گورنر نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ وہ لوگوں سے اس کی بیعت کا مطالبہ کرنے سے پیشتر اپنے بیٹے کے چال چلن و کردار کو درست کرنے کی کوشش کرے۔[۱۱]

یزید کی سیرت کا تعین کرنا' پیغمبر اسلامؐ کے نقوش قدم اور اسلام کے اولین دور کے افراد کے نمونہ عمل کو زیر غور لائے بغیر ایک فاش غلطی ہو گا۔ ان افراد کی سیرت اور یزید کے کردار میں شدید تضاد' المیہ کربلا کا باعث بنا جس کی طرف ہم اب متوجہ ہوں گے۔ البتہ اپنے بیان کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے یہ مناسب ہو گا کہ مختلف مورخین اور ان کے مستند ہونے یا نہ ہونے کی بحث کو اس باب کے اختتام تک ملتوی کر دیا جائے۔

اہل کوفہ کی طرف سے متواتر درخواستوں اور سینکڑوں خطوط کے باوجود امامؑ نے عجلت میں کوئی فیصلہ نہ کیا اور احتیاط کے طور پر اپنے چچا زاد

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بھائی مسلم ابن عقیل کو بطور اپنے ایلچی کے ان ہدایات کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ ان تمام درخواستوں کی حقیقت معلوم کریں اور اپنی تحقیقات کے نتائج سے انہیں باخبر کریں۔ مسلم کے کوفہ آتے ہی سلیمان ابن صرد الخزاعی کے مکان پر ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں صرف سربراہان تحریک نے شرکت کی تاکہ حالات کی رازداری کو برقرار رکھا جاسکے۔

عابس بن ابی الشاکری' حبیب ابن مظاہر سعید بن عبد اللہ الحنفی وغیرہ جیسے شیعہ قائدین نے بڑی والہانہ تقاریر کیں اور اپنے آخری سانس تک امام حسینؑ کی مکمل حمایت جاری رکھنے کا اعلان کیا۔[12] ہم اس بات کا عنقریب جائزہ لیں گے کہ ان کے عہد و پیمان کوئی کھوکھلے الفاظ نہ تھے۔ وہ اپنے نقطہ نظر سے وفادار رہے' انہوں نے اپنے وعدوں کو وفا کیا اور میدان کربلا میں بالآخر امام عالی مقامؑ کے ہمراہ نذرانہ جاں پیش کیا۔ اہل بیتؑ کے موقف کی حمایت کرنے والے ان مذہبی عقیدت مندوں کے علاوہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے سیاسی طرف داروں نے ایک ایسی تحریک کی حمایت کرنے سے پیچھے رہ جانا عقل مندی نہ جانا جو ان کے خیال میں بنی امیہ کی بالادستی کو ختم کرنے میں کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی تھی اور ان کے لئے نئے امکانات پیدا کر سکتی تھی۔ لہٰذا مسلم ابن عقیل جلد ہی ہزاروں افراد کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان افراد کی تعداد جنہوں نے مسلم کے سامنے امام حسینؑ کی بیعت کرنے کی قسمیں کھائیں اور اپنے ناموں کا اندراج کروایا بارہ ہزار اور کبھی اٹھارہ ہزار بتائی گئی ہے۔ مورخین کی اکثریت نے ان کی تعداد اٹھارہ ہزار لکھی ہے۔[13] تحریک تیزی سے اتنی پھیل گئی کہ مسلم ابن عقیل مسجد کوفہ کے منبر پر بیٹھ کر جلسہ ہائے عام کی صدارت کے قابل ہو گئے۔

اہل کوفہ کی حمایت پر مطمئن ہونے کے بعد مسلم ابن عقیل نے امام

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حسینؑ کو کوفہ آنے کے لئے اور عوام کی قیادت سنبھالنے کے لئے لکھا۔ مسلم کا یہ خط کسی معمولی قاصد کے ہاتھ نہیں بھیجا گیا' بلکہ عابس ابن ابی حبیب الشکری کی وساطت سے بھیجا گیا جو شیعان کوفہ کے ایک معتمد لیڈر تھے۔[14] اہل کوفہ کے جوش و جذبہ کا یقین حاصل کر لینے کے بعد امام حسینؑ نے کوفہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر پہلے ہی محمد ابن حنفیہ مدینہ میں اور عبد اللہ ابن عمرؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ جب وہ مدینہ سے مکہ کی شاہ راہ پر آپؑ سے ملے تھے' خطرات سے آپؑ کو آگاہ کر چکے تھے اور پھر دوبارہ مکہ میں عبد اللہ ابن عباسؓ نے بہت سے دوستوں کے ساتھ مل کر بہت زیادہ اصرار کرتے ہوئے اپنے مشورہ کی یاد دہانی کرائی تھی اور امام حسینؑ کو راغب کرنے کی کوشش کی کہ اہل کوفہ کے وعدوں پر یقین نہ کریں۔ انہوں نے ان کے تلوں مزاج' ان کی دغا بازانہ فطرت اور کس طرح انہوں نے ان کے والد گرامی او برادر معظم کے ساتھ عین وقت پر بے وفائی کی تھی ان سب باتوں کا تذکرہ کیا۔[15] اس کے برعکس عبد اللہ ابن زبیر نے پہلے تو ریاکارانہ انداز میں اس مہم میں امام حسینؑ کی حفاظت و خیریت کے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار کیا' لیکن پھر اپنا منصوبہ جاری رکھنے پر زور دیا[16] کیونکہ وہ خود بھی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا۔ البتہ جب تک امام حسینؑ حجاز میں رہتے ایسا ممکن نہ تھا کیونکہ لوگ بھی ابن زبیر کو نواسہ رسول پر ترجیح نہ دیتے۔[17] پس ابن زبیر نے امام حسینؑ کے چلے جانے میں اپنی بھلائی محسوس کی تاکہ مکہ میں میدان اس کے لئے خالی ہو جائے۔ ان تمام مشوروں کے باوجود امام حسینؑ نے اپنا منصوبہ ترک نہ کیا کیونکہ ان کے ذہن میں ایک طے شدہ منصوبہ و حکمت عملی تھی جس پر ہم عنقریب مفصل گفتگو کریں گے۔

کوفہ میں مسلم کی آمد کی خبر سنتے ہی اور لوگوں کی ان سے طرف

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

داری کی اطلاع پاتے ہی شہر کے نرم مزاج اور کمزور گورنر نعمان ابن بشیر پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے یزید نے اپنے طاقت ور حلیف عبید اللہ ابن زیاد کو، جو بصرہ کا گورنر تھا، کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا، کہ وہ اس شہر کی ذمہ داری بھی سنبھالنے کے لئے فوراً وہاں پہنچے۔ اس کا سب سے پہلا فرض جیسے بھی ممکن ہو شیعہ تحریک کو کچلنا تھا۔ اس سلسلے میں یزید کا خط مورخین نے اپنی کتابوں میں قلم بند کیا ہے جو امام حسینؑ کی حمایت میں ممکنہ اٹھنے والی اس تحریک کے خلاف یزید کے نہایت شدید و برہم رویہ کی ایک واضح تصویر پیش کرتا ہے۔[18]

امام حسینؑ کی حمایت میں اہل کوفہ کے اس قیام سے پوری طرح باخبر، ابن زیاد کوفہ میں بھیس بدل کر سیاہ عمامہ باندھے ہوئے، منہ کو ڈھانپے ہوئے، گھوڑا سواروں کے ایک چھوٹے سے دستہ کے جلو میں گھوڑے پر سوار داخل ہوئے۔ اہل کوفہ جو امام عالی مقامؑ کے لئے چشم براہ تھے سمجھے کہ امامؑ بنفس نفیس خود تشریف فرما ہوئے ہیں۔ وہ اس کے راہوار کے گرد جمع ہو گئے، والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا اور نعرہ زن ہوئے: "اے فرزند رسولؐ خوش آمدید! ہم سب آپؑ کے منتظر تھے۔"[19] ابن زیاد، امام حسینؑ کے لئے لوگوں کے جوش و خروش کو خاموشی سے دیکھتا ہوا مجمع کے ساتھ مسجد کوفہ میں داخل ہوا۔ منبر پر چڑھا اور پھر اچانک اپنے چہرے سے نقاب نوچ پھینکی۔ اس نے ایک دہشت انگیز تقریر کی جس میں امام عالی مقامؑ کے بہی خواہوں کے لئے موت اور ایسی عجیب سزاؤں کا اعلان کیا جن کی کوئی مثال نہ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لئے جو خلیفہ کے ساتھ اپنی وفاداری ثابت کریں، بڑے پر کشش وعدے کئے۔[20] اہل کوفہ جو استقلال مزاج کے فقدان کے لئے مشہور تھے، دہشت زدہ، دل شکستہ ہو گئے اور بالآخر انہوں نے مسلم ابن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح ایک فوری بغاوت کو منظم کرنے کی ان کی کوشش

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بے سود ہو گئی اور وہ پکڑے گئے۔ بالآخر مسلم مع ہانی ابن عروہ، جن کے گھر مسلم کا قیام تھا، قتل کر دیئے گئے۔[21] امام حسینؑ کے سیاسی طرف داروں یعنی کوفہ کے مبینہ شیعوں کا یہ ناقابل اعتبار رویہ ایک بار پھر ان کے کردار کی کمزوری کو ثابت و ظاہر کرتا ہے جیسی کہ امامؑ کو کوفہ کی طرف سے آنے والے وہ مسافر نشان دہی کر چکے تھے جو آپؑ سے راہ میں ملتے ہوئے جاتے تھے۔ مثلاً امامؑ، شاعر فرزدق سے صفاح نامی مقام پر ملے اور کوفہ کے حالات دریافت کئے۔ فرزدق نے کہا:

> "ان کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں آپؑ کے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔"[22]

امام حسینؑ ۸ ذوالحجہ ۶۰ھ بمطابق ۱۰ ستمبر ۶۸۰ء مکہ سے روانہ ہوئے۔ اسی دن مسلم ابن عقیل کا کوفہ میں سر قلم کیا گیا۔ ان کے ہمراہ مکہ سے اس بد قسمت سفر میں دوستوں اور عزیزوں میں ہتھیار اٹھانے والے صرف 50 آدمی تھے، عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ امام حسینؑ کی مکہ سے یہ اچانک روانگی جہاں وہ پچھلے پانچ ماہ سے مقیم تھے، اور جہاں بہت زیادہ تعداد میں لوگ حج کے لئے آ رہے تھے، جب کہ حج میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے، بغیر کسی اہم وجہ کے نہیں ہو سکتی۔ طبری اور دوسرے مورخین خود امامؑ کی زبانی خبر دیتے ہیں کہ اموی حکومت نے کچھ سپاہیوں کو حاجیوں کے بھیس میں آپؑ کو گرفتار کرنے یا قتل کر ڈالنے کے لئے بھیجا گیا[23] گو کہ اس روایت کے مستند ہونے کی تصدیق کرنا مشکل ہے۔ پھر بھی اس قسم کے امکان کو بعد میں پیش آنے والے ان واقعات کی روشنی میں رد نہیں کیا جا سکتا، جو یزید کی طرف سے بھیجی جانے والی فوج کے ہاتھوں ان مقدس شہروں میں ابن زبیر کی بغاوت کو کچلنے کے سلسلے میں رونما ہوئے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جس وقت امام حسینؑ کوفہ کی طرف بڑھ رہے تھے مسلم اور ہانی کو قتل کرنے کے بعد ابن زیاد نے کوفہ کو دہشت و بربریت کا مرکز بنا دیا۔ پہلے تو اس نے عریفوں کے ذریعہ پوری آبادی پر سخت مالی دباؤ ڈالا جن کی کارکردگی اور اہمیت، تقسیم و وظائف کی ذمہ داری کے سلسلے میں اور اپنے اپنے عرافا میں امن و امان برقرار رکھنے کے سلسلے میں باب نمبر۵ میں قبل ازیں ہی زیر گفتگو آ چکی ہے۔ ابن زیاد نے سرکاری اہل کاروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور حکم دیا کہ اپنے اپنے علاقے میں عریفوں کو کسی بھی اجنبی یا سرکش یا مشکوک آدمی کا نام لکھ لینے کا حکم دیں۔ اس نے اعلان کیا کہ کسی بھی ہیجان کے سلسلہ میں جو ان کے علاقے میں پایا گیا عریف کو ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور دھمکی دی کہ عریف کو تختہ دار پر چڑھا دیا جائے گا۔ اگر ابن زیاد سے کوئی بھی بات چھپائی گئی تو متعلقہ منطقہ عرافا کے سب لوگوں کو وظائف سے محروم کر دیا جائے گا۔ دوسرا اعلان اس نے یہ کیا کہ اگر کسی پر امام حسینؑ کی حمایت کا شک ہوا تو اس کو بغیر مقدمہ چلائے سیدھا پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا، اس کا گھر جلا دیا جائے گا اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔[24] اس طرح کوفہ پر بہت جلد مکمل اختیار حاصل کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن زیاد نے ان تمام راستوں کی، جو حجاز سے کوفہ آتے تھے ناکہ بندی کر دی اور سخت احکامات صادر کئے کہ کوئی شخص بھی نہ کوفہ کی حدود سے باہر جائے اور نہ اندر داخل ہو۔ القادسیہ کے مقام پر، جو عام شاہراہ کے ذریعہ حجاز کو کوفہ سے ملاتی ہے، ابن زیاد نے حصین بن نمیر التمیمی کی کمان میں چار ہزار سپاہیوں کی ایک مضبوط چوکی قائم کر دی۔ اسی طرح دوسرے سرحدی علاقے یعنی قطقطانہ، لعلاع اور کفان جو کوفہ کو بصرہ سے اور عراق کو دوسرے مقامات سے ملاتے ہیں، ان پر اموی افواج کا بڑا سخت پہرا بٹھا دیا۔[25] نتیجتاً کوفہ میں کسی کا آنا یا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باہر جانا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ امام حسینؑ کو صحرائی عربوں کے ذریعہ ان تمام سخت اقدامات کی اطلاع مل گئی، لیکن انہوں نے اپنے سفر کو نہایت بے خوف انداز میں جاری رکھا۔ جب وہ مقام ثعلبیہ پر پہنچے تو انہیں بعض مسافروں کی زبانی مسلم ابن عقیل اور ھانی ابن عروہ کے کوفہ میں قتل کی اطلاع ملی۔ پھر منزل زبالہ میں آپؑ کو آپؑ کے قاصد جن کو آپؑ نے مقام حاجر سے جو مکہ سے چوتھی منزل ہے، اہل کوفہ کے نام ایک خط دے کر بھیجا تھا وہ عنقریب کوفہ پہنچنا ہی چاہتے ہیں، یعنی قیس ابن مسہر الصیداوی کے متعلق پتہ چلا کہ وہ القادسیہ کی چوکی پر گرفتار کر لئے گئے اور کوفہ میں ابن زیاد کے ہاتھوں بڑی بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ ان کو دارالامارہ کی چھت سے اس وجہ سے نیچے پھینک دیا گیا کہ انہوں نے امام حسینؑ پر سب و شتم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی جان تک کی پروانہ کی۔[26] امام حسینؑ اپنے نہایت معتمد عقیدت مند کی اس المناک موت پر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے اور قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت فرماتے ہوئے یوں گویا ہوئے:

"مومنین میں ایسے انسان بھی ہیں جنہوں نے خدا سے کیا ہوا اپنا عہد سچا کر دکھایا۔ ان میں بعض نے اپنا وعدہ پورا کیا (اپنے عہد کی تکمیل کے لئے اپنا نذرانہ جان پیش کیا) اور ان میں سے بعض دوسرے اپنے عہد کے پورا کرنے کے انتظار میں ہیں، لیکن انہوں نے قطعاً (اپنا ارادہ) تبدیل نہیں کیا، (سورہ احزاب ۳۳ آیت ۲۳)

بار الٰہ، فردوس بریں کو ہمارے لئے (جو ابھی زندہ ہیں) اور ان کے لئے (وہ جو راہ خدا میں شہید کر دیئے گئے ہیں) دارالآخرہ قرار دے، اپنے جوار رحمت میں ایک آرام گاہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں ہم سب کو یکجا کر دے اور اپنی رحمت و عنایت کو ہماری آرزو کا واحد مقصد اور خزینہ بنا دے۔"[27]

امامؑ کا یہ بیان یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ اس سانحہ سے بالکل باخبر تھے جو ان کو پیش آنے والا تھا اور یہ کہ وہ اس کے لئے پوری طرح تیار بھی تھے۔ امام حسینؑ کی سوچ ان کے اس اعلان عام سے بھی منعکس ہوتی ہے جو انہوں نے مقام زبالہ میں یہ خبر سننے کے بعد اپنے ساتھیوں کے سامنے کیا۔ جو لوگ آپؑ کے ہم رکاب تھے آپؑ ان کے درمیان کھڑے ہو گئے' یہ الم ناک خبر سنانے کے بعد اور واضح خطرہ جان اور مکمل تباہی' جس کی طرف وہ بڑھ رہے تھے' اس سے مطلع کرنے کے بعد انہوں نے ان سے کہا کہ وہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنی حفاظت کی راہ اختیار کریں۔ چنانچہ جو لوگ ان کے ہمراہ مادی مفاد کی وجہ سے ہو گئے تھے انہوں نے یقیناً ترک تعلق اختیار کیا اور ان کیساتھ صرف وہ افراد رہ گئے جو حجاز سے ان کے ہم رکاب تھے۔[28] امام حسینؑ کے یہ بیانات غور طلب ہیں اس لئے کہ وہ ان کی سوچ کا ادراک کرنے کے لئے اہم ہیں جن کا جائزہ ہم آئندہ سطور میں لے رہے ہیں۔

منزل زبالہ سے گزرنے کے بعد امام حسینؑ بطن عقیق کے مقام پر پہنچے جو کوفہ سے چند منزل کے فاصلے پر تھا۔ مقام القادسیہ پر ایک طاقت ور فوج کی موجودگی سے پوری طرح باخبر ہونے کے بعد انہوں نے اپنی سمت سفر کو کوفہ پہنچنے کے لئے تبدیل کر دیا۔ حصین ابن نمیر' القادسیہ کے کمانڈر کو امام حسینؑ کی اس تبدیلی سمت کی خبر ہوئی تو اس نے حر بن یزید تمیمی الیاردی کی کمان میں ایک ہزار فوج کے ایک دستہ کو ان کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ جب حر کی فوج آتی دکھائی دی تو آپؑ نے ایک قریبی مقام ذوحسم پر اپنے خیمے لگانے کا حکم دیا۔ حر کی فوج جلد ہی امام حسینؑ تک آن پہنچی۔ دن سخت گرم تھا اور حر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی فوج کے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ نواسہ رسول مقبولؐ یہ بات برداشت نہ کر سکے کہ ان کے دشمن تک پیاس سے جاں بلب ہوں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ وہ اموی افواج اور گھوڑوں کے لئے پانی فراہم کریں۔ امام حسینؑ نے خود بنفس نفیس شدت پیاس اور تمازت آفتاب سے بری طرح متاثر افراد کو پانی پلایا۔[29] حر امام عالی مقامؑ کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا۔ لہٰذا دن کی دونوں نمازیں اس نے اور اس کے ساتھیوں نے امامؑ کی اقتدا میں ادا کیں، حتیٰ کہ جب کوفہ کے نمایاں شیعوں میں چار افراد، جو شہر سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے، اس مقام پر آپؑ سے آ ملے، حر نے احتجاج کرنے کے علاوہ طاقت استعمال کرنے کی جسارت نہ کی[30]۔ دونوں نمازوں کے بعد امام حسینؑ نے اپنے مخالفین کے سامنے ان اسباب کی وضاحت کی جو آپؑ کے عازم سفر ہونے کا باعث بنے تھے:

"اے اہل کوفہ! تم نے میرے پاس اپنے وفد بھیجے اور اس مضمون کے خطوط لکھے کہ تمہارا کوئی امام نہیں ہے۔ لہٰذا میں تم کو متحد کرنے اور صراط مستقیم کی ہدایت کے لئے آؤں.......... تم نے لکھا کہ ہم یعنی اہل بیت ان لوگوں کے مقابلے میں تمہارے معاملات پر حکومت کرنے کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں جو ایسے امور کے حق کا دعویٰ کرتے ہیں جس کا انہیں کوئی استحقاق نہیں ہے اور جو بے انصافی سے، غلط کاری سے کام لیتے ہیں...... لیکن اگر تم نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا ہے، ہمارے حقوق سے بے خبر ہو گئے ہو اور میرے لئے بھیجے ہوئے اپنے وفود اور لاتعداد خطوط کو بھول گئے ہو کہ میں تمہارا دین و مذہب بچانے کے لئے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آؤں..... تو میں واپس ہو جاتا ہوں۔"[31]

پھر امام حسینؑ نے دو تھیلے خطوط کے بھرے ہوئے حر کو دکھائے جو اہل کوفہ نے ان کو بھیجے تھے۔ لیکن حر نے کہا کہ وہ ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا اور یہ کہ وہ ابن زیاد کے حکم سے ان کو گرفتار کرنے کے لئے اور ان کی جماعت کو قیدی بنا کر ابن زیاد کے حوالے کرنے کے لئے آیا ہے۔ امام حسینؑ نے ہر بات ماننے سے انکار کر دیا لیکن پھر بھی حر نے ان کے خلاف طاقت کے استعمال سے گریز کیا۔ کچھ بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ امام حسینؑ دریائے فرات کے کنارے کوفہ سے مخالف سمت میں سفر جاری رکھیں جب تک کہ مزید احکام گورنر کی طرف سے موصول ہوں اور یہ کہ حر امامؑ کے بالکل ساتھ رہے گا۔ جب وہ نینوا کے علاقہ میں پہنچے تو ایک گھوڑا سوار قاصد کوفہ سے پہنچا۔ اس نے امام حسینؑ کو سلام کئے بغیر حر کو ابن زیاد کی طرف سے ایک خط دیا جس میں اسے حکم دیا گیا تھا کہ "باغیوں" کو کہیں قیام نہ کرنے دے سوائے ایسے صحرا کے جہاں نہ کوئی قلعہ بندی ہو اور نہ پانی ہو۔[32] زہیر بن القین نے، جو امام حسینؑ کے ایک ساتھی تھے، یہ تجویز پیش کی کہ وہ حر کے چھوٹے سے دستہ پر حملہ کر دیں اور ایک قلعہ بند قسم کے گاؤں العقر پر قبضہ کر لیں۔ لیکن امام حسینؑ نے لڑائی میں پہل کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم امام حسینؑ کچھ اور آگے بڑھنے میں کامیاب ہوئے، یہاں تک کہ وہ میدان کربلا میں وارد ہو گئے اور انہوں نے وہاں اپنے خیام کو نصب کیا۔ یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ھ ۱۲ اکتوبر ۶۸۰ء کا ہے۔

تین محرم کو صورت حال ابتر ہو گئی کیونکہ عمرو ابن سعد چار ہزار اموی فوج کے ساتھ آ پہنچا اور اس نے میدان جنگ کی کمان سنبھال لی۔ کربلا میں وارد ہونے کے بعد عمرو ابن سعد کو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ اب مدینہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن ابن زیاد نے اس صورت حال سے باخبر ہو کر حکم دیا کہ پہلے تمام باغی یزید کی بیعت کریں۔ دریں اثنا ان کو دریا تک پہنچنے سے روکا جائے۔ للذا عمرو ابن سعد نے دریا کی طرف جانے والے راستے پر پانچ سو سواروں کا ایک دستہ مقرر کر دیا اور دس محرم کو قتل عام سے تین دن قبل امام حسینؑ اور ان کی جماعت کو زبردست پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک نہایت دلیرانہ حملہ کر کے امام حسینؑ کے بھائی عباسؑ دریا تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے، لیکن صرف چند مشکیں پانی بھرپائے۔ ابن سعد ابھی تک ابن زیاد کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کوئی پر امن حل نکال لیا جائے تاکہ نواسہ رسولؐ کی خون ریزی سے بچا جا سکے مگر سب بے سود رہا۔ ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کے ذریعہ اپنے آخری احکام بھیجے:

"یا تو امام حسینؑ پر فوراً حملہ کر دیا جائے یا پھر فوج کی کمان شمر یعنی حامل مکتوب کے حوالے کر دی جائے۔"[33] اس حکم میں یہ بھی وضاحت کی گئی تھی کہ جب امام حسینؑ لڑائی میں مارے جائیں تو ان کی لاش کو پامال کر دیا جائے کیونکہ وہ باغی ہیں، سرکش انسان ہیں، مردم آزار ہیں اور رہزن ہیں (معاذ اللہ)۔[34] ابن سعد کو حکم کی تعمیل کرنا پڑی کیونکہ وہ صوبہ رے کے نائب عامل کے طور پر اپنے تقرر کو قائم رکھنا چاہتا تھا اور اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ امام حسینؑ کبھی بھی سر نہ جھکائیں گے کیونکہ آپ ایک نہایت غیور ضمیر کے مالک ہیں۔"

نو محرم کی شام کو ان نئے احکامات کو وصول کرنے کے ساتھ ہی ابن سعد اپنی فوج کے ساتھ امام حسینؑ کے خیام کی طرف بڑھا۔ یہ ملاحظہ کر کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام حسینؑ نے اپنے بھائی جناب عباسؑ کو مع چند اور عقیدت مندوں کے ان کے اقدام کی وجہ جاننے کے لئے بھیجا۔ جناب عباسؑ کو ابن زیاد کے احکامات کی طلاع دی گئی۔ یہ اطلاع پاکر امام حسینؑ نے جناب عباسؑ کو ایک رات کی مزید مہلت لینے کے لئے واپس بھیجا۔ یہ بات منظور کرلی گئی۔ اس موقع پر امام حسینؑ نے اپنے اعزہ اور رفقاء کو جمع کیا اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ مختلف راویوں کے حوالے سے مؤرخین نے اس خطبہ کو شب عاشور کے واقعات میں متفقہ طور پر قلم بند کیا ہے اور یہ خطبہ امام حسینؑ کے ذہن و فکر کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"میں حمد و ثنا کرتا ہوں اس خدائے بزرگ و برتر کی جس نے ہمیں رسالت سے سرفراز فرمایا، ہم کو قرآن کا علم عطا کیا اور اپنے دین سے ہماری اعانت کی........ اپنے اصحاب سے اعلیٰ تر اصحاب میں نے نہیں دیکھے۔ خداوند تعالیٰ تم کو اپنی بہترین جزا سے نوازے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آنے والا کل ہماری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ میں آپ سب سے کہتا ہوں کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں اور اپنی جانیں بچائیں۔ میں آپ سب پر سے اپنی بیعت اٹھاتا ہوں اور، کسی کو بھی نہیں روکتا۔ رات کی تاریکی آپ کو ایک موقعہ فراہم کرے گی، اس کو ایک راہوار سمجھیں ...... آپ میرے اہل و عیال کی زندگیاں بچانے کی خاطر انہیں بھی ساتھ لے جاسکتے ہیں۔"[35]

محض چند افراد کے علاوہ آپؑ کے سب ہمراہیوں، دوستوں اور اعزہ نے چلے جانے یا ان کے بعد زندہ رہنے سے انکار کر دیا اور اپنی جوابی تقاریر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں جو آئندہ سطور میں بیان کی جائیں گی اپنے موقف سے اپنی غیر متزلزل وابستگی کا اظہار کیا۔ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے کچھ اقدامات کرنے کے بعد اور دفاعی احتیاط کے طور پر خیام کو یکجا کرنے کے بعد ایک دوسرے سے باندھ دیا گیا۔ دائیں بائیں اور عقب میں خندقیں کھود دیں اور ان کو لکڑی سے بھر دیا۔ پھر باقی رات نماز و نوافل' تلاوت قرآن مجید' عبادت الٰہی اور یاد خدا میں گزاری۔[36]

شب مستعار تمام ہوئی اور دس محرم الحرام کی فیصلہ کن صبح اپنے ساتھ پیغام موت لائی۔ خانوادہ رسالتؐ کا المناک انجام آ پہنچا' مع ان کے منتخب رفقاء کے' امام حسینؑ نے بہتر افراد کی اپنی مختصر سی فوج کی اپنے خیام کے سامنے صف بندی کی۔ جس میں ۳۲ سوار ۴۰ پیادے جن کی عمریں ستر سالہ مسلم ابن عوسجہ سے لے کر چودہ سالہ قاسم ابن حسن ابن علی ابن ابی طالبؑ کے درمیان تھیں۔ خیام کے عقب کو خندق میں لکڑی اور کھجور کے پتوں میں آگ لگا کر محفوظ کیا گیا۔ زھیر ابن قین کو لشکر کے دائیں بازو کا سپہ سالار' حبیب ابن مظاہرہ الاسدی کو بائیں بازو کا سپہ سالار مقرر کیا اور عباس ابن علیؑ کو خاندان بنی ہاشم کی علم داری سونپی گئی۔

امام حسینؑ نے خود کو اس تاریخ ساز مقابلے کے لئے تیار کر کے پیغمبر اسلامؐ کا جبہ مبارک زیب تن فرمایا' جسم اطہر پر مشک چھڑکا اور اسپ مبارک پر سوار ہو کر قرآن ہاتھوں میں لئے میدان میں آئے۔ اپنے دشمنوں کو خطاب کرتے ہوئے اور ایک طویل مگر شان دار خطبہ میں خدا کو پکارتے ہوئے فرمایا:

"اے خدا! تو ہی ہر مشکل میں میرا واحد سہارا ہے' ہر مصیبت میں تو ہی میری واحد امید ہے' ہر اذیت و پریشانی میں تو ہی میری امید و یقین ہے' جن پریشانیوں میں گھر کر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور (انسانی) عمل سبک تر ہو جاتا ہے، جس وقت انسان اپنے ہی دوستوں کے ہاتھوں دھوکہ کھا جاتا ہے اور تنہا رہ جاتا ہے اور جس ابتلا و مصیبت کے ہنگام میں دشمن انسان کے بربادیوں پر منتقمانہ و مخاصمانہ خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اے پالنے والے! میں خود کو تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ اپنے دشمنوں کے خلاف میری شکایت صرف تجھ ہی سے ہے اور تجھ ہی سے میری آرزوئے انصاف و التماس وابستہ ہے۔ کون ہے تیرے علاوہ جو مجھے غم و اندوہ سے نجات دے سکتا ہے۔ صرف تو ہی تمام خیر و برکت کا مالک ہے، تو ہی تمام بزرگی و برگزیدگی کا والی ہے اور تو ہی ہر دعا و التجا کا آخری سہارا ہے۔"[37]

دشمن نے آپؑ کی گفتگو کا جواب نہایت توہین آمیز اور گھناؤنے انداز میں دیا۔ اس میں شمر نے امام حسینؑ کے خیموں کے گرد و نواح میں آگ جلتے ہوئے دیکھ کر کہا:

"حسینؑ تم روز قیامت کی آگ سے پہلے ہی بسرعت اس دنیا کی آگ کی طرف بڑھ رہے ہو۔"

امام حسینؑ کے ساتھی مسلم ابن عوسجہ اس توہین پر اپنے جذبات قابو میں نہ رکھ سکے اور امام عالی مقامؑ سے ایک تیر سے اس کا جواب دینے کی اجازت چاہی، لیکن امام حسینؑ نے یہ کہہ کر روکا: "ہم جنگ کی ابتدا اپنی طرف سے ہرگز نہیں کریں گے۔"[38] صورت حال جوں جوں کشیدہ تر ہوتی گئی اور اموی افواج کی طرف سے حملہ قریب تر ہوتا چلا گیا۔ امام حسینؑ ایک مرتبہ پھر آگے آئے۔ خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ پر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کی رحمتوں اور برکتوں کو سراہنے کے بعد انہوں نے اپنے دشمنوں سے پھر خطاب کیا:

"اے لوگو! تم مجھے الزام دے رہے ہو، لیکن سوچو تو سہی کہ میں کون ہوں۔ پھر اپنے قلوب کا جائزہ لو کہ تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو۔ اس بات پر اچھی طرح غور کر لو کہ کیا مجھے مارنا جائز ہے؟ کیا میرے تقدس کو پامال کرنا تمہارے لئے مناسب ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی دختر کا فرزند نہیں ہوں، کیا میں نبیؐ کے چچا زاد، وصی پیغمبرؐ کا فرزند نہیں ہوں.....؟ کیا پیغمبر خداؐ نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق نہیں فرمایا تھا: "حسنؑ و حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں" جو کچھ میں نے آل محمدؐ کے اوصاف کے متعلق کہا ہے تم اس کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیا یہ تمام باتیں کافی نہیں ہیں کہ تم کو میرا خون بہانے سے روکیں"؟

اور پھر مزید کہا:

"اگر تم تمام مغرب و مشرق میں تلاش کرو تو میرے علاوہ کوئی اور نبیؐ کا نواسہ نہ پاؤ گے۔"[39]

امام حسینؑ کی بے شمار نصیحتیں اور خطبات جو پیغمبر اسلامؐ کے واسطے سے، دشمنوں کے مذہبی جذبات کو بیدار کرنے کے لئے، آپؑ نے سارا دن اور اپنے رفقاء میں سے، ہر شہید کی شہادت کے بعد ارشاد فرمائی، بے اثر رہے۔ واحد جواب جو ان کو ملا وہ یہ تھا کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں یا قتل ہو جائیں۔ اس مطالبہ پر ان کا جواب یہی تھا کہ وہ ایک غلام کی طرح خود کو سبک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہیں کر سکتے۔

دن بھر کی جنگ۔۔۔۔۔۔۔ کبھی ایک کا ایک سے اور کبھی جنگ مغلوبہ کی صورت میں مقابلہ ہوتا رہا۔ یہ جنگ صبح شروع ہوئی اور غروب آفتاب سے کچھ پہلے ختم ہو گئی۔ جنگ کے مختلف دور بڑے واضح طور پر پہچانے جا سکتے ہیں۔ امام حسینؑ کی پہلی تقریر کے بعد اموی فوج تیر بارانی کرنے لگی اور دو دو کے مقابلے شروع ہو گئے۔ دن کے اکثر و بیشتر اوقات میں ایک کا ایک سے مقابلہ ہوتا رہا اور مقابلہ کرنے والوں کے درمیان رزمیہ مکالمے بھی ہوتے رہے جو کتب تاریخ میں بڑے پر کشش انداز میں محفوظ ہیں اور جو کسی حد تک تفصیل کے ساتھ بعد میں کسی مقام پر بیان کئے جائیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اموی افواج نے دوپہر سے پہلے دو بڑے حملے کئے اور ان کو بڑی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن اموی فوج کے سواروں اور پانچ سو تیر اندازوں نے امام عالی مقامؑ کی مختصر سی فوج پر برابر دباؤ برقرار رکھا۔ چونکہ امام حسینؑ پر صرف سامنے سے حملہ ممکن تھا' لہٰذا ابن سعد نے دائیں اور بائیں بازوؤں سے خیام حسینی پر حملہ کروایا تاکہ ان کو تباہ کر دے۔ لیکن امام حسینؑ کے حامیوں نے خیام کے درمیان آکر مضبوط دفاع کیا۔ شمر ایک طاقت ور دستہ کو اپنی کمان میں لے کر امام حسینؑ اور ان کے اہل و عیال کے خیمہ کے قریب پہنچ گیا لیکن اس کام میں خود اس کے ہمراہیوں نے اس کی سرزنش کی ورنہ اس نے ان خیموں کو نذر آتش کر دیا ہوتا' اس طرح وہ ذلیل ہو کر واپس ہو گیا۔[40]

دوپہر کے وقت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے ظہر کی نماز صلوٰۃ الخوف کے طور پر ادا کی (وہ نماز جو ایسے انسان کے لئے ہوتی ہے جو تباہ کن صورت حال اور ابتلا و مصیبت میں گھر گیا ہو)۔ تیسرے پہر جنگ زیادہ شدید ہو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گئی اور امام حسینؑ کے اصحاب ایک ایک کر کے آپؑ کے سامنے میدان جنگ میں کام آتے چلے گئے۔ جب تک کہ آپؑ کے اصحاب کا آخری فرد ختم نہ ہو گیا' خاندان حسینؑ میں سے کسی فرد کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔[41] لیکن آخر کار آپؑ کے اعزہ کی شہادت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان میں سب سے پہلے فرد آپ کے فرزند علی اکبرؑ تھے' جنہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جو افراد شہید ہوئے وہ مسلم ابن عقیلؑ کے فرزند' عقیل کے فرزندان' عباس بن علیؑ کے تین بھائی' جو علی مرتضیٰؑ کی دوسری اہلیہ حضرت ام البنین کے بطن سے تھے' پھر قاسم ابن حسنؑ ایک نوخیز خوبصورت نوجوان جن کی لاش کو پامال اور پارہ پارہ کر دیا گیا اور جن کی شہادت کو نہایت دردناک الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی شہادت امام عالی مقامؑ کے سامنے ہوئی اور ہر نعش مبارک میدان جنگ سے واپس لانے کے لئے آپؑ افتاں و خیزاں گئے اور اپنے خیمہ کے سامنے لا کر لٹاتے رہے۔[42] ایک ایک کر کے فرزندان ابو طالبؑ داد شجاعت دیتے رہے اور بالآخر صرف دو افراد باقی رہ گئے امام حسینؑ اور ان کے بھائی عباس بن علیؑ' جو اب ایک شکستہ و مقتول فوج کے علم بردار تھے' اپنی جسمانی طاقت اور دلیری کے لئے مشہور اور اپنے حسن و جمال کی وجہ سے قمر بنی ہاشم کہلاتے تھے' امام حسینؑ کی اذیتوں اور مصیبتوں میں مسلسل آپؑ کا سب سے بڑا سہارا اور قوت بازو تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اموی افواج کی خون آشام تلواروں کا سامنا کریں۔ دل شکستہ' اذیت زدہ اور اپنے عزیزوں کے خون سے آلودہ دونوں بھائی مل کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ غصہ میں بپھرتے ہوئے عباسؑ اپنے سامنے دشمن کی صفوں میں دور تک گھس گئے' اپنے بھائی حسینؑ سے جدا ہو گئے اور ان سے کچھ فاصلے پر شہید کر دیئے گئے۔[43] تنہا اور تھکے ہوئے' نڈھال اور نحیف امام حسینؑ اپنے خیام کی طرف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

واپس ہوئے تاکہ خوف زدہ اور غم زدہ خواتین اور بچوں کو تسلی دیں کہ انکے بعد ان کا کیا بنے گا اور آخری بار رخصت ہو کر سب کو خدا کے سپرد کر سکیں۔ آپؑ نے پیاس سے جان بلب اور پانی کے لئے روتے ہوئے اپنے شیر خوار کو گود میں اٹھایا ہی تھا کہ ایک تیر بچے کے آن کر لگا۔ امام حسینؑ نے بچے کی لاش کو آسمان کی طرف بلند کیا اور خداوند تعالیٰ سے اپنے مصائب کے سلسلہ میں عدل اور صلے کے لئے دعا گو ہوئے۔[44]

نڈھال اور تھکے ہوئے، تنہا و غم زدہ، زخمی اور مجروح امام عالی مقامؑ اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ اموی افواج کچھ دیر مذبذب رہیں، نواسہ رسولؐ پر ہاتھ ڈالنے سے ہچکچائیں۔ بالآخر شمر کچھ سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھا لیکن وہ بھی ان پر آخری وار کرنے کی جرات نہ کر سکا۔ البتہ دونوں کے درمیان الفاظ کا تبادلہ ہوا۔ یہاں تک کہ پھر فرزند شیر خداؑ اٹھے اور بنی امیہ پر ٹوٹ پڑے۔ چاروں طرف سے ان پر سخت حملہ ہوا۔ آخر کار وہ اپنے خیام کے سامنے زمین پر آ رہے جب کہ خواتین اور بچے یہ سارا خوف ناک منظر دیکھ رہے تھے۔ ایک کم عمر بچہ حسن بن علیؑ کا سب سے چھوٹا فرزند عبد اللہ، خوف و دہشت کے عالم میں خواتین سے خود کو چھڑا کر خیمہ میں سے باہر چھپٹا اور اپنے چچا کو بچانے کے لئے اس نے اپنے بازو ان پر پھیلا دیئے۔ تلوار کا وار اس پر پڑا۔ جس نے بچے کے دونوں بازو قطع کر دیئے۔ بالآخر جونہی سنان بن انس بن عمر العین نے امامؑ پر آخری وار کرنے کے لئے تلوار اٹھائی امامؑ کی بہن زینبؑ خیمہ سے باہر نکل آئیں اور چلائیں کہ:

> "او عمرو ابن سعد! تو کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے۔ کیا تیرے سامنے ابو عبد اللہ (امام حسینؑ کی کنیت) قتل کر دیئے جائیں گے؟"[46]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن یہ سب کچھ بے سود تھا۔ سنان بن انس نے خیام کے سامنے' جہاں بچے اور خواتین سب دیکھ رہے تھے اور چلا رہے تھے' نواسہ رسولؐ کا سرتن مبارک سے جدا کر دیا۔ خولی بن یزید الاصبحی نے کوفہ لے جانے کے لئے اس سر کو قبضہ میں لے لیا۔[47]

لڑائی اس طرح ختم ہوئی تو باقی فوج لوٹ مار اور غارت گری میں مصروف ہو گئی۔ انہوں نے امام حسینؑ کی تلوار' لباس اور جو کچھ بھی ان کے تن مبارک پر تھا' سب لوٹ لیا۔ انہوں نے خیام حسینی کو بھی لوٹا' عورتوں کی بالیاں نوچ لیں' ان کا سامان چھین لیا' حتیٰ کہ خواتین کے سروں سے ان کی چادریں تک چھین لیں۔ امام حسینؑ کی نسل سے بچنے والے صرف ایک فرد یعنی ان کے فرزند' جو شدید علالت کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لے سکے تھے' ایک خیمہ میں ایک کھال پر غشی کی حالت میں لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے سے کھال گھسیٹ لی گئی اور شمر ان کو قتل ہی کر دیتا ان کی پھوپھی زینبؑ نے اپنے بازوؤں میں انہیں لے لیا اور ابن سعد نے شمر کو اس نوجوان پر حملہ کرنے سے باز رکھا۔[48] یہ الم ناک دن عاشورہ یعنی دس محرم کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ظلم و تشدد اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا اور ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ جسد امام مظلومؑ جو پہلے ہی زخموں سے چور چور تھا' دس گھوڑا سواروں کی ٹاپوں کے نیچے پامال کر دیا گیا جنہوں نے نواسہ پیغمبر خداؐ کے ساتھ اس آخری توہین کو پورا کرنے کے لئے خود کو پیش کیا۔[49] گیارہ محرم الحرام کو اموی فوج کے کشتوں کی لاشوں کو اکٹھا کیا گیا اور ان کی نماز جنازہ عمرو بن سعد کی قیادت میں پڑھنے کے بعد دفن کر دیا گیا' لیکن امام مظلومؑ کی نعش سربریدہ اور ان کے اصحاب کی لاشوں کو زیر آسمان اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔ البتہ بارہ محرم کو' جب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اموی افواج کربلا سے رخصت ہو گئیں، تو قریبی آباد غاضریہ سے قبیلہ بنی اسد کے لوگ آئے اور امام عالی مقامؑ اور ان کے اصحاب پاک کی لاشوں کو اسی مقام پر، جہاں پر قتل عام ہوا تھا، دفن کر دیا۔[50] یہ بات کتنی حیران کن ہے کہ وہ نفوس جن کے اجسام کے ساتھ نہایت نفرت و حقارت پر مبنی سلوک کیا گیا تھوڑا ہی عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان کی اتنی تعظیم و تقدیس کی گئی اور ان کو اتنا دوام عطا ہوا کہ ان کے مقابر و مدفن دکھی انسانوں کے لئے امن و جائے پناہ بن گئے۔ ان کے مقربوں کو زر و جواہر سے آراستہ کیا گیا اور نہایت عالی شان آرائش و زیبائش سے سجایا گیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ یہ بظاہر مرجع انام و زیارت گاہ عوام ہو گئے۔ اس کے برعکس فاتحین کربلا کی قبروں کا نہ تو کوئی نام و نشان ہے اور نہ کوئی یادگار و علامت باقی ہے جب کہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کے مقابر کے سر بہ فلک مینار خستہ و درماندہ انسانوں کے لئے نقوش فضل و کرم اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے امید کا پیغام ہیں۔

بارہ محرم کی صبح نے کربلا سے کوفہ کی طرف روانہ ہوتا ہوا ایک عجیب قافلہ دیکھا۔ نیزوں کی نوکوں پر ۷۲ سر آویزاں، ہر نیزہ ایک سپاہی اٹھائے ہوئے، ان کے پیچھے خاندان رسولؐ کی خواتین اور بچے اونٹوں پر سوار اور ان کے ساتھ ساتھ اموی افواج کے رسالے۔[51] ابو مخنف حضرت زینبؑ اور خاندان رسولؐ اور دوسری قیدی خواتین کی کربلا سے روانگی کا منظر بیان کرتے ہیں۔ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور خاوندوں کے ذبح شدہ جسموں کے منظر پر، جو ان کے سامنے زیر آسمان پڑے ہوئے تھے ان خواتین کی آہ و زاری دشمنوں تک کو رونے پر مجبور کر رہی تھی۔ قرہ بن قیس التمیمی کی زبانی جو کہ بنی امیہ کی فوج میں شامل تھا، ابو مخنف ناقل ہیں کہ وہ اس منظر کو نہیں بھول سکتا جب زینبؑ اپنے بھائی کی پارہ پارہ نعش کے پاس سے گزریں تو نہایت ہیجان جذبات

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں بے قابو ہو کر چلائیں:

"وا محمدا وا محمدا! ملائکہ آسمان رحمتیں و برکتیں لے کر آپ پر نازل ہوں، لیکن یہ ہے آپ کا دل بند حسینؑ، اتنی بے توقیری و توہین کے ساتھ خون میں لتھڑا ہوا اور ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا! اے جد گرامی! آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی گئیں اور آپ کا مذبوح کنبہ مشرقی ہواؤں کے جھونکوں کے رحم و کرم پر ہے کہ وہ اپنے بگولوں سے ان کو ڈھانپ لیں۔"[52]

کوفہ پہنچنے کے بعد تمام قیدی اور سرہائے شہدا ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے۔ سر امام مظلومؑ ایک طشت میں اس کے سامنے رکھا گیا اور ایک درباری تقریب جس میں سربرآوردہ لوگوں اور تماشائیوں کا اژدہام تھا، منعقد کی گئی۔ ابن زیاد نے، جس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، بار بار امام مظلومؑ کے لب ہائے مبارک کو اس چھڑی سے زحمت دی۔ زید بن ارقمؓ جو نبی کریمؐ کے ایک بوڑھے صحابی تھے، دربار میں موجود تھے اور واقعہ سے ابھی تک بے خبر تھے، نے چہرہ امام حسینؑ کو پہچانا، غم و غصہ سے مغلوب ہو گئے اور ابن زیاد سے چلا کر کہنے لگے:

"ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے۔ بخدا میں نے ان ہونٹوں پر پیغمبر خداؐ کے لبوں کو دیکھا ہے کہ بار بار ان کو چومتے تھے۔"[53]

وہ دربار سے اشک بار حالت میں باہر چلے گئے۔ لوگوں نے ان کو کہتے ہوئے سنا:

"اے عرب کے رہنے والو! آج کے بعد سے تم نے خود کو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیدائشی غلام، بلکہ جانور بنا لیا ہے۔ تم نے جگر بند فاطمہؑ کو قتل کر دیا ہے اور اپنا حاکم ابن مرجانہ کو بنا لیا ہے (ابن زیاد کی کنیت) جو تمہارے اشراف کو قتل کرتا رہے گا اور تم کو ذلیل ترین کام کرنے پر مجبور کرے گا۔ اب تم زبردست ذلت کے لئے تیار رہو۔"[54]

یزید کے پاس دمشق بھیجے جانے سے پیشتر سر امام حسینؑ کو نمائش کے لئے نصب کر دیا گیا۔ کب تک ایک تنگ و تاریک تہہ خانے میں کوفہ میں قیدی گرفتار رنج و محن رہے، واضح نہیں ہے۔ لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تاخیر کے بغیر ان کو اور سرہائے شہداء کو خلیفہ کے روبرو پیش کرنے کے لئے دمشق بھیج دیا گیا۔ جب سر امام مظلومؑ اور قیدی خواتین اور بچے یزید کے سامنے ایک ویسی ہی عیش و نشاط کی محفل میں جیسی ابن زیاد کی درباری تقریب تھی، پیش کئے گئے تو زحر بن قیس نے جس نے ابن زیاد کے نمائندہ کے طور پر اس قافلے کی قیادت کی تھی، ایک طویل تعارفی تقریر کی۔ اس نے بتایا کہ کس طرح امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کو قتل کیا گیا، پھر ان کی لاشوں کو پامال کیا گیا اور گدھوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیا گیا (معاذ اللہ)۔[55] البتہ یزید کا رد عمل ابن زیاد کے رد عمل سے مختلف بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے عامل کی اس سلسلے میں جلد بازی پر افسوس کا اظہار کیا۔ یہ بات ان تمام روایات کی تردید کرتی ہے جو مدینہ میں یزید کے عامل کے نام اس کے حکم کی وضاحت کرتی ہیں اور پھر ابن زیاد کے نام حکم کی، جس میں یزید نے واضح طور پر امام حسینؑ اور ان کے رفقا سے بیعت لینے یا بصورت دیگر فوراً ان کے سر قلم کر دینے کا حکم جاری کیا تھا اور وہ گفتگو بھی جو یزید (لعن) اور جناب زینبؑ اور یزید لعن اور امام زین العابدینؑ کے درمیان ہوئی، جس میں خلیفہ وقت نے ان کو برا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بھلا کہا اور ان کے ساتھ بد تمیزی کی یزید (لعن) کے کسی بھی مبینہ احساس پشیمانی و تاسف کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ ابن کثیر نے نشان دہی کی ہے، جو ابن تیمیہ کا شامی شاگرد تھا اور عام طور پر شیعہ نقطہ نظر کا مخالف تھا، اگر یزید نے واقعی اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ اس کے عامل نے امام حسینؑ کے ساتھ معاملات نمٹانے میں سخت غلطی کی ہے، تو وہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرتا۔ لیکن ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یزید (لعن) نے ابن زیاد کو نہ تو اس کے عہدہ سے برطرف کیا نہ ہی کسی طرح کی کوئی سزا ہی دی اور نہ ہی کوئی سرزنش پر مبنی خط ہی اپنی حکم عدولی کے متعلق اسے لکھا۔[56] اگر یزید (لعن) نے کسی پشیمانی کا اظہار کیا بھی تو یہ مسلم معاشرہ کے کسی بھی ممکنہ رد عمل یا بغاوت کے خوف سے کیا ہو گا۔

تاہم کچھ عرصہ بعد یزید نے قیدیوں کو رہا کر کے واپس مدینہ روانہ کر دیا اور اس طرح تاریخ اسلام کا سب سے روح فرسا واقعہ اختتام پذیر ہوا۔ ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) جنہوں نے تاریخ اسلام کے بہت محدود مواد کا مطالعہ کیا تھا، اور جو زیادہ تر اوکلے کے بیانات واقعہ کربلا پر انحصار کر رہا تھا، یہ کہے بغیر نہ رہ سکا:

> "کسی بھی دور افتادہ شدید گرم اور نا مساعد ماحول میں حسینؑ کی شہادت کا دردناک منظر ایسا ہے جو ہر سنگ دل انسان کی ہمدردیوں کو جھنجھوڑ سکتا ہے۔"[57]

ہم سابقہ باب میں یہ بات لکھ چکے ہیں کہ کتنے مشفقانہ و والہانہ انداز میں نبی پاکؐ اپنے نواسوں حسنؑ اور حسینؑ سے محبت کرتے تھے، لیکن رسول پاکؐ کی رحلت کے صرف پچاس سال بعد ہی، جیسا کہ دینوری نقل کرتے ہیں،[58] جب کہ اصحاب رسولؐ میں سے بہت سے افراد، جو اس محبت و شفقت سے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پوری طرح باخبر تھے' ابھی زندہ تھے' ان عزیز ترین نواسوں میں سے ایک کو اتنی بے دردی سے' ان لوگوں کے ہاتھوں قتل کیا گیا جو امت محمدیؐ ہی میں شامل تھے۔

امام حسینؑ کی المناک شہادت کے ان طویل واقعات کی اس مختصر روئداد کے بعد مقصود یہ ہے کہ پہلے تو اس بات کا تجزیہ کیا جائے کہ بنی امیہ کے لئے امام حسینؑ کو شہید کر دینا اور اس کے بعد شیعہ تحریک کو کچل دینا اتنا آسان کیسے ہوا' دوسرے جن حضرات نے امام حسینؑ کے ساتھ اپنی زندگیوں کو اپنی رضامندی و آمادگی سے قربان کر دیا ان میں خالص مذہبی جذبات کا وہ کون سا پہلو تھا جو اس جذبہ کا باعث ہوا اور جس نے اس طرح حوزہ اسلام میں شیعہ افکار کے استحکام کو ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ امام حسینؑ کو کوفہ بلانے والوں میں سے تمام افراد مذہبی اعتبار سے شیعہ نہیں تھے۔اسی طرح سے ان اٹھارہ ہزار افراد میں سے تمام افراد' جنہوں نے آپ کے نمائندے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی' مذہبی معنوں میں شیعہ نہ تھے' بلکہ خاندان علی مرتضیٰؑ کے سیاسی طرف دار تھے۔ یہ ایک ایسا فرق ہے جسے شیعہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ملحوظ خاطر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ ان لوگوں نے امام حسینؑ کو سینکڑوں خطوط لکھے۔ ہر خط ایک جماعت کی طرف سے دستخط شدہ ہوتا اور جب مسلم ابن عقیل کوفہ پہنچے' یہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے لیکن ان سب کے لئے یہ کارروائی شامی بالادستی کو ختم کرنے کی سیاسی خواہش کا اظہار تھی جن کے خیال میں یہ منزل اس وقت صرف امام حسینؑ کی قیادت میں حاصل ہو سکتی تھی۔ لیکن جونہی ابن زیاد نے' جو اپنے جابرانہ طریق کار کے لئے اسلامی تاریخ میں معروف ہے' کوفہ کا اقتدار سنبھالا' اس کی طرف سے اس تحریک کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کچلنے کے لئے انتہائی اور شدید اقدامات کر لینے کے بعد اہل کوفہ نے اپنی امیدوں کا خاتمہ محسوس کیا اور ازمائش کی گھڑیوں میں ان میں ثابت قدمی کا مخصوص فقدان ان کی سیاسی آرزوؤں پر غالب آگیا۔ لہٰذا انہوں نے بہ نسبت اپنے مذہبی نصب العین کے لئے اپنی زندگیوں کو معرض خطر میں ڈالنے کے خود کو حالات کی حقیقتوں کے سپرد کر دیا۔

تاہم اہل کوفہ میں ایک چھوٹی سی جماعت ایسی بھی تھی جس نے نواسہ رسولؐ کو دعوت دی تھی جس میں ان کے مذہبی جذبات ہی واحد محرک تھے' جو اس تحریک کی قیادت کروا رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت امام حسینؑ کربلا میں اتنی بے یارو مددگار حالت میں قتل کئے جا رہے تھے یہ سب لوگ کہاں تھے؟ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ مسلم ابن عقیل اور ھانی بن عروہ کی شہادت کے بعد کوفہ پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا گیا اور کوئی بھی فرد جس پر امام حسینؑ کی ہمدردی کا شائبہ ہوتا اسے پھانسی دے دی جاتی تھی۔ لہٰذا ظاہر تھا کہ تحریک کے تمام پر خلوص قائدین نے گرفتاری اور پھانسی سے بچنے کے لئے روپوش ہو جانے کے طریقہ کار کو اختیار کر لیا لیکن ایسا ہرگز اس لئے نہ تھا کہ وہ امام حسینؑ سے بے وفائی کر رہے تھے اور اپنی جانیں بچانا چاہتے تھے' بلکہ جیسا ہم ابھی لکھیں گے' وہ امام حسینؑ سے' جو کوفہ کی سمت رواں تھے' راہ ہی میں براہ راست ملاقات کرنا چاہ رہے تھے۔ اس حقیقت کو ان افراد کے ناموں کی فہرست کا' جنہوں نے امام حسینؑ کے ساتھ میدان کربلا میں جام شہادت نوش کیا' یا بعد میں توابین کے ساتھ شہید ہوئے' ان افراد کے ساتھ تقابل کرنے سے جانا جا سکتا ہے جنہوں نے ان کو سب سے پہلے دعوت نامے بھیجے اور جو کوفہ میں تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ ہم ان کوفی قائدین میں سے کم از کم چار کو باوجود حر کے اعتراض کرنے کے مقام ذو حسم میں امام حسینؑ سے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جا کر ملنے میں کامیاب ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لہٰذا جونہی ایسے لوگوں نے سنا کہ امام حسینؑ کربلا میں وارد ہو چکے ہیں، جو کسی نہ کسی طرح باوجود رکاوٹوں کے کربلا پہنچنے کی سبیل کر سکتے تھے، ضرور اپنی منزل پر پہنچے اور انہوں نے امام مظلومؑ سے پہلے ہی، بلکہ ان کے کسی عزیز کے زخمی ہونے سے قبل اپنی جانیں ان پر سے نچھاور کر دیں اور جو امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شریک کارزار نہ ہو سکے ان میں سے بعض تو پہلے ہی پابند سلاسل ہو چکے تھے اور بعض دوسرے راستوں کی زبردست ناکہ بندی کے کربلا کا راستہ پانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب امام حسینؑ نے مکہ سے روانگی اختیار کی تو ان کے ہمراہ صرف پچاس افراد، جن میں ۱۸ بنی ابو طالبؑ یا ان کے قریبی رشتہ دار اور ۳۲ دوسرے افراد۔ تاہم لڑائی کے بعد ابن زیاد کو پیش کرنے کے لئے ۷۲ سر لے جائے گئے جن میں ۱۸ بنی ابو طالبؑ اور ۵۴ شیعہ تھے حالانکہ ان افراد کی تعداد جو امام حسینؑ کے ساتھ میدان کربلا میں کام آئے ۷۲ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ سماوی اور دوسرے مورخینؒ خاندان ابو طالبؑ سے باہر کے افراد کا شمار کرتے ہیں اور شہداء کی کل تعداد ۹۲ قرار دیتے ہیں۔[59] اگر ایسا ہے تو پھر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان افراد کے سر جن کی کوئی قبائلی شناخت نہ ہو سکی، ابن زیاد کے پاس نہ لے جائے گئے اور اس طرح تعداد اموات کم ہو کر ۷۲ رہ گئی۔ طبری اور دینوری قبائل کے نام بھی اور کوفہ لے جائے جانے والے سروں کی تعداد بھی درج کرتے ہیں، جو اس طرح ہے:

بنی کندہ کے افراد تیرہ، بنی ہوازن کے افراد بیس، بنی تمیم سترہ، بنی اسد کے چھ افراد، بنی مزحج کے افراد سات، بنی ثقفی بارہ، بنی ازد کے افراد پانچ اور اس کے علاوہ سات اور افراد جن کی قبائلی وابستگی معلوم نہیں۔[60] دینوری

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور طبری کی فہرستوں میں معمولی سا فرق ہے۔ طبری کے مطابق مزحج کے افراد کے سر سات تھے اور وہ ثقفی افراد کی تعداد بارہ نہیں بتاتے جب کہ دینوری مزحج کے سات افراد کا ذکر کرتے ہی نہیں اور ثقفی افراد کے لے جائے جانے والے سروں کی تعداد بارہ لکھتے ہیں' مع بنی ازد کے سروں کی تعداد پانچ بتاتے ہوئے۔ دوسرے مورخین کی فراہم کردہ معلومات دونوں کی فہرستوں کی اس طرح تصدیق کرتے ہیں: سات سر مزحج کے اور بارہ بنی ثقیف (ثقفی) اس طرح شہداء کی کل تعداد 87 ہو جاتی ہے' جن کے سر دربار ابن زیاد میں پیش کئے گئے۔

طبری اور دیگر مورخین ہمیں تفصیل کے ساتھ بتاتے ہیں کہ امام حسینؑ کے خالص طرف دار کوفہ سے خفیہ طور پر بچ نکلنے اور کربلا پہنچنے میں کس طرح کامیاب ہوئے۔[61] اس کے علاوہ چند ایک نام ہم ایسے بھی پاتے ہیں جو اموی افواج کے ساتھ کربلا آئے اور جب انہوں نے بنی امیہ کا نواسہ رسولؐ کے ساتھ بے ادبانہ رویہ دیکھا تو اہل بیت رسول اللہؐ کے حق میں اپنے احساسات کو مزید نہ دبا سکے۔ چنانچہ وہ اموی صفوں سے علیحدہ ہوئے اور اپنی قسمتیں امام حسینؑ کے ساتھ وابستہ کر دیں۔ حر کے امام مظلومؑ سے جا ملنے کی تفصیل تو مورخین نے دی ہے مگر یہ بات بھی اکثر مورخین نے لکھی ہے کہ صبح عاشور لڑائی کے شروع ہونے سے تھوڑی دیر قبل تیس اشراف کوفہ' جو ابن سعد کی فوج کے ساتھ تھے' وہ اس سے الگ ہو کر امام حسینؑ کی طرف چلے گئے اور انہوں نے امامؑ کی حمایت میں داد شجاعت دی۔[62]

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کوفہ اور اس کے قرب و جوار میں آنے والی تمام راہوں کی ناکہ بندی نے ان شیعوں کے لئے جو کوفہ میں پوشیدہ تھے اور دوسرے شہروں مثلاً بصرہ میں رہنے والے شیعوں کے لئے اس بات کو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تقریباً ناممکن بنا دیا تھا کہ وہ امام حسینؑ کی مدد کو پہنچ سکیں۔ اس کے باوجود بصرہ کے رہنے والے چند افراد کربلا ضرور پہنچے اور حضرت امام حسینؑ کے شریک حال ہوئے۔[63] لہٰذا ہمارے پاس اس مفروضہ کا کافی جواز موجود ہے کہ اگر اتنی زیادہ رکاوٹیں نہ ہوتیں' مناسب وقت و مقام حاصل ہوتا اور ان تمام افراد کو جنگ کے لئے منظم و متحرک کر لیا جاتا تو خاصی تعداد میں توابین (نادم و شرم سار افراد) جن کا تذکرہ آئندہ باب میں آئے گا اور جنہوں نے بعد میں امام حسینؑ کے نام پر اپنی جانیں قربان کیں' یقیناً کربلا میں ان کے ساتھ ہوتے۔ بعد کی واقعاتی شہادت ہمیں ایسا سوچنے کی گنجائش مہیا کرتی ہے کہ وہ جنہوں نے حسینؑ شہید کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے کیا وہ امام حسینؑ کی حیات میں ایسا ہی نہ کر گذرتے اس کے برعکس اس حقیقت کو واضح کرنے کا مقصد یہ باور کرانا بھی نہیں ہے کہ اگر ایسے ناگزیر حالات نہ ہوتے تو امام حسینؑ کا انجام بہت مختلف ہوتا' تاہم ہر حال میں ایسا ہی ہوتا کیونکہ اموی افواج کی خوف ناک طاقت بہت منظم تھی' اہل کوفہ کی اکثریت میں مخصوص قسم کا تلون مزاج تھا بالخصوص جبکہ ابھی مذہبی جذبے سے سرشار شیعوں کی تحریک کمزور و غیر منظم تھی۔ دراصل ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ میدان کربلا کے حالات اتنے شدید نہ ہوتے اور کسی نمایاں مزاحمت کے بغیر نہ ہوتے اور پھر اس طرح اس دور میں شیعہ تحریک کی جسمانی و افرادی قوت کی واضح تر تصویر ہمارے سامنے آ سکتی۔ اس مفروضہ کو اس بات سے تقویت ملتی ہے اور ہمارے پاس یہ کہنے کا جواز موجود ہے کہ واقعہ کربلا کے کچھ ہی دیر بعد زیادہ بہتر حالات و مواقع کی موجودگی میں ابن زبیر اور مختار ثقفی نے کامیابیاں حاصل کیں' حالانکہ دونوں ہی نواسہ رسول پاکؐ کے مقابلہ میں بالکل غیر اہم تھے۔ سرراہ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ امیر مختار ابن ابو عبیدہ الثقفی نے ۶۶ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بمطابق ۶۸۷-۶۸۶ء میں انتقام امام حسینؑ کے نام پر تحریک چلائی اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عراق اور مشرقی صوبوں کے کچھ حصّے بھی بنی امیہ سے چھین لئے۔ تاہم حالات کی گرفت ان کے ہاتھ سے ڈھیلی پڑتی چلی گئی اور وہ ۶۷ھ بمطابق ۶۸۷ء یا ۶۸ھ بمطابق ۶۸۸ء میں قتل کر دیئے گئے۔ ابن زبیر نے ۶۱ھ بمطابق ۶۸۱-۶۸۰ء میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا۔ ۶۹ھ بمطابق ۶۸۴ء تک وہ عراق، جنوبی عرب اور شام کے ایک بڑے حصہ پر اپنا تسلط جما چکے تھے۔ تقریباً نو برس حکومت کرنے کے بعد ابن زبیر ۷۳ھ بمطابق ۶۹۲ء میں حجاج کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے۔

ان تمام ذرائع تاریخ کا ایک جائزہ ان تمام شکوک کو زائل کر دیتا ہے جو امیر مختار اور ابن زبیر کی تحریکوں اور ان کو ملنے والی حمایت کی معلومات بیان کر رہے ہیں کہ تحریک امام حسینؑ ہی کے بنیادی تصورات تھے جو بعد میں کمزور اور دگرگوں کر دیئے گئے جنہوں نے ان افراد کے غم و غصہ کو بنی امیہ کے خلاف ان دونوں مہمات کے پرچم تلے ظاہر ہونے کا موقع فراہم کیا۔ ان دونوں کا تقابلی جائزہ ایک اور اہم نکتہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے کہ امیر مختار و ابن زبیر کو اپنی کارروائی میں کافی سیاسی کامیابی حاصل ہوئی اور دونوں عالم اسلام کے بعض حصوں پر چند سال حکومت کرنے کے قابل بھی ہو گئے، لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اپنے زوال پذیر ہونے کے بعد اپنے پیچھے کسی قسم کی مذہبی عقیدت نہ چھوڑ سکا اگرچہ دونوں ہی بظاہر یزید کی مخالفت کے اعتبار سے امام حسینؑ ہی کی طرح شہید ہو گئے۔ اس بات کا کوئی علامتی ثبوت نہیں ملتا کہ ابن زبیر نے کسی قسم کے مذہبی فرقہ کی بنیاد ڈالی ہو امیر مختار کا نام مختصر عرصہ تک یاد رہا اور ایک چھوٹے سے گروہ نے اس کا ساتھ بھی دیا، لیکن یہ گروہ جلد ہی اپنی شناخت کھو بیٹھا اور ایک بڑے گروہ میں مدغم ہو گیا۔[۵۵] اس کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وجہ نہ صرف واضح بلکہ نہایت اہم بھی ہے۔ نہ امیر مختار نہ ابن زبیر اور نہ ہی ان کے طرف داروں کا کوئی خاص مطمع نظر یا نظریہ ایسا تھا جو ان کی یادوں کو اسلام کے مذہبی افکار کے اذہان میں زندہ رکھتا۔ اس کے برعکس امام حسینؑ اور ان کا مقصد اگرچہ فوجی اعتبار سے مکمل ناکامی سے دوچار ہوا تاہم مسلم طبقہ کے ایک معقول حصے نے نمایاں طور پر اسے اپنے سینے سے لگایا اور ان کا نام نامی اسلام میں دوسرے بڑے گروہ کی شناخت اور تشخص ذات کا علامتی نشان بن گیا۔ ایسا اس وجہ سے ہوا کہ ان کی تحریک ملت اسلامیہ کی قیادت کے ایک خاص نقطہ نظر پر مبنی تھی، جس کو پہلے دو ابواب میں تفصیل سے بیان کیا گیا اور جن کی نشان دہی معاویہ کے نام امام حسنؑ کے تحریر کردہ خطوط میں اور شیعان کوفہ کے نام امام حسینؑ کے تحریر کردہ خطوط میں کی گئی تھی۔ امتداد زمانہ کے ساتھ امیر مختار اور ابن زبیر کی شخصیتیں محو ہو گئیں اور صرف اوراق تاریخ میں ہی جگہ پا سکیں جبکہ ذات پاک امام مظلومؑ مسلمانوں کے قلب و نظر میں ہمیشہ کے لئے زندہ و تابندہ ہو گئی اور بعض اصول و اقتدار کا بار بار ذہن میں آنے والا مرکزی خیال بن گئی۔ تاہم مسلمان معاشرہ کا وہ حصہ جس نے امام حسینؑ کے اغراض و مقاصد اور ان کی یاد کو اپنے سیاسی مفادات کا نقصان اٹھا کر اور ان سے بے پرواہ ہو کر برقرار رکھا، اسلام کے مذہبی وجود کا جزو لاینفک رہا۔ اس اکثریتی گروہ نے اسے ایک فرقہ وارانہ جماعت ہی قرار دیا جس نے چاہے بادل ناخواستہ ہی سہی، سیاسی مفادات کو مذہبی امور تک میں قبول کر لیا تھا۔

بعض مسلمان مورخین نے، جو اپنے دور کے صاحبان اقتدار کے براہ راست ماتحت کام کر رہے تھے، نیز ان مذہبی مفکرین نے، جنہوں نے صاحبان اقتدار اور مسلمان معاشرہ کے درمیان ضرورتاً و مصلحتاً مفاہمت کی فضا پیدا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرنے کی کوشش کی، امام عالی مقامؑ کے اقدام کو سیاسی اقتدار پر ہاتھ ڈالنے کی ایک غرض مندانہ کوشش (معاذ اللہ مترجم) قرار دیا اور خطائے اجتہادی گردانا جب کہ مغربی محققین اسلام نے امام حسینؑ کے اقدام کا مطالعہ کرنے کے سلسلے میں اپنی سطحی کوششوں کو ایک مکانیکی طریقہ کار کے حوالے کر دیا۔ جسے انہوں نے "سائنسی تاریخی انداز تحقیق" کہا۔ مستشرقین کے جرمن مکتب فکر نے جو جدید مستشرقیت میں داخل ہونے میں سب سے اول ہے، گو کہ عرب اسلامی مطالعہ کے بعض شعبوں میں نہایت جامعیت و استغراق سے یقیناً گراں قدر اور اہم کام کیا لیکن وہ ایک خاص تاریخی طریقہ کار سے اتنا وابستہ تھا کہ ان "احساسات" اور اس "ضروری میلان طبع" کے، جو مذہبی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ازبس ضروری ہے قریب نہ جا سکا۔ جرمن مکتب فکر کی اثر پذیری اتنی شدید تھی کہ یہ رجحان قائم رہا اور بعد میں آنے والے فرانسیسی و برطانوی محققین، چند ایک افراد کو چھوڑ کر، اسی رجحان پر کاربند ہیں۔ لہٰذا بڑی افسوس ناک بات ہے کہ واقعہ کربلا کا ان محققین نے اسی میکانیکی تاریخ نگاری کے خیال سے مطالعہ کیا۔ ان میں کسی نے بھی امام حسینؑ کے اقدام کو اس کے مفہوم و مقصد میں دیکھنے کی کوشش نہیں کی لہٰذا ان محققین سے یہ بات متوقع تھی کہ وہ امام مظلومؑ کو ایک ناکام مہم جو قرار دے دیں، جو سیاسی اقتدار پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کی تحریک کو ایک قائم شدہ حکومت کے خلافت بغاوت قرار دے دیں۔ لہٰذا ان کے اقدام کو کوفیوں کے عہد و پیمان کا ایک تباہ کن غلط اندازہ قرار دے دیا گیا۔[۵۵]

گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے اشارہ کیا تھا کہ امام عالی مقامؑ صورت حال اور اس کے نتائج سے پوری طرح باخبر تھے۔ مدینہ سے مکہ کے سفر میں اور جب آپؑ بیت اللہ شریف سے کوفہ جانے کے لئے رخت سفر باندھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رہے تھے، پھر مکہ سے کوفہ کے سفر کے دوران برابر آپؑ کو متعدد افراد نے خطرہ سے آگاہ کیا کہ "عراقیوں کے دل تو آپؑ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔" مگر امام حسینؑ کا جواب ان تمام افراد کے لئے جو آپؑ کو آپؑ کے مقصد سے روکنے کی کوشش کر رہے تھے تقریباً ایک ہی انداز میں تھا:

"جو اللہ کی مشیعت ہو وہی ہوتا ہے.......... میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے........ اللہ اس کا دشمن ہرگز نہیں جو حق و انصاف کی بات کرتا ہو۔"[۵۵]

ان جوابات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امام حسینؑ ان خطرات سے پوری طرح باخبر تھے، جو ان کو درپیش آنے والے تھے تاہم ان کی ایک حکمت عملی تھی، مسلم معاشرہ کے شعور میں انقلاب برپا کرنے کے لئے ان کا ایک منصوبہ تھا اور تواریخ سے یہ بھی واضح ہے، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے، امام حسینؑ نے فوجی طاقت کو منظم کرنے یا متحرک کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جو کم از کم وہ حجاز میں تو کر ہی سکتے تھے۔ نہ ہی انہوں نے اس افرادی قوت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جو ان کو حاصل تھی۔ ان بہت سی مثالوں میں سے، جو اس سلسلے میں ہمیں حاصل ہیں، ہم صرف ایک ہی حوالہ تک محدود رہیں گے۔ امام حسینؑ جب منزل غریب الھجانات پر پہنچے تو کوفیوں کی طرف سے آپؑ کے سفیر مسلم ابن عقیل سے بے وفائی اور ان کے قتل کی اطلاع پا کر آپؑ پر واضح ہو چکا تھا کہ کسی قسم کی مدد یا حفاظت کی کوفہ میں کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود آپؑ نے تحفظ کی ایک پیش کش کو جو ان کو کی گئی، خواہ وہ کامیابی کی ضامن نہ بھی ہو، مکمل طور پر ٹھکرا دیا۔ ابو مخنف اور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ اس مقام پر کوفہ سے چار نمایاں شیعہ طرماح بن عدی الطائی کی راہنمائی میں آپؑ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ طرماح نے آپؑ سے پر زور التجا کی:

"بخدا میں نے کوفہ کو ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ جب آپؑ وہاں پہنچیں گے تو آپؑ ایک متنفس بھی ایسا نہ پائیں گے جو آپؑ کے دشمنوں کے خلاف آپؑ کو مدد دے سکے۔ خدا کی قسم اگر آپؑ وہاں پہنچے تو آپؑ اور آپؑ کے ہمراہی فوراً ذبح کر دیئے جائیں گے۔ خدا کے لئے اپنا خیال بدل دیجئے اور میرے ساتھ ہمارے پہاڑی محفوظ مقام پر چلئے۔ قسم خدا کی یہ پہاڑ بادشاہان غسان و حمیر کی دسترس سے بالاتر رہے ہیں اور نعمان المنظر یا کسی بھی کالے گورے (کسی بھی خطرناک دشمن) کی زد سے باہر رہے ہیں۔ واللہ اگر آپؑ میرے ساتھ چلنے کا فیصلہ کریں تو پھر کوئی بھی آپؑ کی اس طرح توہین نہیں کر سکتا اور نہ آپؑ کی راہ میں مزاحم ہو سکتا ہے (حر کی طرف اشارہ ہے) ایک مرتبہ آپؑ پہاڑوں پر ہماری بستیوں میں پہنچ جائیں تو ہم طے کے اور سلمٰی قبائل کے جوانوں کو بلا بھیجیں گے دس دن کے اندر اندر طے کے سوار اور پیادے آپ کی مدد کو آ پہنچیں گے آپؑ جب تک چاہیں ہمارے پاس ٹھہر سکتے ہیں اور اگر آپؑ وہاں سے قیام کرنا چاہیں یا آپؑ کو کسی قسم کی کوئی پریشانی ہو تو میں طے کے بیس ہزار جوانوں کے ساتھ آپؑ کے ہم رکاب ہوں گا جو آپؑ کے دشمنوں پر آپؑ کی

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

موجودگی میں ٹوٹ پڑیں گے۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ کوئی آپؑ کے قریب بھی نہیں آ سکے گا اور آپؑ کی حفاظت کے لئے بنی طے کی آنکھیں نگراں رہیں گی۔"[67]

امام عالی مقامؑ کا اس انتہائی قیمتی و بروقت پیشکش پر واحد جواب، جب کہ کوفہ کی طرف سے مدد کی ہر امید ختم ہو چکی تھی، یہ تھا:

"خدا تم پر اور تمہارے قبیلہ والوں پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ لیکن میرا کسی سے عہد ہے اور میں اپنے عہد و پیمان سے روگردانی نہیں کر سکتا اگرچہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ہمارے اور ان کے درمیان کیا حالات درپیش ہوں گے۔ البتہ یہ یاد رکھو کہ سب کچھ اللہ کی مشیت میں گزر چکا ہے۔"[68]

انسان یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جو شخص اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کس طرح اس اتنی حوصلہ افزا مدد کی پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ کیا کوئی ایسا سوچ بھی سکتا ہے کہ کوفہ میں تازہ ترین واقعات کو جاننے کے بعد امام حسینؑ اب بھی کسی حمایت کے متمنی تھے یا کوفہ میں ان کے بچ نکلنے کے معمولی سے بھی امکانات تھے؟ مزید براں یہ کہ ہمارے پاس اس حقیقت کے متعلق تفصیلی اطلاعات موجود ہیں کہ جب امام مظلوم کو منزل زبالہ میں اپنے قاصد قیس ابن مسہر کے بے دردانہ وحشیانہ قتل کی اطلاع ملی تو آپؑ نے اپنے تمام ہمراہیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ محفوظ مقامات کی طرف نکل جائیں اور ان کو تنہا چھوڑ دیں۔ منزل زبالہ کے بعد امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے اس قسم کا اعلان بار بار کیا اور آخری بار شب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عاشور بھی ان کو یہی مشورہ دیا۔ کیا یہ بات قابل فہم ہے کہ وہ فرد جو حکومت و اقتدار کے لئے کوشاں ہو، اپنے ساتھیوں کو، خواہ وہ کتنے ہی کم تعداد میں کیوں نہ ہوں، ان کا ساتھ چھوڑ دینے کا مشورہ دے سکتا ہے؟ کوئی بھی ان سوالوں کا جواب ہاں میں نہیں دے گا۔ پھر آخر امام حسینؑ کے ذہن میں کیا بات تھی کہ وہ کوفہ کی طرف بڑھ رہے تھے؟

یہ بات جان کر کتنی مایوسی ہوتی ہے کہ اسلام پر ساری مغربی تحقیق نے، جو کچھ زیادہ ہی تاریخی حقائق کی متلاشی ہے، اپنی توجہ کو واقعہ کربلا کی ہر دوسری بات سے علیحدہ ہو کر صرف خارجی پہلوؤں پر مرکوز کر لیا اور کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ اس کی داخلی سرگزشت کا، یا امام عالی مقامؑ کی کربناک ذہنی آویزش کا تجزیہ کیا جائے۔ انسانی جسم کے مختلف اجزا اور ان کی ساخت پرداخت کے متعلق علم جراحی معلومات فراہم کر سکتا ہے لیکن خود انسان کیا ہے، اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ واقعات کربلا کا ایک مجموعی مطالعہ و تجزیہ اس حقیقت کو منکشف کرتا ہے کہ ابتدا ہی سے امام حسینؑ مسلمانوں کے مذہبی شعور میں ایک انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ ان کے تمام اقدامات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ فوجی طاقت و قوت کے بل بوتے پر حاصل کی گئی کوئی بھی فتح مادی و وقتی ہوتی ہے، کیونکہ کوئی بھی قوی تر طاقت وقت کے ساتھ ساتھ اس فتح کو تہس نہس کر کے رکھ دے گی۔ لیکن وہ فتح جو ایثار و قربانی سے حاصل کی جائے، مستقل ہوتی ہے اور انسانی شعور پر دائمی نقوش مرتسم کرتی ہے۔ امام حسینؑ نے بانی اسلامؐ کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور ان کو اپنے والد بزرگوارؑ سے اسلامی طرز عمل کی محبت و عقیدت ورثہ میں ملی تھی۔ امتداد وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے مذہبی احساسات و جذبات اور تہذیب و اخلاق میں تیزی سے رونما ہونے والی زبردست تبدیلیوں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو محسوس کیا' اس وقت عمل اور رد عمل میں کشمکش کا ایک قدرتی سلسلہ چل نکلا تھا یہ سب کچھ اس طرح کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کا اسلامی ترقی پسند انقلاب' عربوں کی قدیم روایات پرستی کو جو قبل اسلام کے لادین طور طریق اور طرز فکر پر مبنی تھی' دبانے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن صرف تیس سال سے بھی کم عرصہ میں یہی عرب قدامت پسندی محمد عربیؐ کے اقدام کو ایک مرتبہ پھر چیلنج کرنے کے لئے ایک طاقت ور رد عمل کے طور پر دوبارہ قوت پکڑ چکی تھی۔ معاویہ کے عروج پکڑ جانے کے ساتھ ہی اس رد عمل کی قوتیں میدان عمل میں سرگرم ہو چکی تھیں۔ لیکن یزید کا جانشین ہو جانا اس بات کی واضح نشان دہی کرتا تھا کہ رجعتی طاقتیں خود کو متحرک کر چکی ہیں' اب پورے دم خم کے ساتھ دوبارہ ابھر چکی ہیں اور اس رد عمل کی قوت جو کردار یزید میں متشخص ہوتی تھی' اتنی طاقت ضرور تھی کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اقدام یا عمل کو مغلوب کر دے یا مسخ کر دے۔ امام حسینؑ کے خیال میں اس وقت اسلام کو قدیم عرب روایات کے خلاف محمد عربیؐ کے اقدام کے دوبارہ سرگرم عمل کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ لہٰذا ایک مکمل ضرب درکار تھی' اس قسم کی ضرب امام حسنؑ کے دور میں اتنی موثر نہ ہوتی کیونکہ ان کا مدمقابل معاویہ تھا گو اس میں بھی مذہب کا لحاظ و احترام نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ اس قدیم عربیت کے رجعت پسندانہ رویہ کو کم از کم ظاہراً طور ہی سہی' چھپائے ہوئے تھا۔ مگر یزید اتنی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس نے ان تمام ظاہرداریوں کا پردہ ہی چاک کر دیا۔ اس کا چال چلن حضور رسالت مآبؐ کی سنت اور شعائر قرآن کی کھلی تضحیک اور تمسخر کے مترادف تھا۔ اب یزید کی صورت میں قدیم عرب ذہنیت حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اسلامی عمل کے بالکل مخالف و متحارب تھی۔ اس بات کو کچھ ایسی مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے جیسے اپنے باپ کے دور حکومت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں حج کے زمانے میں یزید مدینہ آیا اور شراب پی کر دھت ہو گیا۔ امام حسینؑ اور ابن عباسؓ کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو یزید نے اپنے ملازم کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ امام حسینؑ کو شراب پیش کی جائے اور آپؑ پر زور دیا کہ نوش فرمائیں۔ جب امام حسینؑ نے سختی سے انکار کیا اور جانے کے لئے اٹھے تو یزید نے شراب کی مدہوشی میں یہ اشعار پڑھے:

"اے دوست کتنی عجیب بات ہے کہ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں اور آپ انکار کرتے ہیں عیش نشاط، گانے والیوں، شراب اور رقص و موسیقی سے اور لبالب جام مے سے، جب کہ اس کے کناروں سے چسکی لیتا ہے عربوں کا سردار اور ان گانے بجانے والیوں میں ایک ایسی بھی ہے جو آپ کے دل کو بھا گئی ہے اور اس کو دل دے کر کوئی پچھتاوا بھی نہیں ہے۔"

امام عالی مقامؑ برافروختہ ہوئے اور فرمایا: "لیکن تیرے دل کو او ابن معاویہ!" [۳۵]

یہی یزید اب خلیفہ اسلام اور امام حسینؑ سے اپنی بیعت کا طالب تھا۔ امام عالی مقامؑ کا یزید کو تسلیم کر لینا، اس کے شعائر اسلامی کے خلاف کھلم کھلا رجعت پسندانہ رویہ کی موجودگی میں، صرف ایک سیاسی تصفیہ کے معنی نہ رکھتا تھا، جیسا کہ امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان مسئلہ تھا، بلکہ یزید کے چال چلن اور طرز زندگی کی توثیق و تائید بھی تھا۔ یہ اقدام کرنا نواسہ رسولؐ کے لئے ناقابل تصور تھا جو اس وقت خانوادہ رسالتؐ کے سربراہ تھے اور سرکار رسالت پناہؐ کی سنت پاک کا جیتا جاگتا مجسمہ تھے۔

اسلامی عمل کے خلاف اس طرز عمل کا قلع قمع کرنے کے لئے امام

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حسینؑ نے اپنی حکمت عملی وضع کی۔ اپنے خانوادے اور اس میں اپنی موجودہ حیثیت کے اعتبار سے وہ سمجھتے تھے کہ انسانوں کی رشد و ہدایت ان کا فرض ہے اور اس کے رد عمل میں قدر و منزلت کا معیار بھی ان کا حق ہے' البتہ اگر اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جائے تو وہ اپنے نصب العین کے لئے قربانی دینے اور نذرانہ جان پیش کرنے کو تیار تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ محض عسکری طاقت اسلامی قول و عمل کی حفاظت کرنے میں ناکافی تھی۔ ان کے خیال میں اس کام کے لئے ایک خاص جذبہ کو جنبش دینے اور ہلانے کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے ایثار و قربانی' مصائب اٹھانے سے حاصل کریں گے۔ یہ بات خاص طور پر ان لوگوں کے لئے سمجھنا چنداں مشکل نہیں جو سقراط اور جون آف آرک جیسے لوگوں کی قربانیوں سے شجاعانہ اقدامات کی قدر و قیمت کو جانتے ہیں۔ ان دونوں نے موت کو اپنے اعلےٰ و ارفع نصب العین کی خاطر گلے لگایا اور سب سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی مثال ہے جنہوں نے نجات بنی نوع انسان کے لئے عظیم ترین قربانی دی۔

دراصل اپنے ان بہی خواہوں کے مشوروں کے جواب میں' جو آپؑ کے عراق جانے کے خلاف تھے' آپؑ کے فرمودات کو اسی انداز فکر پر سمجھا جا سکتا ہے۔ امام حسینؑ کا اپنے بچوں اور خواتین کو ساتھ لے لینا بھی اسی نہج پر واضح ہو جاتا ہے' حالانکہ ابن عباس کا برابر یہی مشورہ تھا کہ اگر آپؑ اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہوں بھی تو کم از کم اپنے اہل و عیال کو تو ساتھ نہ لے جائیں۔ ان رجعت پسند قوتوں کی وحشیانہ و ظالمانہ فطرت کی نوعیت سے پوری طرح باخبر امام حسینؑ جانتے تھے کہ بنی امیہ ان کو قتل کرنے کے بعد ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیں گے اور ان سب کو کوفہ سے دمشق لے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جائیں گے۔ قیدیوں کا یہ قافلہ جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کے قریب ترین اعزہ پر مشتمل تھا' پیغام امام مظلومؑ کی نشر و اشاعت کر سکتا اور مسلمانوں کے دل و دماغ کو اس سانحہ پر غور کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ ان کو تمام معاملات پر غور کرنے کی دعوت دے کر ان کے ضمیر و احساس کو بیدار کر دے گا اور ہوا بھی بالکل اسی طرح۔ امام حسینؑ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اسلامی تہذیب و اخلاق اور انداز فکر و نظریہ پر امام حسینؑ کے اقدام کا کیا اثر پڑا' آج اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ یہ اثر اطرف و اکناف پر چھا گیا۔ اگر امام حسینؑ اس طریقہ سے مسلمانوں کے ضمیر و احساس کو نہ جھنجھوڑتے اور بیدار نہ کرتے تو کون کہہ سکتا تھا کہ یزید کا طرز زندگی مسلم معاشرت کا معیار کردار نہیں ہے' جبکہ وہ نواسہ رسولؐ کا توثیق شدہ اور تسلیم شدہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یزید کی طرح کی ملوکیت مسلمانوں میں ضرور مروج ہو گئی' نیز یہ کہ بنی امیہ کے بادشاہوں کی ذاتی زندگی کے خصائل و سیرت یزید کے افعال و اعمال سے مختلف نہ تھے تاہم قربانی امام مظلومؑ سے خیال و فکر پر جو تبدیلی چھائی وہ شعائر اسلامی اور حاکمان وقت کے ذاتی کردار کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرنے کا فریضہ انجام دیتی رہی۔

تاریخ اسلام کے قرون وسطیٰ کے چند ایک مصنفین کو چھوڑ کر' جو بعض مخصوص مفادات ذاتی کی خاطر مجبور تھے' مسلمان مورخین و شارحین نے امام حسینؑ کے شجاعانہ اقدام کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ یقیناً یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ دور جدید میں ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان مفکرین نے بڑھ چڑھ کر امام حسینؑ کی قربانی اور شہادت کے فلسفہ پر بے لاگ تصانیف قلم بند کی ہیں۔ پچھلے چند عشروں میں چھپنے والی ان لا تعداد کتابوں میں سے' جو عالم اسلام کی موجودہ بیداری اور شعور نو کی عکاسی ہیں'

jabirabbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہم اپنے قارئین کو صرف دو کی طرف متوجہ کرنا چاہئیں گے۔ ایک تصنیف مشہور مصری مصنف عباس محمود العقاد کی ہے، جس کا نام ابو الشہدا حسین بن علیؑ [70] (شہیدوں کے باپ حسین ابن علیؑ) اور دوسری کتاب الامام الحسینؑ ثم المنافہ ثم الذات [71] (امام حسینؑ، عظیم مقصد، عظیم شخصیت) جس کے مصنف ایک عظیم لبنانی مفکر شیخ عبد اللہ الائیلی ہیں۔ یہ کتاب امام حسینؑ کی سوانح حیات، آپؑ کے دور اور آپؑ کی شہادت پر ایک جامع مطالعہ ہے۔ ان دونوں مصنفین نے، جن میں اول الذکر تاریخ و فلسفہ کے ایک غیر جانبدار مفکر ہیں اور موخر الذکر تجر علمی کے مالک اور مذہبی مفکر ہیں، امام حسینؑ کے رفیع الشان نصب العین، فکر و مقصد و مفہوم پر بڑی تفصیلی نگاہ ڈالی ہے۔

اب ہمیں گذشتہ سطور میں بیان کردہ واقعہ کربلا کے دوسرے نتیجے کا جائزہ لینے کی طرف متوجہ ہونا ہے یعنی ان افراد کے مذہبی احساسات کا تعین کرنا ہے جنہوں نے برضا و رغبت امام حسینؑ کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ تمام ذرائع تاریخ اس سانحہ کو بیان کرتے ہوئے ان اصولی احساسات پر کافی وافی مواد فراہم کرتے ہیں جنہوں نے ناصران امام حسینؑ کو آرام و امن کی زندگی گزارنے کے مقابلہ میں جان دینے پر مجبور کیا، جب کہ یہ ایک ایسا انتخاب یا فیصلہ تھا کہ آخری لحات تک وہ اس پر عمل کرنے میں آزاد تھے۔ متعدد مواقع پر ان اصحاب کی طرف سے اظہار وفاداری کے سلسلے میں جو عہد و پیمان اور تقریری اظہارات ہوئے ان کا جائزہ لینے سے اس بات کی وضاحت کی جا سکتی ہے اور یہ احساسات اس رزمیہ شاعری (رجز = بیان شخصیت کے مقابلہ) سے بھی معلوم ہو جاتے ہیں جس کا دونوں طرف کے بہادروں کے درمیان تبادلہ ہوتا رہا۔ عرب جنگ و جدل میں یہ دستور تھا کہ جب دو جنگ جو ایک دوسرے سے لڑنے آتے تو ہر ایک اپنا قبیلہ، اس کے کارہائے نمایاں، مرتبہ و منزلت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور وہ موقف و مقصد، جس کی خاطر وہ جنگ کر رہا ہے، بیان کرتا ہے۔ ہم ان واقعات میں سے چند ایک مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں جن سے یہ بتانا مقصود ہے کہ امام حسینؑ کا ساتھ دینے والوں اور جان دینے والوں کا ایک خاص اصولی موقف تھا جس کی خاطر انہوں نے امام کے ہمراہ قیام کیا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ امام حسینؑ کے قاصد قیس ابن مسہر، جن کو آپؑ نے مقام حاجر سے کوفہ والوں کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے بھیجا تھا، مقام قادسیہ پر گرفتار کر لئے گئے جن کو جواب طلبی کے لئے ابن زیاد کے روبرو پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے انہیں محل کی چھت پر جانے اور امام حسینؑ پر سب و شتم کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کو موت سے ہم کنار ہونا پڑے گا۔ قیس نے اس موقع کو اپنے مقصد کی اشاعت کے لئے غنیمت جانا۔ انہوں نے لوگوں سے اس طرح خطاب فرمایا:

> "اے اہل کوفہ! میں امام حسینؑ کا قاصد ہوں اور میں تمہارے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ امام حسینؑ نواسہ رسولؐ اس وقت زمین پر بسنے والے بندگان خدا میں بہترین فرد ہیں اور کسی اور فرد کے مقابلے میں ان کا تم پر زیادہ حق ہے۔ لہٰذا یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کی دعوت پر لبیک کہو۔"

اس کے بعد قیس نے ابن زیاد پر لعنت بھیجی اور علی مرتضیٰؑ پر اللہ کی رحمت و برکت کی دعا کی۔[72] اس پر انہیں چھت سے نیچے گرا کر مار دیا گیا اگر ہم قیس کے طریق کار کا حجر بن عدی الکندی کے طرز عمل سے مقابلہ کریں، جو بارہ برس قبل دیکھنے میں آیا تھا اور جس کا ذکر سابقہ باب میں گزرا ہے تو ہم ایک مسلسل و مستعد روش فکر محسوس کرتے ہیں جو ان دونوں کو شیعہ مسلک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فکر کے ایک غیر منقطع سلسلہ میں منسلک کرتی ہے۔ قیس کا قرابت رسولؐ کے مخصوص حوالہ سے امام حسینؑ کا تعارف کرانا اور بیان کرنا کہ زمین پر اپنے دور میں وہ بہترین مرد خدا ہیں، ان ہی نظریات کی صدائے بازگشت ہے جو ابتدا ہی سے ان کے طرف داران علی الاعلان بلند کرتے چلے آ رہے تھے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا روز عاشور سے بالکل پہلے (9 محرم) ابن سعد نے ابن زیاد کی طرف سے فوراً حملہ کرنے کا حکم ملتے ہی اپنی فوجوں کو امام حسینؑ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ امام عالی مقامؑ نے اپنے بھائی عباسؑ کو مع اپنے چند ایک نمایاں اصحاب کے ایک رات کی مہلت مانگنے کے لئے بھیجا۔ کچھ ردوکد کے بعد اس کی منظوری دے دی گئی اور جناب عباسؑ امام حسینؑ کو یہ اطلاع دینے کے لئے واپس ہوئے۔ مگر حبیب ابن مظاہر اور زھیر بن القین، جو حضرت عباسؑ کے ساتھ آئے تھے، بنی امیہ کی افواج کو یہ باور کرانے کے لئے پیچھے رہ گئے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں غلط ہے۔ ان دونوں افراد اور مخالفین کے درمیان ہونے والے پر از معلومات مکالموں کا ذکر اوراق تاریخ میں محفوظ ہے۔ پہلے حبیب ابن مظاہر نے اس فوج سے خطاب کیا:

> "قسم خدا کی! کتنے مذموم اور بدبخت ثابت ہوں گے وہ لوگ جو خانوادہ رسالتؐ اور اپنے ہی نبیؐ کی اہل بیت کو قتل کرنے کے بعد خدا کے روبرو حاضر ہوں گے۔ اس مقدس خاندان کے افراد تو وہ ہیں جو خدا کے سب سے پاک سجدہ گزار ہیں، جو خدا کی بندگی میں اپنی صبحیں بسر کرتے ہیں، ایسی حالت میں کہ یاد الہی میں مستغرق ہوتے ہیں۔"

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بنی امیہ کی طرف سے عذر ابن قیس نے طنز آمیز انداز میں جواب دیا: "تم اپنی روحوں کی جتنا چاہو صفائی کرتے پھرو" (مراد یہ کہ تم ہم کو باور کرانے کی کوشش نہ کرو) جس کے جواب میں زہیر بن القین نے کہا:

"او عذر خدا نے یقیناً ہماری روحوں کو پاک کر دیا ہے اور ہمیں ہدایت یافتہ کیا ہے۔ پس اے عذر خدا سے ڈر کیونکہ میں تمہیں نہایت خلوص سے مشورہ دے رہا ہوں اللہ تمہیں سوچنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ کیا تم یہ چاہو گے کہ تم ان مقدس و مطہر افراد کو قتل کرنے کا غلط راستہ اختیار کرنے والوں میں سے ہو جاؤ (امام حسینؑ اور اہل بیت کے دوسرے افراد)"؟ عذر ابن قیس دوبارہ ہرزہ سرا ہوا: "اے زہیر تم تو شیعان علیؑ میں سے نہ تھے، بلکہ عثمانی خیال کے انسان تھے۔" زہیر نے اس کا جواب دیا: "لیکن اب میں امام حسینؑ کی نصرت میں ہوں۔ لہٰذا تم کو یہ جان لینا چاہیئے کہ میں شیعان علیؑ سے ہوں۔"[73]

اس ایک رات کی مہلت اور تمام امید امن کے محو ہو جانے کے بعد یہ بات یقینی ہو گئی کہ آنے والی صبح امام عالی مقامؑ اور ان کے اصحاب کے لئے پیغام شہادت لے کر آ رہی ہے۔ لہٰذا آپؑ نے اپنے جاں نثاروں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ انہیں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں کیونکہ دشمن کو صرف ان کا سر چاہیئے۔ اس خطاب کے جواب میں امام حسینؑ کے تمام نمایاں اصحاب و اعزہ نے اپنی شہادت تک ان کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا۔ اس موقع پر جو آپؑ کے اعزہ جیسے جناب عباسؑ، جو آپؑ کے سوتیلے بھائی تھے اور دوسرے رشتہ داروں کی طرف سے جو عہد و پیمان وفا کیے گئے،[74] ان کا ذکر کرنا مناسب نہ ہو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گا کیوں کہ اس کے معنی سربراہ خاندان کے ساتھ، خاندانی وابستگی کے لئے جائیں گے۔ لہٰذا ہم یہاں ان افراد کے اعلانات نصرت و وفا کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھیں گے جن کا امام حسینؑ سے کسی رشتہ، کنبہ یا قبیلہ کا تعلق نہ تھا، بلکہ صرف مذہبی یا اصولی و اساسی وابستگی تھی۔

امام حسینؑ کے بزرگ اصحاب میں سے مسلم ابن عوسجہ کھڑے ہوئے اور اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کیا:

"ہم کس طرح آپؑ کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں؟ آپؑ کی نصرت کا فریضہ ادا کرنے کے سلسلے میں خدا کے سامنے کیا منہ دکھائیں گے؟ نہیں، واللہ باللہ، ہرگز نہیں، ہم آپؑ سے قطعاً جدا نہ ہوں گے۔ ہم اپنے آخری سانس تک آپؑ کی حمایت میں داد وفا دیں گے اور آپؑ کے ساتھ داعی اجل کو لبیک کہیں گے۔"[75]

اس کے بعد سعد بن عبد اللہ الحنفی امام حسینؑ سے اسی طرح مخاطب ہوئے:

"ہمیں قسم ہے خداوند تعالیٰ کی ہم آپؑ سے ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک کہ ہم اپنی زندگیوں کا نذرانہ پیش کر کے خدا کے سامنے یہ ثابت نہ کر دیں کہ ہم نے اس ذمہ داری کو، جو آپؑ کے لئے پیغمبر خداؐ کی طرف سے ہم پر عائد ہوئی تھی، نہایت خلوص و ایمان سے پورا کر دیا ہے۔ قسم خدا کی اگر مجھے یہ پتہ ہو کہ میں مارا جاؤں گا اور مجھے پھر نئی زندگی ملے گی، پھر مجھے زندہ جلا دیا جائے گا اور ایسا ستر مرتبہ کیا جائے گا، تو میں پھر بھی آپؑ کا ساتھ نہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چھوڑوں گا، حتیٰ کہ آپؑ کے قدموں میں جان دے دوں اور میں ایسا کس طرح نہ کروں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھے صرف ایک ہی مرتبہ قتل ہونا ہے اور پھر دائمی اعزاز و افتخار میری منزل ہے۔ (بدایہ میں آخری جملہ اس طرح لکھا ہے) بخدا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں آپؑ کے سامنے ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں گا اور اس طرح آپؑ کی اہل بیتؑ کے دوسرے افراد کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی، تو میں ہزار مرتبہ مرنے ہی کی تمنا کروں گا، مگر یہ موت صرف ایک ہی مرتبہ ہے اور اس کے بعد دائمی افتخار میرا مقدر ہے۔"[76]

jabir.abbas@yahoo.com

ہمارے تاریخ نگار زہیر بن القین کی ایسی ہی ایک تقریر کا حوالہ دینے کے بعد بتاتے ہیں کہ تمام اصحاب امام حسینؑ نے اسی لب و لہجہ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا اور کم و بیش ان الفاظ میں اپنی وفاداریوں کا اظہار کیا:

"خدا کی قسم! ہم آپؑ کو اکیلا نہ چھوڑیں گے، حتیٰ کہ ہم سب قتل کر دیئے جائیں اور ہمارے جسموں کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ فقط اسی طرح ہم اپنی ذمہ داریوں کو آپؑ کے لئے پورا کر سکیں گے۔"[77]

ان تمام بیانات و اعلانات وفاداری کا ماحصل بڑی ہی مفید معلومات فراہم کرتا ہے جس سے اس بات کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جذبہ دین ہی تھا جس نے اصحاب امام حسینؑ کو اتنی ابتلا و مصیبت کے وقت اتنا پختہ و پرجوش بنا دیا تھا۔ ان اعلانات وفا سے جو نکات مترشح ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

ا۔ پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ امام حسینؑ کے براہ راست اور قریب ترین

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تعلق کی اہمیت کی تاکید نہ کہ صرف علی مرتضےؑ سے امام حسینؑ کا رشتہ۔

۲۔ امام حسینؑ سے غداری خود سرکار رسالت پناہؐ سے غداری ہوگی یا دوسرے الفاظ میں امام حسینؑ کے ساتھ وفاداری خود محمد عربی پیغمبر خداؐ کے ساتھ وفاداری ہے۔

۳۔ امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دینا دراصل مذہب اسلام کو ترک کر دینا ہے جس کی ان کے جد امجد پیغمبر اسلامؐ نے لوگوں کو تبلیغ فرمائی تھی۔

۴۔ امام حسینؑ کے ساتھ آج کے دن غداری دراصل روز حساب اپنی بربادی کا سامان مہیا کرنا ہے اور شفاعت رسولؐ سے خود کو محروم کرنا ہے، تاہم ان تمام معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی سوچ میں ایک امام یا مرکزی حاکم تھا جو اس تمام محبت و عقیدت کا مرکز نگاہ تھا، جو پیغمبر اسلامؐ کی اپنی ذات سے وابستہ تھی۔[78]

روز عاشور لڑائی کی ابتدا ہونے سے کچھ دیر قبل حر بن یزید، جو اموی افواج کا ایک معزز سالار تھا اور پہلا فرد جس نے امام عالی مقامؑ کا سامنا کر کے کربلا میں انہیں رکنے پر مجبور کیا تھا، جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا، اب خود اپنے احساس اور ضمیر کے بالمقابل کھڑا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک زبردست طوفان و تضاد موجزن تھا۔ وہ نواسہ رسولؐ کے مقدس خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرنے یا اپنے عہدہ، قوت و اقتدار اور ایک روشن مستقبل کو چھوڑنے کے درمیان انتخاب کرنے پر مجبور تھا۔ اس کے جذبہ نے آخر فتح پائی اور اس نے موخر الذکر متبادل راہ کو اختیار کیا۔ اس نے اچانک امام حسینؑ کے خیام کی سمت اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، امامؑ کے قدموں پر خود کو گرا دیا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور فرط جذبات سے چلایا:

"اے فرزند رسولؐ! حاضر خدمت ہے وہ شخص جس نے اس مقام پر روک کر آپؑ کے ساتھ نہایت بے انصافی کی ہے اور آپؑ کو اتنی اذیت و تکلیف پہنچائی ہے۔ کیا آپؑ کے لئے اتنے بڑے گنہگار کو معاف کر دینا ممکن ہے؟ مجھے قسم ہے اپنے خدا کی کہ میں نے یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ یہ لوگ اس حد تک بڑھ جائیں گے کہ اپنے پیغمبرؐ کے نواسہؑ کا خون بہانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ میرا خیال تھا کہ وہ تین متبادل تجاویز، جو آپؑ نے پیش کی ہیں، ان میں سے کسی ایک کو ضرور قبول کر لیں گے اور اس طرح بالآخر کسی نہ کسی قسم کی مصالحت کی فضا پیدا ہو جائے گی اور اس طرح میں اپنے عہدہ و مرتبہ کو برقرار رکھنے میں بھی کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن اب جب کہ امن و آشتی کی تمام امیدیں ختم ہو چکی ہیں۔ میں دنیاوی مفاد کی خاطر جہنم قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے معاف فرما دیں اور اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں۔ صرف یہ کر کے میں اپنے خدا کی نظروں میں اپنے ان گناہوں کی تلافی کر سکتا ہوں جو میں نے آپؑ کے ساتھ روا رکھے ہیں۔"[79]

امام عالی مقامؑ نے حر کو اپنے سینے سے لگا لیا اور ارشاد فرمایا:

"تم اپنی فطرت میں آزاد اور نیک نہاد ہو جیسا کہ تمہارا نام تمہاری ماں نے حر رکھا ہے۔"

حر اس کے فوراً بعد اموی افواج کے سامنے آئے اور اپنے ساتھی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فوجیوں سے امام حسینؑ کی حمایت میں دیر تک خطاب کیا۔ نواسہ رسولؐ کے لئے ان کی بے ادبانہ حرکات کو مذموم قرار دیتے ہوئے ان کو شرم دلائی اور روز مکافات سے ان کو ڈرایا۔[80] نتیجہ یہ نکلا کہ حر امام حسینؑ کی طرف سے شہید ہونے والے سب سے پہلے افراد میں قرار پائے۔ جنگ شروع ہونے سے کچھ دیر قبل حر کا فوج یزید سے کٹ کر امام حسینؑ کی طرف چلا جانا اور اموی افواج کے ہاتھوں ان کا قتل ہو جانا، اتنی ہی تاریخی اہمیت کا حامل ہے جتنا کہ خود واقعہ کربلا۔ امام حسینؑ کی طرف حر کے آ جانے کو تمام مورخین نے متفق علیہ قرار دیا ہے۔ کسی انتظامیہ سے حر کا جسمانی انحراف تاہم اتنی اہمیت کا حامل نہ تھا جتنا کہ وہ اصول جو حر کے اموی افواج سے الگ ہو جانے کا سبب ہے اور جس اصول و اساس پر ہمیں نہایت سنجیدگی سے غور و خوص کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ غالبا شیعہ نقطہ نظر کی اور اس مکتب فکر کی، جس کی خاطر اصحاب امام حسینؑ جان کی بازی لگا رہے تھے، سب سے بڑی واضح فتح تھی۔ اس آخری لمحہ پر حر کے ذہن کا طرز فکر و عمل، جیسا کہ اس کے ان بیانات سے جن کا ابھی ذکر کیا گیا، بعینہ وہی ہے جو امام حسینؑ کے اصحاب پاک کا تھا۔ یہ بات ایک بار پھر اس نقطہ نظر کو تقویت دیتی ہے جو شیعہ عقائد و مسلک کا ایک خاص انداز فکر ہے۔

اس سلسلے میں رجز کے وہ اشعار کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں جن کا اصحاب امام حسینؑ اور ان کے مخالفین کے درمیان تبادلہ ہوتا رہا۔ ان میں سب سے زیادہ بصیرت افروز درج ذیل ہیں: اسی حر نے جب وہ دشمنوں سے برسرپیکار ہوئے تو اپنا یوں تعارف کرایا:

1۔ "میں اس امامؑ کے لئے تمہارے سروں پر تلوار کی ضربیں لگاؤں گا جو تمام باشندگان مکہ میں سب سے ارفع و

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعلیٰ ہے۔"[81]

نافع ابن ھلال الجمالی' امام حسینؑ کے ایک صحابی آگے بڑھے اور اپنے مدمقابل کو طلب کرتے ہوئے یوں اپنا تعارف کرایا:

2۔ "میں بنو جمال کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں اور میں علیؑ کے مذہب (دین علیؑ) پر ہوں"

دشمن کی طرف سے ایک فرد مزاحم بن حریث آگے بڑھا اور یوں للکارا:

"میں تم سے جنگ کروں گا۔ میں عثمانؓ کے مذہب (دین عثمانؓ) پر ہوں۔"

نافع نے فوراً منہ توڑ جواب دیا:
"نہیں تم شیطان کے دین پر ہو۔"[82]

جب زہیر بن القین لڑنے کے لئے آئے تو یوں مبارز طلب ہوئے۔
"میں زھیر ہوں' قین کا فرزند' میں اپنی شمشیر سے حسینؑ کا دفاع کروں گا اور ان کی حفاظت کروں گا۔"

اور امام حسینؑ کی طرف منہ کر کے یوں کہا:
"جس دن میں آپؑ کے جد امجد پیغمبر اسلامؐ سے ملاقات کروں گا تو میں صراط مستقیم کی سمت گامزن ہوں گا اور اس دن بھی جس دن میں امام حسنؑ اور علی مرتضیٰؑ اور جعفر طیارؓ سے ملاقات کروں گا۔"[83]

رجز کی صورت میں جنگی اشعار' جو دونوں طرف سے جنگ کرنے

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

والوں نے پڑھے' جو نہایت معتبر تاریخی ذرائع سے ہم تک پہنچے اور جن کا ہم عنقریب جائزہ لیں گے' ایک بڑا مفید مطالعہ ہیں اور کئی اہم امور کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ہم نے اختصار کی خاطر صرف تین کا حوالہ دیا ہے۔ تاہم اپنے نقطہ نظر کے یہ حتمی اعلانات کافی حد تک اس بات کا اشارہ کرتے ہیں کہ ان افراد میں شیعہ انداز فکر پوری طرح موجزن تھا جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جام شہادت نوش کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ حر کا یہ بیان کہ حسینؑ امام ہیں' باشندگان مکہ میں سب سے افضل انسان ہیں' نافع اور زہیر کے اعلانات کہ وہ علی مرتضٰیؑ کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور راہ ہدایت پر گامزن تھے' یہ تمام بیانات از خود مکمل وضاحت پیش کرتے ہیں اور کسی مزید تبصرہ کی حاجت نہیں رکھتے۔ پھر بھی اصحاب امام حسینؑ کے حتمی اعلانات کہ وہ علی مرتضٰیؑ کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں' توجہ کو اس طرف ضرور مبذول کراتے ہیں کہ انہوں نے اس اصطلاح (دین علیؑ) کو خالص مذہبی مفہوم میں استعمال کیا ہے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے جنہوں نے خود کو علی مرتضٰیؑ کے ہمراہ اس قسم کے نام سے جنگ جمل' جنگ صفین اور دوسرے مواقع پر پکارا تھا' مگر سیاسی وجوہ کی بنا پر اور وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ہاتھوں خود کو صاحب اقتدار اکثریت کے ساتھ مدغم کر لیا تھا اور اب علی مرتضٰیؑ کے فرزند کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ اس کے مقابل ان تمام اقتباسات پر غور کرتے ہوئے' جن کا اوپر حوالہ آ چکا ہے' ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تمام واقعہ کربلا کے دوران اصحاب امام حسینؑ میں ایک مسلسل اور مستقل اصولی و اساسی رجحان موجود تھا جو ان کے دین علی مرتضٰیؑ پر ہونے کے اعلان پر مبنی تھا۔ یہی وہ رجحان تھا جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں اس کا جائزہ لیں گے' شیعہ عقائد کی زیادہ واضح شکل اختیار کر گیا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اس رجحان نے باقی جماعت کے مقابلے میں ایک علیحدہ مسلکی و دینی اصول (کلام) اور قانونی نظام (فقہ) استوار کر لیا۔

سانحہ کربلا پر تبصرہ کرتے ہوئے فلپ ہٹی (Philip Hitti) جیسے محقق و مفکر کو یہ لکھنا پڑا کہ:

"شیعہ ازم ۱۰ محرم کو وجود میں آیا۔"[84]

ہمارے سب ہی مورخین سے اخذ کردہ معلومات اور وہ تمام ثبوت اور شہادتیں جو سابقہ سطور میں پیش کی گئیں، اس نقطہ نظر کی مکمل تردید کرتی ہیں۔ اس کی بجائے اس مواد کا ایک محتاط مطالعہ، جو مختلف مکاتب فکر کے ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے، اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ شیعہ اصولی موقف سرکار رسالت پناہؐ کی رحلت کے وقت ہی سے منصۂ شہود پر آ چکا تھا اور امام حسینؑ کی شہادت نے تو "باضابطہ شیعہ مکتب فکر پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔"[85] اسی مقصد کے لئے ہم کو ان تقاریر، عہد و پیمان وفا اور جنگی اشعار کی تفصیل میں جانا پڑا جو امام حسینؑ کی شہادت سے قبل پڑھے گئے اور موجود رجحانات و میلانات کی نوعیت کو، جو المیہ کربلا کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے گردش میں تھے، پوری طرح واضح کر کے دکھاتے ہیں۔ تاہم ناقابل تردید حقیقت لازمی طور پر یہی ہے کہ سانحہ کربلا نے اس سلسلہ میں ایک زبردست اہم کردار ادا کیا، شیعہ مسلک کی تخلیق میں نہ سہی لیکن وہ شیعہ تشخص کے مستحکم کرنے میں ضرور کام آیا۔ امام حسینؑ کے اس الم ناک انجام کا شیعہ مسلک کی اشاعت اور اب تیزی سے پھیلنے کے ایک موثر وسیلہ کے طور پر کام آنا تو طے شدہ تھا اور یہ بات بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سانحہ کربلا نے شیعہ اسلام کو ایک ایسے والہانہ جذبہ سے سرشار کر دیا جو انسان کی طبیعت کو ہر دوسری چیز سے قطع کر کے اصول و اساس مذہب کا زیادہ دلدادہ کر دیتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد ہی سے یہی والہانہ جنون و جذبہ ہے جو شیعوں کی مخصوص علامت بن جاتا ہے۔ المیہ کربلا نے اپنے فوری اور آئندہ مرتب ہونے والے نتائج کے تحت تین ہزار توابین (اپنے کیئے پر نادم) کو جنم دیا' جنہوں نے نواسہ رسولؐ سے اپنے عہد وفا کے پورا کرنے میں ناکامی پر شرم ساری کا اظہار' خود کو موت کے حوالے کرنے میں ہی مناسب جانا۔ اس واقعہ نے امیر مختار کو وہ بنیاد فراہم کی جس سے انہوں نے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور اسی واقعہ نے بنی امیہ کی حکومت اکھاڑ پھینکنے کے لئے بنی عباس کو ایک موثر نعرہ فراہم کیا اور آخر الامر نام امامؑ اور یاد امامؑ دونوں شیعہ اخلاقی و مذہبی جذبہ و جوش کا جزو لاینفک بن گئے۔[86]

واقعہ کربلا کی ساری روئداد مع خطبات' عہد و پیمان وفا اور رجزیہ اشعار' جو انصاران امام حسینؑ نے پڑھے' فراہم کرنے والے ذرائع معلومات و کتب تواریخ کے مستند ہونے پر ایک مختصر جائزہ صحیح و سالم حالت میں موجود ہے۔ اس سانحہ سے متعلق ہماری تمام معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ (المتوفی ۱۵۷ھ بمطابق ۷۷۴ء) ہے جو واقعہ کربلا کا مفصل حال لکھنے والا سب سے پہلا مورخ ہے۔ اس کی کتاب کا نام (مقاتل الحسینؑ) ہے اور اس کی متعدد تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا ذکر کتابوں کے نام و مصنف مرتب و مدون کرنے والوں نے متفقہ طور پر کیا ہے۔[87]

ابو مخنف کا' جو قدیم ترین اور بہترین عرب مورخین میں سے ہے' بڑے پائے کے محققین نے تفصیلی و تنقیدی مطالعہ کیا ہے جیسے ویل ھاوزن (Well Hausen)[88] اور بہت سے دوسرے افراد اور حال میں ارسلہ سیزنگ (Ursual Sesgin) نے ابو مخنف پر ایک بہت عمدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام "ابو مخنف" ہے۔[89] تمام شارحین نے ابو مخنف کو بنی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امیہ کے دور حکومت میں عراق و کربلا کے واقعات حالات پر عمومی طور پر سب سے بااعتماد و مستند مصنف تسلیم کیا ہے۔ یہ بات ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ابو مخنف کا یہ اصول ہے کہ وہ اپنے مضامین و مواد کو اپنے پیشروؤں سے یا دور افتادہ ذرائع سے نہیں لیتا بلکہ مختلف سمتوں میں تلاش کرتے ہوئے ان افراد سے براہ راست معلومات اکٹھی کرتا ہے جنہیں یا تو موقع کی معلومات بلاواسطہ حاصل ہیں یا جو واقعہ کے وقت دیکھنے یا سننے والوں میں موجود تھے۔ راویان واقعات کا تسلسل اس کے ہاں کوئی ادبی آرائش نہیں ہے بلکہ صداقت تحقیق ہے اور یہ عموماً نہایت مختصر ہوتا ہے۔ واقعات کو بیان کرنے کے فوراً بعد لکھتے ہوئے ابو مخنف اپنے اور عینی شاہد کے بیانات کے درمیان صرف ایک واسطے سے اپنے تذکرہ کو آگے بڑھاتا ہے۔[90] GIBB کی رائے ہے کہ ابو مخنف اپنے بیان واقعات میں کوفی یا عراقی نقطہ نظر کو بہ نسبت خالص شیعہ نقطہ نظر کے بہتر پیش کرتا ہے۔[91] اس سلسلہ میں اس کی ہمدردیاں شام کے مقابلے میں عراق اور بنی امیہ کے مقابلے میں علی مرتضیٰؑ کے ساتھ ہیں۔ پھر بھی Well Hausen کے خیال میں اس کے ہاں کسی قسم کا تعصب نظر نہیں آتا، کم از کم اتنا کہ جو حقیقت کو بالکل جھٹلا کر رکھ دے۔[92]

مقتل ابو مخنف ہم تک متعدد ذرائع سے پہنچا ہے۔ طبری نے سب سے پہلے اس کی تصنیف سے پوری طرح استفادہ کیا ہے اور اس طرح طبری ابو مخنف کے متن کا سب سے بڑا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں طبری ابو مخنف کا براہ راست حوالہ دیتا ہے۔ لیکن بہت سی روایات کو وہ ہشام بن محمد الکلبی سے بھی پیش کرتا ہے لیکن ان میں سے بھی اکثر کا ابو مخنف ہی بنیادی واسطہ نکلتا ہے۔ کبھی تو طبری روایت کو یہ کہہ کر شروع کرتا ہے: "ابو مخنف نے فلاں فلاں سے بیان کیا........" اور کبھی یہ کہہ کر:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ہشام (بن الکلبی) نے ابو مخنف اور اس نے فلاں فلاں سے روایت کیا ہے.........۔" اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول الذکر کیفیت میں طبری ابو مخنف سے براہ راست حوالہ دے رہے ہیں جب کہ مؤخر الذکر کیفیت میں ابو مخنف کو ابن الکلبی کی تصحیح کے طور پر نقل کر رہے ہیں۔ ابو مخنف اور ابن الکلبی کے علاوہ طبری اور بہت سی روایات کو بیان کرتے ہیں' جو دیگر راویوں کی منتقل کردہ ہیں' جو گذشتہ روایتوں کو تنوع بخشتی ہیں' لیکن اکثر ابو مخنف ہی کی تصدیق کرتی ہیں۔

ابو مخنف تک پہنچنے کا ایک اور ذریعہ بلاذری ہے (المتوفی ۲۷۹ھ بمطابق ۸۹۳-۸۹۲ء) جس کی کتاب انساب الاشراف متعلق بہ امام حسینؑ ابھی تک نہیں چھپی تھی' لیکن جس سے Veccia Vagliere نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے نئے ایڈیشن میں امام حسینؑ پر اپنے طویل اور مشرح و مبسوط مضمون میں کافی استفادہ کیا ہے۔ Vagliere کے مطابق "بلاذری نے تقریباً انہی ذرائع سے استفادہ کیا ہے جن سے طبری نے کیا ہے لیکن اکثر الفاظ قال (انہوں نے کہا) سے شروع کرتے ہوئے وہ ان ذرائع کے خلاصے پیش کرتے ہیں اور کچھ اضافی کلمات بھی فراہم کرتے ہیں۔ بلاذری کے قلمی نسخہ کا ہمارا اپنا مطالعہ ہم کو Vagliere کے نتائج فکر سے اتفاق کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ پس انساب کے قلمی نسخہ سے تفصیلی حوالہ جات پیش کرنے غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں۔"[93]

ان دونوں کے علاوہ دیگر مصنّفین نے بھی ابو مخنف سے پوری طرح استفادہ کیا ہے' ہم نے اس سلسلہ میں ابن کثیر کا بھی حوالہ دیا تھا (المتوفی ۷۷۴ھ بمطابق ۱۳۷۳-۱۳۷۲ء) جو ابن تیمیہ کا شاگرد تھا جو شامی مکتب فکر کا ایک کٹر سنی مسلمان تھا اور شیعوں کی اکثر مخالفت کرتا تھا جن کو وہ رافضی کہا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتا تھا۔ ابن کثیر جو اکثر اپنی ہی منتخب کردہ روایات لکھتا تھا ابو مخنف کی اکثر عبارتوں کے ان اجزا کو نظر انداز کر دیا کرتا تھا جو اس کے مفادات سے براہ راست متضاد تھے مثلاً حضرت عثمانؓ سے متعلق حوالہ جات وغیرہ۔ اس کے علاوہ ابو مخنف کا باقی سلسلہ گفتگو تسلیم کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس اولین شیعہ مصنف مثلاً شیخ مفیدؒ (المتولد ۳۳۶ھ بمطابق ۹۴۷ء اور المتوفی ۴۱۳ھ بمطابق ۱۰۲۲ء) نے اپنی کتاب "ارشاد" میں اور دوسرے افراد نے المیہ کربلا کو بیان کیا ہے۔

انہوں نے ابو مخنف کے علاوہ اپنے ذرائع استعمال کرتے ہوئے اپنی روایات کو حضرت علی ابن الحسینؑ سے مربوط کیا ہے۔ امام حسینؑ کے یہ فرزند میدان کربلا میں موجود تھے۔ ان کی عمر ۲۳ سال تھی، اپنی علالت کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کر سکے۔ لہٰذا یہ اس قتل عام سے بچ گئے۔ اس طرح وہ اس سانحہ کے سب سے بڑے ناقل ہیں۔ یہ بات بلاشک و شبہ بہت ہی مفید و معلومات افزا ہو گی کہ واقعات کے خاکے اور علیحدہ علیحدہ بڑے بڑے واقعات کو جس طرح شیخ مفیدؒ نے پیش کیا ہے، جو ایک پختہ فکر شیعہ ہیں اور جس طرح ابن کثیر شامی نے پیش کیا ہے، دونوں ایک دوسرے کے بالکل متوازی آ گئے ہیں۔

ابو مخنف کی "مقاتل الحسین" کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی بھی قاری کے لئے مصنف کے حق میں وقت کے پہلو کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہم اس کی تاریخ پیدائش تو صحیح طور پر نہیں جانتے، لیکن حجاج کے خلاف ابن اشعث کے خروج کے وقت (۸۲-۸۰ھ بمطابق ۷۰۱-۶۹۹ء) [94] ابو مخنف سن رشد کو پہنچ چکا تھا [95] جبکہ سانحہ کربلا ۶۱ھ بمطابق ۶۸۰ء میں پیش آیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابو مخنف جس سال یہ سانحہ پیش آیا،

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی سال پیدا ہوا اور ابن اشعث کی بغاوت کے وقت وہ اٹھارہ سے بائیس سال کی عمر کے درمیان ہو گا۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان میں سے اکثر افراد' جنہوں نے بنی امیہ کی افواج میں جنگ کربلا میں حصہ لیا تھا' ابھی زندہ تھے اور اس طرح مصنف کو ان سے ملنے اور بالمشافہ بات کرنے کا موقع ملا تھا جنہوں نے واقعہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے مقاتل میں اور مخنف اپنے واقعات کے استناد کے لئے واضح مشاہدہ کے الفاظ وقعنا اور شہد قتل الحسین استعمال کرتا ہے (اور اس نے حسینؑ کو قتل ہوتے دیکھا تھا)۔ اپنے بیان واقعات میں اول سے آخر تک وہ حدثنی (اس نے مجھے بتایا) کا لفظ بھی بلا استثنا استعمال کرتا ہے اور جہاں اس کی اطلاع براہ راست کسی عینی شاہد کے حوالے سے نہیں ہے تو صرف ایک یا دو درمیانی واسطوں کا حوالہ دیتا ہے جنہوں نے واقعہ کی تفصیلات کو خود عینی شاہد سے حاصل کیا ہے۔ پس رجز' عہد و پیمان اور وفاداری سے متعلق بیانات کے جو حوالہ جات اوپر کی سطور میں پیش کئے گئے ہیں' ان کی اسناد کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ ابو مخنف نے محمد بن قیس سے سنا (جو عینی شاہد تھا)۔

۲۔ ابو مخنف نے حارث بن حصیرا اور عبد اللہ بن شریک عامری سے سنا (دونوں عینی شاہد)۔

۳۔ ابو مخنف نے عبد اللہ بن آثم اور ضحاک بن عبد اللہ سے سنا (دونوں عینی شاہد)۔

۴۔ ابو مخنف نے ابو جناب الکلبی اور عدی بن حرملا سے سنا (دونوں عینی شاہد)

۵۔ ابو مخنف نے محمد بن قیس سے سنا (عینی شاہد)۔[۹۶]

اکثر و بیشتر اپنی اسناد کو وہ ایک سے زیادہ عینی شاہدوں سے مستحکم کرتا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے۔ مثلاً مندرجہ بالا دوسری، تیسری اور چوتھی مثال میں۔ شب عاشور انصار ان امام حسینؑ کے اعلانات جاں نثاری کے متعلق اطلاع دیتے ہوئے وہ لکھتا ہے: کہ علی بن الحسینؑ نے فرمایا:

"میں بستر علالت پر تھا۔ میں نے اپنے والد بزرگوار کا خطاب اور اس پر ان کے انصار کا جواب خود سنا۔"

پس ابو مخنف کی "مقاتل الحسینؑ" کو بہت جلد مقبولیت عام حاصل ہو چکی ہو گی اور اس کی بہت سی نقلیں لوگوں میں تقسیم کر دی گئی ہوں گی۔ یہ حقیقت مختلف اسناد کے معائنہ سے عیاں ہو جاتی ہے اور اس سے بھی کہ دوسرے مورخین نے بھی اپنے ذرائع معلومات کا حوالہ دیتے ہوئے ابو مخنف کے مقاتل سے استفادہ کیا ہے۔ بے شک طبری کا ذریعہ براہ راست ہشام بن الکلبی تھا۔ لیکن شیخ مفیدؒ، ابو الفرج (مقاتل الطالبین) ابن کثیر اور بہت سے دوسرے مورخین مختلف دیگر ذرائع کا نام لیتے ہیں جن سے ابو مخنف کی مقاتل ان تک پہنچی۔ مثال کے طور پر شیخ مفیدؒ اکثر اپنی روایت واقعات کو ان تعارفی کلمات سے شروع کرتے ہیں: "الکلبی اور المدائنی نے کیا لکھا ہے اور سوانح نگاروں (اصحاب ایسر) میں سے ان دو کے علاوہ باقیوں نے کیا لکھا ہے"![27]

اسی طرح ابو الفرج، الکلبی والمدائنی سے ابو مخنف کا حوالہ دیتا ہے اور اس کے علاوہ اور ذرائع سے بھی استفادہ کرتا ہے جیسے حسین بن نصر جو مشہور زمانہ نصر بن مساحم المنقری کے فرزند ہیں جنہوں نے واقعات صفین، جیسی کتاب لکھی ہے اور اوائنا جیسے مشہو و معروف مورخ کے بھی حوالے ملتے ہیں۔ ابو الفرج پانچ ایسے مستند راویوں کو جن میں سب کا ذریعہ ابو مخنف ہے، استعمال کرتے ہیں اور کئی ایک ایسے راوی بھی لاتے ہیں جن کا ذریعہ معلومات علی ابن الحسینؑ خود ہیں اور پھر حسب معمول ان تمام راویوں کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بیانات کا لب لباب بیان کرتے ہیں۔ تاہم بنیادی طور پر ابو الفرج کے خیال میں ابو مخنف کی اصل معلومات کا مخزن مدائینی ہے۔ [99] ایسے ہی ابن کثیر نے بھی اور دوسرے مقتدر راویوں نے اور ذرائع معلومات سے استفادہ کیا ہے اور ابن کثیر کے ہاں بھی ان سب کا مرکز و منبع ابو مخنف ہی ہے۔ [99]

مقاتل کے ان چار قلمی نسخوں کا تذکرہ بھی یہاں ضروری ہے جو غوشہ (نمبر 1836) برلن (نمبر Sprenger 159-160) لیڈن (نمبر 792) اور سینٹ پیٹر برگ (Am No. 78) کے مقامات پر پائے جاتے ہیں اور Ferdinand Wusenfeld نے اول الذکر دو قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر ہی مقاتل کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا ہے جس کتاب کا نام ہے
und Die Roche Der tod des Hussain Ben Ali اور جو 1883ء میں Gottengen کے مقام سے شائع ہوئی ہے۔ Wusen Feld گو ان قلمی نسخوں کے ابتدائی ماخذ ہونے پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کو ابو مخنف کی تصنیف ماننے میں شک کرتے ہیں۔ [100] اس سلسلے میں اولین دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ مقاتل میں معجزانہ اور مافوق الفطرت قسم کی کہانیاں بھی ملتی ہیں جیسے مظاہر فطرت میں غم و الم کے خوف ناک مظاہرے، آسمان کا سرخ ہو جانا، زمین کا خون اگلنا وغیرہ۔ البتہ Ursula Sezgin کئی مقامات پر ان کی اس نکتہ چینی پر اعتراض کرتی ہیں اور وہ سمجھتی ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ قلمی نسخے بعد میں آنے والے بعض نامعلوم مصنفین کی تصحیح شدہ یا نو ترتیب شدہ تحریریں ہوں، مگر یہ حقیقت اپنے مقام پر باقی رہتی ہے کہ طبری کا ابو مخنف تک پہنچنے کا ذریعہ ابن الکلبی ہی ہے۔ [101]

تاہم بعض معجزانہ کہانیاں یا خیالی داستانیں طبری کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کہانیاں خود ابو مخنف نے لکھی ہوں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گی یا جب ابن الکلبی نے اپنے استاد کی تصنیف کو دوبارہ ترتیب دیا ہو گا تو اس وقت معجزانہ واقعات کو شامل کر دیا ہو۔ لیکن مقاتل کے ابو مخنف کی تصنیف ہونے پر شک کرنا' صرف اس بنیاد پر کہ اس میں کچھ مافوق الفطرت یا معجزانہ واقعات قلم بند ہو گئے ہیں' جیسا کہ Wusenfeld رائے دینا چاہ رہے ہیں' اس دور کے بعض میلانات و رجحانات کو نظرانداز کرنا ہے۔ یہ توقع کرنا ایک بہت سنگین غلطی ہو گا کہ بعض معمول کے مافوق الفطرت واقعات ایک ایسی کتاب میں نہ آئیں جو آٹھویں صدی کے اوائل میں ایک بہت بڑی مذہبی شخصیت پر لکھی گئی ہو' خاص طور پر جب کہ مرکزی واقعہ اتنی جذباتیت اور مصائب کی روایات سے لبریز ہو۔ مشرق قریب میں تو ایسی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جو اولیاء اللہ اور مقدس انسانوں کے خرق عادات و کرامات پر مبنی ہیں اور یہ بات حیران کن ہوتی کہ اگر اسلام اپنے نبیؐ یا ان کے خاندان کے واقعات کی تقدیس کرنے میں اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر نہ چلتا' چاہے ان کو محض انسانی عظمت کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ مزید براں یہ کہ' جیسا باب اول میں واضح کیا گیا ہے' عرب ہمیشہ سے بعض مقدس خانوادوں میں معجزانہ طاقت کی ودیعت پر ایمان رکھتے تھے اور عرب معتقدات میں بعض خاص حالات میں عالم فطرت میں بعض مخصوص تبدیلیوں کا ہونا ایک عام اعتقاد تھا۔ عربوں کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد رسول پاکؐ کے عہد سے ہی بیان واقعات میں مافوق الفطرت کہانیوں کی روایت زور پکڑ رہی تھیں۔ ابن ہشام کی لکھی ہوئی کتاب "سیرہ" اس پر کافی شہادت فراہم کرتی ہیں۔

امام حسینؑ کی شہادت کے انتہائی غیر معمولی حالات نے اور اس کے بعد اٹھنے والی تحریک توابین نے جو جوش' جذبات اور ندامت سے بہت زیادہ لبریز تھی اور توابین اور امیر مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کی طرف سے کئے جانے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

والے بیانات نے سانحہ کربلا کی تذکرہ نگاری میں قدرتی طور پر بعض مافوق الفطرت کہانیوں کو شامل کر دیا۔ لہٰذا ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مقاتل میں سانحہ کربلا کے ساتھ ساتھ اگر کچھ عوامی قصص و روایات یا مافوق الفطرت واقعات بیان ہو بھی گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقاتل ابو مخنف کی تصنیف نہیں اور یہ کہ ساری روایات ہی ناقابل اعتبار ہو گئی ہیں۔ اس قسم کی کہانیوں کی شمولیت اس حقیقت کو ماند نہیں کرتی کہ مقاتل میں ایک نمایاں عرب مورخ کی وہ مساعی شامل ہیں جو امام حسینؑ کے نہایت معتبر اور اپنے ہی دور کے واقعات شہادت کی تاریخی تذکرہ نگاری کے متعلق ہیں اور جو کسی بھی تحقیقی کام کے لئے ایک ایسے وقت میں مہیا تھیں جب اس سانحہ کے بہت سے شرکا ابھی زندہ سلامت تھے اور ابو مخنف کی تحقیق کے لئے اپنی معلومات فراہم کر سکتے تھے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات — باب نمبر 7

1۔ یزید کی فطرت اور طور طریقے سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو۔ جاحز: رسایل میں "رسالہ فی بنی امیہ ص 294 و بعد"۔ بلاذری ج4 ب ص 1 تا 11۔ آغانی ج 15 ص 232۔
مسعودی: مروج ج3 ص 67۔ دمیری کی حیات الحیوان ص 261 و بعد یعقوبی ج2 ص 228۔ انتہائی تعجب کا مقام ہے کہ Henri Lammens نے اپنی کتاب De Califat De Yazid میں برخلاف تمام مسلمان مصنّفین کی متفقہ رائے کے یزید کو ایک معیاری کردار کا حامل ظاہر کرنے کے لئے کافی سرگرمی دکھائی ہے۔
Lammens کی بنی امیہ کے لئے غیر معمولی لحاظ داری نے ان کو عربی متن کو پڑھنے کے سلسلے میں اکثر جانبدار معنی پہنانے کی حد تک دھکیل دیا ہے۔

2۔ بلاذری ج4 ب۔ ص 122 و بعد۔ عقد ج4 ص 226۔ طبری ج2 ص 196 و بعد' دینوری ص 226۔

3۔ بلاذری ج4 ب ص 12۔ یعقوبی ج2 ص 241۔ طبری ج2 ص 216۔ عقد ج4 ص 227۔ بدایہ ج8 ص 146 و بعد۔

4۔ طبری ج2 ص 219۔ بلاذری ج4 ب ص 15۔ دینوری ص 228۔ بدایہ ج8 ص 147۔

5۔ طبری ج2 ص 233' 276۔ بلاذری ج4 ب ص 13۔ دینوری ص

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

229۔ مسعودی: مروج ج3 ص 55۔ بدائیہ ج8 ص 151۔

6۔ طبری ج2 ص 233 و بعد د۔ مقاتل ص 96۔

7۔ طبری ج2 ص 234۔ دینوری 229۔ بدایہ ج8 ص 151۔ و بعد۔

8۔ طبری ج2 ص 234و بعد' یعقوبی ج2 ص 242۔

9۔ طبری ج2 ص 235۔ شیخ مفید: ارشاد ج2 ص 35و بعد۔

10۔ طبری ج2 ص 240۔

11۔ تفصیل طبری میں ملاحظہ ہو ج2 ص 174 و بعد۔

12۔ طبری ج2 ص 237 و بعد مفید: ارشاد ج2 ص 36 بدایہ ج8 ص 152

13۔ طبری ج2 ص 264 و بعد۔ مسعودی: مراج ج3 ص 54۔ دینوری ص 235 بلاذری ج2 ص 80۔ مفید: ارشاد ج2 ص 38۔ بدایہ ج8 ص 152۔ عقد ج4 ص 378۔ پر ابن عبد ربیہ تیس ہزر سے بھی زیادہ تعداد بتاتا ہے۔

14۔ جناب مسلم کا یہ مراسلہ امام حسینؑ کو 12 ذی قعد 60ھ بمطابق 15 اگست 670ء یعنی مسلم کے قتل سے 27 روز پہلے بھیجا گیا ہے۔ دیکھئے طبری ج2 ص 264 و 271 شیخ مفید: ارشاد ج2 ص 67 و 72۔

15۔ طبری ج2 ص 220 و بعد۔ 223و 274 و بعد۔ دینوری ص 229و 243 بعد عقد ج4 ص 376۔ مقاتل ص 109۔ ہدایئہ ج 8 ص 160159 و بعد۔

16۔ طبری ج2 ص 274 تا 276۔ بدائیہ ج8 ص 166۔

17۔ طبری حوالہ مذکورہ بالا۔ بلاذری ج4 ب ص 14۔ دینوری ص 229۔ مقاتل ص 109۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بدائیہ ج 8 ص 160 و 163۔

18۔ طبری ج 2 ص 228، 240 میں یزید کے حکم کا متن ملاحظہ ہو۔ اور اس سے بھی مفصل کیفیت الوزار اوالکتاب تدوین سقا آبیاری و شبلی (قاہرہ 1938) میں ملاحظہ ہو۔ ص 31۔ دینوری ص 231 و 242۔ بدائیہ ج 8 ص 152 مفید: ارشاد ج 2 ص 410۔

19۔ طبری ج 2 ص 229 و 241، دینوری ص 232۔ مسعودی: مروج ج 3 ص 57 مقاتل ص 96۔ بدائیہ ج 8 ص 153۔ مفید ارشاد ج 2 ص 41۔

20۔ طبری ج 2 ص 242۔ دینوری ص 232 مقاتل ص 97 بدایہ ج 8 ص 154 مفید ارشاد ج 2 ص 41

21۔ طبری ج 2 ص 267۔ مسعودی: مروج ج 3 ص 59 و بعد دینوری ص 240 مقاتل ص 100 تا 108 بدائیہ ج 8 ص 153 تا 157 مفید: ارشاد ج 2 ص 41 تا 67۔

22۔ طبری ج 2 ص 242 و 277۔ دینوری ص 245۔ بدائیہ ج 8 ص 166۔

23۔ طبری ج 2 ص 278۔ یعقوبی ج 2 ص 249۔ بدائیہ۔ ج 8 ص 167۔ شیعہ ذرائع کے بقول یزید نے کچھ سپائیوں کو حاجیوں کے بھیس میں امام حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے حج کے لئے آئے ہوئے ہجوم میں قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ملاحظہ شیخ مفید: ارشاد ج 2 ص 69۔

24۔ طبری ج 2 ص 242۔

25۔ طبری ج 2 ص 285 و 288 و بعد۔ دینوری ص 243۔ مفید: ارشاد ج 2 ص 71۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

26- طبری جلد 2 ص 289 و بعد۔ 293 و 303۔ دینوری ص 247 و بعد۔ بدائیہ جلد 8 ص 268' 274' مفید ارشاد ج 2 ص 72۔

27- طبری ج 2 ص 303۔ بدائیہ حوالہ مذکورہ بالا۔

28- طبری ج 2 ص 294۔ دینوری ص 248۔ بدائیہ ج 8 ص 169۔ مفید: ارشاد ج 2 ص 77۔

29- طبری ج 2 ص 296 و بعد' دینوری ص 249۔ بدائیہ ج 8 ص 172۔ مفید: ارشاد ج 2 ص 78 و بعد۔

30- طبری۔ دینوری بدائیہ و مفید حوالے مذکورہ بالا۔

31- طبری ج 2 ص 298 و بعد۔ دینوری ص 249۔ بدائیہ ج 8 ص 172 تا 175 مفید: ارشاد ج 2 ص 81۔

32- طبری ج 2 ص 299' تا 307۔ دینوری ص 249 تا 251۔ بدائیہ ج 8 ص 172 مفید: ارشاد ج 2 ص 84۔

33- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج 2 ص 308 تا 316۔ دینوی ص 253 تا 255 بدائیہ ج 8 ص 175 و بعد۔ مفید: ارشاد ج 2 ص 85 تا 91۔

34- طبری ج 2 ص 316۔ دینوری ص 255۔ بدائیہ ج 8 ص 175۔

35- طبری ج 2 ص 319 و بعد۔ بدائیہ ج 8 ص 176۔ مقاتل ص 112 مفید ارشاد ج 2 ص 93 و بعد۔

36- طبری ج 2 ص 324 و بعد' بدأیہ ج 8 ص 177۔ دینوری ص 256 مفید ارشاد ج 2 ص 97۔

37- طبری ج 2 ص 227۔ بدائیہ ج 8 ص 169' 178' مفید ارشاد ج 2 ص 99۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

38- طبری ج 2 ص 328-- مفید حوالہ مذکورہ بالا۔

39- طبری ج 2 ص 329- بدائیہ ج 8 ص 179- مفید: ارشاد ج 2 ص 100-

40- طبری ج 2 ص 335 و بعد- 337- و بعد- 344 و 346- بدائیہ ج 8 ص 181 و بعد-

41- طبری ج 2 ص 347 و 351 355- دینوری ص 256 و بعد- بدائیہ ج 8 ص 184 و بعد- مفید: ارشاد ج 2 ص 109-

42- طبری ج 2 ص 356 تا 359- دینوری حوالہ مذکورہ بالا- بدائیہ ج 8 ص 185 تا 189- مفید: ارشاد ج 2 ص 110 تا 114 سقاتل ص 80 تا 113-

43- طبری ج 2 ص 386- دینوری ص 257 و بعد- مقاتل ص 84- مفید: ارشاد ج 2 ص 113-

44- طبری ج 2 ص 360- دینوری ص 258- مفید: ارشاد ج 2 ص 112- یعقوبی ج 2- ص 240- مقاتل ص 115-

45- طبری ج 2 ص 361 و 363- بدائیہ ج 8 ص 187- مفید: ارشاد ج 2 ص 114-

46- طبری ج 2 ص 365- بدأیہ حوالہ مذکورہ بالا- مفید: ارشاد ج 2 ص 116-

47- طبری ج 2 ص 366 بدائیہ ج 8 ص 188- دینوری ص 258- مفید: ارشاد ج 2 ص 117-

48- ان ظالمانہ بدسلوئیوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے طبری ج 2 ص 367- بدائیہ حوالہ محولہ بالا دینوری ص 258- مفید: ارشاد ج 2 ص 117 و

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعد۔ مقاتل ص 117 و بعد۔

49- طبری ج2 ص 368 بعد۔ مقتل ص 119۔ مفید حوالہ محولہ بالا۔

50- طبری حوالہ محولہ بالا۔ دینوری ص 260۔ بدائیہ ج8 ص 189۔

51- طبری ج2 ص 369۔ دینوری ص 259۔ بدأیہ ج8 ص 190۔ مفید: ارشاد ج2 ص 118۔ بعد۔

52- طبری ج2 ص 370 بدائیہ ج8 ص 193۔

53- طبری ج2 ص 371۔ دینوری ص 259 و بعد۔

54- نوٹ 53 کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

55- طبری ج2 ص 378۔ بدائیہ ج8 ص 191۔ مفید: ارشاد ج2 ص 123۔

56- بدائیہ ج8 ص 203۔ یزید کے اظہار ندامت کے لئے ملاحظہ ہو بدائیہ ج8 ص 191 و بعد۔ طبری ج2 ص 376 و بعد۔

57- Decline and Fall of the Roman Expure History of the
تدوین J. B. Bury (لنڈن 1901) دوسرا ایڈیشن ج5 ص 391۔

58- اخبار۔ ص 259۔

59- البصار العین فی احوال الانصار الحسینؑ (نجف 1341ھ) ص 47 و بعد'

60- طبری ج2 ص 386' اخبار ص 259۔

61- طبری ج2 ص 303' 335۔

62- بدائیہ ج8 ص 170۔ عقد ج8 ص 380۔

63- طبری ج2 ص 236۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

64- B.Lewis کی Origins of Ismailism (کیمبرج 1940)
ص 27 و نوبختی: فراق الشعیہ ص 45-

65- اس کی بہترین مثال اور دوسرے مصنفین کے علاوہ
Henry Lammens کی Le Caliphata Deyazeid
ار اس کا EI[2] مضمون Husayn ہے اس کے علاوہ دیکھئے
Well Hoursen کی Arab Kingdom ص 145 تا 147-

66- طبری ج2 ص 216 تا 295 اس کے علاوہ نوٹ 14 مندرجہ بالا ملاحظہ ہو-

67- طبری ج2 ص 304 و بعد-

68- ایضاً-

69- اغانی ج 15 ص 233-

70- دوسرا ایڈیشن (قاہرہ تاریخ نامعلوم)

71- دوسرا ایڈیشن (بیروت 1972)

72- طبری ج2 ص 288 و 303 بدایہ ج 8 ص 168 و 174-

73- طبری ج 2 ص 318 بعد- بدائیہ ج 8 ص 176- یہ حبیب بن مظاہرہ
کے خطاب کا صرف خلاصہ پیش کرتی ہے-

74- ان سب کے عہد و پیمان کے لئے دیکھئے طبری ج2 ص 322- مفید:
ارشاد ج2 ص 94 بدائیہ ج8 ص 176- مقاتل ص 112-

75- طبری حوالہ محولہ بالا- بدائیہ ج 8 ص 177- مفید: ارشاد ج2 ص95
جو زیادہ مفصل اور طاقتور نقطہ نظر پیش کرتے ہیں-

76- طبری ج 2 ص 322- بدائیہ ج 8 ص 177- مفید: ارشاد ج2 ص
95-

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

77- ایضاً۔

78- A.A.A.Fyzee کا مضمون Shia Legal Theories
Law in the Middla East میں ملاحظہ تدوین مجید
خضوری H.J.Lesbesny (واشنگٹن 1955) ص 113۔

79- طبری ج 2 ص 333 و بعد۔ مفید: ارشاد ج 2 ص 103 و بعد۔ بدائیہ۔
ج 8 ص 180۔ (حر کے بیان کا صرف خلاصہ ہے۔)

80- طبری حوالہ محولہ بالا۔ مفید حوالہ محولہ بالا۔
بدائیہ ج 8 ص 180 و بعد' جیسے طبری میں ہے حر کی تقریر کا پورا متن
دیتا ہے۔

81- طبری ج 2 ص 350۔ بدائیہ ج 8 ص 183۔

82- طبری ج 2 ص 342' 350۔ مفید: ارشاد ج 2 ص 106 و بعد۔ بدائیہ
ظاہر ہے کہ بدائیہ نافع کے اس آخری دندان شکن جواب کا تذکرہ
نہیں کرتا۔

83- طبری ج 2 میں 350۔ بدائیہ ج 8 ص 183۔

84- History of the Arabs ص 191۔

85- Fyzee حوالہ محولہ بالا ص 113۔

86- بموازنہ
the Early Shia become sectrian Hodgson
"How did" ص 3۔

87- ابن ندیم: فہرست ص 93۔ طوسی: فہرست شمارہ جات 155 و 585
نجاشی: رجال ص 245۔ Ahlwardt کے شمارہ جات 9-9028
9031 تا 9038۔ Ursula Sezgin کی کتاب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

Abu Mikhnaf: Ein Beitray Zur Historiographic der umaiyadischen zeit

لیڈن 1971) ص 116 تا 123 جو کہ مقتل پر ہی گفتگو ہے۔

اور طوسی اور ان کی فہرست پر ملاحظہ کیجئے۔

Springer کا (1853 کلکتہ) میں Biblo theca indica

of Persia مقدمہ اس کے ایڈیشن پر اور Brown کی کتاب

A literary of History میں سوانح نگاروں پر اس کی بحث

(کیمبرج 1902۔ 1904) جلد 4 ص 355 تا 358 نجاشی پر بھی

Brown کی محولہ بالا کتاب ملاحظہ ہو۔

88۔ The Arab Kingdom and its falls پر اس کا دیباچہ ملاحظہ ہو۔

89۔ نوٹ نمبر 87 ملاحظہ ہو۔

90۔ Well Housen محولہ بالا حوالہ ملاحظہ ہو۔

91۔ EI ² مضمون "ابو مخنف" ملاحظہ ہو۔

92۔ Well Hoursen محولہ بالا حوالہ ملاحظہ ہو۔

93۔ انساب کے استنبول والے قلمی نسخہ امام حسینؑ کا تذکرہ موجود ہے دستاویز نمبر 597 ص نمبر 219 الف تا 251 ب۔

94۔ اس کی بغاوت کے سلسلہ میں Veccia Vaglie کا EI ² مضمون ابن الاشعث" اور اس میں مذکورہ مختلف ذرائع معلومات ملاحظہ ہوں۔

95۔ Well Hausen حوالہ محول بالا ملاحظہ ہو ص vii

96۔ طبری کا Inde ملاحظہ ہو۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

97- مثلاً مفید: ارشاد ص 29 ج 2-

98- مقاتل ص 95-

99- بدائیہ جلد 8 ص 60 و ص 61-

100- Der Tod des Husein میں Wustenfeld کا دیباچہ ملاحظہ ہو-

101- Sezgin کی ابو مخنف ملاحظہ ہو ص 190 و بعد-

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب ہشتم

سانحہ کربلا کا رد عمل

شہادت امام حسینؑ بہت زیادہ دینی اہمیت کی حامل تھی جس نے شیعوں کے قلب و ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور شیعہ تحریک کی نوعیت و انداز میں ایک نئی روح پھونک دی۔ فرزند رسولؐ کے المناک انجام نے، خاص طور پر خانوادہ رسالتؐ کے کوفی عقیدت مندوں کے دینی و اخلاقی جذبات میں ایک ہیجان برپا کر دیا، جنہوں نے امامؑ کو اتنے جوش و خروش سے عراق آنے کی دعوت دی تھی کہ وہ صراط مستقیم کی طرف ان کی راہ نمائی کریں لیکن جب وہ عراق تشریف لائے تو آزمائش کے لمحات میں عراقیوں نے ان کا ساتھ نہ دیا یا ساتھ نہ دے سکے۔ البتہ بہت جلد انہوں نے محسوس کر لیا کہ اس سانحہ کی طرف ان کی یہ نااہلی، بلکہ کمزوری تھی۔ ندامت کا شدید احساس پیدا ہوا۔ جس نے ان کے دینی احساس فرض کو بیدار کر دیا اور انہوں نے اپنی غفلت کا مداوا کرنے اور خدا سے عفو و مغفرت چاہنے کے لئے قربانی دینا ضروری سمجھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ خون امام حسینؑ کا انتقام لیتے ہوئے اگر موت قبول کر لیں تو وہ اپنی ندامت و پشیمانی کی صداقت کو ثابت کر سکتے ہیں۔ پس انہوں نے اپنا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تعارف توابین کے نام (نادم و پشیمان) سے کرایا اور وہ تاریخ اسلام میں اپنے اسی مجوزہ نام سے جانے جاتے ہیں[1] یہ تحریک' جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا' شیعہ اسلامی نقطہ نظر کے استحکام میں ایک اہم اقدام ثابت ہوئی۔

یہ تحریک حضرت علیؑ کے نہایت بزرگ' معتمد ساتھیوں میں سے پانچ افراد کی قیادت میں شروع ہوئی' جن کے پیرو کار کوفہ کے سو جاں نثار شیعہ تھے۔ ان پانچ میں کوئی بھی ساٹھ سال سے کم عمر کا نہ تھا۔[2] ان کے اس سن و سال کو خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ ان کے دین و فکر و عمل کی پختگی کی عکاسی کرتا ہے۔ تحریک کے یہ پانچ قائدین سلیمان ابن صرد الخزاعی' مسیب بن نجبہ الفزاری' عبد اللہ بن سعد بن نوفیل الازدی' عبد اللہ بن والن التیمی اور رفاعہ بن شداد الجلی تھے جو تقریباً ہمیشہ سے کوفہ میں ہر قسم کی شیعہ سرگرمیوں کے سلسلہ میں صف اول میں ہوتے تھے اور اہل بیت اطہارؑ کے موقف سے اپنے خلوص نیت اور غیر متزلزل عقیدت مندی کے سلسلہ میں نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اسی طرح باقی سو افراد جنہوں نے تحریک کے ان قائدین کا ساتھ دیا علی مرتضےؑ کے نہایت منتخب طرف داروں میں سے بیان کئے جاتے ہیں۔[3] سن ۶۱ھ بمطابق ۶۸۰ء کے اواخر میں ان لوگوں نے سلیمان ابن صرد کے مکان میں اپنی پہلی محفل مشاورت منعقد کی وہ اپنے خفیہ ٹھکانوں سے باہر نکلے۔[4] آپس میں ملنے کا ان کے لئے یہ پہلا موقع تھا اس لئے کہ فوجی اقتدار کی حالت' جو کربلا کے قتل عام سے قبل کوفہ پر نافذ کی گئی تھی' واقعہ' کربلا کے بعد اس میں نرمی کر دی گئی تھی۔

اس پہلے اجلاس کی تفصیلی روئداد اور ان پانچوں قائدین کی پر جوش تقاریر مختلف مورخین نے ہمارے لئے محفوظ کی ہیں۔ سب سے پہلے جس فرد نے خطاب کیا وہ مسیب بن نجبہ الفرازی تھے۔ انہوں نے کہا:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ہم نے دختر رسالت مابؑ کے فرزند کو کوفہ آنے کی دعوت دی کہ وہ ہماری صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کریں۔ لیکن جب انہوں نے ہماری آواز پر لبیک کہا تو ہم کو اپنی جانیں بچانے کا لالچ دامن گیر ہو گیا یہاں تک کہ وہ ہمارے قریب ہی شہید کر دیئے گئے۔ اپنے مالک حقیقی کے سامنے ہم کیا جواز پیش کر سکیں گے اور اپنے نبیؐ کو کیا منہ دکھائیں گے جب روز حشر ہم ان کا سامنا کریں گے جب کہ ان کا محبوب ترین فرزند، ان کے اہل و عیال، اور ان کے اعزہ قریب میں ہمارے درمیان ہی قتل کر دیئے گئے۔ قسم خدا کی اپنے گناہ کے کفارہ کی ہمارے پاس اور کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ان کے تمام قاتلوں اور ساتھیوں کو قتل کر دیں یا خود قتل ہو جائیں۔ شاید ہمارا مالک اسی اقدام سے ہمارے گناہ معاف فرما دے۔ لہٰذا ہم کو اب اپنے درمیان سے کسی ایک کو اپنا قائد منتخب کرنا چاہیئے جو اپنی سرکردگی میں ہم کو منظم و متحرک کر سکے اور خدا کی مغفرت حاصل کرنے کے اس منصوبہ پر عمل پیرا ہو سکیں جو ابھی ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔"[6]

اس کے بعد رفاعہ بن شداد البجلی نے، جو ان پانچ بزرگ قائدین میں سے ایک تھے، اظہار خیال کیا۔ انہوں نے حاضرین کے دینی جذبات کو شدت سے ابھارا اور جو کچھ مسیب نے کہا تھا اس پر زور دیتے ہوئے تجویز کیا:

"آؤ ہم اپنے حالات کی سربراہی کے لئے شیخ الشیعہ صحابی پیغمبرؐ اسلام میں ترجیحی حیثیت کے مالک سلیمان بن صرد کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منتخب کریں جو اپنی بہادری اور جذبہ دین کے لئے تعریف کے قابل سمجھے جاتے ہیں اور اپنے فہم و تدبر اور دور اندیشی میں قابل انحصار اور قابل اعتماد ثابت ہوتے ہیں۔"
؎۵

باقی تین قائدین نے بھی، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اسی انداز میں خطاب کیا اور اسی بنیاد پر، جو رفاعہ نے بیان کی تھی، سلیمان بن صرد کو قائد بنانے کی تجویز کی تائید کی۔ یہ امر تسلیم کرنا اہم ہے کہ تحریک کی قیادت کی صفات، صحابی پیغمبرؐ اور اسلام میں ترجیح و اولیت (سابقہ) کو قرار دیا گیا اور یقیناً یہ قیادت شیعہ موقف کے لئے وقف تھی۔ اسی بات کی دیگر ایسی مثالوں کے علاوہ یہی مطلب ہے کہ شیعوں کا زور بیان اسلامی معیار زندگی کے نفاذ پر مبنی تھا جو وہ سمجھتے تھے کہ صرف اہل بیتؑ ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے یعنی ان افراد کے ذریعہ جو پیغمبر اسلامؐ کے قریب ترین افراد تھے۔

سلیمان بن صرد نے تحریک کی قیادت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے بڑی موثر تقریر کی جس میں ان لوگوں کے لئے سخت ترین معیار کی نشان دہی کی جو اس کام میں شریک ہونا چاہتے تھے اور اس بات پر زور دیا کہ وہ اس نیک کام کے لئے جو ان کے سامنے تھے اپنی جانوں کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔
؎۶ تمام حاضرین کی طرف سے یکساں طور پر پرجوش رد عمل ظاہر کیا گیا تھا۔ انہوں نے نواسہ رسولؐ کے قاتلوں سے موت تک برسر پیکار ہو کر اللہ کی مغفرت حاصل کرنے کا عہد کیا۔ اپنے خلوص و نیت کو ثابت کرنے کے لئے ان میں سے اکثر نے اپنے مال و اسباب اور جائیدادیں، سوائے ہتھیاروں کے، مسلمانوں کو بطور صدقات دے دینے کی وصیت کی۔ سلیمان بن صرد نے عبد اللہ بن والن التیمی کو شیعوں کی طرف سے عطیات وصول کرنے کے لئے بطور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خزانچی مقرر کیا اور اس رقم کو اپنے مشن کی تیاری کے لئے استعمال کرنے کا منتظم بنایا۔ [۵۸] بغیر کوئی لمحہ ضائع کئے سلیمان نے تحریک کو منظم کرنے کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے دوسرے شہروں میں شیعہ راہنماؤں سے خط و کتابت کی مثلاً سعد بن حذیفہ الیمان مدائین میں اور المثنی بن مخربہ العبدی بصرہ میں۔ تین برس تک یہ تحریک اسی طرح زیر زمین طاقت اور تعداد کے اعتبار سے بڑھتی رہی اور مناسب وقت کے انتظار میں پروان چڑھتی رہی۔

یزید کی اچانک موت کی وجہ سے سن ۶۴ھ بمطابق ۶۸۳ء میں حالات اس تحریک کی یک لخت موافقت میں بدل گئے' جنہوں نے توابین کو سامنے آنے کو موقع و حوصلہ دیا۔ بعض نمایاں اراکین نے سلیمان پر زور دیا کہ وہ علی الاعلان سامنے آئیں۔ شہر سے عبید اللہ ابن زیاد کے نائب عمر بن حریث کو نکال دیں' خون امام حسینؑ کے ذمہ دار افراد کا تعاقب کریں اور اہل بیت اطہارؑ کی حمایت کے لئے لوگوں کو جمع کریں۔ تاہم سلیمان نے ضبط و اعتدال کی راہ اختیار کی' اس بات کی نشان دہی کرتے ہوئے کہ قاتلان امام حسینؑ' جن سے اس خون کا بدلہ لینا ہے' درحقیقت کوفہ کے اشراف القبائل ہیں۔ اگر ان افراد کے خلاف اقدام فوراً کیا گیا تو وہ بہت جابرانہ و ظالمانہ انداز میں پیش آئیں گے اور اس مرحلے پر ان کے خلاف بغاوت سے کچھ حاصل نہ ہو گا بلکہ اس کا نتیجہ مصیبت و آفت حتیٰ کہ شیعوں کی مکمل تباہی کی صورت میں نکلے گا جس سے مقصد انتقام خون حسینؑ فوت ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا اس منزل پر اپنے ہی شیعوں میں اور کوفہ میں باقی دوسرے لوگوں میں تحریک کی مہم کو تیز تر کرنا قرین مصلحت سمجھا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کی جا سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ چونکہ اب یزید مرچکا ہے لہٰذا لوگ بہت تیزی سے اور خلوص سے ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ [۵۹] سلیمان کی رائے کو قبولیت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حاصل ہوئی اور یہ تحریک جو اب تک ایک خفیہ تنظیم تھی زیادہ بڑے پیمانے پر ایک تیز تر جدوجہد کی صورت میں کھل کر سامنے آگئی اور کئی ایک خفیہ مبلغین نے لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کے لئے ان تھک کام شروع کر دیا۔

ابو مخنف نے ایسے ایک داعی کی تقریر کو ہمارے لئے اپنے اوراق میں محفوظ کیا ہے جس کا نام عبید اللہ المری ہے۔ اس تقریر کی اطلاع دینے والا مزینہ کا رہنے والا ایک شخص ہے جس کا کہنا ہے کہ اس نے اس تقریر کو اتنی مرتبہ سنا کہ وہ اسے زبانی یاد ہو گئی۔ یہی راوی مزید تبصرہ کرتا ہے کہ اس نے اپنے زمانے میں المری سے بہتر مقرر نہیں دیکھا اور یہ کہ یہ فرد اپنی تبلیغ کے سلسلہ میں کبھی کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ جب بھی اسے لوگوں کی کوئی جماعت دکھائی دیتی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی تعریف و تحسین سے گفتگو شروع کرتا اور پھر یوں گویا ہوتا:

"خداوند تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں حضرت محمدؐ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس ذات پاک نے ان کو اپنی تمام رحمتوں اور برکتوں کے لئے مخصوص فرمایا۔ خداوند تعالیٰ نے تم کو ان کے پیروکار بنا کر مستحکم و مضبوط بنایا اور ان پر ایمان لانے کی توفیق دے کر تمہیں سرفراز فرمایا۔ آنحضرتؐ کے ذریعہ اللہ نے تمہیں خوں ریزی سے محفوظ فرمایا اور انہیں کے فیوض و برکات کے ذریعہ تمہارے خطرناک طور و طریق کو محفوظ و تبدیل کیا۔ تم نار جہنم کے دھانے پر پہنچ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے محفوظ رکھا' اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں صاف صاف تم پر ظاہر فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو سکو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(القرآن ۱۰۳:۳) کیا اس امت پر اللہ نے کسی اور انسان کو اول سے آخر تک سوائے اپنے نبیؐ کے زیادہ حق رکھنے ولاا پیدا کیا ہے؟ کیا کسی بھی نبیؑ یا رسولؑ کی اولاد کو یا کسی اور بشر کی اولاد کو اس امت پر ہمارے نبیؐ کی اولاد سے برتر حق حاصل ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بخدا ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا۔ ایھا الناس! تم اللہ کے بندے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے، نہیں سمجھتے کہ تم اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کے معاملہ میں کتنے بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو؟ کیا تم لوگوں کو ان کا تقدس پامال کرتے ہوئے نہیں دیکھتے؟ جس وقت وہ تنہا و بے یارو مددگار تھے تو تم نے ان کی طرف لوگوں کے ہاتھوں ان کی ہتک حرمت و بے توجہی نہیں دیکھی اور تم نے نہیں دیکھا کہ لوگوں نے انہیں خون میں نہلا دیا؟ انہوں نے زمین پر ان کی لاش کو بری طرح گھسیٹا، ان کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہوئے نہ خدا کا خوف کھایا اور نہ پیغمبرؐ کے ساتھ جو ان کا رشتہ تھا اس کا لحاظ کیا۔ چشم انسان نے ایسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم حسین ابن علیؑ دلیل حق (منارہ نور)، ثبات قدم، تسلیم و توکل، ہمت و عظمت، عزم و ارادے کے پیکر، اسلام میں مسلم اول کے فرزند، مالک ہر دو جہاں پیغمبرؐ کی دختر کے فرزند! ان کے گرد ان کے حامی و ناصر معدودے چند اور ان پر حملہ آور لاتعداد، ان کے دشمنوں نے انہیں ہلاک کیا، جب کہ ان کے دوستوں نے ان سے بے وفائی کی۔ ان کے قاتلوں پر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لعنت ہو اور ان سے بے وفائی کرنے والوں کی ملامت و مذمت ہو جنہوں نے انہیں قتل کیا۔ اللہ ان کی ایک نہ سنے گا اور نہ ان سے غداری کرنے والوں کا کوئی عذر قابل قبول ہو گا' سوائے اس کے کہ ان کا ساتھ چھوڑنے والے اللہ کے حضور توبہ کریں' ان کے دشمنوں سے جنگ کریں' ظالموں اور بدکاروں سے لاتعلق و بے زار ہو جائیں اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں۔ شاید اللہ اسی صورت میں ہماری توبہ قبول کرلے اور ہمارے گناہ معاف کردے۔ ہم تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی طرف بلاتے ہیں' ان کے خاندان کے خون کا انتقام لینے کی دعوت دیتے ہیں اور دین حق سے بھٹک جانے والے مرتدین کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر ہم مارے جائیں تو اللہ کا ساتھ دینے سے بڑھ کر متقی و پرہیزگار کے لئے اور کوئی بہتر چیز ہے ہی نہیں' اور اگر ہم کامیاب ہو جائیں تو پھر ہم اپنے نبیؐ کے خاندان کو اختیار و اقتدار واپس دلانے کے قابل ہو جائیں گے۔"[10]

سابقہ تمام ابواب میں رحلت پیغمبر اسلامؐ سے لے کر شہادت امام عالی مقامؑ تک رونما ہونے والی تمام تبدیلیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شیعوں کے اصولی موقف اور ان کے مذہبی' سیاسی امنگوں کی متواتر نشان دہی کی گئی ہے۔ سانحہ سقیفہ اور انعقاد شوریٰ کے مواقع پر طرف داران علی مرتضیٰؑ کی طرف سے پیش کئے جانے والے دلائل' ان مکتوبات کے مندرجات جو امام حسنؑ نے معاویہ کو لکھے اور ان مکتوبات کا خلاصہ جو شیعان کوفہ و بصرہ کے نام امام حسینؑ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے لکھے، ناصران امام حسینؑ کے بیانات عہد وفا جو میدان کربلا میں کیے گئے اور قائدین توابین نے اپنی پہلی مجلس مشاورت میں جو تقاریر کیں، اگر ان سب کو سامنے رکھا جائے تو المری کے لوگوں کو آمادہ کرنے کو انہی معیاری خیالات و افکار کی صدائے بازگشت کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ المری کی تقریر کا سارا زور اول تا آخر جناب فاطمہ الزہراؑ کے واسطے سے امام حسینؑ کی پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ قربت پر ہے۔ علی مرتضیٰؑ کا اسم گرامی صرف دو مرتبہ آتا ہے پہلی مرتبہ تو حسین ابن علیؑ کے نام کے حصہ کے طور پر جو کسی بھی فرد کے تعارف کا ایک عمومی طریقہ تھا اور دوسری مرتبہ جب امام حسینؑ کو مسلم اول کے فرزند کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور یہاں بھی ان کی حیثیت دختر رسولؐ کے فرزند کے طور پر فوراً حوالہ میں آتی ہے (حتیٰ کہ سقیفہ اور شوریٰ کے مواقع پر بھی علی مرتضیٰؑ کی پیغمبر اسلامؐ سے قربت، قریبی رفاقت اور ان سے قرابت ہی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے)۔ پس توابین نے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ امام حسینؑ کو بہ نسبت علی مرتضیٰؑ سے خونی رشتہ کے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ خونی رشتہ کی وجہ سے حق خلافت و نیابت حاصل ہے۔ تقریر کا مرکزی حصہ یعنی انتقال خون امامؑ لیتے ہوئے ان کے دشمنوں کو قتل کرنا یا امام حسینؑ کی نصرت و حمایت میں ناکامی کی تلافی کرتے ہوئے قتل ہو جانا اور اس طرح خدا کی مغفرت حاصل کر لینا ایک نئی کیفیت تھی جو سانحہ کربلا کا لازمی نتیجہ تھی اور آخر میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی طرف دعوت دینا، جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا، پہلے تین خلفا کے نمونہ عمل کا مخفی و ملفوف طور پر مسترد کر دینا تھا اور اس طرح علی مرتضیٰؑ اور خانوادہ رسالتؐ کے دوسرے آئمہؑ کو سنت پیغمبرؐ کی تاویل یا شرح تاویل کرنے کا مکمل اختیار دینا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہرحال توابین کی جدوجہد سولہ ہزار کوفیوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی،[11] اس لئے کہ کوفہ میں صورت حال کامیابی کے لئے اتنی سازگار کبھی نہ تھی جتنی اب تھی۔ یزید کی اچانک موت سے صوبہ پر بنی امیہ کی گرفت کمزور پڑ چکی تھی۔ یزید کا رقیق القلب بیٹا معاویہ ثانی اپنے باپ کا جانشین ہونے کے صرف چھ ماہ بعد مرگیا اور بوڑھا مروان بن الحکم کسی نہ کسی طرح نیا اموی خلیفہ ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس واقعہ پر شام میں بنی کلب اور بنی قیس دو مخالف قبائلی گروہوں میں خونی تصادم ہوا، جس کے نتیجہ میں اموی دارالخلافہ میں افراتفری پھیل گئی اور ان میں قریبی عراق پر اپنا مضبوط قبضہ برقرار رکھنے کی اہلیت نہ رہی۔ ادھر حجاز میں عبداللہ ابن زبیر نے، جو پہلے ہی خلافت کا مطالبہ کر رہا تھا، یزید کی موت، شامی افراتفری اور کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔ اس نے نئے سرے سے اپنی طاقت کو منظم و مستحکم کیا اور امیرالمومنین کا لقب اختیار کر لیا۔ عبیداللہ ابن زیاد کو جو بصرہ میں بحیثیت گورنر کوفہ و بصرہ مقیم تھا، شہر کے باشندوں نے بغاوت کر کے نکال دیا گیا اور وہ مروان کے پاس شام کی طرف فرار ہو گیا ادھر اہل کوفہ سے اپنے طور پر عمر بن حریث کو جو ابن زیاد کے ماتحت کے طور پر کوفہ کا حاکم تھا، کوفہ سے باہر نکال دیا۔[12] حکومت کے اس فقدان (خلا) کو پورا کرنے کے لئے اہل کوفہ نے فوراً عبداللہ ابن زبیر کو لکھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنا گورنر مقرر کریں۔ شیعہ تنظیم کو ابھرتے ہوئے اور شامی بالادستی کو کمزور پڑتے ہوئے دیکھ کر کوفہ کے قبائلی سرداروں اور دوسرے خانوادوں کے سربراہ نے ابن زبیر کے ساتھ خود کو منسلک کر دینے میں اپنا مفاد سمجھا۔ جو قدیم مکی، قریشی اجارہ داری کی نمائندگی کرتا تھا۔ لہٰذا ابن زبیر نے فوراً عبداللہ ابن یزید الانصاری کو فوجی امور کے عامل کے طور پر کوفہ بھیجا اور ابراہیم ابن محمد ابن

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طلحہ کو خراج کی وصولیاتی کے ذمہ دار کے طور پر روانہ کیا۔[13]

اب جب کہ تمام روکاوٹیں دور ہو چکی تھیں' سلیمان ابن صرد نے اپنے اقدام کی آخری تیاریاں شروع کیں۔ انہوں نے مدائن اور بصرہ کے شیعہ قائدین کو لکھا کہ وہ خون امام حسینؑ کا بدلہ لینے کی تیاری شروع کریں اور حالات کو جو غلط اور غیر منصفانہ ہو چکے تھے صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کریں۔ انہوں نے ان کو کوفہ سے باہر نخیلہ کے مقام پر اگلے سال سن ۶۵ ھ بمطابق ۶۸۴ء تاریخ یکم ربیع الثانی ملاقات کی دعوت دی۔ مدائین میں شیعہ قائد سعد بن حذیفہ الیمان نے اپنے علاقہ کے شیعوں کو بلایا' ان کے سامنے اس خط کو پڑھا اور ان کی پر جوش حمایت حاصل کی۔ بصرہ میں شیعہ قائد مثنی بن مخربہ العبدی نے بھی اس دعوت کا خیر مقدم کیا اور اپنے شہر کے شیعوں کو اس تحریک میں شامل ہونے پر ابھارا۔ ان خطوط کے طویل متن[14] جنہیں ابو مخنف نے اس دور کے شیعوں کے جذبات و احساسات و اصولی موقف کو سمجھنے کے لئے ایک بہت مفید اور معلومات افزا مطالعاتی مواد بڑی محنت سے اپنی تاریخ میں محفوظ کیا ہے۔ یہ متن اپنے موضوع اور نفس مضمون کے اعتبار سے توابین کی تقاریر اور المری کی ترغیب سے بالکل مشابہ ہیں۔

اسی زمانہ میں مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی' جو اہل بیت اطہارؑ کے ایک اور جاں نثار عقیدت مند ہیں' کوفہ میں ظاہر ہوئے۔ جہاں تک خون امام حسینؑ کے انتقام اور حقوق اہل بیتؑ کا تعلق ہے' ان کا مشن بھی بالکل توابین جیسا ہی تھا' سوائے اس کے کہ وہ زیادہ منظم فوجی طاقت سے سیاسی اقتدار بھی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا امیر مختار نے توابین کو اس بات پر راغب کرنے کی کوشش کی کہ وہ جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھائیں اور کامیابی کے زیادہ بہتر امکان کے لئے ان کے ساتھ تعاون کریں۔ توابین نے مختار کے ساتھ شامل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہونے سے انکار کیا' اس لئے کہ کسی مشکوک ذاتی سرگرمی میں شامل ہونے کی ان کی کوئی خواہش نہ تھی' یا وہ اپنے بنیادی مقصد "نذرانہ جان کی قربانی سے کفارہ معصیت" سے ہٹنے کی کوئی خواہش نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ وہ صرف شیخ الشیعہ سلیمان بن صرد کا حکم مانیں گے۔ [15] اس مقام پر توابین کے ساتھ امیر مختار کے دو دلائل قابل توجہ ہیں' اس لئے کہ یہ ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق کی نشان دہی کرتے ہیں۔ امیر مختار نے کہا کہ اول تو سلیمان جنگ کے لئے فوج کو منظم کرنا نہیں جانتے اور نہ انہیں زمانہ سازی اور سیاسی جوڑ توڑ کا تجربہ ہے اور دوسرے یہ کہ امیر مختار کو محمد ابن حنفیہ مہدی اپنا نائب' معتمد علیہ اور خون حسینؑ کا انتقام لینے کے لئے اختیار دے چکے ہیں۔ [16] (محمد بن حنفیہ' بنی حنیف کی ایک خاتون سے علی مرتضیٰؑ کے تیسرے فرزند تھے اور اس وجہ سے پیغمبر اسلامؐ کی نسل سے نہ تھے)۔ ان وجوہات کی بنیاد پر توابین کی دعوت کو امیر مختار کو رد کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ نہ تو خالص فوجی مہم میں دل چسپی رکھتے تھے' نہ سیاسی معاملات سے انہیں کوئی لگاؤ تھا اور نہ ہی وہ علی مرتضیٰؑ کے کسی بقیہ فرزند کو اپنا امام تسلیم کرنے کو تیار تھے۔ اس لئے کہ محمد حنیفہ' حضرت فاطمہؑ الزہرا کے توسط سے نبی پاکؐ کی براہ راست اولاد میں سے نہ تھے۔ لہٰذا حکمت عملی یا طریقہ کار میں اختلاف موضوع امامت پر اختلاف کے مقابلہ میں ثانوی نوعیت کا تھا۔

گو توابین نے اہل بیتؑ کے کسی خاص فرد کو اعلانیہ طور پر اپنا امام ماننے کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن کافی قوی شہادتیں اس امر پر موجود ہیں کہ وہ ایمان رکھتے تھے کہ امام حسینؑ کے زندہ بچ جانے والے فرزند علیؑ امام برحق ہیں جو بعد میں زین العابدینؑ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس نقطہ نظر کی حمایت میں بہت سے حقائق موجود ہیں۔ سب سے پہلے تو قیادت کا وہی نظریہ جو وراثتی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تقدس پر مبنی تھا اور جس نے شیعہ رجحان رکھنے والے عربوں کو متوجہ کیا' وہ اب بھی پیغمبر اسلامؐ کی اس نسل سے متعلق تھا جو جناب فاطمہؑ سے چلی۔ یہ حق امام حسنؑ سے امام حسینؑ کو منتقل ہوا اور بنی ہاشم کے خاندان کے کسی اور فرد کو بالکل نہ ملا اب تک کی گفتگو میں یہ بات متعدد مرتبہ بتائی گئی ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو فرزندان حضرت علیؑ کم بیان کیا گیا ہے' ان کو زیادہ تر' بلکہ اکثر ہمارے نبیؐ کی دختر کے فرزند' کی حیثیت سے یاد کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ محمد حنفیہ کا نام واقعہ کربلا کے فوراً بعد توابین کی پہلی مجلس مشاورت منعقدہ ۶۱ھ بمطابق ۶۸۰ء میں سننے میں نہیں آیا۔ امیر مختار کوفہ میں یزید کی موت کے بعد ۶۴ھ بمطابق ۶۸۴ء میں وارد ہوئے ہیں اور اپنی جدوجہد کو انہوں نے محمد حنفیہ کے نام سے شروع کیا ہے۔ پس محمد حنفیہ کا نام واقعہ کربلا کے بعد پہلی مرتبہ تقریباً چار سال بعد سننے میں آتا ہے' جس وقت توابین اپنے اقدام کے لئے بالکل تیار تھے۔ تیسری بات یہ ہے کہ امیر مختار جو محمد حنفیہ کی قیادت کے سب سے بڑے علم بردار تھے' پہلے حضرت علی ابن الحسینؑ کے پاس گئے جیسا کہ عنقریب وضاحت کی جائے گی اور جب انہوں نے کسی بھی عوامی تحریک میں اپنی ذات کو ملوث کرنے سے انکار کر دیا تو امیر مختار' محمد حنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے نام کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کیا۔

چونکہ حضرت علی بن الحسینؑ نے عوام میں اپنے کسی بھی قسم کے حقوق کو قائم کرنے سے انکار کر دیا تھا' یا اپنی طرف سے ایسے کسی حق کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہ دی تھی' لہٰذا توابین بھی ان کا نام لینے سے احتراز کرتے رہے لیکن پھر بھی ان کی مہم کے دوران بعض دھندلے سے دیئے گئے حوالے واضح طور پر کسی امام کی نشان دہی کرتے ہیں' جیسے کہ ان کے شاعر عبد اللہ بن

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عامر کے لکھے ہوئے اشعار، جن میں وہ ایک "نقیب یا داعی کی بات کرتا ہے جو ان کو نجات کی طرف دعوت دیتا ہے۔"[17] چونکہ محمد حنفیہ کا نام اگلے تین سال تک امامت کے ساتھ وابستہ ہی نہیں ہوا، یہ حوالہ لازماً علی بن الحسینؑ کی طرف ہے۔ یہ بات اس حقیقت سے مزید واضح ہو جاتی کہ شیعان کوفہ پہلے ہی ایک مثال قائم کر چکے تھے۔ جب انہوں نے خاندان بنی ہاشم کے تمام افراد کو نظرانداز کر کے حسن بن علیؑ کو ان کے والد کا جانشین ماننے کا اعلان کیا تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ توابین نے امام حسینؑ سے متعلق اپنے افسوس ناک تجربہ کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک وہ بنی امیہ کے اقتدار کو کوفہ سے ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے وہ قائد کے لئے علی بن الحسینؑ کا نام ہرگز زبان پر نہ لائیں گے یا وہ امام حسینؑ کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکامی پر خود کو عملی طور پر توبہ کے ذریعہ قربان کر دیں گے۔

لہٰذا توابین کی اکثریت نے امیر مختار کے خروج میں شریک ہونے سے انکار کر دیا مگر دو ہزار کے قریب افراد جنہوں نے سلیمان ابن صرد کے پاس اپنے نام درج کرائے تھے یقیناً امیر مختار کی طرف چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ زیادہ بہتر سیاسی مفادات کی امید رکھتے ہوئے انہوں نے ایسا کیا۔

جوں جوں عملی اقدام کا وقت قریب آ رہا تھا سلیمان ابن صرد اور اس تحریک کے دوسرے راہنما کسی قسم کی بھی سیاسی فتح یا ملک گیری کی نیت کو بر طرف کرنے پر زیادہ سے زیادہ زور دے رہے تھے اور ان تمام افراد کی حوصلہ شکنی کر رہے تھے جو کسی مادی مفاد کی یا دنیاوی فوائد کی خاطر سے ان کے ساتھ شریک ہو رہے تھے۔ اپنے منصوبہ کے تحت ربیع الثانی سن 65ھ (بمطابق نومبر ۶۸۴ء) انہوں نے انتقام خون حسینؑ کا نعرہ "یالثارات الحسینؑ" کے الفاظ میں بلند کیا اور اپنے مشن پر نکل کھڑے ہوئے۔ وہ مقام نخیلہ پر جو کوفہ کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مضافات میں ہے جمع ہوئے جہاں سے انہیں عبید اللہ ابن زیاد' جو اموی عامل تھا اور کربلا کے قتل عام کا ذمہ دار تھا' کی فوجوں کے خلاف چڑھائی شروع کرنا تھی۔ البتہ ان رضاکاروں کی اکثریت کے لئے سلیمان بن صرد کے مقرر کردہ شدید معیارات زیادہ سخت ثابت ہوئے۔ لہٰذا سولہ ہزار رضاکاران میں سے صرف چار ہزار اس مقابلے کے لئے مقام نخیلہ پر پہنچے۔ ابن زبیر کے عامل عبد اللہ بن یزید نے انہیں اپنے اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے سے باز رکھنے کی کافی کوشش کی اور سلیمان کو اس وقت تک رک جانے کی رائے دی کہ وہ خود ان کے شریک حال ہونے کے لئے ایک فوج مرتب کر سکے۔ لیکن توابین کی رائے دی کہ وہ خود ان کے شریک حال ہونے کے لئے ایک فوج مرتب کر سکے۔ لیکن توابین نے اپنا منصوبہ تبدیل کرنے یا ابن زبیر کی مدد لینے سے انکار کر دیا' [18] کیوں کہ اس طرح ان کی ساری پوزیشن مشتبہ و مخدوش ہو جاتی۔ ان کی نیت صرف امام حسینؑ کے خون ناحق کا انتقام لینا تھی اور شیعہ امامت کو قائم کرنا تھا یا جانوں کا نذرانہ پیش کرنا تھا۔ وہ عبد اللہ بن یزید جیسے غیر شیعہ کی امداد لینے کے مقابلے میں شہادت کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ اگر وہ یہ پیشکش قبول کر لیتے تو اس کا مطلب تھا کہ وہ ایک گروہ یعنی عبد اللہ ابن زبیر کے حمائتیوں کے ساتھ اور دوسرے گروہ بنی امیہ کے خلاف ہو رہے تھے۔

اب اس وقت جب کہ توابین کے رضاکاروں کی تعداد سولہ ہزار سے گھٹ کر چار ہزار رہ گئی تھی تو وہ بہ مشکل کامیابی کی امید کر سکتے تھے' سوائے اس کے کہ لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں اور اس طرح اپنے گناہ کا کفارہ ادا کریں اور توبہ و استغفار کر کے سرخرو ہوں۔ اس طرح وہ اس عہد کو جو انہوں نے اپنے آپ سے کیا تھا پورا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

انہوں نے نخیلہ میں تین دن عبادت اور یاد الٰہی میں بسر کئے۔ ابھی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شیعان بصرہ و مدائین نہیں پہنچے تھے اور نخیلہ میں قیام پزیر بعض توابین ان کا انتظار کرنے کے حق میں تھے، لیکن سلیمان ابن صرد نے زور دیا کہ اب بغیر کسی لیت و لعل کے کوچ کر جانا چاہیئے۔ انہوں نے ان سے اس طرح خطاب کیا:

"دنیا میں انسان دو قسم کے ہیں، ایک وہ ہیں جو حیات بعد الموت کے انعامات کے آرزو مند ہیں اور اس کی طرف نہایت سرعت و عجلت سے بڑھ جاتے ہیں۔ وہ کسی دنیاوی مفاد کے خواہاں نہیں ہوتے۔ دوسرے وہ ہیں جن کے تمام اعمال دنیاوی مفادات کی خاطر ہوتے ہیں۔ تم حیات بعد الموت کے فیوض و برکات کے متمنی ہو۔ لہٰذا کسی بھی حال میں اللہ کو کثرت سے یاد کرنا نہ بھولو۔ تم جلد ہی اس کا قرب حاصل کر لو گے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کا بہترین اجر پاؤ گے۔ لہٰذا ہر مصیبت میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ پس آؤ اپنی منزل کی طرف کوچ کریں۔"[19]

بقول بلاذری ہر طرف سے جواب ملا "ہم دنیا کے متلاشی نہیں اور نہ ہی اس مقصد کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔"[20] لیکن اگلی صبح سلیمان کے لشکر میں تقریباً ایک ہزار افراد کی کمی واقع ہو چکی تھی، مگر سلیمان پھر بھی بددل نہ ہوئے۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اس قسم کے لوگوں کو چلا ہی جانا چاہیئے۔
نخیلہ سے توابین سیدھے کربلا پہنچے جہاں امامؑ کے مزار پر حاضر دینے کے لئے نواسہ رسولؐ کی المناک شہادت اور ان کے مصائب و صدمات کی یاد میں اپنے رنج و غم، نالہ و شیون اور ماتم و آہ و زاری کا بے پناہ اور مضطربانہ اظہار کیا۔[21] Well hausen کہتے ہیں کہ قبر امام حسینؑ کی تقدیس و تعظیم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا یہ پہلا واقعہ ہے جو اپنی نوعیت و ماہیت میں خالص عرب مزاج رکھتا تھا۔ عرب اس سے پہلے کعبہ میں نصب حجر اسود کی تقدیس کرتے چلے آ رہے تھے۔[22] ایک رات اور ایک دن امامؑ کی قبر پر سوگوار و ماتم دار رہنے کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہوئے۔

جب وہ قرقیہ نامی مقام پر پہنچے' جو سرحد شام کی طرف جانے والی سڑک پر کربلا سے پانچویں منزل پر واقع ہیں' تو اس آبادی کے سردار ظفر بن حارث نے ان کی بہت فیاضانہ مہمان نوازی کی اور بتایا کہ عبید اللہ ابن زیاد تیس ہزار شامی لشکر کے ساتھ مقام عین الوردہ تک آ پہنچے ہے۔ ظفر نے سلیمان کو کافی سازو سامان بھی دیا۔ عبید اللہ کی فوج کے متعلق انہیں مزید سمجھایا اور اپنے ساتھی سرداروں کے نام بھی بتائے۔ اس نے سلیمان کو یہ بھی بتایا کہ وہ اور اس کے ہمراہی سلیمان کے دشمنوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوں گے' بشرطیکہ توابین اس کے پاس قیام کریں اور قرقیہ کو اپنا مرکز بنا لیں۔ لیکن سلیمان نے اس بات سے اتفاق نہ کیا۔

بالآخر توابین مقام عین الوردہ پر پہنچے اور شامیوں پر غضب ناک حملہ کیا۔ ان کا نعرہ تھا "جنت! جنت ترابیوں کے لئے۔"[23] لڑائی تین تک جاری رہی اور توابین بے مثال استقلال و پامردی و جذبہ سے لڑے۔ اگرچہ تعداد میں مقابلتاً بہت کم تھے تاہم پہلے دن انہوں نے دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچایا' لیکن دوسرے دن ان کے نقصانات ہونے لگے اور ان کے سردار یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں کام آنے لگ۔ سب سے پہلے جنہوں نے شہادت پائی وہ سلیمان ابن صرد خود تھے' اس کے بعد یکے بعد دیگرے بالترتیب توابین کی کمان اور نشان المسیب بن نجبہ" عبد اللہ بن سعد بن نوفیل اور پھر عبد اللہ بن والن التیمی کے سپرد ہوئے اور سب جام شہادت نوش کرتے رہے حتیٰ کہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تیسرے دن کے اختتام تک توابین کی اکثریت اپنے عہد کو پورا کر چکی یعنی حضرت امام حسینؑ کے نام پر اپنی جانیں قربان کر چکی تھی۔ واحد بچ جانے والے قائد رفاعہ بن شداد نے مٹھی بھر باقی ماندہ جوانوں کو مشورہ دیا کہ واپس چلیں۔ واپسی پر ان لوگوں کو شیعان بصرہ و مدائین ملے جو ان کے ساتھ شریک ہونے کے لئے آ رہے تھے، لیکن اب سب واپس قرقیسیہ آ گئے۔[24]

تحریک توابین کا تجزیہ کرنے کے سلسلے میں چند نکات بہت نمایاں ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ تین کے تین ہزار توابین، جو جنگ میں شریک ہوئے، سب عرب تھے۔ ان میں کوئی بھی موالی نہ تھا۔[25] تاہم یہ امیر مختار ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایرانی موالیوں کو سرگرم جدوجہد میں متحرک کیا اور اس طرح تحریک شیعیت کو ایک وسیع حلقہ فراہم کیا۔ دوسری بات یہ کہ ان تین ہزار توابین میں اگرچہ اکثریت جنوبی عرب یا یمن کے قبائل کی تھی، مگر پھر بھی وسطی عرب اور شمالی عرب کے قبائل بنی مضر و بنی ربیعہ کسی طرح بھی ان سے پیچھے نہ تھے۔ درحقیقت توابین کے نائب سالار مسیب بن نجبہ قبیلہ مضر ہی سے تھے۔ چند ایک توابین کے اسما پر نگاہ ڈالتے ہوئے، جو مورخین نے درج کئے ہیں،[26] ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں کے بہت سے بڑے بڑے قبائل یعنی یمنی و نزاری، توابین میں شامل تھے۔ اس طرح شیعہ نقطہ نظر عربوں کی کسی ایک جماعت تک محدود نہیں تھا۔ تیسری بات یہ کہ اس فوج توابین میں کوفہ کے اصلی قراء کی ایک بہت بڑی جماعت بھی شامل تھی۔[27] پانچویں قائدین یہ قراء ہی تھے۔

یہ تمام حقائق دو بنیادی موضوعات کی نشان دہی کرتے ہیں۔۔ اول یہ کہ توابین کے وقت تک شیعہ تحریک اپنی نوعیت میں خالص عرب تحریک تھی اور اس سے غیر عرب عناصر کا ذرا سا بھی تعلق نہ تھا، اصولی یا کسی اور حیثیت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے بھی۔ دوم یہ کہ تحریک توابین خالص مذہبی نوعیت رکھتی تھی۔ امام حسینؑ بہ نفس نفیس جب افواج یزید کے مقابل ہوئے تو بطور فرزند رسولؐ اور علی مرتضیٰؑ اپنی برگزیدہ حیثیت سے بخوبی باخبر تھے اور اسی طرح توابین بھی اپنے عمل سے علی مرتضیٰؑ سے اپنی وفاداری اور خود سرکار رسالت مابؐ سے اپنی وفاشعاری کو ہر صورت میں یک جا کر رہے تھے لہٰذا اس مسئلہ کو نہایت شدت سے مذہبی معاملہ قرار دیا جا رہا تھا۔ آخری بات یہ کہ اگر ہم ان شیعہ افرادا کے احساسات اور اظہار جذبات کا، جنہوں نے کربلا میں امامؑ پر اپنی جانیں نثار کی تھیں، جیسا کہ گذشتہ باب میں وضاحت کی گئی، توابین کی تقاریر اور اظہار خیالات سے مقابلہ کریں جو گذشتہ باب کی ابتدا میں درج کئے گئے، تو ہم یوں محسوس کرتے ہیں کہ ان دونوں جماعتوں کا نصب العین اور جذبات یکساں مذہبی اصولوں پر مبنی تھے۔

پھر بھی حقیقتاً ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ میدان کربلا میں خود امام عالیؑ کی موجودگی ان شیعوں پر ایک بہت بڑی ذاتی ذمہ داری عائد کر رہی تھی جو ان کے شانہ بشانہ لڑے اور شہید ہوئے۔ اس کے برعکس توابین کے ساتھ ایسی کوئی پابند کرنے والی قوت موجود نہ تھی جو ان کو اتنا پرجوش رکھتی کہ موت قبول کر لیں، سوائے ایک زبردست احساس فرض کے اور مذہبی ذمہ داری کے، ایک گہرے احساس کے۔ اس طرح توابین نے شیعہ مکتب فکر کو ایک منفرد اور خود کفیل وجود اختیار کرنے کی سمت ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات باب نمبر 8

1۔ بلاذری ج5 ص 204 و بعد۔ طبری ج2 ص 497۔ مسعودی: مروج ج3 ص 93۔ Well Housen کی کتاب
Die Religios- politischen oppositions parteienim alter Islam
ترجمہ عبد الرحمٰن بدوی احزاب المعرضہ السیاسیہ الدنیہ فی صدر السلام (قاہرہ 1968) ص 189۔

2۔ طبری ج2 ص 498۔ Well housen حوالہ محولہ بالا۔

3۔ طبری ج2 ص 498۔ بلاذری ج5 ص 204 و بعد۔

4۔ طبری ج2 ص 497۔ بلاذری حوالہ محولہ بالا۔

5۔ طبری ج2 ص 498۔ بلاذری ج5 ص 205

6۔ طبری ج2 ص 499۔ بلاذری حوالہ محولہ بالا۔

7۔ طبری ج2 ص 499 و بعد۔ بلاذری۔ ج5 ص 205 و بعد۔

8۔ طبری حوالہ محولہ بالا۔ بلاذری حوالہ محولہ بالا۔

9۔ طبری ج2 ص 506 و 507۔

10۔ طبری ج2 ص 507، 508۔

11۔ بلاذری ج5 ص 208

12۔ بلاذری ج5 ص 207۔

13۔ بلاذری ج5 ص 207 طبری ج2 ص 509۔

14۔ طبری ج2 ص 502 تا 505۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

15- بلاذری ج5 ص 207- طبری ج2 ص 509-

16- بلاذری حوالہ محولہ بالا- طبری حوالہ محولہ بالا-

17- مسعودی: مروج ج3 ص 93-

18- طبری ج2 ص 543- و بعد- بلاذری ج 5 ص 209-

19- طبری ج2 ص 545-

20- بلاذری ج5 ص 209-

21- بلاذری حوالہ محولہ بالا- طبری ج2 ص 546- Well Housen: احزاب ص 194-

22- احزاب ص 194 بحوالہ طبری ج2 ص 546- بلاذری ج5 ص 209-

23- مسعودی مروج ج3 ص 94- حوالہ ہے ترابیوں کی طرف ابو تراب کنیت ہے علی مرتضیٰؑ کی-

24- تفصیلی ملاحظہ ہو- عین الوردہ میں بلاذری ج5 ص 210 و بعد- طبری ج2 ص 558 و بعد' مسعودی: مروج ج 3 ص 94-

25- Well Housen احزاب ص 194-

26- طبری ج2 ص 497- 559- 566- 599- 601- بلاذری ج5 207 بعد Well Hausen حوالہ محولہ بالا-

27- Well Hausen حوالہٗ محولہ بالا-

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب نہم

امامت شرعی کی جدوجہد

جو کچھ اب تک کہا گیا وہ شیعہ اسلام کی تاریخ ارتقا کے پہلے اور بنیادی دور کا بیان ہے۔ دوسرے دور میں شیعہ تحریک نے ایک قطعی سمت' مفصل انداز فکر' معیاری معاشرتی نظام اور مذہب کے راہنما اصول مرتب کر لئے تھے' جسے اسلام کی شیعہ تعبیر قرار دیا جا سکتا ہے۔ غالباً اس ابتدائی دور میں بھی شیعوں اور باقی ملت اسلامیہ میں ایک بنیادی فرق با آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے اس لیئے کہ شیعہ صرف ان افراد کو قائد تسلیم کرتے تھے جو براہ راست پیغمبر اسلامؐ کی ذات پاک کی طرف سے منصوص تھے۔ اس طرح یہ قائدین اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ تھے اور جبکہ دوسرا گروہ قیادت کے تقرر کو پوری قوم و ملت کا حق سمجھ رہا تھا۔ اور جس کو اس طرح اپنے قائد کو چننے کا اختیار حاصل تھا۔

امام حسینؑ کی شہادت سے شیعہ مسلک اپنی تاریخ کے دوسرے دور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں داخل ہو گیا' بنیادی اصول تو اپنے مقام پر قائم رہے' تاہم اس بات کے فیصلہ کرنے کے قطعی طریقہ کار پر اختلاف سامنے آیا کہ کس فرد کا اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ تھا جس کے نتیجہ میں شیعہ مکتب فکر بھی داخلی انتشار کا شکار ہو گیا۔ تاریخ مذاہب عالم کا مطالعہ بتائے گا کہ مذاہب عالم اور ان کے مختلف فرقوں کا ایک عام طریق کار یہ رہا ہے کہ جب بھی وہ اپنی نشوونما کے دوسرے دور میں داخل ہوئے تو تفصیلی جزئیات کے نتیجے میں منقسم ہو کر رہ گئے۔ اسلام اور اس کے دونوں بڑے مکاتب یعنی شیعہ و سنی بھی اس انجام سے محفوظ نہ رہ سکے۔

ہم گذشتہ باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ توابین کے شامیوں کے مقابلے میں آنے سے کچھ پہلے مختار کوفہ میں وارد ہو چکے تھے اور بنی امیہ کے خلاف خروج کے اپنے منصوبہ کے لئے انہوں نے سلیمان بن صرد الخزاعی اور ان کے رفقائے کار کی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ تاہم توابین نے ان کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ ابتدائی شیعہ مورخین نے مختار کی شخصیت اور کردار کو کافی متنازعہ انداز میں پیش کیا ہے۔ بعض مورخین انہیں اھل بیتؑ کے نام پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے والے جاہ طلب مہم جو کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ دوسرے مؤرخین انہیں شک کا فائدہ دیتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے اقدامات حقیقتاً خاندان رسالت مابؐ کی محبت کے باعث تھے' چاہے ان کا انداز فکر اور طریق عمل توابین کے طریق کار سے مختلف تھا۔

ذرائع تاریخ کا ایک مفصل و جامع جائزہ پوری طرح ثابت کرتا ہے کہ مختار خاندان علی مرتضیٰؑ کے نہایت عقیدت مند پیروکار تھے اور ان کے اغراض و مقاصد کے پرخلوص حامی و ناصر تھے۔ تاہم اصلی صورت حال کچھ بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے مورخین نے مختلف وجوہات کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تحت مختار کے ساتھ عموماً معاندانہ رویہ روا رکھا ہے۔ اثنا عشری مورخین نے انہیں مخالفانہ رنگ میں پیش کیا ہے اس لئے کہ یہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے حضرت محمد ابن حنفیہ کی امامت کا پرچار شروع کیا اور اس طرح خاندان جناب فاطمہؑ سے انحراف کیا۔ اس کے برعکس غیر شیعہ مورخین اس پروپیگنڈہ کے زیر اثر دکھائی دیتے ہیں جو ابن زبیر اور بنی امیہ کے طرف داروں نے مختار کے خلاف شروع کیا تھا۔ ابھی تک مختار کی شخصیت کا کوئی ذمہ دار نہ مطالعہ نہیں کیا گیا۔[1] دور جدید کے بعض محققین نے اس سلسلے میں جو سرسری سی روئداد لکھی ہے وہ بغیر کسی تنقیدی جائزے کے ہے اور ان مورخین کے زیر اثر محسوس ہوتی ہے جو عام طور پر مختار کے مخالف ہیں۔ تاہم کچھ عرصہ قبل Hodgson نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مختار کی شہرت کو داغ دار کرنے اور ان کے کام کو بے وقعت کرنے کی کوشش ان کی موت کے بعد سے شروع ہوئی ہے۔[2]

البتہ حقیقت پھر بھی یہی ہے کہ امام زین العابدینؑ کی خاموش حکمت عملی کی وجہ سے جس پر عنقریب گفتگو ہو گی، مختار امامت کو نسل فاطمہؑ میں نبی پاکؐ کے وارثوں سے علی مرتضیٰؑ کے ایک اور فرزند حضرت محمد ابن حنیفہ کی طرف منتقل کرنے کے پوری طرح ذمہ دار ہیں اور اس طرح انہوں نے شیعوں میں موروثی حق امامت کے حامیوں سے پہلا انحراف کیا ہے۔ "موروثی حق کے حامی" کوئی مناسب الفاظ نہ سہی تاہم یہ اصطلاح شیعوں کی مرکزی جمعیت کے نظریہ کا قریب ترین مفہوم ہے جس کے نزدیک امامت علیؑ و فاطمہؑ کی نسل میں مسلسل منسوب رہی، امام حسنؑ سے امام حسینؑ تک منتقل ہوئی اور پھر باپ سے بیٹے کی واضح نامزدگی کے ذریعہ عام طور پر موجود فرزند اکبر کو ملتی رہی حتیٰ کہ امام دوازدھمؑ پر اختتام پذیر ہوئی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لہذا آئندہ ابواب میں ہمارا عندیہ یہ ہے کہ شیعوں کی اس مرکزی جمعیت یا موروثی حق نیابت کی حامی جماعت کے جائزے کی سمت اپنی توجہ کو مرکوز رکھیں، جس کو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شیعوں کی نئی ابھرتی ہوئی انقلابی یا نجات دہندہ نقطہ نظر کی حامل جماعتوں نے غیراہم حد تک محدود کر دیا تھا۔ موروثی حق نیابت کی حامی جماعت یا مرکزی جماعت جیسی اصطلاحات کا استعمال اس وقت یک طرفہ اور کسی بعد میں رونما ہونے والی صورت حال کا قبل از وقت بیان لگتا ہے مگر پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ موروثیت کے یہی وہ حامی تھے جو بالآخر شیعوں کی سب سے بڑی اور اس طرح مرکزی جماعت کے طور پر دوبارہ ابھرے اور بالآخر امامیہ یا اثنا عشری شیعہ کہلانے لگے۔ تحریک مختار اور حضرت محمد حنفیہ کی ذات کے ساتھ لفظ مہدی (نجات دہندہ) کی وابستگی کا نظریہ، نیز اس کے ساتھ منسلک شدید قسم کے دیگر پراسرار قسم کے عقائد یا شیعوں کی اور دوسری شاخیں، اس مطالعہ کے دائرہ تحقیق سے باہر ہیں۔

البتہ یہ بات ذہن میں رکھنے کے لئے یہاں بتا دینی ضروری ہے کہ قیادت کے سلسلے میں افراتفری کے اس دور سے جو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پیدا ہوا، دو مختلف سوال سامنے آتے ہیں جن کا جواب ہمیں نے ہی تلاش کرنا ہوگا اول یہ کہ موروثیت کے حامی شیعوں نے نئی ابھرتی ہوئی سنی جماعت بندی میں ضم ہونے سے بچتے ہوئے اپنے علیحدہ تشخص کو کس طرح برقرار رکھا اور دوسرے یہ کہ اس نے شیعوں ہی میں انقلابی انتہاپسند شیعہ جماعتوں سے اپنے تشخص کو کس طرح ممیّز رکھا۔ موخرالذکر قسم کے انضمام کی مزاحمت یقیناً زیادہ مشکل تھی اس لئے کہ انتہا پسند نظریات معتدل قسم کے نظریات کی نسبت، ہمیشہ زیادہ اثر انگیز ہوتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کی زندگی میں شیعہ بالکل متحد تھے اور ان کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خانوادہ رسالتؑ کا واحد سربراہ و امام تسلیم کرتے تھے، لیکن ان کی اچانک شہادت نے اور ان کے واحد باقی رہ جانے والے فرزند حضرت علی ابن الحسینؑ کے، جنہیں عوام زین العابدینؑ کے نام سے یاد کرتے ہیں، خاموش و ساکن رویہ کی وجہ سے شیعہ تذبذب کا شکار ہو گئے اور اس سے اہل بیتؑ کے پیروکاروں کے لئے سرگرم قیادت کا خلا پیدا ہوگیا لہٰذا امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کا دور حضرت علی مرتضیٰؑ کے طرف داروں کی قیادت کے سلسلے میں اولین اختلاف کی نشان وہی کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں شیعہ مختلف تنظیموں میں تقسیم ہو گئے۔

حضرت علی ابن الحسین زینؑ العابدین، امام حسینؑ کے فرزندوں میں واحد شخص ہیں جن کی زندگی کربلا کے قتل عام میں محفوظ رہ گئی اس لئے کہ علالت کے باعث وہ لڑائی میں حصہ نہ لے سکے تھے۔[۳] وہ اس وقت تیئس سال کے تھے۔ کربلا سے واپسی پر امام زین العابدینؑ نے اپنی بقیہ زندگی مدینہ میں بسر کی اور جہاں تک ان سے ممکن ہو سکا سیاسی وابستگیوں سے قطعاً علیحدہ رہے۔ کربلا کے المیہ نے ان پر گہرا اثر چھوڑا اور یقیناً وہ اپنے والد محترم اور خاندان کے باقی دیگر افراد کے قتل عام کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے بنی امیہ کو بہت برا سمجھتے تھے۔ اس احساس کے باوجود وہ ان کے خلاف کسی قسم کے مخالفانہ رویہ کے اظہار سے پرہیز کرتے تھے جس کے نتیجے میں بنی امیہ بھی ان سے اچھے تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ خاص طور پر مروان بن الحکم اور یہ تخیل قطعاً غلط اور حقیقت سے بہت دور ہے کہ اس کا بیٹا عبدالملک ان کے لئے کسی حد تک احترام و اخوت کا اظہار بھی کرتا تھا۔[۴]

جب اہل مدینہ نے سن ۶۲ھ بمطابق ۶۸۱ء میں یزید بن معاویہ کے خلاف قیام کیا تو امام زین العابدینؑ نے ملت کی اس سیاسی جدوجہد میں اپنی غیر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جانب داری ظاہر کرنے کے لئے مدینہ سے باہر اپنی املاک میں ٹھہرے رہے۔[4] جب مروان گورنر مدینہ کو اہل مدینہ نے شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو وہ اپنی بیوی کو امام زین العابدینؑ کے پاس لے گیا اور اس کو آپؑ کی حفاظت میں رکھنے کی درخواست کی، امام زین العابدینؑ نے اس ذمہ داری کو قبول کر کے اپنی عالی ظرفی کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے اپنے فرزند عبداللہ کی حفاظت میں اسے طائف بھجوا دیا۔[5] جب یزید کی فوج نے مسلم بن عقبہ کی کمان میں جنگ حرا میں اہل مدینہ کو شکست دی اور شہر کو تاخت و تاراج کر کے لوٹا تو امام زین العابدینؑ اور ان کے اہل و عیال سے کسی نے باز پرس نہ کی۔ یہی نہیں بلکہ جب تمام مدینہ والوں کو یزید کے وفادار رہنے کی ذلت آمیز بیعت کرنے پر اور اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ اس بات کا اعلان کریں کہ وہ یزید کے غلام ہیں، تو امام زین العابدینؑ کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا۔[6] اگر یہ روایات جو تمام مورخین نے بیان کی ہیں ایک طرف امام زین العابدینؑ کی غیر جانب دارانہ پالیسی کو ظاہر کرتی ہیں تو دوسری طرف ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بنی امیہ امام حسینؑ کو شہید کرنے کے بعد اس عزت و احترام کو محسوس کرنے لگے تھے جو نسل پیغمبرؐ کا اکثر مسلمانوں کی نظر میں تھا۔

عبداللہ ابن زبیر اور بنی امیہ کے درمیان چپقلش میں بھی امام زین العابدینؑ غیر جانب دار ہی رہے۔ ابن زبیر نے بھی ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تاہم انہیں اپنی نگرانی میں مکہ میں پابند رکھا۔ اس سے بھی بڑھ کر اہم پہلو امام زین العابدینؑ کا مختار کے لئے محتاط رویہ تھا، جس نے امامؑ کی واضح حمایت حاصل کرنے کی پوری کوشش کی۔ مختار کی طرف سے جبکہ وہ حجاز میں تھے، امام زین العابدینؑ سے تعلق پیدا کرنے کی کئی کوششوں کے علاوہ انہوں نے آپؑ کے نام کوفہ سے ایک خط بھی لکھا۔ جس میں اپنی وفاداری و حمایت کی پیشکش

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی۔[8] امام حسینؑ کے خون ناحق کا انتقام لیتے ہوئے مختار نے اکثر افراد کے سر قلم کر دیئے جو اس سانحہ کے ذمہ دار تھے۔ عبیداللہ ابن زیاد جو کربلا کے قتل عام کا سب سے بڑا ذمہ دار شخص تھا' اس کا سر مختار نے جناب امام زین العابدینؑ کی خدمت ہی میں بھیجا' اسے حضرت محمد حنفیہ کے پاس نہ بھیجا اور وہ بھی بڑے ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا۔[9] فرزند امام حسینؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ آپؑ اس موقع پر اتنے خوش نظر آئے کہ لوگوں نے کہا کہ کربلا کے حادثہ کے بعد اب تک انہوں نے حضرتؑ کو اتنا فرحان و شاداں نہیں دیکھا تھا۔ پھر بھی انہوں نے مختار کے لئے اپنا کم آمیز و کنارہ کش رویہ جاری رکھا۔ مورخین یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ نے ایک مرتبہ نہایت شدید الفاظ میں مختار کی اعلانیہ مذمت بھی کی جو نہایت سنجیدہ جائزے کی متقاضی ہے۔[10] اگر یہ روایات صحیح بھی ہیں تو مختار کے لئے' امام زین العابدینؑ کا ناراضگی و خفگی پر مبنی رویہ' مختار کے محمد حنفیہ کی امامت کے اعلان کرنے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے' جس کو امام زین العابدینؑ خود اپنے حقوق کے غصب ہونے سے تعبیر کرتے تھے۔

شیعہ مورخین بہت سی روایات نقل کرتے ہیں' جو بتاتی ہیں کہ امام حسینؑ نے امام زین العابدینؑ کو اعلانیہ طور پر اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اس سلسلے میں جو روایت عام طور پر نقل کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ امام حسینؑ نے سفر عراق شروع کرنے سے قبل اپنے مکتوبات اور وصیتیں جناب ام سلمٰیؑ زوجہ رسول مقبولؐ کی امانت میں رکھے تھے اور ان کو ہدایت کی تھی کہ ان کے سفر عراق سے واپس نہ آسکنے کی صورت میں یہ امانت ان کے سب سے بڑے فرزند کے حوالے کر دی جائے۔ امام زین العابدینؑ واحد فرزند حسینؑ تھے جو مدینہ واپس آئے اور ان کے والد کی امانت ان کے حوالے کر دی گئی۔ اور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس طرح وہ نامزد کردہ امام مقرر ہوئے۔[11] ایک دوسری روایت یہ بتاتی ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا میں افواج بنی امیہ سے آخری مقابلے کے لئے نکلنے سے کچھ دیر قبل امام زین العابدینؑ کو اپنا جانشین اور خاندان نبوتؐ کی طرف سے آئندہ امام نامزد فرمایا۔[12]

اس قسم کے روایت کے تسلیم یا رد کرنے کے لئے کسی مورخ کے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔ غالباً واحد راہنما اصول جو اس سلسلے میں کار آمد ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس دور کے لوگوں کا عام رجحان اور ان کا عام دستور معلوم کیا جائے۔ اس زاویے سے دیکھتے ہوئے ہم باب ہفتم میں اپنے سابقہ تبصرہ پر نظر ڈالیں گے کہ امام حسینؑ نے اپنے خانوادہ کے اعزاز کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس میں بطور نواسہ رسولؐ اپنی حیثیت و منزلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود کو ملت اسلامیہ کا امام ہونے کا حق دار قرار دیا تھا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ قیادت کی اس روایت کو' جو ان کے خاندان میں پیغمبر اسلامؐ سے چلی آ رہی تھی' برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے اپنی میراث نیابت و وصایت کو اپنے فرزند کو سونپا ہو گا۔ پھر بھی یہ حقیقت اپنے مقام پر باقی رہ جاتی ہے کہ امام حسینؑ کے بعد شیعوں کی اکثریت نے امام زین العابدینؑ کی بجائے محمد حنفیہ کا اتباع کیا' گو توابین نے' جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں' امام زین العابدینؑ کو ہی اپنا آئندہ امام تسلیم کیا۔ لیکن جنگ عین الوردہ سے بچ جانے والے توابین بھی مختار کی ترغیب کے باعث محمد حنفیہ کی طرف ہی کھینچ گئے۔[13] اس کی وجہ بالکل واضح تھی شیعان کوفہ خاص طور پر جو ان میں موالی تھے ایک فعال و سرگرم تحریک چاہتے تھے جو ان کو بنی امیہ کے ظالمانہ دور حکومت سے نجات دلا سکے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے اس جذبہ کا جواب افواج مختار کے پرچم تلے محسوس کیا اور مختار کے محمد حنفیہ کو نجات دہندہ کے طور پر پیش کرنے میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انہوں نے امید کی ایک کرن جگمگاتی پائی۔

محمد حنفیہ نے بھی اپنے مقام پر نجات دہندہ ہونے یا اپنی امامت کے لئے مختار کی نشرو اشاعت کی تردید و تنقیص بھی نہ کی۔ بلکہ انہوں نے ایک بڑا محتاط و غیرپابند رویہ برقرار رکھا، یعنی میراث امام حسینؑ کے کھلے بندوں کبھی دعویٰ دار نہ ہوئے۔[۱۴] یہ کہنا بہرحال مشکل ہے کہ محمد حنفیہ کی شیعوں کی قیادت کے سلسلے میں اعلانیہ دعویٰ دار نہ ہونے کا طریق کار اس دعویٰ میں مضمر خطرات کی وجہ سے تھا یا یہ کہ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کے ورثہ دار یا اولاد میں سے نہ تھے۔ ہم نے اس تصنیف میں برابر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ واقعہ سقیفہ سے لے کر تحریک توابین تک شیعوں نے ملت کے قائد کے سلسلے میں ہمیشہ پیغمبر اسلامؐ کے سربراہ راست رشتہ دار ہونے پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھا ہے اور جہاں تک امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا تعلق ہے ہم اس نظریہ پر زیادہ زور دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کا جانشین وہ ہو گا جو بہ نسبت حضرت علیؑ سے خونی رشتہ رکھنے کے، ان سے خونی رشتہ رکھتا ہو۔ اگر یہ متواتر روایات کچھ بھی تاریخی اہمیت رکھتی ہیں تو پھر یقیناً یہ بات نہایت عجیب دکھائی دیتی ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے فوراً بعد پیغمبر اسلامؐ کی نسل کی اہمیت علی مرتضیٰؑ کی نسل کی اہمیت کے احساس میں اتنی جلدی تبدیل کیسے ہو گئی۔ للہذا یہ بات زیادہ ممکن ہے کہ سیاسی خطرات سے قطع نظر محمد حنفیہ امامت کے دعویٰ دار ہونے کے سلسلے میں اس وجہ سے متذبذب تھے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کی اولاد نہ تھے اور یہی بات اس حقیقت کو بھی اجاگر کر دیتی ہے کہ امیر مختار سب سے پہلے امام زین العابدینؑ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اتنے مشوش کیوں تھے اور انہوں نے صرف اسی حالت میں محمد حنفیہ کی طرف رجوع کیا جب وہ فرزند امام حسینؑ کو اپنا طرف دار بنانے کے سلسلہ میں مایوس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہو گئے۔ جہاں تک مسئلہ کے دوسرے پہلو کا تعلق ہے، یعنی یہ کہ شیعان کوفہ نے اتنی جلدی اپنا رویہ کیسے تبدیل کر لیا اور علی مرتضیٰؑ کے اس فرزند کو امام تسلیم کر لیا جو پیغمبر اسلامؐ کی اولاد میں سے نہ تھا، جب کہ امام زین العابدینؑ نسل پیغمبرؐ سے تھے۔ یہ بات وضاحت طلب ضرور ہے۔ غالباً اس الجھن کا جواب اس حقیقت میں مل جاتا ہے کہ شیعوں کی اصلی اور مرکزی جماعت کی تعداد جو نظریہ قیادت کے سلسلے میں ایک واضح اصولی موقف رکھتی تھی، پہلے تو کربلا میں امام حسینؑ کی معیت میں اور پھر سلیمان ابن صرد الخزائی کی سرکردگی میں جنگ عین الوردہ میں تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جو اپنے شیعہ معیارات میں نہ صرف نہایت پختہ فکر اور ریڑھ کی ہڈی کے مانند تھے بلکہ جو شیعان کوفہ کے مختلف طبقوں کو مذہبی و عقلی قیادت و راہنمائی فراہم کرتے تھے۔

کربلا اور جنگ عین الوردہ کے بعد جو لوگ کوفہ میں شیعہ کہلاتے ہیں وہ زیادہ تر ناپختہ خیالات کے عام عرب یا موالی تھے، جو اس گھبراہٹ کے عالم میں فرزند علیؑ اور نسل فاطمہؑ سے فرزند علیؑ کے درمیان باریک اصول امتیاز کرنے کے قائل نہ تھے۔ ان کے خیال میں علی مرتضیٰؑ بہرحال پیغمبر اسلامؐ کے چچا زاد تھے اور بنی ہاشم کے مقدس خانوادے کے ایک رکن بھی تھے اور یہ بات کہ بنی ہاشم کا تقدس پیغمبر اسلامؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد خانوادہ بنی ہاشم کے باقی افراد کو چھوڑ کر اب صرف ذات پاک محمد مصطفیٰؐ کے لئے مخصوص ہو گیا ہے، جیسا کہ اصلی شیعوں کا نظریہ و اعتقاد تھا، ان عام شیعوں کے ذہن سے محو ہو چکی تھی۔ للذا وہ امیر مختار کے زور خطابت سے متاثر ہو گئے اور ان کے اس کامیاب نشر و اشاعت کے بہکائے میں آ گئے کہ محمد حنفیہ بنی امیہ کی طرف سے کئے جانے والے ظلم و جور اور بے انصافی سے نجات دلانے والے (مہدی) ہیں۔ پس یہ محمد حنفیہ کی شخصیت یا ان کے حقوق

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی بات نہ تھی جس نے شیعان کوفہ کے طبقوں کو انہیں مہدی امام ماننے پر مجبور کیا بلکہ بنی امیہ کی بالادستی اور جابرانہ حکمرانی سے کسی نجات دہندہ کی والہانہ آرزو تھی، جس نے محمد حنفیہ کی طرف ان کو موڑ دیا۔ محمد حنفیہ کے لئے مختار کے پروپیگنڈہ کا ایک محتاط جائزہ اس بات کو ظاہر کر دے گا کہ ان کے تعارف محمد کے سلسلے میں ان کے کردار و کار منصبی کا بطور مہدی کے نہ کہ بطور امام کے زیادہ نمایاں اہمیت دی جا رہی تھی، اور یہی وہ بڑا سبب ہے جس نے لوگوں کو ان کی طرف مائل کیا۔

تاہم ایک مرتبہ جب یہ خیال جڑ پکڑ گیا تو بڑھتا ہی چلا گیا اور غیر مستحکم شیعہ عوام کی اکثریت کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا یعنی ایک مرتبہ جب یہ ایسی عوامی تحریک میں تبدیل ہو گیا جس کے ساتھ کچھ امیدیں وابستہ تھیں تو اصلی شیعوں میں باقی لوگ بھی اس کے ہمنوا بن گئے اور یقیناً جس چیز کو عوامی مقبولیت حاصل ہو، اس کی مزاحمت کرنا مشکل ہوتا ہے، خاص طور پر اس وقت عراق میں جو صورت حال پیدا ہو چکی تھی، اس میں تو پیغمبر اسلامؐ کی نسل کی قیادت میں بعض شدید الاعتقاد افراد بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پس شیعان کوفہ میں محمد حنفیہ کا مہدی ہونا جلد ہی سب کا پسندیدہ نظریہ بن گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نظریہ عوامی طور پر پھلا پھولا اور تسلیم کر لیا گیا اور اس نے اپنے اصول و قواعد مسلک، اعتقادات کو جنم دیا۔ اس نظریہ نے اپنے شعرا پیدا کر لئے جیسے کثیر اور سید الحمیری وغیرہ اور بہت سے دوسرے۔ پس شیعوں کی اکثریت خاص طور پر اس مخصوص دور میں مہدی امام کی معتقد ہو گئی (صرف امام کی نہیں) جو صفت کی ذات محمد حنفیہ سے وابستہ کی گئی اور اس عملی نے نسل امام حسینؑ سے ہونے والے آئمہ کو وقتی طور پر ہی سہی، غیر اہم کر دیا۔

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام حسینؑ کے فرزند ہونے کی حیثیت سے اور رسول پاکؐ کے بقیہ خلف اکبر ہونے کے سبب امام زین العابدینؑ اس صورت حال کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے۔ اگرچہ انہوں نے کسی بھی سیاسی، مذہبی تحریک میں خود کو ملوث نہ کرنے کے خاموش و ساکن طرز عمل کو برقرار رکھا، پھر بھی محمد بن حنفیہ کے بطور امام تسلیم کیے جانے کی مزاحمت کی اور مختار کے پروپیگنڈے کے سلسلہ میں ابن حنفیہ کی خاموش پسندیدگی کی مخالفت کی۔ مختلف شیعہ راویوں نے اس سلسلے میں جو روایات نقل کی ہیں،[15] اپنی جزئیات میں چاہے مستند ہوں یا غیر مستند، لیکن یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ امام زین العابدینؑ نے اپنے چچا کے حق میں کیے جانے والے دعاوی کے خلاف، خانوادہ رسولؐ کی وراثت کے سلسلے میں اپنے حق کو لوگوں تک ضرور پہنچایا۔ یہ نتیجہ اس حقیقت سے برآمد ہوتا ہے کہ محمد حنفیہ کے پیروکاروں میں سے بعض نمایاں شیعہ مثلاً ابو خالد الکلبی،[16] قاسم بن عوف[17] اور چند دوسرے افراد نے ابن حنفیہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام زین العابدینؑ کی طرف چلے گئے۔ چاہے امام زین العابدینؑ کے پیروکاروں کا مرکز سن ۷۳ھ بمطابق ۶۹۲ء تک قائم نہیں ہوا جس سال کہ ابن زبیر کو قتل کیا گیا اور عراق و حجاز کے لوگوں کی سیاسی خواہشات کا مکمل انہدام واقع ہوا۔ تاہم شیعوں کی اکثریت محمد حنفیہ کی امامت کو تسلیم کرتی رہی اور اس کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبد اللہ کی امامت کو مانتی رہی۔

اپنی زندگی کے اواخر میں امام زین العابدینؑ اپنے معتقدین کی ایک چھوٹی سی جماعت کو جمع کرنے میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں، جن میں بعض افراد اہل بیت رسولؐ کے سابقہ نمایاں طرف داروں میں سے تھے۔ ان میں یحیٰ بن ام الطوال[18] اور محمد بن جبیر بن مطعم[19] کے علاوہ جابر بن عبد اللہ الانصاری بھی شامل تھے،[20] جو رسول پاکؐ کے ایک معزز صحابی تھے اور حضرت علی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابن ابی طالبؑ کے عقیدت مند و طرف دار تھے۔ اس احترام کی بدولت جو رسول پاکؐ کے نہایت عقیدت مند جاں نثاروں میں سے ہونے کی وجہ سے ان کو حاصل تھا اور جنہوں نے بیعت عقبہ و بیعت رضوان میں حصہ لیا تھا، جابر کا امام زین العابدینؑ کو تسلیم کر لینا موخر الذکر کے لئے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ ان افراد میں ایک اور اہم شخصیت کوفہ کے رہنے والے سعید بن جبیر تھے[21] جو بنو اسد کے ایک موالی تھے اور ایک گرم جوش، بہادر انسان تھے، جنہوں نے خاندان رسالتؐ سے اپنے تعلق و طرف داری کو پوشیدہ نہیں رکھا تھا۔ سعید جو ایک مشہور راوی بھی تھے امام زین العابدینؑ کے اہم ترین ترجمان تھے اور اپنے ساتھی راویوں میں انہوں نے فرزند امام حسینؑ کے لئے بہت سے افراد کو (خاص طور پر علی ابن ابی طالبؑ کے پرانے اصحاب میں سے) امام زین العابدینؑ کا طرف دار بنایا۔ امام زین العابدینؑ کے سرگرم طرف داروں کی اس جماعت میں ایسے دو نوجوان و باہمت کوفی بھی شامل تھے جیسے ابو حمزہ ثابت بن دینار جو بنی ازد میں سے ایک عرب تھے[22] اور فرات بن احنف العبدی۔[23] خاندان امام حسینؑ سے ان کی وابستگی مستقل رہی اور یہ دونوں افراد بعد میں امام زین العابدینؑ کے فرزند و جانشین امام محمد باقرؑ کے باوفا اصحاب ہوئے یہ بات کہ یہ افراد نسل امام حسینؑ سے آنے والے آئمہ کے مستقل پیروکار رہے، امام زین العابدینؑ کے قریبی حلقوں سے تھے اور ان کے بعد حضرت امام محمد باقرؑ کے قریبی اصحاب میں بھی شامل رہے،[24] اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا آئمہؑ سے مروی متعدد شیعہ روایات اکثر ان ہی دو راویوں کی سند و ذمہ داری سے ہم تک منتقل ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اثنا عشری راویان حدیث ان کو اپنے مستند راویوں کی حیثیت سے تسلیم ہی نہ کرتے اگر یہ افراد ان آئمہ کے پیروکار نہ ہوتے۔ للٰہذا ان اطلاعات پر شک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ انہی افراد پر امام زین العابدینؑ کے طرف داروں کا مرکزی حصہ مشتمل تھا۔

امام زین العابدینؑ کے وقار و احترام کو بلند کرنے کے سلسلے میں سب سے اہم کردار غالباً فرزوق نے ادا کیا' جو اس دور کے ایک مشہور و معروف شاعر تھے۔ انہوں نے امام زین العابدینؑ کی منزلت کی تشہیر و اشاعت کے سلسلہ میں بہت سے اشعار کہے' جن میں سب سے مشہور ان کا وہ قصیدہ ہے جو امامؑ کی مدح میں ہے' جو اس موقع پر کہا گیا جب خلیفہ ھشام بن عبد الملک کی شخصیت لوگوں کے اس عقیدت و احترام کے اظہار کے سامنے ماند پڑ گئی جو انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے نواسے کے فرزند کے لئے پیش کیا۔ یہ ایام حج کی بات ہے جب یہ دونوں (ھشام و امام زین العابدینؑ) لوگوں سے بھرے ہوئے صحن کعبہ میں حجر اسود تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لوگوں نے امامؑ کو دیکھتے ہی فوراً راستہ دے دیا جب کہ خلیفہ اس متبرک مقام تک پہنچنے کی کوشش ہی کرتا رہا۔ یہ بات ہشام کی بڑی ذلت و خفگی کا باعث ہوئی۔ اس نے بڑے جلے کٹے انداز میں پوچھا کہ یہ کون شخص تھا جس کو لوگوں نے اتنی تعظیم و ترجیح دی۔ فرزوق نے جو موقع پر موجود تھے یہ فقرہ سنتے ہی فی البدیہ یہ قصیدہ کہا اور ہشام کو مخاطب کر کے سنایا۔ اس مشہور و معروف قصیدہ کے چند اشعار جو عربی ادب اور فرزدق کے شاہکاروں میں سے مانے جاتے ہیں' اس قابل ہیں کہ ان کو یہاں پیش کیا جائے:

یہ وہ ہستی ہے جس کے قدموں کا احترام کرنا سرزمین بطحا جانتی ہے اور ان کے منصب جلیل کو کعبتہ اللہ اور حل و حرم پہچانتے ہیں' جو انسانوں کا اہم ترین معبد و مامن ہے۔

(اصل کتاب صفحہ ۲۴۴' سطر ۱ تا ۲۷ چھوٹا ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

درجہ ذیل ہے۔)

یہی اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق (رسولؐ اکرم کی طرف اشارہ ہے) کا فرزند ہے، یہی پاکیزہ و پارسا ترین، مخلص و منزہ ترین، معصوم و صالح ترین نمائندہ دین اسلام ہے۔

یہ علیؑ (بن الحسینؑ) ہیں، رسولؐ پاک جن کے پدر بزرگوار ہیں اور وہی ایسی ہستی ہیں جن کی ہدایت کی روشنی کی بدولت کفر کے تاریک طریق بدل کر صراط مستقیم بنے۔

اگر تم ان سے ناآشنا ہے تو جان لے کہ یہ فرزند فاطمہؑ زہرا ہیں، انہی کے جد بزرگوار پر نبوت کا اس طرح اختتام ہوا کہ اب حضرت محمد مصطفیٰؐ ہی خاتم الانبیاء ہیں۔

جو بھی اپنے معبود کی معرفت رکھتا ہے وہ ان کی (علی بن الحسینؑ) کی فضیلت و برتری کو جانتا ہے کیونکہ اسی خانوادہ کے ذریعہ دین اقوام عالم تک پہنچا ہے۔[25]

کسی نے آج تک فرزدق کے اس مشہور قصیدہ کی صداقت اور اس موقعہ کی اصلیت سے جب یہ کہا گیا، انکار نہیں کیا۔ لہٰذا اس قصیدہ کو معتبر ترین اور مفید ترین ہم عصر ماخذ کے طور پر تسلیم کرنا ہو گا جس میں خصوصیت کے ساتھ امام زین العابدین علیہ السلام ے فرزند جانشین رسولؐ اکرم ہونے کو ثابت کر کے آپ کو حضرت محمد حنفیہ سے ممتاز کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت خصوصیت کے ساتھ محسوس کرنا ہو گی کہ شاعر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی توصیف بیان کرتے ہوئے اس بات پر خصوصی و نمایاں طور پر زور دیتا ہے کہ آپ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پوتے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑ نواسے ہیں۔ اس کے برعکس شاعر ان حضرت کے حضرت علی ابن

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابیطالب علیہ السلام کے پوتے ہونے کی حقیقت کا بالکل حوالہ نہیں دیتا۔

فرزدق کو امامؑ کی اس مدحت کی قیمت ادا کرنا پڑی اور ہشام کے حکم پر قید کر دیئے گئے۔ جب امام زین العابدینؑ کو فرزدق کی اس پریشانی کی اطلاع ہوئی تو آپؑ نے بارہ ہزار درہم فرزوق کو بطور عطیہ بھیجے۔ اس نے وہ درہم قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ جو قصیدہ اس نے کہا ہے خالصتہً دینی عقیدت و خلوص سے کہا ہے۔ اس طرح فرزدق قید رہے اور پھر ہشام کی منقصت میں لکھنے لگے۔ لہٰذا فرزدق کی قادر و قاطع زبان سے ڈر کر بادشاہ نے انہیں رہا کر دیا۔[۲۶]

امام زین العابدینؑ کے عقیدت مندوں سے متعلق یہ تمام روایات ظاہر کرتی ہیں کہ نسل امام حسینؑ بطور مرکز عقیدت اور مخصوص تعظیم و اکرام کے اعتبار سے کبھی بھی لوگوں لوگوں کے ذہن سے محو نہ ہوئی، گو اس دور میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑی نمایاں اقلیت میں رہ گئی تھی، پھر بھی امامؑ زین العابدینؑ کے گرد جاں نثار عقیدت مندوں کی ایک جماعت بن گئی، جو آپ کو خاندان رسالتؐ کا موروثی امام تسلیم کرتی تھی۔ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام حسینؑ کی شہادت واقع ۶۱ھ بمطابق ۶۸۰ء اور ابن زبیرؓ کے انتقال واقع ۷۳ھ بمطابق ۶۹۲ء کے درمیانی عرصہ میں امام زین العابدین کے سرگرم طرف دار موجود نہ تھے۔ بے شک توابین حضرت امام زین العابدینؑ کو اپنا امام ضرور مانتے تھے لیکن اس عقیدہ کا اعلانیہ اظہار نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے وہ تھوڑے بہت افراد جو جنگ عین الوردہ میں زندہ بچ گئے تھے، امیر مختار سے جا ملے اور اس طرح محمد حنفیہ کو امام تسلیم کرنے لگے۔ اس بات کو خود امام محمد باقرؑ کی ایک حدیث سے بھی تصدیق ہوتی ہے جس نے حوالہ دیا ہے، جس کو مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تمام افراد سوائے تین کے ملحد ہو گئے۔ ابو خالد الکاعبی یحییٰ بن ام طوال اور جبیر بن مطعم' اور بعد میں اور لوگ شامل ہونے شروع ہو گئے جس سے تعداد بڑھتی چلی گئی۔"[27] یہی نہیں بلکہ سن ۷۳ھ بمطابق ۶۹۲ء تک بطور امام کے یا کسی ظاہری رہنمائے جماعت کے آپ کی عدم اہمیت اس بات سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ علویوں میں بشمولیت محمد حنفیہ جنہیں ابن زبیر نے عارم کے قید خانے میں محبوس رکھا' امام زین العابدینؑ کا نام تک کہیں نہیں لیا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ابن زبیر کے لئے وہ کسی قسم کا بڑا خطرہ تھے یہ نہیں اور یہ کہ اس وقت تک (۷۳ھ) وہ بالکل خاموش رہے نہ ہی اپنی امامت کے دعوٰی دار ہوئے۔ لیکن سکوت کسی بھی ایسے نظریہ کے فقدان کی حیثیت نہیں رکھتا جس کا اظہار اکثر موجودہ احوال و امکانات پر منحصر ہوتا ہے۔

طرف داریں اور پیروکاروں کی قلیل جماعت کے علاوہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا اور جو امام زین العابدینؑ کو بطور امام کے خاص لحاظ و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے دور کا واحد مذہبی حاکم سمجھتے تھے' امام زین العابدینؑ مدینہ کے علما و فضلا کے طبقوں میں بالعموم بہت صاحب اعزاز و احترام مانے جاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عوام میں آل رسولؐ کے لئے اعزاز و احترام' ہمدردی و ہم نوائی کا جذبہ بڑھ رہا تھا گو اس کی نوعیت یقیناً عام شیعوں کے جذبہ سے بالکل مختلف تھی۔ یہی وہ زمانہ بھی تھا جب اہل مدینہ میں احادیث پیغمبر اسلامؐ میں دلچسپی بڑھ رہی تھی' خاص طور پر ان احادیث میں جو قانونی معاملات سے متعلق تھیں۔ یہ "مدینہ کے ساتھ قانون دانوں" کا زمانہ تھا جن کا تذکرہ ہم نے اس کتاب کے دوسرے باب میں کیا ہے۔ مدینہ کے اس پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ کو مدینہ کے حلقہ علماء میں ایک ممتاز

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

محدث کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس دور کا سب سے بڑا مدنی قانون دان سعید بن مسیب امامؑ کو سب سے زیادہ صاحب احترام و اکرام سمجھتا تھا۔[28] شیعہ مورخین کہتے ہیں کہ سعید امامؑ کے پیروکار تھے، جو صحیح نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت قانونی معاملات میں اس کے نظریات امامؑ سے متفق نہ تھے گو کہ وہ امام زین العابدینؑ کا دوست تھا اور ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس دور میں قانونی فہم و ادراک کے مختلف مکاتب فکر ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھے، لہٰذا سعید اور امامؑ کے درمیان کوئی سنگین اختلاف رائے نہ تھا۔ پھر بھی اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ امام زین العابدینؑ اور ان کے چچا محمد حنفیہ ان احادیث و روایات کا اتباع کرتے ہوں گے جو حضرت علی ابی طالبؑ کی مستند ذات کے حوالے سے بیان کی گئی ہوں گی۔

اس دور کا ایک اور بڑا قانون داد، محدث، الزھری، امام زین العابدینؑ کا بہت بڑا مداح اور دوست تھا۔ یہ زھری ہی ہے جس نے تقدس و تعظیم سے لبریز نام سے زین العابدین سے آپ کو، (پاک باز و پرہیز گار انسان کی زینت) آپ کی کثرت عبادت دیکھ کر موسوم کیا گیا تھا۔[29] سنی اور شیعہ ماہرین تاریخ کی کثرت روایات کی رو سے ایسا نظر آتا ہے[30] کہ امام زین العابدینؑ اپنے غیر معمولی اوصاف کی وجہ سے پوری ملت اسلامیہ کے اطراف و اکناف میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ نماز میں دیر تک قیام، ان کا تقویٰ و پرہیز گاری اور ان کی جود و سخاو غیرہ ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ ان کا تقویٰ و توکل بہت بلند مرتبہ کے تھے اس لئے کہ وہ اپنی صفات کی نمائش بالکل نہیں کرتے تھے۔ جب وہ ایسے لوگوں کے ہم سفر ہوتے تھے جو ان کے شناسانہ ہوتے تو وہ بھیس بدلے ہوئے رہتے تھے تاکہ پیغمبر اسلامؐ کے ان کے جد امجد ہونے سے کوئی ترجیح و امتیازی سلوک لینے سے دور رہیں۔[31]

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام زین العابدینؑ نے سن ۹۴ھ بمطابق ۱۳-۷۱۲ء میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ وہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد چونتیس سال تک زندہ رہے جو اتنا کافی عرصہ ہے جس میں اپنے والد بزرگوار کی میراث کے محافظ کے طور پر اپنے آپ کو پایہ ثبوت تک پہنچا سکیں اور اپنے اصحاب و پیروکاروں کے ذہن میں اپنی شخصیت کا نقش دائمی مرتسم کر سکیں۔

متفق الرائے شیعہ روایات کے مطابق امام زین العابدینؑ نے اپنی رحلت سے قبل اپنے فرزند اکبر، حضرت محمد باقر کو اپنا وصی و وراث مقرر کر دیا تھا[32] امام حسین کی کسی ایسی واضح و ظاہر وصیت کی موجودگی پر جس میں امام زین العابدینؑ کو اپنا جانشین ظاہر کیا گیا ہو کسی کو شک ممکن ہے مگر ہمیں اس روایت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے اپنی رحلت سے قبل اپنے فرزند حضرت محمد باقرؑ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، کم از کم اپنے پیروکاروں کے حلقہ میں تو ضرور ایسا کیا گیا تھا۔ اس روایت کے قابل وثوق ہونے کی حمایت میں ایک واضح امر واقعہ یہ ہے کہ امام زین العابدینؑ کے دور حیات میں شیعوں کی اکثریت نے نسل امام حسینؑ کو ترک کر کے محمد حنفیہ کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اس کے بعد موخر الذکر کے فرزند ابوہاشم کی امامت کو تسلیم کر لیا تھا۔ امام زین العابدینؑ نے اس کو اپنے حقوق کا غصب قرار دیا اور وہ کسی خاص مشکل کا سامنا کئے بغیر نسل امام حسینؑ و سیدہ طاہرہ کی جائز وراثت کے اصول کی بنیاد پر عقیدت مندوں کی ایک جماعت کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا یہ بات ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند اکبر کو، اسی اصول پر جو انہوں نے قائم کیا تھا، فریضہ امامت سرانجام دینے کے لئے مقرر کیا ہو۔

امام زین العابدینؑ نے ورثہ دار امام حسینؑ ہونے کا دعویٰ کر کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اپنے گرد عقیدت مندوں کی ایک جماعت اکٹھی کر کے دراصل موروثی امامت کی حامی شیعہ جماعت کی بنیاد ڈالی اور پھر یہ امام محمد باقرؑ کی ذمہ داری تھی کہ وہ تصور جانشینی کے جائز اصول وراثت کو استوار کریں۔ بعض محققین[33] اس بات میں شک کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ نے اپنے دور حیات میں اس سلسلہ میں کسی حد تک کامیابی حاصل کی یا نہیں یا انہوں نے اپنے لئے حق امامت کا دعویٰ کیا یا نہیں۔ اس بات کا یقینی امکان ہے کہ اس سلسلے میں بہت سی روایات جو امام محمد باقرؑ سے منسوب کی جاتی ہیں وہ ان کے انتقال کے بعد زندہ رہ جانے والے عقیدت مندوں کی اختراع تھیں۔ لیکن ان روایات کے رد و قبول کے سلسلے میں چونکہ کوئی فیصلہ کن طریقہ کار موجود نہیں ہے اس لئے ہمیں، جہاں تک واقعاتی شہادت اجازت دیتی ہے، ان روایات کو اسی صورت میں تسلیم کر لینا چاہیئے جس میں یہ ابتدائی شیعہ، مجموعہ احادیث اصول کافی میں پائی جاتی ہیں۔ مزید برآں اسی نسل میں بعد میں آنے والے آئمہؑ کے اپنے بیانات سے اور ان کے ان بہت سی روایات کو رد کر دینے سے جو ان کے خاندان کے بعض متشدد عقیدت مندوں نے وضع کر لی تھیں، ان روایات کے مستند ہونے میں مدد ملتی ہے جو باقی رہ گئی ہیں۔

گو امام محمد باقرؑ کو ان کے والد بزرگوار کے پروان ورثہ میں ملے تھے پھر بھی جتنی مشکلات ان کے والد گرامی کو پیش آئی تھیں ان سے کہیں زیادہ سنگین مشکلات کا سامنا ان کو کرنا پڑا۔ امام زین العابدینؑ کو محمد حنیفہ کے حق میں مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کے پروپیگنڈے کا علاج کرنا تھا وہ بہ آسانی، اس بنیاد پر کہ وہ آل رسولؐ و اولاد علیؑ سے تھے۔ امام زین العابدینؑ کی رحلت کے بعد سیدہ فاطمتہ الزہراؑ کی اولاد میں سے بھی بہت سے افراد نے، چاہے ہوس جاہ سے تشویش پا کر یا محض روحانی راہنما ہونے والے نظریہ امامت سے

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

غیر مطمئن ہونے کے بعد، جیسا کہ امام زین العابدینؑ نے اختیار کر لیا تھا، ورثہ دار رسولؐ ہونے کے دعویٰ کر دیئے۔ پس فوری مسئلہ جو امام محمد باقرؑ کو درپیش تھا وہ خارجی نوعیت کا نہ تھا بلکہ ایک داخلی بداعتقادی تھی۔ ان کے دو نہایت طاقتور حریفوں کی تحاریک یعنی عبد اللہ المحض کی تحریک جنہوں نے اپنے بیٹے محمد نفس الزکیہ کے لئے تبلیغ شروع کی، دوسرے خود امام محمد باقرؑ کے سوتیلے بھائی زید بن زین العابدینؑ کی کوشش ایسی ہیں جو تفصیل میں آئندہ باب میں زیر بحث آئیں گی۔ بر سبیل تذکرہ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ زید بن زین العابدین کی مساعی نے بہت سے شیعوں کو متاثر کیا اور امام محمد باقر کی امامت کو ایک سنگین چیلنج پیش کیا۔ ان حریفانہ مقابلہ میں امام محمد باقرؑ اور ان کے پیروکاروں پر زید کا پلہ بھاری رہا، جس کے نتیجہ میں اول الذکر کو شیعہ تحریک کی صفوں میں موروثی حق جانشینی کی اہمیت زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ پس اپنے سوتیلے بھائی کے دعاوی کے مقابلے میں امام محمد باقرؑ کو واضح نص قرآن کی بنیاد پر اصول نامزدگی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔۔۔۔۔۔ ایک ایسا بنیادی موروثی اصول جانشینی جسے باب گیارہ میں زیر بحث لایا جائے گا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ امام زین العابدینؑ نے تمام بھائیوں کی موجودگی میں ان کو جانشین مقرر کیا تھا اور انہیں ایک صندوق سونپا تھا جس میں مخفی مذہبی کاغذات اور پیغمبر اسلامؐ کے ہتھیار وغیرہ تھے۔[34] شیعہ راویوں نے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں[35] جن میں امام محمد باقرؑ کی ماہیت و فرائض کی وضاحت کی ہے، یعنی امام بعض مخصوص صفات کا حامل ہوتا ہے جو اس تک سابق امام کی نص کے حوالے سے منتقل ہوتی ہیں۔ اس طرح امام محمد باقرؑ نے موضوع امامت پر بعض نظریات کو متعارف کرایا، جن کی مکمل وضاحت ان کے فرزند امام جعفر الصادقؑ نے کی۔ امام محمد باقرؑ سے مروی روایات اس بات کو بہت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وافر حد تک واضح کر دیتی ہیں کہ انہوں نے بطور امام اپنی حیثیت کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ وہ زمین پر خدا کے نائب و نمائندے ہیں اور اللہ کے احکامات کے سلسلہ میں درگاہ ایزدی سے براہ راست فیضان یافتہ شارح ہیں۔

اب اہم ترین سوال جو اس مقام پر ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ موضوع امامت پر اصول موروثیت قائم کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے اور کیا وہ اس طرح اپنی زندگی میں حقیقتاً مذہبی اہمیت کی حامل کوئی کامیابی حاصل کر سکے۔ سنی اور شیعہ دونوں مورخین کی طرف سے لکھی جانے والی سوانحی کتب کی باریک چھان بین اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں ہماری مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات جاننا نہایت مفید ہو گی کہ امام محمد باقرؑ کے ماننے والوں کے ناموں سے جن کا تذکرہ امامیہ مورخین نے پوری سوانحی تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے، سوانحی لغات (کتب الرجال) لکھنے والے سنی مولفین نے اختلاف کیا ہی نہیں ہے بلکہ جب بھی سنی مصنفین موروثی آئمہ کے عقیدت مندوں کے نام نقل کرتے ہیں تو وہ فوراً ان کو رافضی، غالی یا شیعہ لکھتے ہیں۔ کتب رجال کے علاوہ فرقہ بندی کی کتب جیسے کہ البغدادی کی "الفرق بین الفرق"، ابن حزم کی "الفصل" اور شہرستانی کی الملال والنحل ان ناموں کا تذکرہ اکثر توہین آمیز کلمات کے ساتھ کرتے ہیں۔ آخر میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ امامیہ مصنفین خود بھی اس بات کا بالخصوص تذکرہ کرتے ہیں کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں موقع پر اپنی وفاداری کو زید یا نفس الزکیہ کے حق میں تبدیل کر لیا تھا، یعنی جیسے جیسے صورت حال ہوا کرتی تھی اس کے مطابق، مزید برآں یہ کہ فرقہ زیدیہ اور فرقہ اسمعیلیہ نے جن کی اپنی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہت سی مذہبی کتب ہیں امام محمد باقرؑ کے عقیدت مندوں کو اپنے لوگوں میں شمار ہی نہیں کیا۔ درحقیقت کبھی ایک علوی دعویٰ دار امامت ہو جاتا تھا اور کبھی دوسرا جیسے کہ بیان بن سمعان اور المغیرہ بن سعید العجلی' لیکن ان افراد کی امامیہ مصنّفین بڑے زور شور سے تردید کرتے ہیں۔ تاہم یہ تمام حقائق اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ کے طرف داروں کی فہرست جسے ہم یہاں موروثی امامت کے حامیوں کا فرقہ شمار کر رہے ہیں' کوئی افسانہ نہیں ہے۔ چاہے شیعہ (امامیہ) مصنّفین نے ان افراد کی "سوانح حیات کی نوک پلک درست کرنے کی کافی کوشش بھی کی' اس خیال سے کہ انہوں نے اپنے شیعہ امام (حسینی آئمہؑ) ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور بطور امام اپنے فرائض بھی انجام دیئے ہیں"[36] لیکن یہ اطلاعات (یعنی دوسرے افراد کے دعوے) پھر بھی بعض حقائق پر مبنی ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام زین العابدینؑ' امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سیاسی اہمیت نہ رکھتے تھے اور انہوں نے یہی مصلحت سمجھی کہ سیاسی مہم جوئی میں ملوث ہونے سے بچا جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہوں نے بطور امام اپنے خالص مذہبی فرائض کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ دراصل یہ ان کی ساکن و خاموش پالیسی تھی جو ان کے خاندان کے زیادہ پر جوش افراد کے ہاتھوں' ان کے پس پردہ چلے جانے کا باعث بنی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حکمت عملی کے ذریعے وہ آخر الامر بطور امام کے قائم رہے اور مستقبل میں آنے والے شیعوں کی اکثریت کے مسلمہ قائدین کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔

تاہم یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ امام زین العابدینؑ کی رحلت کے فوراً بعد ہی امام محمد باقرؑ اور ان کے سوتیلے بھائی زید کے درمیان قیادت کی تگ و دو شروع ہو گئی اور شیعوں کی کافی تعداد نے موخر الذکر کو ان کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زیادہ پر جوش طریق کار (حکمت عملی) دلیرانہ طرز عمل کی وجہ سے ترجیح دی۔ پھر بھی وقت کے ساتھ ساتھ امام محمد باقرؑ، زید کی طرف چلے جانے والوں میں سے بعض کو اپنی طرف موڑنے اور بہت سے نئے عقیدت مندوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سب سے اہم زرارہ بن اعین اس کا بھائی حمران اور حمزہ بن محمد بن عبد اللہ، الطیار ہیں۔ خاص طور پر زرارہ بن اعین کی حمایت بہت اہم کامیابی تھی، کیونکہ وہ اپنے دور کا بہت نمایاں عالم دین اور محدث ہوا، کوفہ میں جس کے مریدوں کا ایک وسیع حلقہ تھا۔[37] اس کا بھائی حمران اس سے پہلے امام زین العابدینؑ کے قریبی اصحاب میں سے تھا اور بعض میں امام محمد باقرؑ کا انتہائی عقیدت مند طرف دار ثابت ہوا، جنہوں نے اسے جنت کی بشارت دی اور اعلان کیا کہ "حمران دنیا و آخرت دونوں میں ہمارے شیعوں میں سے ہو گا۔"[38] حمزہ بن الطیار نے وقتی طور پر امام محمد باقرؑ کا مخالف رہنے کے بعد اور مختلف دعویٰ داران امامت میں مذبذب رہنے کے بعد، آخر الامر امام محمد باقرؑ کی پیروی کو اختیار کر لیا۔[39] زرارہ کے علاوہ امام محمد باقرؑ کے دوسرے متبعین جو شیعہ قانونی ضابطوں کے مرتب و منضبط ہونے کے دور میں اثنا عشری فقہ کے جید ماہرین ہوئے ہیں معروف بن خرابذ[40] ابو بصیر الاسدی،[41] برید بن معاویہ،[42] محمد بن مسلم بن ریاح الطائفی[43] اور الفضیل بن یاسر[44] وغیرہ ہیں۔ ان سب میں نمایاں شخصیت محمد بن مسلم بن ریاح کی ہے جو بنی ثقیف کے ایک کوفی موالی تھے، آٹا پیسنے کا کام کرتے تھے، اعور (ایک آنکھ والے) کے نام سے بھی مشہور تھے۔ یہ معتبر ترین شخص تھے، کوفہ کے حلقوں میں نقد و شرع کے بہت بڑے ماہر مانے جاتے تھے اور ابن ابی لیلیٰ، ابو حنیفہ اور شریح القاضی کے ہم عصر، ہم مرتبہ عالم فقہ تھے۔ وہ زرارہ کے مقابل یا ثانی محسوس ہوتے ہیں اس لئے کہ اگر زرارہ ایک محدث و علم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دین کے مفکر و محقق تھے اور شیعہ مکتب علم کلام کے بانی تھے تو محمد بن مسلم میں اصول و قواعد حدیث کا علم اور عملی قانون دان کے اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ وہ مسائل کے دو ٹوک اور ذہانت و فتانت پر مبنی فیصلوں کے لئے مشہور تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑے مشہور صوفی و زاہد و عابد انسان بھی تھے۔

امام محمد باقرؑ کے ان عقیدت مندوں میں ابو بصیر لیث البختری المرادی نے بطور شیعہ فقیہ اور محدث کے بہت نام پایا۔ ابو بصیر جو بنو اسد کے ایک موالی تھے' امام محمد باقرؑ کے مقرب صحابی ہوئے اور ان کے بعد امام جعفر صادقؑ کے مقبول بار گاہ بھی ہوئے۔ امام جعفر صادقؑ کے متعلق روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ بصیر' برید' زرارہ اور محمد ابن مسلم خیمہ دینا کی چوب کی مانند ہیں' اور ان کے بغیر امکان تھا کہ احادیث نبویؐ ضائع ہو جاتیں۔[45] وہ آئمہ کے ذہین ترین' سخن فہم اور قریب ترین ساتھی تھے۔ ایک اور پر کشش شخصیت کے مالک ابو حمزہ الثمالی تھے جو امام محمد باقرؑ کے اصحاب میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان سے انتہائی قسم کی روایات مروی ہیں جو معجزات و کرامات سے متعلق ہیں۔[46]

الکمیت بن زید الاسدی[47] جو اپنے دور کے ایک مشہور و معروف شاعر گزرے ہیں' امام محمد باقرؑ کے ایک اور اہم و زبردست طرف دار تھے۔ انہوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے امامؑ کے مقاصد کی سب سے بڑھ کر خدمت کی۔ اس کی عقیدت و ولا نے' جس کا اظہار ان کے ہر شعر میں نمایاں ہوتا تھا' امام محمد باقرؑ کے نام نامی کو اطراف و اکناف میں پھیلا دیا۔ ان کے مجموعہ اشعار "الہاسیات" نے' جو سراسر مدحت اہل بیتؑ پر مشتمل ہے' ان کو بہت ابتلا و آزمائش میں ڈالا۔ عراق کے گورنر یوسف بن عمر نے' جو خاندان علی مرتضیٰؑ کا دشمن تھا' کمیت کے اس دیوان کا خلیفہ عبد الملک سے ذکر کیا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

[48] تاہم کمیت اپنے آپ کو اس خطرے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے اور خلیفہ کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے بنی امیہ تک کی مدح میں کچھ نظمیں کہہ دیں۔ [49] اس سب کے باوجود کمیت آئمہ حسینہؑ کے موروثی سلسلہ امامت کے زبردست حامی رہے یہاں تک کہ امام جعفر صادقؑ نے کمیت کے متعلق ارشاد فرمایا: "کمیت کو روح القدس سے مسلسل مدد مل رہی ہے۔" [50]

گو شہر بصرہ مخالفین شیعہ کا مرکز تھا امام محمد باقرؑ نے وہاں بھی اپنے طرف دار پیدا کر لئے، مثلاً محمد بن مردان البصری اور مسالک بن عین۔ مکہ تک میں امام باقرؑ نے بہت سے مخلص و مستعد طرف دار بنا لئے۔

تاہم زید بن زین العابدینؑ کی تحریک کی مقبولیت امام محمد باقرؑ کی موروثی امامت قائم کرنے کی مساعی پر چھائی رہی۔ لیکن امام محمد باقر نے زید کے رفقاء و ہمنوا افراد کو متاثر کرنے تک اپنی کوششوں کو محدود رکھا، پر بھی جب کبھی وقت و موقع متقاضی ہوتا امام محمد باقرؑ زید کے مبینہ حق کی شدت سے مخالف کرتے۔ مثلاً جب سعید بن المنصور نے، جو جماعت زیدیہ کے قائدین میں سے تھا، امام محمد باقرؑ سے پوچھا "آپ کی نبیذ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ میں نے زید کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔" امام نے جواب میں فرمایا۔ "مجھے یقین نہیں آتا کہ زید نبیذ پی سکتے ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا کیا بھی ہے تو وہ نہ تو نبی و رسول ہیں اور نہ کسی نبی کے وصی یا امامت دار ہیں۔ وہ خانوادہ حضرت محمد مصطفیٰؐ سے ایک عام انسان ہیں، کبھی وہ صحیح بات کرتے ہیں اور کبھی ان سے غلطی بھی سرزد ہو سکتی ہے۔" [53] یہ کلمات نہ صرف زید کے دعویٰ امامت کی صریح تردید کرتے ہیں بلکہ اپنے مامور من اللہ وصی ہونے کی حیثیت کا بالواسطہ ادعا بھی ہے۔ امام محمد باقرؑ امام حسنؑ کی دختر فاطمہ کے فرزند تھے [54] اور اس طرح پیغمبر خداؐ اور علی مرتضیٰؑ دونوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انہیں زید پر بہت زیادہ فضیلت حاصل تھی، جن کی والدہ سندھ سے تعلق رکھنے والی ایک کنیز تھیں۔[55] لیکن امام محمد باقرؑ کبھی بھی کسی سرگرم تحریک کو منظم کرنے کی طرف مائل نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے والد گرامی کا پر امن و پر سکون طرز عمل برقرار رکھا۔ اس کے برعکس زید جو واصل بن عطا معتزلی کے قریبی ساتھی تھے اور موخر الذکر کے خیالات سے بہت زیادہ متاثر تھے، اس لئے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اگر ضرورت ہو تو طاقت سے عمل کرنے کے اصول کی اہمیت پر بھی زور دیتے تھے۔

ان کا ایمان تھا کہ اگر کوئی امام اپنی امامت کی توثیق و تصدیق چاہتا ہے تو اسے اپنے حق کو شمشیر بکف منوانا ہو گا۔[56] امام محمد باقرؑ اور زید ابن زین العابدینؑ اس موضوع پر تکرار بھی کر چکے تھے کیوں کہ جس وقت زید نے زور دیا کہ امام کو ظالموں کے خلاف نبرد آزما ہونا چاہیئے تو امام محمد باقرؑ نے جواب دیا "پس تم اس حقیقت سے انکار کرتے ہو کہ تمہارے اپنے والد امام تھے کیوں کہ انہوں نے اس موضوع پر کبھی بھی مجادلہ نہ کیا۔"[57] جب ابوبکر بن محمد الحصرمی اور اس کے بھائی علقمہ نے، جو دو کوفی شیعہ تھے، زید سے پوچھا کہ کیا علی مرتضیٰؑ تلوار اٹھانے سے پہلے امام تھے یا نہیں، تو زید نے اس سوال کا جواب دینے سے انکار کیا، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا تعلق زید سے منقطع کر لیا اور امام محمد باقرؑ کے طرف دار ہو گئے۔[58]

اس طرح انتہائی اہمیت کا حامل سوال حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے حقوق کا تھا۔ للذا معتزلہ سے اتفاق کرتے ہوئے زید سمجھتے تھے کہ پہلے دو خلفا قانونی طور پر منتخب امام تھے اگرچہ علی مرتضیٰؑ ان سے بہتر امیدوار تھے۔ اس نقطہ نظر سے عام روایت پسند حلقے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ زید معتزلہ کے اصول "حد اعتدال" کو رد کرتے تھے مگر واصل بن

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عطا کی اس رائے سے بھی اختلاف نہ کرتے تھے کہ حضرت علیؑ اور ان کے مخالفین کے درمیان تنازعہ میں ایک مخالف جماعت ضرور غلطی پر تھی۔ لیکن غلطی پر کون تھا واصل اس پر متیقین نہ تھے،[59] جب کہ زید، علی مرتضیٰؑ کے اوصاف کو اتنا بلند سمجھتے تھے کہ ان کے لئے یہ نظریہ کو وہ حق پر نہ تھے، ناقابل قبول تھا۔

تاہم زید کا خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کو تسلیم کرنے پر خاص زور دینا اور اس بنیاد پر متوسط خیال طبقوں میں ان کی مقبولیت ایک طرف تو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ پہلے دو خلفاء کی خلافت کا سوال بعض شیعہ طبقوں میں اس وقت نہایت شدت سے زیر بحث تھا اور دوسری طرف اس موقف کو اختیار کرنے سے زید کی کامیابی امام محمد باقرؑ کے لئے ایک پریشان کن اور پیچیدہ صورت حال پیدا کر رہی تھی۔ امام زین العابدینؑ نے خود بھی کبھی پہلے دو خلفا کے خلاف بات نہ کی تھی۔ لیکن امام محمد باقرؑ کے دور امامت میں بعض انتہا پسند شیعوں نے جو آپؑ کے طرف دار تھے، موروثی امامت کی طرف دار شیعہ جماعت میں اس سوال کو اٹھایا۔ لہٰذا امام محمد باقرؑ سے بھی یہ سوال بار بار کیا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ لیکن انہوں نے اعلانیہ ان دونوں کی حیثیت کو مشکوک یا مشتبہ قرار نہ دیا بلکہ ان کے خلیفہ ہونے کی تصدیق کی۔[60] پھر بھی بعض کوفی شیعہ اس بات پر شدت سے ایمان رکھتے تھے کہ امام پہلے دو خلفا کو قبول نہ کرتے تھے اور اصول تقیہ برتتے ہوئے اپنی اصلی رائے کو ظاہر نہ کرتے تھے۔[61] امام محمد باقرؑ کے کوفی عقیدت مندوں کی طرف سے اس پروپیگنڈہ نے بلاشبہ شدید اور نیم شدید حلقوں کی وفاداریاں ان کے شامل حال کر دی تھیں۔ مگر اس کے برعکس اس بات نے ان افراد کی حوصلہ شکنی کی جو اہل بیتؑ (اطہار) کو اقتدار میں لانے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے لئے سرگرم اور عملی تحریک شروع کرنا چاہتے تھے اور پہلے ہی امام محمد باقرؑ کی ساکن و خاموش حکمت عملی سے مایوس ہو چکے تھے۔ للذا ان متوسطین نے خود کو زید کے ہم کاب رکھنے میں بہتری محسوس کی،[62] جنہوں نے مزید مراعات و مفادات حاصل کرنے کے لئے پہلے دو خلفاء کی خلافت کو تسلیم کرنے پر زیادہ زور دیا، البتہ اصول تقیہ کو رد کر دیا۔ امام محمد باقرؑ ان کوفی شیعوں کے رویہ پر برہم ہوئے اور فرمایا:

"چاہے یہ گستاخ ناشکرے (اہل بطر) شرق سے غرب تک
فوجیں کھڑی کرلیں خداوند تعالیٰ ان کے ذریعے سے دنیا کو
عزت و عظمت نہ دے گا۔"[63]

ان کوفی شیعوں ہی میں الحکم بن عتیبہ الکندی بھی تھا جو اپنے شہر کے نمایاں فقہا میں سے تھا،[64] وہ علی ابن ابی طالبؑ کو حضرت ابو بکرؓ سے افضل سمجھتا تھا لیکن اپنی شیعہ طرف داری میں حد اعتدال میں رہتا تھا، جس بات نے اسے زید کے حامیوں میں بہت مقبول کر دیا تھا، کوفہ کے قاضی کے طور پر اس کا اہل شہر پر بہت اثر تھا اور اس طرح زید کے مقاصد کے لئے بہت مددگار تھا۔[65] یہ بات لازمی تھی کہ امام محمد باقرؑ جو منصب امامت کے لئے اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی کی بہ نسبت خود کو بہت اوصاف و حقائق کا مالک سمجھتے تھے، زید اور ان کے رفقا کے عمومی مصالحانہ رویے پر معترض تھے ان کے متعلق نہایت تلخ و ترش لب و لہجہ استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اس طرح اظہار کیا:

"حکم بن عتیبہ اور زید کے دوسرے ہمنواؤں نے بہت سے
لوگوں کو راہ راست سے بھٹکایا۔ ان کا قول ہے کہ (وہ)
ہم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن وہ اہل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایمان نہیں ہیں۔"[66]

امام محمد باقرؑ کے جانشین امام جعفر الصادقؑ اسی نظریہ کے حامل تھے اور انہوں نے حکم کو امام محمد باقرؑ کی بے حرمتی و بے ادبی کرنے کی تہمت لگائی،[67] یہی نہیں بلکہ زیدیہ جماعت کو (ناصبی) قرار دیا جو حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے شدید بغض رکھتے تھے۔[68]

اس نہج پر پہلے دو خلفا کا موضوع ایک اور مسئلہ کی طرف ہماری توجہ کو مبذول کرتا ہے یعنی مذہبی اعمال و کردار۔ امام محمد باقرؑ، حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور ان کے عقیدت مندوں سے ماخوذ روایات پر کار بند رہے۔ تاہم اہل بیتؑ میں بھی بعض اختلافات تھے، اس لئے کہ زید کوفہ کے اصحاب الحدیث کے دستور و قانون کو ماننے کی طرف مائل تھے جو زیادہ تر حضرت عمرؓ کے فیصلوں پر مبنی تھے۔ لہٰذا یہ حضرت امام باقرؑ ہی تھے جنہوں نے مذہب اہل بیتؑ (مسلک قانون و دستور) کے آغاز کو مکمل شکل دی۔ کشی ہمارے لئے ایک بہت اہم روایت کو نقل کرتے ہیں اس طرح ہے:

> "امام محمد باقرؑ کی امامت سے قبل اہل تشیع قانون شرح میں جائز و ناجائز کے درمیان فرق نہ جانتے تھے۔ وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ دوسرے لوگ کس چیز کو شرعی طور پر جائز اور کس کو ناجائز جانتے ہیں، حتیٰ کہ حضرت ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) کی امامت کا دور شروع ہوا، تو انہوں نے ان کو تعلیم دی اور علم (شرع) سمجھایا اور پھر یہ لوگ ان لوگوں کو تعلیم دینے لگے جن سے وہ پہلے علم (شرع) حاصل کرتے تھے۔"[69]

یہ روایت واضح طور پر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ حضرت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام محمد باقرؑ کی امامت کے آغاز تک شیعوں اور کوفہ' مدینہ اور دوسرے علاقوں کے اصحاب الحدیث کے شرعی اعمال میں بمشکل کوئی فرق تھا اور کچھ عرصہ بعد تک بھی شرعی معاملات (فروع) میں اختلافات فی الحقیقت نہ ہونے کے برابر تھے۔[70] یہاں تک کہ جب امام محمد باقرؑ نے ہر قسم کی نشہ آور اشیاء (بشمولیت نبیذ) کا استعمال مکمل طور پر ممنوع قرار نہ دے دیا۔[71] کوفہ کے قانون دان نبیذ کی اجازت دیتے رہے۔ (خمیر کردہ مشروبات)۔ ایک دوسرا قانون متعہ کا تھا۔ (عارضی شادی) جس پر شیعہ اور دوسرے کوفی فقہا کا اختلاف تھا۔ اول الذکر حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی سند پر اس کو جائز قرار دیتے تھے جبکہ موخر الذکر حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ کی رو سے اسے ممنوع قرار دیتے تھے۔[72] دلیل یہ دی جاتی تھی کہ اگر حضرت عمرؓ پیغمبر اسلامؐ کی کسی اجازت (حلال) کو ختم کر سکتے ہیں (حرام) تو حضرت علی مرتضیٰؑ بھی حضرت عمرؓ کے کسی فیصلے کو کالعدم قرار دے سکتے ہیں۔

تاہم مندرجہ بالا واقعات و احوال اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ حضرت محمد باقرؑ نے اپنے والد گرامی سے امامت ورثہ میں پانے کا دعویٰ کیا اور یہ کہ وہ محدود سا حلقہ معتقدین' جو امام زین العابدینؑ نے قائم کیا تھا' امام محمد باقرؑ کی سرپرستی میں تحریک شیعیت کے اندر موروثی امامت کے حامیوں کی باقاعدہ جماعت میں بڑھنے لگا۔ ہم اس نقطہ نظر کو صرف اسی صورت میں رد کر سکتے ہیں اگر ہم بہت سے مسلمہ و مستحکم تاریخی حقائق کو مسترد کر دیں' جن میں سب سے نمایاں زید اور امام محمد باقرؑ کے درمیان رقابت' بلکہ تکرار و تنازع ہے' جس کو متعدد مورخین نے نقل کیا ہے۔ پھر بھی امام محمد باقرؑ کے بڑے بڑے رفقاء کی تاریخ انتقال ظاہر کرتی ہے کہ امام کے حق میں یہ تبدیلیاں ان کی زندگی کے اواخر میں رونما ہوئیں کیونکہ ان کے حلقہ کے نمایاں محدثین و

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ماہرین قانون ان کی وفات کے دس سال بعد تک بقید حیات رہے۔

امام محمد باقرؑ کی وفات پر موروثی امامت کی حامی جماعت گو ابھی تک محدود تعداد میں تھی' اس کے باوجود حجاز و عراق کے تقریباً تمام بڑے بڑے مراکز میں پھیل چکی تھی اور یہ اپنے اندر وہ عناصر و اجزا رکھتی تھی جو اس کے ایک مضبوط و مقبول ضابطے میں آئندہ ڈھل جانے کے لئے ضروری تھا۔ یہ کیفیت ایک نظریاتی اساس کی مالک تھی جو ابھی جزوی طور پر استوار ہوئی تھی اور غیر یقینی سی تھی گو ابھی تک یہ مذہب اصحاب الحدیث میں مروج نظریات سے مکمل طور پر علیحدہ نہیں ہوئی تھی' پھر بھی کافی معقول حد تک یہ بات ممیز و منفرد ہو چکی تھی کہ اس کو اپنی جگہ ایک علیحدہ ضابطۂ قانون یا اصل اصول قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تحریک زرارہ اور اس کے حلقہ مریدین کی صورت میں نظریاتی علم شرع کا ایک علیحدہ مکتب فکر رکھتی تھی اور اصول قانون کے ایک علیحدہ انداز فکر کی حیثیت سے جڑیں پکڑ چکی تھی۔ آخرالامر تحریک کمیت کی صورت میں اپنا علیحدہ ادب پیدا کرنے کے قابل بھی ہو چکی تھی اور دور دور تک عوام میں روشناس ہو چکی تھی۔

امام محمد باقرؑ کی ذات گرامی اور ان کے غیر معمولی اوصاف کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے جن میں سے اکثر انہوں نے اپنے والد گرامی سے ورثہ میں پائے تھے۔ وہ انتہائی فیاض و سخی تھے' زاہد و متقی تھے' امن پسند و صلح جو طبیعت کے مالک تھے اور اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے کسی فوج کو منظم کرنے کا خیال بھی نہ رکھتے تھے'[73] بلکہ اس کی جگہ امور مذہب پر اپنے وسیع و عمیق علم سے لوگوں کو متاثر کرنے کی سعی فرماتے تھے درحقیقت وہ اپنے دور کے عالمان متبحر میں شمار ہوتے تھے اور یعقوبی کی رو سے انہیں ان کے علم و فضل ہی کی وجہ سے الباقر کہا جانے لگا" وہ جو علم کی باریکیوں اور گتھیوں کو سلجھا دیتا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے"" یعنی وہ جو علم کی تحقیق و تفحص کا حق ادا کرتا ہے اور اس کے عمیق میں اتر جاتا ہے،[74] لیکن ابن خلکان کی رائے میں انہوں نے الباقر کا لقب بمعنی کافی و مکتفی پایا کیونکہ انہوں نے علم کے لامحدود خزانے (تبقر) کو جمع کیا۔[75] کئی ماہرین قانون و شرع ان کے علم و فضل کی شہرت سے متاثر ہو کر مسائل و مشکلات شرع سمجھنے کے لئے ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ ان میں محمد بن منکدر، ابو حنیفہ، النعمان، قتادہ بن دعامہ، عبد اللہ بن معمر اللیثی اور نافع بن ازرق (جو خارجی تھا) شامل ہیں۔[76]

حضرت محمد باقرؑ کی تاریخ وفات پر اتفاق نہیں ہے۔ سب سے اول تاریخ ۱۱۳ھ بمطابق ۷۳۱ یا ۷۳۲ء[77] اور سب سے بعد ۱۲۶ھ بمطابق ۷۴۳ء یا ۷۴۴ء[78] بتائی جاتی ہے لیکن جو تاریخی یعقوبی ۱۱۷ھ بمطابق ۷۳۵ تجویز کرتے ہیں وہ زیادہ قابل قبول ہے[79] اور اس بات میں تو شک ہی نہیں ہے کہ جب زید نے کوفہ میں علم بغاوت بلند کیا تو امامؑ زندہ نہیں تھے۔ لیکن ان کی وفات کو زیادہ عرصہ بھی نہ گزرا تھا کیوں کہ امام جعفر صادقؑ کی حیثیت ابھی پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔

شہرستانی روایت کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ کے کچھ عقیدت مندوں نے ان کی وفات پر یقین کرنے سے انکار کر دیا اور ان کی رجعت کی توقع کرنے لگے۔[80] یہ افراد صریح طور پر سابقہ کیسانی تھے جنہوں نے ابو ہاشم کو ترک کر کے امام محمد باقرؑ کی عقیدت سے خود کو منسلک کر دیا تھا۔ تاہم اگر اس اطلاع میں کچھ بھی حقیقت ہے تو یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ امام محمد باقرؑ اپنے زمانے میں ایک جماعت کی طرف سے امام ضرور تسلیم کئے جاتے تھے۔ نوبختی ان کے عقیدت مندوں کو الباقریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[81] یہی نام ان کی وفات کے بعد الجعفریہ میں تبدیل ہو گیا تھا جو نام ان کے فرزند و جانشین

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے نام نامی سے ماخوذ ہے۔[52] تاہم یہ نام جو فرقہ بندی کے مورخین نے فراہم کئے ہیں محض لفظی معنی میں نہ سمجھے جائیں کیونکہ یہ بعض افراد کے معتقدین کا ذکر کرنے کے سلسلے میں استعمال کئے جاتے تھے نہ کہ فرقوں کی نشان دہی کے سلسلے میں۔

حضرت امام محمد باقرؑ اپنے وصال تک تقریباً انیس برس امامت کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ انہوں نے اپنا ورثہ علم اپنے فرزند اور جانشین امام جعفر صادقؑ کے سپرد کیا جن کی طرف اب ہم متوجہ ہو رہے ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات باب نمبر 9

1- Well Hausen: احزاب ص 198 تا 234- K.A.Fariq (نئی دھلی 1967)

The Story of an Arab Diplomate

2- "How did the early shia become Sectrian Hodgson"
JAOS میں مضمون (1955) ص 3

3- ابن سعد ج 5 ص 212-

4- ابن سعد ج5 ص 212، و 220 طبری ج 2 ص 209-

5- طبری ج2 ص 220-

6- ایضاً-

7- مسعودی: مروج ج 3 ص 70- مبرد: کامل ج1 ص 260- دینوری ص 266-

8- بلاذری ج5 ص 272- مسعودی: مروج ج3 ص 74-

9- یعقوبی ج2 ص 259-

10- بلاذری ج5 ص 272- ابن سعد ج 5 ص 213-

11- محمد بن یعقوبی ا کلینی: اصول الکافی (کراچی 1965) ص 353 ج1- مجلسی: بحار ج11 ص 7 آملی: اعیان ج4 ص 332- مسعودی: مروج ج3 ص 225-

12- کلینی- حوالہ محولہ بالا-

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

13۔ ابن خلدون: عبر (قاہرہ 1867) ج 3 ص 172۔

14۔ بلاذری ج 5 ص 218۔

15۔ کلینی: کافی ص 352 و بعد۔

16۔ کشی: اختیار معرفت الرجال (تہران تاریخ نامعلوم) ص 121۔

17۔ ایضاً ص 124۔

18۔ ایضاً ص 123۔

19۔ ایضاً ص 115۔

20۔ ایضاً ص 4۔ ابن عماد: شندرات الذہب (قاہرہ 1350ھ) ج 1 ص 84۔

21۔ کشی: رجال ص 119۔

22۔ ایضاً ص 201 تا 203۔

23۔ ایضاً ص 124۔

24۔ مثلاً کلینی: کافی جگہ بہ جگہ حوالہ ہے۔

25۔ فرزدق: دیوان ج 1 ص 847، و بعد، اغانی ج 21 ص 400 و بعد، ابن خلقان: وفیات ج 6 ص 95 و بعد۔ بیہقی: کتاب المحاسن و المساوی تدوین Schwally (1902 Giessen) ص 131 و بعد۔ ابو نعیم: حلیتہ الاولیا (قاہرہ 1938) ج 3 ص 139۔ کشی: رجال ص 130 بعد، سبکی و ابو نصر: طبقات الشافعیہ تدو بن احمد بن عبد الکریم (قاہرہ تاریخ نامعلوم) ج 1 ص 153۔ و بعد، ابن کثیر: بدائیہ ج 9 ص 108 و بعد۔

26۔ حاشیہ 25 میں حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ (تفصیل کے لئے)

27۔ کشی: رجال ص 123۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

28۔ ابن سعد ج5 ص 216۔ کشی: رجال ص 155۔ و بعد۔

29۔ ابن سعد ج5 ص 216۔

30۔ سنی ماخذ کے لئے ملاحظہ کیجئے ابن سعد ج 5 ص 216 تا 222۔ ابن خلقان ج3 ص 266 و بعد۔ مبرد کامل ج1 ص 260۔ ج2 ص 138۔ ج3 ص 120 بعد' ابن کثیر: بدائیہ ج9 ص 103 تا 115۔ شیعہ ماخذ کے لئے دیکھئے یعقوبی ج2 ص 247 مسعودی: مروج ج 3 ص 160۔ کلینی: کافی ج1 کتاب الحجہ و جابجا۔ مفید: ارشاد ج2 ص 138 تا 145۔ آملی اعیان ج4 ص 30 تا 461۔

31۔ مبرد: کامل ج2 ص 138۔

32۔ کلینی: کافی ج1 ص 354 و بعد۔ مجلسی: بحار ج9 ص 100 و بعد۔ قاضی نعمان: شرح ص 32 الف۔

33۔ منٹگمری واٹ "Shiaism under the ummyyads" ص 168 و بعد۔ Hodgson حوالہ محولہ بالا ص 1۔

34۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ جات نمبر32 بالا۔

35۔ کلینی: کافی کتاب الحجہ۔

36۔ منٹگمری واٹ حوالہ محولہ بالا ص 166۔

37۔ کشی: رجال ص 133 و بعد'

38۔ ایضاً ص 161' و 176 بعد۔

39۔ ایضاً ص 276 و 347 بعد۔

40۔ ایضاً ص 211 و 238۔ مذید ملاحظہ ہو حائری منتہی المقال (تہران 1302ھ) ص 304 و 305۔

41۔ کشی: رجال ص 169۔ 238۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

42۔ ایضاً ص 238۔

43۔ کشی: رجال ص 161، 238 حائری: منتہی ص 243۔

44۔ کشی: رجال ص 213۔ و بعد۔ حائری: منتہی ص 243۔ نجاشی: رجال ص 219۔

45۔ کشی: رجال ص 170۔ حائری: منتہی ص 249 و 250۔

46۔ کشی: رجال ص 201 بعد، حائری: منتہی ص 73۔

47۔ اغانی ج 16 ص 330 و بعد۔ جاحز: بیان ج1 ص 46۔

48۔ اغانی ج 6 (ص 333)

49۔ کشی: رجال ص 206 و بعد۔ اغانی حوالہ محولا بالا۔

50۔ کشی: رجال ص 206۔

51۔ کشی: رجال ص 214 حائری منتہی ص 293۔

52۔ کشی: رجال ص 214۔ حائری حوالہ محولہ بالا۔

53۔ کشی: رجال ص 232۔

54۔ ابن سعد: ج5 ص 211 و 320 و 325 و بعد۔

55۔ ابو الفرج: مقابل 127۔ ابن سعد ج5 ص 211۔ 325 و بعد۔

56۔ شہرستانی: ملل ج1 ص 154 و بعد۔

57۔ ایضاً۔

58۔ کشی: رجال ص 416 و بعد۔

59۔ شہرستانی: ملل ج1 ص 49۔

60۔ ابن کثیر: بدائیہ ج9 ص (311۔ ذہبی: تاریخ ج4 ص 300 ابن جوزی: صفت الصفوۃ ج2 ص 61، ابو نعیم: حلیہ ج3 ص 185۔

61۔ شاعر کمیت سے متعلق روایات ہیں کہ اس نے امام محمد باقرؑ سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منقول کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کشی: رجال ص 205 و بعد برخلاف اس کے خود کمیت نے اعلانیہ کبھی ان دو خلفاء کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ ملاحظہ ہو اس کے اشعار ھاشمیات میں ص 155۔

62- نوبختی: فراق ص 52 و بعد۔ کشی: رجال ص 229۔

63- کشی: رجال ص 232۔ بتریہ وہ گروہ تھا جو حضرت علی مرتضےٰؑ ! کے خاندان میں سے کسی بھی دعویدار امامت میں کوئی تمیز نہ کرتے تھے بلکہ حضرت علیؑ کے ہر اس طرف دار کی حمایت کرتے تھے جو شمشیر بکف بغاوت پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

64- ذھبی: تاریخ ج 4 ص 242۔ ابن حجر: تہذیب ج 2 ص 434' و بعد '۔

65- ابن عماد: شذرات ج 1 ص 151۔

66- کشی: رجال ص 209۔

67- کشی: رجال ص 209۔ حائری: منتہی ص 263۔

68- کشی: رجال ص 209 و 229۔

69- کشی: رجال ص 289۔

70- Schacht: Origins ص 262 و بعد۔

71- کلینی: فروع الکافی ج 2 ص 193۔ مذید ملاحظہ ذہبی: تزکرۃ الحفاظ ج 1 ص 160۔ قاضی نعمان: شرح الاخبار فولیو 36 الف۔

72- Schacht: Origins ص 266 و بعد' مالک بن انس مو طا ج 3 ص 23۔ مرتضےٰ بن داعی: تذکرہ العوام ص 270 و 271۔

73- ابن سعد ج 5 ص 321 کلینی: کافی ص 299 و بعد۔ قاضی نعمان:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شرح الاخبار فولیو 32 الف و بعد۔ عاملی: اعیان ج 4 ص 262 و بعد۔ ابن خلقان: ج 4 ص 176۔ مجلسی۔ بحار ج 11 ص 100 بعد۔

74۔ یعقوبی ج 2 ص 320۔ بیہقی: کتاب المحاسن و المساوی ج 3 ص 298 و بعد، قاضی نعمان: شرح الاخبار ص 332 الف۔

75۔ ابن خلقان ج 4 ص 176۔

76۔ قاضی نعمان حوالہ محولہ بالا۔ عاملی: اعیان 490 و بعد: بحار ج 11 ص 100 و بعد، کلینی: کافی ص 299 و بعد۔ شبلنجی: نور الابصار ص 160 و بعد۔

77۔ ابن سعد ج 5 ص 324۔ ابن خلقان ج 4 ص 174۔ ابو المحاسن: نجوم ج 1 ص 273 و بعد'۔ آخری ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ 114ھ میں انتقال کر گیا۔

78۔ مسعودی: مروج ج 3 ص 219۔

79۔ یعقوبی ج 2 ص 320۔ مذید دیکھیں ذہبی: تاریخ ج 4 ص 300۔

80۔ شہرستانی۔ ملل ج 1 ص 166۔

81۔ فراق ص 25۔

82۔ الجعفریہ کو مذہب الجعفریہ نہیں سمجھنا چاہیئے جو اکثر شیعان اثنا عشری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب دھم

امامت حضرت امام جعفر صادقؑ

jabir.abbas@yahoo.com

امام ششم ابو عبد اللہ جعفرؑ، امام محمد باقر کے فرزند اکبر مدینہ میں سن ۸۰ ہجری بمطابق ۷۰۰ھ/۶۹۹ء یا ۸۳ ہجری بمطابق ۷۰۲، ۷۰۳ء میں متولد ہوئے[1] اپنے والد بزرگوار کی طرف سے وہ بلاشبہ آل پیغمبرؐ میں نسل امام حسینؑ سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح علی مرتضیٰ سے دوہرے مضبوط رشتے کے مالک تھے۔ کیوں کہ حضرت امام محمد باقرؑ اپنے والد گرامی اور اپنی والدہ ماجدہ دونوں کی طرف سے نسل امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ میں سے ہونے کا شرف رکھتے تھے۔[2]

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنی مادر گرامی کی طرف سے امام جعفر صادقؑ حضرت ابو بکرؓ کے پوتے کی دختر کے فرزند تھے۔[۳] ان کی والدہ ماجدہ ام فروہ، قاسم ابن محمد ابن ابو بکرؓ کی دختر تھیں۔[۴]

اپنی حیات طیبہ کے ابتدائی چودہ برس حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے دادا حضرت امام زین العابدینؑ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ انہوں نے اپنے دادا کے جود و سخا، تادیر سجدہ ریز رہنے اور طویل قیام و قعود سے محبت، اور سیاسیات سے کنارہ کشی کو ورثہ میں پایا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے جدامجد کے حقوق امامت اور اس سلسلے میں ان کی مساعی جمیلہ بھی ملاحظہ کی تھیں۔ حالانکہ یہ بہت ہی معمولی اور محدود نوعیت کی تھیں اس طرح انہوں نے اپنے گرد عقیدت مندوں کی قلیل جماعت جمع کر لی تھی، جس نے محمد ابن حنفیہ اور پھر ان کے بیٹے ابوہاشم کے دعویٰ امامت کی عوامی مقبولیت کا مقابلہ کیا تھا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس عزت و احترام کو بھی دیکھا تھا جو مدینہ اور باقی بلاد اسلامیہ کے علماء فضلا اور مشہور ماہرین قانون شرع آپؑ کے دادا کے لئے اکثر کہا کرتے تھے۔[۵] نوجوان امامؑ نے اپنی مادر گرامی کے گھر میں اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابو بکرؓ کو بھی دیکھا تھا جو اہل مدینہ کی نظر میں علماء بلند مرتبہ میں شمار ہوتے تھے۔ اور اپنے دور کے معزز محدثین میں شمار ہوتے تھے۔[۶]

امام جعفر صادقؑ کے بچپن کا زمانہ اھل مدینہ میں علم احادیث نبویؐ حاصل کرنے کے تیزی سے بڑھتے ہوئے ذوق و شوق کے عہد اور آیات کلام مجید کی تفسیر و تاویل تلاش کرنے میں زیادہ رغبت کا دور تھا۔ انہوں نے اپنے لڑکپن میں اقتدار بنی امیہ کے عروج کا بھی مشاہدہ کیا تھا اور ان کی مطلق العنانیت کے انتظامات کے آخری اقدامات تک کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ دور جو امن و امارت کا دور تھا جس میں مذہبی جذبہ شاید ہی پایا جاتا تھا۔ جس کی وضاحت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔ لہٰذا اس بات کا غالب امکان ہے کہ چودہ سال کے نو عمر فرد کی زندگی میں اس قسم کے ماحول کے پس منظر نے اس کی شخصیت اور انداز فکر پر اثرات مرتب کئے ہوں اور اس کی آئندہ مصروفیات کی نوعیت کو ایک خاص سمت دی ہو۔

امام زین العابدینؑ کی رحلت کے وقت امام جعفر صادقؑ اپنی جوانی میں قدم رکھ چکے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے والد گرامی امام محمد باقرؑ کی معیت میں ۲۳ سال گزارے۔ اس تمام مدت میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی ان کوششوں کو دیکھا جو اپنے آپ کو خاندان نبوت کا امام منوانے کے لئے کر رہے تھے بلکہ بطور فرزند اکبر انہوں نے اس جدوجہد میں شرکت بھی کی۔ جس وقت امام محمد باقرؑ کا انتقال ہوا، امام جعفر صادقؑ کا سن ۳۷ یا ۳۴ سال ہو گا اور ابھی انہیں مزید 28 برس تک ان شیعوں کے سربراہ کے طور پر گزارنا تھے جو حسینی آئمہ کی معزز نسل کا اتباع کر رہے تھے۔ یہ اتنی طویل مدت تھی جو اس خانوادے کے کسی بھی امام کو حاصل نہ ہوئی تھی۔[۷]

امام جعفر صادقؑ کے علم دین کی شہرت بہت زیادہ تھی۔ اپنے والد بزرگوار سے بھی زیادہ بلکہ آئمہ اثنا عشر میں سب سے زیادہ سوائے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے۔ غالباً سب سے ابتدائی تاریخی حوالہ جو ان کو اپنے دور کی نہایت معزز و محترم شخصیات میں سے قرار دیتا ہے اور زبردست علم و فضل کا مالک ٹھہراتا ہے، یعقوبی کا بیان ہے کہ محققین کا یہ عام دستور تھا کہ جب وہ امام کے حوالے سے کوئی بات کرتے تھے تو کہتے تھے "صاحب علم و فضل نے ہمیں بتایا"۔[۸] حتیٰ کہ مدینہ کے مشہور و معروف فقیہ امام مالک بن انس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے احادیث نقل کرتے ہوئے وہ کہتے تھے "مجھے صاحب ثقہ (صادق) جعفر بن محمدؑ نے خود بتایا کہ......"[۹] ان کے لئے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی قسم کے کلمات تحسین امام ابو حنیفہ کی طرف سے بھی منسوب کئے جاتے ہیں،[10] جن کو امام جعفر الصادقؑ کا شاگرد بھی بتایا جاتا ہے علامہ شہرستانی امام جعفر صادقؑ کے متعلق لکھتے ہیں:

"ان کا علم دین و تہذیب و تمدن بہت بلند تھا' انہیں علم فلسفہ کی پوری آگہی تھی۔ انہوں نے زہد و ورع میں کمال حاصل کیا اور وہ خواہشات دنیوی سے مکمل طور مجتنب تھے۔ وہ مدینہ میں اتنی دیر قیام پزیر رہے کہ اپنے حلقہ ارادت کی جو ان کا اتباع کرتا تھا' پوری راہنمائی کر سکے اور انہوں نے اپنے مصاحبین کو مخفی علوم سے بھی متمتع کیا۔ اپنے والد گرامی کی طرف سے وہ شجر نبوتؐ سے متعلق تھے اور مادر گرامی کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ سے تعلق رکھتے تھے۔"[11]

امام جعفر صادقؑ کا دور امامت تاریخ اسلام کا سیاست مدن و اصول دین دونوں شعبوں میں نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ اس زمانے میں کئی عہد آفرین واقعات رونما ہوئے' کہی ہیجان انگیز تحریکیں اٹھیں اور کئی زیر زمین سرگرمیوں اور انقلابی کوششوں کے لازمی نتائج سامنے آئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل حدیث اور مرجئہ کے درمیان مسلم معاشرہ (یا جماعۃ) کی ترتیب و ترکیب کے لئے کسی مجموعہ اصول و قواعد کو معیاری بنانے کی کوشش میں مصالحانہ رویہ دیکھنے میں آیا۔ اس متنوع پیچیدہ صورت حال کی موجودگی نے امام جعفر صادقؑ کی امامت کو عروج کے اس ممتاز مقام تک پہنچنے میں مدد دی جو اس سے پہلے ان کے آباء و اجداد کی امامت حاصل نہ کر سکی تھیں۔ للذا سب سے بنیادی نکتہ جس کا سمجھنا ضروری ہے' یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ اتنے ممتاز مقام تک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیسے پہنچے؟ جس کی تصدیق سنی و شیعہ دونوں مورخین کی شہادتوں سے ہوتی ہے۔ جب کہ ایک مرتبہ شیعوں کی اکثریت کے علیحدہ ہو جانے سے جو انتہا پسند اور انقلابی شیعوں کی صفوں میں شامل ہونے پر راغب کر لی گئی تھی۔ امامت کے عقیدت مند غیر اہم حد تک کم بھی ہو گئے تھے۔ تاہم اس سوال کا جواب واقعات کے ایک سلسلے اور اس کے نتائج کا جائزہ لئے بغیر تلاش نہیں کیا جا سکتا، وہ نتائج جو خاندان عباسیہ کی کامیابی کی صورت میں اور بعد میں شیعہ مقاصد کی بیخ کنی اور قطع و برید کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ جیسا کہ مسقطی (Moscat) کی رائے ہے کہ عباسیوں نے کامیابی حاصل کر لینے کے بعد باقی مسلمانوں کے ساتھ اشتراک کر کے شیعوں کو جن کی قوت کے بل بوتے پر وہ اقتدار میں آئے تھے، محض ایک حزب اختلاف تک محدود کر دیا۔[12] نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ یہ مناسب ہے کہ نہایت دور رس نتائج کے حامل ان واقعات کی تفصیل میں جایا جائے، جو امام جعفر صادقؑ کی امامت سے قبل اور اس کے دوران پیش آئے اور جنہوں نے آپؑ کی امامت کو اتنا اہم بنا دیا، جیسا کہ ہم نے مندرجہ بالا سطور میں وقتی طور پر قرار دیا ہے۔ پھر بھی ایک مجمل سا تذکرہ اور مختصر سا جائزہ ضروری ہے۔

جب بنی امیہ کے آمرانہ طرز حکومت اور عیاشانہ انداز زندگی نے مسلمانوں کی توقعات کو مایوس و ہراسان کر دیا، خاص طور پر کربلا کے قتل عام کے بعد تو بہت سے مسلمانوں کے ذہن میں المہدی (نجات دہندہ) کا تصور ابھرا، ایک ایسا قائد و راہبر جو ان کے خیال میں خداوند تعالیٰ سے براہ راست رابطہ رکھتا ہو گو کہ اصطلاح مہدی کا استعمال شیعوں کی سب سے بڑی علامت بن گیا۔ لیکن اس کا غیر شیعوں میں بھی بہت زیادہ اثر پڑا۔ سب سے پہلے جسے مہدی مشتہر کیا گیا وہ حضرت علیؑ کے تیسرے فرزند محمد حنفیہ تھے،[13] جو بنی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حنیف کی ایک خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ کربلا میں امام حسینؑ جو پیغمبر اسلامؐ کے واحد بقیہ نواسے تھے ان کا قتل،[14] کعبہ کی بربادی، مدینۃ النبیؐ کا محاصرہ اور جو نقصانات حضرت علیؑ کے کوفی طرف داروں کو پہنچائے گئے، کسی بھی مہدی کے ظہور کے لئے مناسب و معقول جواز و بنیاد فراہم کر رہے تھے۔ گو کہ "خون فرزند پیغمبر کا انتقام" سب سے بڑا نعرہ تھا۔[15] امام حسینؑ کے زندہ بچ جانے والے فرزند امام زین العابدینؑ کے کسی بھی سیاسی چپقلش میں خود کو ملوث کرنے سے پس و پیش نے اس خانوادے کے مائل بہ انتقام کوفی ہمدردوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اولاد علیؑ میں سے کسی اور فرد کی اخلاقی مدد حاصل کریں۔ پس ابتدا یہ محمد حنفیہ کی شخصیت نہ تھی جس نے کوفیوں کو متوجہ کیا بلکہ ان کو محض ایک ظاہری سربراہ چاہیئے تھا، جس کے نام سے تحریک کا آغاز کیا جا سکتا تھا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ محمد حنفیہ ہمیشہ ہی سے اپنے لئے مہدی کی حیثیت کا دعویٰ کرنے میں متامل تھے۔[16]

امیر مختار اس صورت حال سے کچھ زیادہ ہی باخبر تھے۔ انہوں نے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا، کوفی شیعوں کو اپنے گھر میں جمع کیا اور اعلان کیا:

> "المہدی محمد بن علیؑ فرزند وصی نے مجھے بطور اپنے معتمد خاص کارپرداز اور منتخب مددگار کے تمہارے پاس بھیجا ہے اور بطور اپنے سپہ سالار کے انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بے حرمتی کرنے والوں کے خلاف جنگ کروں اور ان کے خاندان کے خون کا انتقام لوں جو بلند مرتبہ ہیں۔"[17]

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اہمیت لفظ "مہدی" کی ہے محمد حنفیہ کی نہیں ہے اور زور "فرزند وصی" پر ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ جب امیر مختار نے یہ کہا تھا "آپ کی خاموشی آپ کی رضا مندی ہے" تو محمد حنفیہ، مختار کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تجویز سے حقیقتاً اس وقت متفق ہو گئے ہوں۔ لیکن انہوں نے پھر بھی غیر پابند رویہ اپنائے رکھا ہو۔ بہر صورت امیر مختار نے محمد حنفیہ کے طرز عمل کو اسی طرح سمجھا ہو جس طرح انہوں نے کوفیوں کے سامنے اس کی تعبیر کی۔

مختار کے محمد حنفیہ کے مہدی ہونے کے متعلق پروپیگنڈے نے شیعوں کی غالب اکثریت کی غیر مشروط حمایت حاصل کر لی، جن میں عرب اور کوفہ میں رہنے والے کافی ایرانی موالیوں کی تعداد شامل تھی، جو اب، جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا، عربوں سے تعداد میں بڑھ چکے تھے۔ ان موالیوں نے جو تحریک امیر مختار کی ریڑھ کی ہڈی تھے، خود کو شیعتہ المہدی (جماعت المہدی) یا شیعتہ آل محمدؑ (جماعت خانوادہ محمدؐ) یا شیعتہ الحق (حق کی جماعت) کا نام دیا۔[18]

جس کے نتیجہ میں اپنے طور پر ہی ایک فرقہ جو کافی حد تک منظم، سرگرم و فعال تھا اور مختلف اذہان کے افکار سے مسلح تھا، کیسانیہ کے نام سے معرض وجود میں آیا جو نام شائد امیر مختار کی اپنی کنیت سے ماخوذ تھا یا ابو عمرہ کیسان، جیسی نہایت متنازعہ شخصیت کے نام سے ماخوذ تھا، جو مختار کا ایک آزاد کردہ غلام تھا۔[19]

اگرچہ امیر مختار کا اقتدار ان کے اور ان کے اکثر ساتھیوں کے قتل کر دیئے جانے سے ختم ہو گیا لیکن کیسانی عقیدے کو امیر مختار کے مقلدین نے مختلف صوبوں میں متعارف کرا دیا تھا، اتنا جڑیں پکڑ چکا تھا کہ اس کا اکھاڑنا ممکن نہ تھا۔ یہ فرقہ پرست جن میں سے بعض تو اتنے دور دراز مقامات جیسے خراسان تک میں آباد تھے، محمد حنفیہ کو اپنا امام------ مہدی تسلیم کرتے رہے اور ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے رہے۔ ان کے انتقال، سن ۸۱ھ بمطابق ۱-۷۰۰ء[20] میں اس فرقہ کے انتہا پسند ان کی غیبت و رجعت میں ایمان رکھنے لگے (پوشیدہ ہو جانے اور دوبارہ آنے) جب کہ ان کی اکثریت نے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان کے سب سے بڑے فرزند ابوہاشم عبد اللہ کو ان کی طرف سے براہ راست مقرر کردہ نیا امام تسلیم کر لیا۔[21] اول الذکر گروپ (غیبت و رجاع والے) کی تین معروف شاعر نمائندگی کرتے تھے' ابو طفیل عامر بن وائلہ' کثیر' اور سید الحمیری۔[22] جن میں سے آخری بعد میں امام جعفر صادقؑ کا معتقد ہو گیا۔

کشی امام جعفر صادقؑ کے مصاجین میں سے دو افراد السراج اور حماد بن عیسی کے متعلق ایک معلومات افزا کہانی نقل کرتے ہیں جن کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ محمد حنفیہ کے بقید حیات ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ نے ان کو فہمائش کی اور بتایا کہ محمد حنفیہ کو دفن ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہے اور یہ کہ ان کی املاک تقسیم ہو چکی ہیں اور ان کی بیوہ نے عقد ثانی کر لیا۔[23] اس سب کے باوجود عقیدہ رجعت اس زمانے سے شیعوں کی تمام شاخوں کی بڑی خصوصیات میں سے ایک بن گیا۔

تاہم کیسانیوں کی کسی امام یا مہدی منظر کی آپ کے عقیدہ نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا جو شیعہ اور غیر شیعہ دونوں ہی تھے۔ عقیدہ مہدی اس دور کے عام احساسات کا ایک مشترک ذریعہ اظہار بن گیا اور سیاسی طالع آزمائی کے لئے ایک موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ایک وسیع و عریض بے چینی جس کی نوعیت سیاسی اور سماجی دونوں ہی تھیں اور جس کی بہت سی وجوہات تھیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ عراقی عرب' شامیوں کی اجارہ داری کے مخالف تھے۔ غیر عرب موالی اس ظالمانہ و جابرانہ سلوک سے برہم تھے جو عرب حاکمانہ طبقے کی طرف سے ان کے ساتھ روا رکھا جا رہا تھا اور مستحق وظیفہ عربوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے رعایا کے عام طبقوں اور مفتوحہ علاقے کے لوگوں پر ٹیکس کے دباؤ میں اضافہ کر دیا تھا۔ زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں مذہب کی ہمہ گیر موجودگی کی وجہ سے حکومت وقت کے خلاف عوامی ہیجان

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یا مزاحمت مذہبی لب و لہجہ ہی میں اظہار پاتی تھی۔[24] تاہم عام بے چینی' اسلامی حکومت کے قانونی یا مذہبی ڈھانچے کے خلاف نہ تھی۔ وہ قوانین جو قرآن و سنت میں دیئے گئے تھے اللہ کا کلام تھے اور اسی طرح نبی پاکؐ کے فیصلے جو وحیٔ الٰہی کے تحت سرانجام پائے تھے' لہٰذا یہ سب غلط نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن برسراقتدار طبقہ جو ان قوانین کا نفاذ کر رہا تھا اور جس کا فرض عدل و انصاف پر قائم رہنا اور رعایا کے ساتھ انصاف کرنا تھا' احکامات خداوندی اور طریقہ پیغمبرؐ کو توڑ مروڑ اور نظرانداز کر رہا تھا۔ لہٰذا ازروئے نجات اور سیاسی و سماجی نظام میں تبدیلی کی طلب کا مطلب موجودہ بنیاد قانون کو کالعدم کرنا یا کسی دوسرے قانونی نظام کا اجرا نہ تھا بلکہ قوانین خداوندی کا دیانت دارانہ نفاذ تھا۔[25]

پس بنی امیہ کے خلاف تحریک زیادہ تر غالباً مذہبی لب و لہجہ میں ہی وجود پا رہی تھی۔ بقول شاخت (Schacht) کے "بنی امیہ کی سب سے بڑی پریشانی مذہب یا مذہبی قانون نہ تھا بلکہ سیاسی نظام تھا اور اس طرح وہ گڑبڑ سے پاک انتظامیہ قائم کرنے کے سلسلے میں نظم و نسق کو منظم کر کے مرکز کو ہاتھ میں لینے اور زیادہ سے زیادہ افسر شاہی رجحان کی علامت بن گئے تھے۔ وہ مذہبی امور میں صرف اس وقت دل چسپی لیتے تھے جب یہ ان کے ساتھ لوگوں کی وفاداری کو متاثر کرتے تھے۔"[26] اس کے ساتھ ایک اور مشاہدہ بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور خلفائے راشدین سے عہد بنی امیہ کی قربت زمانی اور دونوں کے متعلقہ طرز زندگی میں اتنے وسیع فرق نے مسلمانوں کو بنی امیہ کی ذاتی زندگی' چال چلن اور طور طریق پر' جو شراب خوری' رقاصاؤں اور مغنیہ لڑکیوں کے رسیا ہو چکے تھے' حیران و پریشان کر دیا۔ پس ان کی بے دینی اور بد اعمالی کے حوالہ سے بنی امیہ کو غاصب قرار دیا جا رہا تھا۔ جنھوں نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خاندان نبوتؑ کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا تھا اور ناقابل بیان ظلم ان کے ساتھ روا رکھے تھے۔ مدینہ کی تاراجی اور بیت اللہ کو جلانا اس خاندان کے دامن اعمال پر مزید سیاہ دھبہ بن گیا۔[27] [28]

مسلمانوں نے ان مشاہدات کی روشنی میں بنی امیہ کو مورد ظلم ٹھہرایا اور ان کی حکمرانی کو دور ظلم و جبر سے تعبیر کیا بس ان حقائق نے ہی عوام کی نگاہوں کو نجات کی کرن دکھلائی۔ لادینیت پر عدل و انصاف کی فتح کو، چونکہ ایمان کا جزو سمجھا جاتا تھا، لہٰذا اس کا حصول تائید ایزدی کے ذریعہ خدا سے فیضان یافتہ کسی قائد کی سربراہی ہی میں حاصل کیا جا سکتا تھا۔ پس اکثریت نے یقین کیا کہ یہ قائد المہدی پیغمبر اسلامؐ کی نسل مبارک سے ہی کوئی فرد ہو گا یا کم از کم ان کی عترت اہل بیتؑ کا ہی کوئی رکن ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہر طرح توجہ طلب ہے کہ مسیحا یا مہدی کا یہ نظریہ نجات کے کسی ساکن انتظار کے معنی نہ رکھتا تھا، یا اس روحانی راہنمائی کو تسلیم نہیں کرتا تھا جو لائحہ عمل کے طور پر موروثی آئمہ نے نمایاں طور پر اختیار کی تھی۔ (امام جعفر صادقؑ اور ان کے پیش رو آئمہ) تصور جہاد جو ہر ایمان رکھنے والے سے مذہب کی بقا کی خاطر اپنے جان و مال کی قربانی مانگتا ہے ایسے کسی جامد رویہ کی ہرگز اجازت نہ دیتا تھا۔

خاندان علی مرتضیٰؑ میں نسل امام حسینؑ میں سب سے پہلا فرد جو بنی امیہ کے ظلم و جور کے خلاف میدان میں آیا وہ امام زین العابدینؑ کے دوسرے فرزند زید تھے۔ امام زین العابدینؑ کی شہادت کے بعد جب ان کے فرزند اکبر امام محمد باقر خانوادہ امامت کے موروثی امام ہوئے تو انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے خاموش و ساکن طریق عمل کا سختی سے اتباع کیا اور مذہبی قیادت کے دعویٰ تک خود کو محدود رکھا، تو زید نے امر بالمعروف اور نہی عن

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

المنکر کے اصول پر عمل کرنے کا اظہار کیا' چاہے اس کے لئے قوت کا استعمال ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ زید نے تبلیغ کی کہ اگر کوئی امام اپنی امامت کو تسلیم کرانا چاہتا ہے تو اسے اپنے حقوق کو شمشیر بکف منوانا ہو گا۔ درحقیقت یہ نہ صرف شیعان کوفہ کے انتہائی قلبی احساسات کا اظہار تھا بلکہ اہل مدینہ کی اکثریت کا بھی یہی خیال تھا' جس کا زید کو بہت زیادہ احساس تھا۔ پس امام زین العابدینؑ کے بہت سے معتقدین نے امام محمد باقرؑ کا ساتھ چھوڑ دیا' وہ زید کے شریک حال ہو گئے اور ان کے ساتھ ان شیعوں کی بھی کافی تعداد مل گئی جنہوں نے اس سے پہلے محمد حنفیہ یا ابو ہاشم کی امامت کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن زید کے مقلدین کے اعتدال پسند نظریات' کیسانیوں کے شدید عقائد سے ہم آہنگ نہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ زید نے واصل بن عطا اور اس کے عقائد سے وابستگی اختیار کر کے معتزلہ کی پوری پوری اعانت بھی حاصل کر لی تھی اور زید نے پہلے دو خلفا کی خلافت کے جواز کو تسلیم کر کے روایت پسند حلقوں کی مکمل ہمدردیاں بھی حاصل کر لی تھی۔ یہ اتفاقات دو بنیادی نکات کا انکشاف کرتے ہیں۔ اول یہ کہ زید اور ان کے مقلدین نے باقی شیعہ جماعتوں میں مروج نظریات کو رد کر دیا' یعنی زید اور ان کے مقلدین خاموش و جامد یا کنارہ کش آئمہ کو قبول نہ کرتے تھے جیسے امام محمد باقرؑ اور محمد حنفیہ وغیرہ تھے۔ ان کے خیال میں امام بے شک علیؑ اور فاطمہؑ ہی کی اولاد سے ہو' مگر وہ اپنے ماموم سے عقیدت طلب کر ہی نہیں سکتا تھا جب تک اپنی امامت کا اعلانیہ مدعی نہ ہو۔ دوم زید اس حقیقت کو محسوس کرتے تھے کہ خلافت کے امیدوار ہونے کے لئے مسلمانوں کے سب فرقوں کی رائے کا ان کے ہم خیال ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا ان کو اسلامی روایت پسندوں کے بڑے حصہ کو تسلیم کرنا پڑا۔ پس انہوں نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافتوں کو قانونی طور پر منتخب

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خلافتیں تسلیم کرنے کا اعلان کر کے اپنے اس طرز فکر کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے اس شیعہ عقیدہ کو بھی قائم رکھا کہ حضرت علیؑ سب سے افضل ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے مفضول یعنی کمتر کی امامت کو قبول کیا یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی خلافتوں کو درست قرار دیا تاکہ کچھ وقتی فوائد حاصل کئے جا سکیں۔[29]

امام محمد باقرؑ کی شہادت کے بعد امام جعفر صادقؑ نے زید اور ان کی تحریک کے متعلق اپنے والد کا طرز فکر کو برقرار رکھا بلکہ ایک خاموش تماشائی رہے۔ امام جعفر صادقؑ کے چچا ہونے کی وجہ سے زید کو بہتر حیثیت حاصل تھی اور امام جعفر صادقؑ کھل کر ان کے محاسن کی تکذیب نہ کر سکتے تھے۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ امام جعفر صادقؑ کے اپنے عقیدت مندوں کی کوئی جاں نثار جماعت نہ تھی جو انہیں اپنے والد گرامی سے ورثہ میں ملی تھی اور جو زیدیوں کے نقطہ نظر کی مزاحمت کرتی رہی تھی۔ مزید برآں یہ کہ زید نے غیر شیعہ افراد کو جو رعایت دی تھی، خاص طور پر پہلے دو خلفا کے حقوق کو اہم گردانا تھا، اس پر اعتراضات ہوئے اور آخر الامر بہت سے پرجوش شیعہ زید کا ساتھ چھوڑ گئے۔ انہوں نے اپنی بیعت توڑ دی اور امام جعفر صادقؑ کی اطاعت اختیار کر لی۔[30]

ایک روایت کے مطابق زید نے ساتھ چھوڑنے والوں سے کہا: "تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔" (رفضتمونی) اس وقت سے انتہا پسند شیعہ روافض کہلانے لگے۔[31] کوفی شیعوں کی ایک جماعت مدینہ پہنچی اور امام جعفر صادقؑ کو زید کے نظریات و حرکات سے باخبر کیا۔ اپنے چچا کے لئے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے امامؑ نے صرف اتنا فرمایا: "زید ہم میں سب سے اچھے تھے اور ہمارے بزرگ تھے۔"[32]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زید کا قیام صفر ۱۲۲ھ بمطابق دسمبر ۷۴۰ء میں واقعہ ہوا اور ناکام رہا۔ وہ خود بھی شہید ہو گئے اور ان کے بہت سے مقلدین کا بھی قتل عام کیا گیا۔[33] خلیفہ ہشام نے حکم دیا کہ تمام آل ابی طالبؑ اس سرکشی شورش سے اعلانیہ لاتعلقی کا اظہار کریں اور اس کے قائد کو مطعون کریں[34] ان افراد میں عبد اللہ بن معاویہ اور عبد اللہ المہدی[35] کا ذکر آتا ہے مگر امام جعفر صادقؑ کا نام کہیں بھی مذکورہ نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے خاندان کے زیادہ جوشیلے افراد کی سرگرمیوں سے اپنی مخالفت کا واضح و قطعی اظہار کیا اور اس سے امام جعفر صادقؑ کے جد امجد امام زین العابدینؑ کا زمانہ بھی سامنے آ جاتا ہے، جب دور یزیدی میں اہل مدینہ کی بغاوت دبا دینے کے بعد تمام بنو ہاشم کو یزید کی بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا اور خلیفہ کے غلام ہونے کا اعلان کرنا پڑا، لیکن امام زین العابدینؑ کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا۔[36] پس یہ ویسی ہی صورت حال تھی لہٰذا امام جعفر صادقؑ کو کچھ نہ کہا گیا جو موروثی آئمہ کے سلسلہ کی اس حکمت عملی کے تسلسل کو ظاہر کرتی ہے۔

تاہم زید کے فرزند یحییٰ نے اپنے والد کی سرگرمیاں برقرار رکھیں اور خراسان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تاکہ ان کوفی شیعوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں جن کو حجاج اور عراق کے دوسرے اموی گورنروں نے اس دور دراز صوبے میں جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن تین سال کی بے سود سرگرمیوں کے بعد ۱۲۵ھ بمطابق ۷۴۳ء میں یحییٰ بھی اپنے باپ کے انجام کو پہنچے۔[37] تحریک زید دراصل زیادہ سرگرم جماعتوں کے دل نہ موہ سکی کیونکہ زید نے اپنے لئے مہدی ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ جب کہ یہ ایک ایسا نظریہ تھا جو شیعہ عوام میں بہت مرغوب ہو چکا تھا۔ مزید برآں ان کے اعتدال پسند طریق کار نے ان کو شیعوں کی عام حمایت سے بالآخر محروم کر دیا۔ پھر بھی پوری تحریک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شیعیت کی نشوونما پر زید کے قیام نے بڑا گہرا اثر چھوڑا۔ کوفہ کے بہت سے علماو فضلا جن میں عظیم فقیہ ابو حنیفہ النعمان' سفیان الثوری' محدث الاعمش' قاضی مدائین حلال بن حباب وغیرہ اور دوسرے شہروں سے اور بہت سے بزرگوں نے زید کے موقف کی حمایت کی' یا ان سے ہمدردی کا اظہار کیا۔[۴۵]

تاہم تحریک زید نے چاہے ناکامی ہی اس کا نتیجہ تھا' دوسرے دعویٰ داروں کے لئے راہ ہموار کی اور کسی زیادہ موثر بغاوت کے لئے تیار سرزمین فراہم کی۔ ان کی اور ان کے فرزند کی موت نے سرگرم عمل قیادت کا ایک خلا پیدا کر دیا ان کے دو اعزا اور حالیہ مدمقابل افراد کی کامیابی سے امکانات میں اضافہ کر دیا' یعنی امام جعفر صادقؑ اور محمد نفس الزکیہ' اس لئے کہ اول الذکر اپنے والد گرامی اور جد امجد کے خاموش و جامد حکمت عملی پر کاربند تھے۔ لہٰذا وہ کسی ایسی سرگرم تحریک کی قیادت کے لئے مطالبہ کرنے کی طرف مائل ہی نہ تھے جس کے نتائج سیاسی ہوں۔

یہاں یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ اس نہج پر پوری شیعہ جماعت تین اصولی یا مذہبی عقائد کے حامی گروہوں میں منقسم تھی۔ اول تو انتہا پسند اور مسیحائی یا مہدی پر ایمان رکھنے والی جماعت تھی' جو کیسانیوں سے شروع ہوئی تھی۔ دوم اعتدال پسند گروہ تھا جو زید کی تعلیمات سے معرض وجود میں آیا اور جس کی حمایت معتزلہ اور کوفہ و مدینہ کے روایت پسند طبقے کر رہے تھے۔ آخری جماعت امام جعفر صادقؑ کے ذاتی اثر و رسوخ کی تھی جو امام اور اس کے فریضہ کے متعلق اپنے خیالات و نظریات کو بڑی خاموشی سے بیان کر رہے تھے جن میں نہ تو مسیحائی کے باطل دعوے تھے اور نہ زید کی طرح کی مصالحانہ اعتدال پسندی ہی تھی' جیسا کہ ہم عنقریب دیکھیں گے۔

اس طرح خانوادہ نبوتؐ میں صرف محمد نفس الزکیہ ہی باقی رہ گئے تھے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو اپنے دعویٰ مسیحائی کی بنیاد پر زیدیوں اور شیعوں کے حامی معتزلہ اور بہت سے انتہا پسندوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر سکتے تھے۔ اگرچہ نفس الزکیہ کی فی الواقع بغاوت بہت بعد میں رونما ہوئی لیکن جس ترتیب و تسلسل سے واقعات پیش آئے ان کے مطابق یہ جاننا مناسب ہو گا کہ نفس الزکیہ کی تحریک مسیحائی اس وقت اپنا آغاز کر چکی تھی۔

محمد نفس الزکیہ کو ان کے والد عبد اللہ بن حسن المثنی بن حسن بن علی ابن ابی طالبؑ نے جو "المهدی" کے نام سے مشہور تھے بچپن ہی سے مہدی کے منصب کے لئے نامزد کیا جا چکا تھا۔ امام حسن ابن علیؑ کے پوتے محمد نفس الزکیہ اپنے عہد کے نہایت صالح انسان کے طور پر مشہور و معروف تھے اور اپنی دینی تعلیم و خطابت و طاقت کے لئے شہرہ آفاق تھے۔[39] جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو عبد اللہ نے اپنے بیٹے کی متوقع منزل مقصود کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ عبد اللہ ابن مسعود کے نام سے پیغمبر اسلامؐ کی ایک حدیث مشتہر کی گئی جس میں رسول پاکؐ کو یہ کہتے ہوئے بتایا گیا کہ:

> "اگر ایک دن بھی حیات مادی کا باقی رہ جائے گا تو خداوند تعالیٰ اس میں اس قدر توسیع کر دے گا جب تک کہ میرے خاندان کے افراد میں سے ایک ایسا انسان نہیں آ جاتا جس کا نام میرا نام ہو گا اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہو گا۔ وہ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ یہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہو گی۔"[40]

چونکہ یہی حدیث محمد المہدی ابن منصور کے لئے بھی استعمال ہو سکتی تھی[41] اس لئے ایک اور حدیث پیش کی گئی تا کہ نفس الزکیہ کے منصب نجات دہندگی کو یقینی بنایا جا سکے۔ "حضرت ام سلمیٰؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرمایا: "کہ میں نے رسول اللہؐ سے یہ سنا کہ المہدی فاطمہ کی اولاد سے ہو گا" [42] لہٰذا نفس الزکیہ کے منصب مہدویت کی اہلیت کی ان کے تمام عزیز و اقارب نے بلکہ مغیرہ بن سعید العجلی جیسے انتہاپسندوں تک نے حمایت کی۔ [43] جس کے پکا شیعہ ہونے کی بہت شہرت تھی اور امام جعفر صادقؑ نے بار بار اپنے مقلدین کو منع کیا تھا کہ اس کی روایات کو تسلیم نہ کریں۔ [44]

المغیرہ کے قتل کے بعد بھی اس کے مقلدین نفس الزکیہ کے وفادار رہے۔ [45] اس کے علاوہ بہت سے معتدل طبیعت روایت پسند اور معتزلہ نے بھی عمر بن عبید اور واصل بن عطا [46] کی سرکردگی میں نوجوان علوی (نفس الزکیہ) کو زید اور یحیٰی کی خالی جگہ پر کرنے کے لئے سب سے مناسب فرد تسلیم کیا۔ [47]

البتہ ولید بن یزید کے انتقال کے بعد جب خاندان بنی امیہ بظاہر شکست و ریخت سے دو چار ہو رہا تھا اور عبد اللہ بن معاویہ کی بغاوت خراسان میں کسی حد تک کامیاب ہوتی جا رہی تھی' تو عبد اللہ المہدی نے علویوں کے موقف کے حامیوں اور دوسرے طرف داروں کے ساتھ قدم آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ [48] مکہ میں حج کے دوران عبد اللہ المحض نے اپنے عزیز و اقارب اور مقلدین سے اپنے بیٹے کی بیعت کرنے کے لئے کہا۔ پہلے یہ بیعت حرم مکہ میں کی گئی اور پھر الابواء کے مقام پر کی گئی جو مدینہ کے نواح میں واقع ہے۔ [49] ابوالفراج کے بقول [50] جن افراد نے بیعت کی ان میں بنی عباس سے تین بھائی ابراہیم الامام' ابو العباس السفاح اور ابو جعفر المنصور (بن محمد بن علی بن عبد اللہ ابن عباس) بھی شامل تھے جو خاندان عباسیہ کے اور دوسرے افراد کے ساتھ تھے۔ اس روایت کی کوئی تصدیق نہیں ہوتی کہ آیا نبی عباس کے ان تمام افراد نے الابواء کی تقریب میں بھی شرکت کی یا نہیں۔ صرف ابو جعفر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

المنصور کا نام بعض دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے۔[51] للذا یہ آخری روایت قابل قبول ہو سکتی ہے کیونکہ المنصور اپنی نوجوانی میں معتزلہ کے خیالات کا قائل تھا[52] اور عمر بن عبید کا ساتھی تھا۔[53] غالباً اسی نے اسے نفس الزکیہ کی بیعت کرنے کی ترغیب دی تھی۔ بنی ہاشم میں سے واحد فرد جنہوں نے الابواء میں نفس الزکیہ کی بیعت کی مخالفت کی تھی وہ امام جعفر صادقؑ بتائے جاتے ہیں[54] کیونکہ منصب امامت کے لئے وہ صرف اپنے آپ کو جائز فرد تصور کرتے تھے اور ہر فوجی تنظیم یا لشکر کشی کے مخالف تھے۔

تاہم نفس الزکیہ کی مقبولت کے باوجود نہ تو خود انہوں نے اور نہ ان کے والد نے مناسب قوت عمل سے کوئی اقدام کیا اور اس طرح بنی عباس کے پاس ہر قسم کی پیش قدمی کرنے کا اختیار رہنے دیا۔ اس اتنے بڑے خروج کے وقت اور خاندان بنی امیہ کے زوال کے وقت یہ دونوں محض خاموش تماشائی رہے حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ کسی کامیاب انقلاب کے لئے تمام ضروری سامان فراہم تھا اور صرف قدم اٹھانے اور ضرب لگانے کی ضرورت تھی جو بھی ضرب لگانے میں پہل کر لیتا کامیابی کا سہرا اس کے سر ہوتا۔

اس زمانہ میں یہ نظریہ کہ کس کو اہل بیت سمجھنا چاہیئے اور کس کو نہیں، بہت الجھا ہوا تھا۔ خاندان علوی سے ہر دعویٰ دار اور ان کے حمائتی و طرف دار اپنے اپنے استحقاق کے لئے مختلف قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ شیعوں کا ایک گروہ یہ سمجھتا تھا کہ علی مرتضیٰؑ کے بعد بی بی فاطمۃ الزہراؑ کے فرزند حق وراثت پیغمبرؐ کے مالک ہیں۔ کیونکہ وہی "خاندان رسالتؐ" کہلاتے تھے اور کیوں کہ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی اعلانیہ وصیت کے ذریعے سے مسند نشین امامت ہوئے تھے۔ تمام حقوق امام حسینؑ کو اور آپ کی اولاد کو منتقل ہو چکے تھے، جس سے نسل امام حسنؑ مستثنیٰ تھی۔ یہ گروہ جسے ہم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شیعوں میں موروثی حق امامت کا حامی گروہ قرار دے رہے ہیں تحریک توابین کے بعد اب اس مخصوص دور میں بلاشبہ بہت معمولی اقلیت میں محدود ہو چکا تھا۔ حالانکہ انہوں نے اپنے وجود کو منوانے کی کوشش ابھی ترک نہ کی تھی۔ دوسروں کا عقیدہ تھا کہ علیؑ اور فاطمہؑ کی اولاد میں سے کوئی بھی، چاہے امام حسینؑ کی نسل سے ہو، یا امام حسنؑ کی نسل سے ملت اسلامیہ کی قیادت کا مستحق تھا۔ اس دوسرے گروہ میں زید اور نفس الزکیہ کے مقلدین شامل تھے۔ اس عبوری دور میں تیسرا اور سب سے بڑا گروہ کیسانیوں کا تھا جس میں حضرت علیؑ کی اور دوسری ازواج کی اولاد شامل تھی، خاص طور پر محمد حنفیہ اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابوہاشم۔ کوفہ اور مدینہ کے زیادہ اصولی و فقہی مزاج رکھنے والے افراد کی نظر میں یہی تین گروہ ممتاز دکھائی دے رہے تھے۔ تاہم عامتہ الناس نفرت، بے چینی اور بنی امیہ کے طبقہ امرا کے ہاتھوں کچلے جانے کے احساس کے نتیجے میں علی ابن ابی طالبؑ کے خانوادے کے کسی بھی فرد کے گرد جمع ہونے کو تیار تھے، جو ان کو ان کی تکلیفوں سے رہائی دلا سکتا۔

لہٰذا ان جذبات سے سرشار ہو کر کوفہ کی مقامی آبادی کا ایک بڑا حصہ، خاص طور پر نچلا طبقہ، کسی بھی مخالف بنی امیہ تحریک کے ساتھ ملنے کو تیار تھا اور اسی قسم کی حمایت تھی جو عبد اللہ بن معاویہ جیسے فرد کے مشتبہ دعاوی تک کو حاصل ہو گئی، [55] جو حضرت علیؑ کے بڑے بھائی جعفر ابن ابی طالبؑ کے پڑپوتے تھے۔ طبری بیان کرتے ہیں کہ اس کے طرف داروں کی اکثریت کوفہ کے عوام الناس اور غلاموں پر مشتمل تھی اور سواد کوفہ کے دیہاتی بھی اس میں شامل تھے۔ [56] کوفہ میں ایک ناکام بغاوت کے بعد ابن معاویہ ایران پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور ایک خاصے بڑے علاقے پر قابض رہا اور اغلب خیال یہ ہے کہ ابو مسلم کے ہاتھوں قتل ہوا۔ [57] یہ بات کسی حد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تک قابل قبول ہے کہ اس نے ایران میں اس لئے کامیابی حاصل کی کہ اس نے کیسانیوں کو اپنے ساتھ یہ کہہ کر ملا لیا کہ وہ ابوہاشم کا فرستادہ ہے۔ البتہ ابن معاویہ کی خراسان میں تحریک نے کسی دوسرے طاقت ور لیڈر کے لئے ایک کامیاب بغاوت منظم کرنے کا کام آسان کر دیا۔

ان تمام سابقہ تحریکوں اور بغاوت کے بعد ایک کامیاب خروج کے لئے وقت آن پہنچا تھا۔ لیکن یہ خروج علویوں کے حق میں نہ تھا بلکہ عباسیوں کے حق میں تھا' جو کچھ عرصہ سے پس منظر میں رہتے ہوئے سازشیں کر رہے تھے اور موقع کی تاک میں تھے۔ علی بن عبد اللہ بن عباس' خاندان بنی عباس میں پہلا شخص تھا جو سیاسی خواہشات رکھتا تھا۔ لیکن کسی بھی قانونی جواز کے حوالے سے کوئی معقول سبب تائید و حمایت اسے حاصل نہ تھا۔ اس کے مورث اعلیٰ عباس ابن عبد المطلب' رسول پاکؐ کے چچا تھے' مگر انہوں نے خلافت کے حق کا دعویٰ کبھی نہ کیا تھا۔ مزید برآں یہ کہ ان کا بہت بعد میں اسلام لانا اور ان کے موقع پرستانہ طرز عمل[58] نے مسلمانوں میں ان کی شہرت کو داغ دار کر دیا تھا اور عبد اللہ بن عباس' گو کہ اپنی دینی استعداد علمی کے باعث کافی نامور شخصیت کے مالک تھے' مگر انہوں نے کبھی سیاسی خواہشات کا اظہار نہ کیا تھا اور ہمیشہ علی ابن ابی طالبؑ کے اغراض و مقاصد کی پشت پناہی کی تھی۔[59] وہ بصرہ میں علی ابن ابی طالبؑ کے گورنر رہ چکے تھے اور جنگ صفین میں ابو موسیٰ اشعری' جو ثالث تھے' ان کے ساتھ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے ذاتی نمائندے کے طور پر وابستہ تھے[60] اس چیز کا امکان ہے کہ علی بن عبد اللہ بن عباس نے بعض ایسے حقوق سے تحریک محسوس کی ہو جو قدیم قبائلی رواج پر مبنی تھے۔ مذہبی پیشواؤں کے ملکی خانوادے میں عبد المطلب کی تمام اولاد شامل تھی لہٰذا اس نظریہ حقوق موروثیت کی رو سے اس

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خانوادے کے دعاوی بنو امیہ کے دعاوی سے زیادہ بہتر اور افضل تھے جو محض سیاسی عوامل پر مشتمل تھے۔ بنی امیہ اپنے طور پر یہ ثابت کرتے رہے تھے کہ قریش میں خاندان عبد مناف سب کا سب حاکم خاندان تھا۔[61] اس سب کے باوجود عباس اگر کبھی کعبہ کے متولی رہے بھی تھے اور ان کی نسل کا دعوئ قیادت اعلیٰ اتنا ہی مضبوط تھا جتنا کہ علی ابن ابی طالبؑ کا حق خلافت' لیکن پھر بھی عباسی اپنے اس حق کو بہت زیادہ عرصہ سے نظر انداز کرتے چلے آ رہے تھے۔ مزید برآں اس حقیقت نے کہ علی مرتضیٰؑ سابقون فی الاسلام میں سے تھے' جب کہ عباس نے اسلام لانے میں اس وقت تک پس و پیش کی جب تک مکہ فتح نہ ہو گیا' عباسیوں کی ملت اسلامیہ میں پوزیشن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اس طرح شیعوں نے یہ بات طے کر لی تھی کہ حق نیابت و خلافت علویوں سے متعلق ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ عباسیوں کے لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ خلافت کے براہ راست دعوئ دار ہو جائیں۔

علی بن عبد اللہ بن عباس نے ابوہاشم کو جو محمد حنفیہ کے فرزند و جانشین تھے اور ان کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی' اس وقت اس بات پر راغب کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا جب وہ دمشق میں بنی امیہ کے زیر حراست تھے' کہ وہ اپنے حق امامت کی عباسیوں کے حق میں وصیت کر دیں۔ علی بن عبد اللہ نے اپنے جواں سال بیٹے محمد کو سمجھایا کہ امام (ابوہاشم) کی خوش نودی و حمایت حاصل کرے۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ سلیمان بن عبد اللہ نے ابو ہاشم کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ حجاز کی راہ میں واپسی پر ابوہاشم کو یا تو خلیفہ سلیمان کے اشارہ پر یا محمد (علی بن عبد اللہ بن عباس) نے خود ہی زہر دے دیا۔[62] اس طرح انہوں نے مقام حمیمہ میں' جو عباسیوں کا ہیڈ کوارٹر تھا اور جہاں وہ عباسیوں کے مہمان کے طور پر قیام پذیر ہوئے تھے' انتقال کیا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنے انتقال سے قبل انہوں نے محمد بن عبد اللہ کے حق میں وصیت کی اور ان کو خراسان کے شیعہ حلقوں کے نام مکتوب بھی لکھ کر دیئے۔[63] اس طرح محمد امام بن گئے اور تمام فرقہ ہاشمیہ نے ان کو اپنا امام تسلیم کر لیا" اور اس طرح عباسی ابوہاشم کے حقوق، اس کی جماعت اور اراکین کے وارث بن گئے۔"[64]

گو تحریک بنی عباس سب سے پہلے کوفہ میں منظم ہوئی اور کوفہ ہی سے ہدایات لیتی رہی، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بنی عباس کوفہ والوں سے ان کو علویوں کے حق میں ہمدردیوں کی وجہ سے زیادہ مطمئن نہ تھے اور اس لئے عراقیوں کی طرف سے خائف تھے کہ وہ امامت کے لئے ان کے دعاوی کو تسلیم کرنے پر رضامند نہ ہوں گے گو کہ فرقہ ہاشمیہ کے اکثر پیروکار عباسیوں کے دعویٰ کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرتے تھے، مگر ہاشمیہ فرقے کے بعض لوگوں نے خاندان علوی سے بنی ہاشم کی کسی اور شاخ کو امامت کی منتقلی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ بات کوفیوں کے رویہ کی نمایاں خصوصیات تھی ان کی علویوں کے حق میں حمایت بہت زیادہ راسخ تھی۔ بعض شیعہ تو یہ یقین رکھتے تھے کہ ابوہاشم مرے ہی نہیں بلکہ وہ غائب ہو گئے ہیں اور یہ کہ وہ المہدی ہیں جبکہ بعض دوسرے شیعہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ مر چکے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے بھائی علی کو منصب امامت پر مقرر کیا ہے جو اس زمانے میں باپ سے بیٹے کو ایک ہی نسل میں منتقل ہوتا تھا۔[65]

دوسری طرف خراسان اب بھی، جہاں تک فرقہ وارانہ اختلافات کا تعلق تھا، فرقہ ذریت سے پاک علاقہ تھا، اس دور دراز علاقے میں شیعوں کی مبینہ اکثریت کا اہل بیتؑ کی مختلف شاخوں میں اختلافات میں دلچسپی نہ رکھتی تھی بلکہ وہ بنی امیہ کے خاندان خاندان نبوتؐ سے کسی بھی قائد کا اتباع کرنے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو تیار تھے۔[67] پھر بھی ابو مسلم، جو ابراہیم کی طرف سے جو عباسی خاندان کے اس وقت سربراہ تھے[67]، ان کی تحریک کا مقرر شدہ ناظم اعلیٰ تھا، یہی دعویٰ کر رہا تھا کہ وہ اہل بیتؑ کے کسی امام کی طرف سے کام کر رہا ہے جس کا ابھی انتخاب یا نامزدگی نہیں ہوئی ہے۔ اس طرح اس نے بہت سے ایسے لوگوں کی حمایت حاصل کر لی جو اس کی کبھی بھی حمایت نہ کرتے۔ اگر ان کو یہ پتہ چل جاتا کہ جسے وہ ابو ہاشم کے خاندان سے امام سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت عباسی خاندان سے ہے اور یہ مفروضہ اس طرح مستحکم ہوتا ہے،[68] جس امیر مختار کے طرف داروں نے بھی عباسیوں کی حمایت کی۔

تاہم خلیفہ مروان بن محمد کے حکم سے ابراہیم کو گرفتار کر لیا گیا، دمشق لایا گیا، اس کے بعد انہیں حران بھیج دیا گیا اور قید میں ڈال دیا گیا، جہاں وہ یا تو طاعون سے مر گئے یا عباسیوں کے مطابق خلیفہ کے حکم سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔[69] البتہ ابراہیم کی ہدایات کے مطابق ان کے ایک اور بھائی، ابو العباس نے بمعہ تیسرے بھائی، ابو جعفر عبداللہ اور خاندان کے چودہ دیگر افراد کے ساتھ حمیمہ کو خیر باد کہا اور کوفہ پہنچ گئے۔[70] کوفہ میں عباسیوں کا مقامی نمائندہ ابو سلمیٰ حفص تھا، جو ابو ہاشم کا ایک کیسانی طرف دار تھا۔ اس نازک لمحہ پر ابو سلمیٰ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس نے عباسیوں سے اپنی بیعت کو توڑنا چاہا۔ کیونکہ وہ صرف امام ابراہیم سے وفاداری کا پابند تھا اور ان کے کسی اور بھائی کا نہیں۔[71] اس نے عباسی مفرورین کو ایک گھر میں ٹھہرایا اور کوفہ میں مقیم دوسرے خراسانی قائدین سے ان کے محل وقوع کو پوشیدہ رکھا۔[72]

جشیاری اور طبری کی اطلاعات کے مطابق جب ابراہیم الامام کے انتقال کی اطلاعات کوفہ پہنچیں تو ابو سلمیٰ نے بعض شیعان کوفہ کی تجویز و ہدایت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پر علویوں کی امامت قائم کرنے کا ارادہ کیا[73] اور اس غرض سے امام جعفر صادقؑ، عبد اللہ المحض اور عمر بن علی زین العابدینؑ کو خطوط لکھے۔ ان میں سے ہر ایک کو ذاتی طور پر کوفہ آنے کی دعوت دی اور ان کے حق امامت کی حمایت کرنے کی اطلاع دی۔ پیغام بر کو سب سے پہلے امام جعفر صادقؑ سے ملنے کا حکم دیا گیا۔ ان کے انکار کر دینے کی صورت میں عبد اللہ سے اور عبد اللہ کے انکار کر دینے کے بعد عمر بن علی زین العابدینؑ سے ملنے کا حکم دیا گیا۔ جب قاصد نے سب سے پہلے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں خط پیش کیا تو انہوں نے چراغ منگوایا، خط کو جلا دیا اور قاصد سے کہا "اپنے مالک کو جو کچھ تم نے دیکھا ہے بتا دینا۔"[74] البتہ مسعودی اس کہانی کو دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "جب عباسی راہنما ابراہیم الامام کو مروان ثانی نے قتل کرا دیا تو ابو سلمٰی نے خطرہ محسوس کیا کہ اس کا مطلب ان کی مہم کا خاتمہ ہے۔ لہٰذا اس نے امام جعفر صادقؑ کو راغب کرنے کی کوشش کی اور ان کے انکار کی صورت میں عبد اللہ اور آخر میں عمر بن علی زین العابدینؑ کو مائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ ذاتی طور پر اس سے ملیں اور اعلانیہ طور پر اپنی امامت کا اظہار کریں۔"[75]

یہی کہانی آگے چل کر یہ بتاتی ہے کہ عبد اللہ المحض نے پیشکش کو قبول کر لیا اور ابو سلمٰی کی مدد حاصل کر کے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ تمام مورخین کی، جنہوں نے یہ کہانی بیان کی ہے، متفقہ رائے کے مطابق حضرت امام جعفر صادقؑ نے عبد اللہ کو نہایت شدید الفاظ میں تنبیہہ کی:

> "اقتدار اور دھوکہ بازی کے اس چکر میں نہ آئیے اور اپنی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اپنے بیٹے کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیئے کیونکہ ابو سلمیٰ ہمارا شیعہ نہیں ہے اور خراسانی ہمارے طرف دار نہیں ہیں۔"

عبد اللہ نے بڑے ترش انداز میں جھلا کر جواب دیا۔

"آپ مجھ سے اور میرے بیٹے سے حسد کرتے ہیں۔"[76]

اگر یہ گفتگو درست ہے تو یہ امام جعفر صادقؑ کے سیاسیات سے ماوراء رہنے کی انتہائی محتاط طرز عمل کو ظاہر کرتی ہے۔ جہاں تک کہ ابو سلمیٰ کا تعلق ہے مسقطی (Moscate) بناتے ہیں کہ اس کے مذبذب رویہ میں کوئی بھی فرد خاندان نبوت کے حقوق کے متعلق ارادۃ "پیدا کردہ ابہام کے نتائج دیکھ سکتا تھا کہ کیا شکوک و شبہات انقلابیوں کے پروپیگنڈہ سے عوام میں پھیل چکے تھے۔[77]

کوفہ کے حالات تیزی سے عباسیوں کے حق میں بدلتے چلے گئے۔ کوفہ میں ان کی موجودگی یا پوشیدگی[78] کا ایک شخص ابو جہم کے ذریعہ ابو حمید کو پتہ لگ گیا جو باقی دوسرے خراسانی قائدین کے ہمراہ کوفہ کے قرب و جوار میں خیمہ زن تھا۔ لہٰذا وہ آیا اور اس نے فوراً ابو العباس[79] کے لئے امام اور خلیفہ کے طور پر بیعت لی اور ابو سلمیٰ سے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا۔[80] اس کے فوراً بعد ہی، ابو العباس اپنے حمائیتوں کے ہمراہ مسجد میں گیا، جہاں اس نے اپنی تحریک کی افتتاحی تقریر کی۔ اس تقریر میں اس نے اپنے آپ کو السفاح کا لقب دیا (خوں ریزی کرنے والا)۔ اور اپنے اور اپنے خاندان کے مقاصد کو خدا کی عزت و عظمت کے ساتھ وابستہ کیا۔ "اس نے بنی عباس کو اہل بیت قرار دیا، جن سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور کر دیا گیا تھا اور اس بات کی تردید کی کہ علوی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زیادہ مستحق خلافت ہیں۔[81] السفاح کی تقریر کی بعد اس کے چچا داؤد بن علی نے خطاب کیا جس نے زور دے کر کہا کہ بنی عباس کے حقوق قانونی طور پر ورثہ میں منتقل ہوئے ہیں اور یہ کہ اسلام میں صرف دو قانونی طور پر جائز خلفا ہیں' علی بن ابی طالبؑ اور السفاح۔ اس نے مزید کہا کہ خلافت عباسیوں کے پاس رہے گی حتیٰ کہ وہ خود اسے عیسیٰؑ ابن مریم کو منتقل کریں۔[82]

ابو العباس کے اس طرح منصب امامت پر تقرر کے فوراً بعد انتہا پسند شیعوں سے پہلا افتراق دیکھنے میں آیا۔ ابو ہاشم کا وصیتی عہد نامہ عباسیوں کے لئے انتہائی اہم تھا کیونکہ اپنے پروپیگنڈہ کے آغاز میں ہی اس وصیت نے ایران میں فرقہ وارانہ حلقوں کو ان کی حمایت کرنے میں مدد دی اور اس طرح ان کی مذہبی' سیاسی جماعت کا مرکز قائم کرنے میں بھی معاون ہوا۔ ایک مرتبہ جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو عباسیوں نے تخت خلافت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے حقوق کو مختلف دلائل و شواہد سے جائز قرار دیا اور ابو ہاشم کا نام بھی کہیں نہیں لیا۔ اب انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ اس وصیت کی یاد کو بھی لوگوں کے ذہن سے بھلا دیں۔ کیونکہ اس کے رشتے شیعہ انتہا پسندی سے بھی بہت زیادہ طاقت ور تھے اور خطرناک یا تکلیف دہ ہو سکتے تھے۔ پس سب سے پہلے کام جو السفاح نے کیا۔ وہ انتہا پسندوں سے تعلق کو توڑنا اور ان لوگوں کو دور کرنا تھا جو ان کے مقاصد کی بنیادی طور پر فرقہ وارانہ اساس پر حمایت کرتے تھے پس سب سے پہلا فرد جسے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے' وہ ابو سلمٰی تھا' اس وجہ سے کہ اس کے تعلقات انتہا پسند شیعوں سے بہت مضبوط تھے یا اس کے حضرت علیؑ کی حمایت میں مبینہ جھکاؤ کے یا اس کی علویوں کو خلافت کی پیشکش کی وجہ سے اسے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ ان امکانات میں سے دوسری وجہ کو اس کے قتل کے فوری سبب کے طور پر بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ماننے میں کوئی وقت نظر نہیں آتی کہ پہلے تو ابو سلمٰی کی علویوں کے حق میں تازہ تازہ سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہوئے عباسیوں نے اسے وزیر رسول اللہ کا خطاب دیا۔[83] مگر جونہی السفاح اس کی تلون پسندی سے باخبر ہوا تو اس نے بڑے صاف انداز میں اسے ختم کروا دیا۔ یہ ہے وہ وجہ جو ابو سلمٰی کے قتل کی طبری اور مسعودی صاف طور پر بیان کرتے ہیں۔[84] اس کے باوجود اس فوری وجہ کے ساتھ السفاح کی انقلابی فرقہ پسندوں سے چھٹکارا پانے کی پالیسی بھی شامل ہے، جن کا ابو سلمٰی ایک بہت طاقت ور راہنما تھا۔

السفاح کا دور حکومت چار سال تک رہا، جس کے دوران مدینے کے علوی اپنی امیدوں سے ناامید ہو جانے کی وجہ سے غیر منظم و خاموش ہو گئے[85] اور حالات بالکل ساکن رہے، لیکن جب ۱۳۶ھ بمطابق ۷۵۳ء میں جب منصور نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو علویوں نے، جو خاندان بنو عباس کے ہاتھوں اپنے حقوق کے غصب ہونے پر برہم تھے، اپنے غم و غصہ کا اظہار کرنا شروع کیا۔ دوسری طرف سوائے شیعان بنی عباس کے جو السفاح کو خلیفہ اور امام بلکہ مہدی تک سمجھتے تھے، عام شیعہ غیر مطمئن تھے اور یہ عوامی بے چینی سفاح کے دور حکومت[86] میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئی تھی، لیکن المنصور کے تخت نشیں ہوتے ہی بڑھنے لگی۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ متقی و صالح حکومت قائم نہیں ہوئی بلکہ ایک بدکار حکومت کے بدلے دوسری بدکار حکومت آ گئی ہے۔

لہٰذا منصور کی خلافت کے آغاز پر محمد نفس الزکیہ نے جو المہدی کے منصب کا خواہش مند چلا آ رہا تھا، اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے مسیحا ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس بات پر منصور طیش میں آیا اور اس نے محمد نفس الزکیہ اور اس کے بھائی ابراہیم کو بیعت کرنے پر مجبور کیا اس نے عبد اللہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

المحص اور بہت سے دوسرے علویوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ جو تیرہ افراد گرفتار ہوئے ان میں سے بعض کو انتہائی ظالمانہ اذیت دی گئی تاکہ باقی مفرور افراد کے خفیہ مقامات کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائیں، لیکن بے سود رہا۔[87] یہ بات یاد رکھنی اہم ہے کہ گو نفس الزکیہ نے مسلم علاقوں کے مختلف حصوں میں حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی،[88] لیکن اہل کوفہ کی بہ نسبت اہل حجاز نے زیادہ پر جوش انداز میں ان کی اپیل پر لبیک کہا اور چند ایک مستثنیات کے علاوہ باقی سب نے ان کی بیعت کر لی،[89] بلکہ مدینہ کے روایت پسند حلقوں نے دل و جان سے ان کی حمایت کی اور ان کے ہدف کو سینے سے لگایا۔ مالک بن انس نے اعلان کیا کہ بنی عباس کے لئے کی گئی بیعت اب لاگو نہیں ہے، کیونکہ وہ جبر و اکراہ سے لی گئی تھی۔[90] بصرہ اور کوفہ کے زیدیہ اور معتزلہ بھی نفس الزکیہ کی مدد کرنے کو تیار تھے۔[91] تاہم رمضان ۱۴۵ھ بمطابق دسمبر ۷۶۲ء میں ایک زبردست لڑائی ہوئی، جس میں اہل مدینہ کو شکست فاش ہوئی اور افواج بنی عباس سے لڑتے ہوئے نفس الزکیہ مارے گئے۔ نفس الزکیہ کی موت اور اس تجربہ نے کئی روایات کو جنم دیا، جن میں سے بعض تو امام جعفر صادقؑ تک سے منسوب کی گئیں، جن کے متعلق کہا گیا کہ انہوں نے نفس الزکیہ کے انجام کا پہلے سے پتہ دے دیا تھا۔[92]

نفس الزکیہ کی خام و ناکام بغاوت کے بعد بصرہ میں ان کے بھائی ابراہیم کی طرف سے ایک اور خروج ہوا، جہاں وہ اپنے بھائی نفس الزکیہ کے لئے طرف دار اکٹھے کر رہے تھے۔ کوفہ و بصرہ کے زیدیوں اور معتزلہ نے اکٹھے ہو کر ابراہیم کی حمایت کی،[93] حتیٰ کہ کوفہ کے فقہا یعنی امام ابو حنفیہ، سفیان ثوری اور مسعود بن کدم اور بہت سے دیگر حضرات نے ابراہیم کو خطوط لکھے کہ وہ ان کے شہر میں تشریف لائیں یا انہوں نے ان کے مقصد و منشا کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حمایت میں فتوے جاری کئے۔[94] پس ابراہیم پندرہ ہزار کے لشکر کے ساتھ اپنے کوفہ طرف داروں سے ملنے کے لئے بصرہ سے کوفہ روانہ ہوئے، لیکن بنی عباس کی افواج نے انہیں راستے ہی میں نجمرہ کے مقام پر جا لیا۔ اس مقابلے میں ابراہیم کام آئے[95] اور اس واقعہ کے ساتھ ہی علویوں کی طرف سے بامعنی یا اہم بغاوتوں کا سلسلہ ختم ہو تا گیا اور خود کو نجات دہندہ (مسیحا) بنانے کی آرزوؤں یا ان سے نجات دہندگی کی لوگوں کی تمناؤں کا سلسلہ بھی اختتام کو پہنچا۔ اس کے بعد نفس الزکیہ کے بعض طرف داروں نے اپنی امیدوں کو بعض مافوق الفطرت اعتقادات میں پناہ دے دی۔ لیکن انہوں نے نفس الزکیہ کے مہدی ہونے پر ایمان رکھا۔ للذا یہ یقین ہی نہ کیا کہ وہ مر چکے ہیں بلکہ شد و مد سے یہ کہا کہ ان کی جگہ کوئی شیطان انسانی صورت میں قتل ہو گیا ہے اور وہ خود کوہستان نجد میں روپوش ہو گئے ہیں۔[96] ابراہیم کی بغاوت کی ناکامی سے اہل مدینہ کی اپنی پسند کی خلافت قائم کرنے کی خواہش کا عملاً خاتمہ ہو گیا اور شیعوں کی دیرینہ مرغوب خواہشات خاص طور پر انتہا پسندوں اور سر دھڑ کی بازی لگانے والوں کی تمنائیں خاک میں مل گئیں۔

تاہم یہ تمام حالات و واقعات اس پس منظر کی تشکیل کرتے ہیں۔ جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی امامت مصائب کا شکار ہوئی۔ لیکن اس سے پیشتر کہ ہم ان کی کیفیت کا جائزہ لیں اور اس سیاسی، مذہبی صورت حال میں ان کے نقطہ نظر کا تعین کریں ایک اور اہم پہلو قابل تشریح رہتا ہے۔

ہم مشاہدہ کر چکے ہیں کہ بنی امیہ کے دور کا عظیم ہاشمی خاندان اس وقت علوی اور عباسی حصوں میں منقسم ہو چکا تھا اور اس کشمکش نے اب ایک نئی صورت اختیار کر لی تھی۔ اب یہ ایک غاصب خاندان اور قانونی جواز لئے ہوئے موروثیت کی حامی حزب اختلاف کے درمیان خطرناک اور خونیں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جدوجہد نہ رہی تھی بلکہ اب بنو ہاشم کے دو دھڑوں کے درمیان الجھن تھی۔ جس میں ہر ایک دوسرے کو مکمل طور پر ختم کر کے خود کو موروثی جائز حقوق کا مالک قرار دے رہا تھا۔ یہ دو دھڑے پیغمبر خداؐ کے چچا کی اولاد اور پیغمبر خداؐ کے چچا زاد بھائی اور بیٹی (علیؑ اور فاطمہؑ) کی اولاد پر مشتمل تھے اور صورت حال اور بھی خراب تھی کہ خاندان علی مرتضٰیؑ بھی تین حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا: نسل امام حسینؑ، نسل محمد حنفیہ اور نسل امام حسنؑ جو ذرا بعد میں میدان میں آئی تھی۔ اس طرح خانوادہ عباس ایک طرف اور خانوادہ حضرت علیؑ جو تین گروہوں میں منقسم تھا، دوسری طرف تھا۔

سب سے پہلا عباسی خلیفہ اس صورت حال کو پوری طرح سے سمجھ رہا تھا للذا خلافت سنبھالتے ہی اس نے اپنے خاندان کے حقوق کو موروثیت کی بنیاد پر جائز قرار دینے کا سلسلہ شروع کر دیا، جیسا کہ اس کی افتتاحی تقریر سے بھی ظاہر ہے، جس کا تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں آ چکا ہے اور اس طرح اس نے اپنے خاندان کی پالیسی کی بنیاد ڈال دی تھی، یعنی آئندہ اٹھنے والی کشمکش میں خاندان علوی کے حقوق کی تردید و تکذیب مقصود تھی، لیکن السفاح کے مختصر دور حکومت میں علویوں نے کسی سنجیدہ یا نمایاں مخالفت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس وجہ سے صورت حال کچھ غیر واضح اور ساکن سی رہی۔

دراصل منصور ہی کو اپنے خاندان کے نئے نئے قائم شدہ اقتدار کی خطرناک ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، للذا اپنی خلافت کو بچانے، مضبوط کرنے اور مستحکم کرنے کے لئے منصور کو دو بنیادی اور مرکزی مقاصد کی طرف اپنی توجہات مرکوز کرنا پڑیں۔ پہلا مقصد اپنے خاندان کے حقوق کا قانونی و مذہبی بنیادوں پر جواز قائم کرنا تھا۔ اس کا منطقی مطلب یہ تھا کہ علویوں کے دعاوی کی قانونی و اصولی دلائل پر تردید و تکذیب کی جائے اور دوسرا مقصد اپنی خلافت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے لئے مسلم جماعت کی مقبولیت حاصل کرنا تھا۔ اس کام کے لئے تمام انتہا پسند جماعتوں اور تنظیموں سے ہر قسم کے روابط تعلقات منقطع کرنا ضروری ہے اور منصور یہ بات بہت اچھی طرح سمجھتا تھا کہ کیسانی شیعہ ازم' راوندی انتہا پسندی'[۶۶] ابو مسلم کی پیروی کرنے والے انقلابی (جن کے عقائد کیسانی شیعہ ازم اور مزدکیت یعنی شیعیان عباسی دونوں کے ملے جلے نظریات پر مشتمل تھے) خلافت بنی عباس کے لئے کسی مذہبی بنیاد کا کام نہیں دے سکتے تھے۔ مندرجہ بالا تمام گروہوں کو رد کر کے منصور نے اہل حدیث کے روایتی حلقوں تک رسائی حاصل کی جن کو وہ مسلم معاشرہ کا نمائندہ فریق سمجھتا تھا اور جماعت کا ترجمان و شارح خیال کرتا تھا۔ یہ بات زیادہ مناسب ہو گی کہ ہم اس پہلو کو بعد میں زیر بحث لائیں اور اس کی ان کوششوں کا پہلے جائزہ لیں جو اپنے خانوادہ کے حقوق خلافت کو جائز ثابت کرنے کے لئے کر رہا تھا۔

اس سلسلے میں سب سے بہترین اور قابل اعتماد تحریری ثبوت منصور اور اس کے سب سے سنگین علوی مدمقابل محمد نفس الزکیہ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ ہے۔ اس موضوع پر منصور کا استدلال اور نقطہ نظر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نفس الزکیہ کے مکتب پر غور کیا جائے جس کا متن اس طرح ہے:

> "ہمارے جد علیؑ وصی اور امام تھے۔ تم کس طرح ان کی میراث کے مالک بن بیٹھے' جب کہ ابھی ہم زندہ و سلامت موجود ہیں۔ تم جانتے ہو کہ بنی ہاشم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ عزت و عظمت کی وہ خصوصیات رکھتا ہو جو ہمارے ماضی' حال' ہمارے سلسلہ نسب یا ہمارے مقصود و منشا سے کوئی نسبت رکھتی ہوں۔ ہم آغاز اسلام میں پیغمبر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خدا ؐ کی دختر فاطمہ ؑ کی اولاد ہیں حالانکہ تم ایسے نہیں ہو۔ میں بنو ہاشم میں نجیب الطرفین ہوں اور ان کے سلسلہ نسل کی ایک سنہری کڑی ہوں۔ میری ماں کوئی ایرانی خاتون نہیں تھی اور نہ کوئی کنیز میری ننھیال میں میرے آباء و اجداد کے پاس تھی [98] -------- میں دو مرتبہ صلب پیغمبر حضرت محمد مصطفی ؐ سے پیدا ہوا ہوں---- میرے اسلاف میں وہ ہیں جو جنت کے نہایت برگزیدہ افراد ہیں اور جن کا جہنم سے کوئی واسطہ نہیں۔ لہٰذا میں بہترین افراد میں سب سے اعلیٰ کا فرزند ہوں۔

جہاں تک اس معافی عام کا تعلق ہے جو تم نے مجھے دی ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کس قسم کی معافی ہے؟ کیا یہ ویسی ہی ہے جو تم نے ابن ہبیرہ کو دی تھی یا اپنے چچا عبد اللہ بن علی کو دی تھی یا ایسی ہے جو ابو مسلم کو دی گئی تھی۔" [99]

اس خط سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سب سے پہلی دلیل جو اپنے حقوق کے لئے نفس الزکیہ پیش کر رہے ہیں وہ ان کے جد امجد علی ابن ابی طالب ؑ کا وصی و امام ہونا ہے اور پھر وہ اس دلیل کو پدر و مادر دونوں کی طرف سے اپنی ولادت کے کوائف کی اہمیت یاد دلا کر مضبوط کر رہے ہیں؛ باپ کی طرف سے شرف اور ماں کی طرف سے وقار و عظمت اور آخر میں وہ بنی عباس کی عیارانہ فطرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس بات کو محسوس کرنا اہمیت کا حامل ہے کہ باوجود ان کے حضرت علی ؑ کو وصی و امام کے طور پر پیش کرنے اور نسل فاطمہ [100] میں سے ہونے کا حوالہ دینے کے، تمام اہل حجاز نفس الزکیہ کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقاصد کی حمائت کرنے میں متفق الرائے تھے۔

یہ جاننا بہت معلومات افزا ہو گا کہ منصور نے اپنے علوی مدمقابل کے دعاوی کے خلاف کیا دلائل دیئے اور ملت اسلامیہ کی قیادت اعلیٰ کے لئے اپنے حقوق کو کس طرح جائزہ ٹھہرایا۔ منصور نے نفس الزکیہ کے مکتوب کا اس طرح جواب دیا:

"مجھے تمہارا خط موصول ہوا۔ تم جانتے ہو کہ زمانہ جاہلیت میں ہماری سب سے بڑی عظمت یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور چاہ زمزم کی نگہبانی تھا' جو تمام بھائیوں میں صرف عباس کا مخصوص استحقاق بن گیا تھا' تمہارے جد علیؑ نے اس مخصوص حق پہ ہم سے مقدمہ بازی کی' لیکن عمرؓ نے ہمارے حق میں فیصلہ دیا' لہٰذا ہم اس اعزاز و اکرام کی ملکیت سے کبھی محروم نہ ہوئے زمانہ جاہلیت سے لے کر زمانہ اسلام تک ---------

تمہارا سب سے زیادہ فخر و مباہات تمہاری ماں کی نسل پر مبنی ہے [101] جو بات صرف کسی گنوار سادہ لوح کو ہی دھوکہ دے سکتی ہے۔ خدا نے عورت کو چچا' باپ' خسریا کسی اور ذمہ دار رشتہ کا حامل نہیں بنایا-------- جہاں تک تمہارے اللہ کے نبی کا بیٹا ہونے کے دعویٰ کا تعلق ہے تو خدا نے ایسے دعویٰ کو رد کیا ہے جب اس نے فرمایا' محمدؐ' تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ تو خدا کے نبی اور خاتم النبینؐ ہیں۔ [102] لیکن ہاں تم بیٹی کی اولاد ضرور ہو۔ بے شک یہ ایک بہت قریب کا رشتہ ہے۔ لیکن

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ ایک عورت ہیں جو ورثہ تو پا سکتی ہیں، لیکن امام نہیں بن سکتیں۔ پھر کس طرح امامت ان کے ذریعہ سے ورثہ میں مل سکتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ نبی اکرمؐ کے انتقال کے بعد عبد المطلب کا کوئی بیٹا زندہ نہ رہا تھا، سوائے عباس کے، لہٰذا اس عباس نے نبیؐ کے سارے حقوق بطور ان کے چچا کے ورثہ میں پائے۔ پھر اس کے بعد بنو ہاشم میں سے بہت سوں نے خلافت کے حصول کی کوشش کی لیکن کسی نے بھی خلافت حاصل نہ کی سوائے عباس کی اولاد کے۔ لہٰذا سقایہ اور میراث پیغمبرؐ اور خلافت بھی عباس کی ملکیت ہے اور اس کی اولاد کی اور ان کے ہی قبضہ میں رہے گی کیونکہ عباس ہر اس عزت و خیر کا وارث اور وصیت دار تھا جو زمانہ جاہلیت میں بھی اس کے پاس تھی اور زمانہ اسلام میں بھی۔"[103]

یہ خط منصور کے اس انداز استدلال کو سمجھنے کے لئے نہایت اہم دستاویز ہے جو اس نے اپنے علوی مدمقابل کے خلاف اختیار کیا۔ اگر ہم خط کے مندرجات کا تجزیہ کریں تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ اس نے عربوں کے عام روایتی قانون کا سہارا لیا، جس کے مطابق باپ کے مرنے پر چچا یا تایا اس کی جگہ لیتا ہے۔ دوسرے اس نے حضرت عمرؓ کے بنی عباس کے حق میں فیصلے پر خاص زور دیا ہے۔ اور اس طرح اس نے دوسرے خلیفہ کے اختیارات کو محدثین کے انداز میں نمایاں کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ عباس کو بطور نبی پاکؐ کے چچا ہونے کے زیادہ حقوق حاصل تھے بہ نسبت حضرت علیؑ کے بطور چچا زاد بھائی اور داماد کے۔ چوتھے یہ کہ اس نے بی بی فاطمۃ الزہراؑ کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ذریعہ ہر دعویٰ کو رد کر دیا۔ جنہیں شیعوں میں خاص طور پر اور مسلمانوں میں عام طور پر عزت و مرتبہ کے مالک ہونے کا خاص حق دار سمجھا جاتا ہے۔ آخری بات یہ کہ علوی اپنے دعویٰ کی قانونی کمزوری کی وجہ سے اپنے اندر قوت عمل کی کمزوری ہوتے ہوئے اپنے لئے خلافت حاصل کرنے کی کوشش میں متواتر ناکام ہوتے رہے تھے۔ جب کہ عباس کی اولاد اپنے بہتر دعویٰ کی وجہ سے اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور اپنی قابلیت و اہلیت کی وجہ سے بھی اپنا مقصد پا گئی۔ یہ بات سامنے رکھنا بھی بہت اہم ہے کہ نفس الزکیہ اور منصور دونوں ہی اپنے حقوق کے استدلال کے لئے ایام جاہلیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس وقت کے حقوق و اختیارات کو دور اسلامی تک میں قابل عمل اور قابل عزت سمجھتے ہیں۔

البتہ نفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کو جو اس خط و کتابت کے بعد واقع ہوئے' اہل حدیث کی طرف سے (چاہے مرجعی ہوں یا کوئی اور) جو حمایت ملی ہے' ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ عباس کے مبینہ حقوق کے لئے منصور کے دلائل سے متاثر نہیں تھے۔ وہ اسی بات پر زور دیتے رہے کہ امامت کے لئے اگر کوئی جائز و مناسب امیدوار ہیں تو وہ صرف علوی ہیں۔ ہم اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ جب نفس الزکیہ نے خروج کیا تو مالک بن انس نے اعلان کیا تھا کہ جو بیعت بنی عباس کے باشندگان مدینہ نے کی تھی وہ غیر قانونی تھی کیونکہ یہ ان سے زبردستی لی گئی تھی۔[104] اسی طرح ابراہیم بن عبد اللہ کے خروج کے دوران ابو حنیفہ' سفیان ثوری' الاعمش اور کوفہ کے دوسرے فقہا اور اہل حدیث نے ان لوگوں کی بڑی پر زور حمایت و حوصلہ افزائی کی تھی جو اس خروج میں شریک ہونا چاہتے تھے۔[105]

مدینہ پر دوبارہ قابو پالینے اور ابراہیم کے خروج کو کچل دینے کے بعد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منصور نے امام مالک ابن انس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور ابو حنیفہ کو اتنا خطرناک دشمن قرار دیا کہ انہیں قید کر دیا اور وہ قید ہی میں فوت ہوئے۔[106]

ان چند ایک زبردست بلکہ ناقابل مصالحت شخصیات کے علاوہ جنہوں نے نہایت بڑھ چڑھ کر مخالفت میں حصہ لیا تھا اور انہیں سخت سزائیں دی گئی تھیں' منصور نے روایت پسندوں پر قطعا ہاتھ نہ ڈالا بلکہ اس نے انہیں وہ بنیادی ستون قرار دیا جس پر وہ ایک مذہبی سلطنت کی بنیاد قائم کر سکتا تھا جس کا سربراہ خلیفتہ اللہ یا نائب خدا اور جس کی اطاعت و فرماں برداری ایک قطعی مذہبی فرض قرار دی جائے۔[107] پس جب ایک خطبہ میں اس نے کہا:

"زمین پر اللہ کی طرف سے صرف میں ہی صاحب امر ہوں۔"[108]

تو وہ خود کو محض محافظ مذہب یا حامی دین قرار نہیں دے رہا تھا بلکہ وہ اپنے مقاصد کو دین اسلام سے منسلک سمجھ رہا تھا اور خدا کی مرضی کو اپنے نظریات کے ہم معنی قرار دے رہا تھا۔

تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خواہ اس وجہ سے کہ خاندان علی مرتضیٰؑ میں کوئی بھی طاقت ور فرد کسی خروج کی قیادت کرنے کو تیار نہ تھا یا منصور کی سختیوں یا نرمیوں کی کامیاب حکمت عملی کی وجہ سے مدینہ و کوفہ کے اکثر اہل حدیث و فقہا خلافت کو مانتے چلے گئے تھے اور آخر الامر بہ رضا' یا بہ مجبوری' انہوں نے علوی موقف کو خیرباد کہہ دیا اور منصور کے تابع فرماں ہو گئے۔

واقعات و حالات کے اس مذہبی و سیاسی تناظر میں نسل امام حسینؑ میں موروثی امامت کے ظہور ثانی کا امام جعفر صادقؑ کی زیر سرپرستی اب ہم زیادہ بہتر طور پر جائزہ لے سکتے ہیں اور ان حالات کی موجودگی میں آپؑ کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کردار و عمل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا واقعات میں جو کچھ اب تک کہا گیا ہے اس کے تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بنیادی بات یقینی ہے کہ خاندان حضرت علیؑ سے یکے بعد دیگرے تمام دعوئی داروں نے اس اصول پر اپنے دعوی کو مبنی قرار دیا کہ وہ اپنے حسب و نسب کے حوالے اور خصوصیت کے باعث امامان برحق تھے نیز یہ کہ امامت و خلافت جدا نہیں کی جا سکتیں۔ لہذا یہ صرف اور صرف ان کا موروثی حق ہی نہیں بلکہ مذہبی فریضہ بھی ہے کہ وہ غاصبوں سے خلافت کو واپس لیں، چاہے وہ اموی ہوں یا عباسی۔ دوسرے الفاظ میں وہ امور نظم و خلافت کو چلانا صرف امام برحق کا فریضہ سمجھتے تھے، جس کا مطلب عدل و انصاف کو قائم کرنا تھا۔ لہذا کسی امام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خلیفہ بھی ہو۔ یہ اصول تمام مسلم جماعتوں کے نمائندہ حصوں نے تسلیم کر رکھا تھا۔۔۔۔۔۔ معتزلہ، مرجئہ اہل حدیث اور کوفہ و مدینہ کے فقہا۔۔۔ اور یہ حقیقت ان کی اس دلی حمایت سے جو انہوں نے خاندان علوی کے دعوئی داروں اور ان کے خروج کو دی تھی، پوری طرح ثابت ہے۔ اس کے برعکس عباسیوں کا بھی یہی نقطہ نظر تھا کہ امامت و خلافت ناقابل تقسیم ہیں اور صرف امام برحق ہی بطور خلیفہ حکمرانی کا حق رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس منصب کے لئے علویوں کے دعاوی کی مخالفت کی اور ان کے حق کو تسلیم نہ کیا اور یہ زور دیا کہ صرف وہ موروثی امامت و خلافت کے حق دار تھے۔ آخر کار منصور علویوں کو کچلنے میں کامیاب ہو گیا اور جماعت مسلمہ کے تمام نمائندہ افراد کی اطاعت حاصل کرنے میں بھی کامران ہوا۔

اس کا مطلب امامت کے لئے علویوں کے دعاوی کی مکمل شکست و انہدام تھا کیونکہ جیسا کہ وہ خود کہتے تھے امامت، خلافت سے منسلک ہونا لازم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے جو وہ اپنے لئے حاصل کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ تاہم یہ نازک و پر خطر صورت حال پورے موضوع امامت کی تعبیر و تشریح نو کا مطالبہ کرتی تھی۔

یہی ہے وہ تاریخی موقع جس پر امام جعفر صادقؑ فرائض امامت کی جامع تشریح و تعبیر کرنے کے لئے سامنے آئے۔ انہوں نے اب تک کے مروج نظریہ سے کہ امام کو خلیفہ بھی ہونا چاہیئے، قطعی و بنیادی اختلاف کیا اور خلافت و امامت کو دو علیحدہ اداروں میں تقسیم کرنے کا نظریہ پیش کیا، اس وقت تک جب تک کہ خدا خود کسی امام کو غالب و فتح مند نہ کرے یہ امام جو علیؑ و فاطمہؑ سے پیغمبر خداؐ کی اولاد میں سے ہو گا اپنے اختیارات کو سیاسی دعووں سے حاصل نہیں کرتا بلکہ واضح نص سے حاصل کرتا ہے، جو سابق امام کی صریح و واضح نامزدگی ہے اور وہ اس کے خانوادے میں نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے خاص علم دین کا وارث ہوتا ہے۔ پس اس طرح اس امام کا دائرہ عمل زیادہ تر دینی قیادت اور ملت کی روحانی ہدایت ہے نہ کہ مادی اقتدار۔ ہم آئندہ باب میں اس امر پر تفصیلی نظر ڈالیں گے کہ امام جعفر صادقؑ نے اس نظریہ امامت کی کس طرح تشریح فرمائی اور امام کی نوعیت و عمل کو کس طرح واضح کیا لیکن اس بات کو یہاں صاف صاف کہہ دینا ضروری ہے کہ اس نظریہ امامت کے موجد و مخترع محض امام جعفر صادقؑ ہی نہیں ہیں۔ ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ موروثی امام کا نظریہ جو خاص الخاص علم سے فیضان یافتہ ہوتا ہے، امام زین العابدینؑ اس سے کہیں پہلے اختیار کر چکے تھے اور اس کے بعد یہی نظریہ امام محمد باقرؑ نے پیش کیا تھا۔ تاہم وقت و حالات نے امام جعفر صادقؑ کو وہ مناسب و مبارک موقع فراہم کر دیا کہ وہ اپنے آباو اجداد طاہرینؑ کے پیش کردہ نظریات کی توضیح و تشریح کریں۔ للذا اس اہم موقع نے امام جعفر صادقؑ کی امامت کو اہم ترین امامت بنا دیا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس باب کو تمام کرنے سے پیشتر دو اور اہم نکات ذہن نشین کرنا ضروری ہیں پہلا تو یہ سوال ہے کہ کیا امام جعفر صادقؑ نے اپنی اور اپنے والد بزرگوار کی امامت کے متعلق یہ نظریہ پیش کر کے کسی فرقہ' یا اپنی کسی جماعت کو قائم کرنا مناسب سمجھا' جو عام مسلمانوں سے علیحدہ ہو یا یہ کہ انہوں نے اپنی امامت کی ان تمام مندرجہ بالا خصوصی اوصاف و اختیارات کے ساتھ باقی تمام ملت اسلامیہ سے تسلیم و تائید کرانا چاہی۔ امام جعفر صادقؑ کا حلقہ معتقدین اور ان کا وسیع و عریض دائرہ خطابت اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ امام جعفر صادقؑ کا خود کسی علیحدہ فرقہ کے قائم کرنے کا ارادہ نہ تھا کہ صرف وہی ان کی امام کے اصول و کنہہ کو سمجھے۔ لیکن اپنے طور پر صرف ان افراد نے جو کسی نہ کسی قسم کی شیعیت رکھتے تھے امام جعفر صادقؑ کے پیش کردہ نظریہ امامت کو قبول کر لیا اور بالآخر مسلم معاشرہ میں باقی سب سے علیحدہ ایک فرقہ میں تبدیل ہو گئے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس نہج پر امام جعفر صادقؑ کی طرف سے واضح کردہ اصول امامت و فرائض امام نے بعد میں آنے والے اثنا عشریہ علمائے دین و ماہرین نظریات کو وہ بنیادی استناد فراہم کیں کہ وہ قبل از امام جعفر صادقؑ کے دور تک متعدد مسائل کو سمجھا سکیں اور حل کر سکیں۔ یہ کام اس طرح انجام دیا گیا کہ امام جعفر صادقؑ کے پیش کردہ نظریہ امامت کو اس خانوادے کے ان آئمہ کے اقوال و اعمال پر نافذ کیا جائے جو ان سے قبل ہوئے مثلاً حضرت علیؑ کا پہلی تین خلافتوں کو قبول کر لینا' امام حسنؑ کی دست برداری' امام حسینؑ کا غیر سرگرم رویہ اور امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کا خاموش و ساکن رویہ۔ ان تمام سوالات کے جوابات امام جعفر صادقؑ کی تشریحات کی روشنی میں پائے گئے یعنی یہ کہ کسی امام برحق کے لئے ضروری

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہیں کہ وہ اپنی ذات میں مادی اقتدار کا بھی مالک ہو یا محض سیاسی اختیار کا ہی دعوئی دار ہو' یعنی خلافت ظاہری چاہے اس کو حالات اس کا مالک نہ بھی بننے دیں۔ اس کے برعکس یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کا نظریہ امامت دراصل ان کے خاندان کی سابقہ تاریخ و تجربات کا ایک لازمی منطقی نتیجہ تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات باب نمبر 10

1۔ زمانہ قبل کی تاریخ کے لئے دیکھئے یعقوبی: تاریخ ج2 ص 381۔ ابن خلقان ج1 ص 327۔ ابن جوزی: صیفوہ ج2 ص 93۔ عاملی: اعیان ج4 ص 54 محمد بن طلحہ: مطالب السول ص 89۔
بعد کی تاریخ کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ مسعودی: مروج ج3 ص 219۔ سعد الاشعری: مقالات ص 79۔ کلینی: کافی ص 193۔ مجلسی: تذکرہ الائمہ ص 139۔ ان دونوں تاریخوں میں انتخاب کرنا مشکل ہے لیکن اول الذکر صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابن خلقان اور دوسرے مورخین اس کی پیدائش عام الحجاف میں بتاتے ہیں جو مکہ میں سیلاب کا سال کہلاتا ہے اور جو بقول طبری ج2 ص 1040 سن 80ھ بمطابق 699۔ 700ء میں آیا تھا۔

2۔ ابن سعد ج5 ص 320۔ یعقوبی ج2 ص 320۔ قاضی نعمان: شرح الاخبار قلمی نسخہ فولیو 32 الف۔

3۔ ابن خلقان ج1 ص 327۔ قاضی نعمان حوالہ محولہ بالا۔

4۔ طبری ج3 ص 2509۔ یعقوبی ج2 ص 381۔ سعد الاشعری: مقالات ص 79 ابن خلقان حوالہ محولہ بالا۔ کلینی کافی ص 194۔ عامل: اعیان ج4 ص 452۔

5۔ ابن سعد ج5 ص 216۔ ابن عماد: شندرات۔ ج1 ص 104۔ یعقوبی ج3 ص 46۔ کشی: رجال ص 76 تا 79۔ ابو نعیم: حلیہ ج3 ص 135۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

6۔ ابن سعد ج 5 ص 189 و بعد۔ طبری ج2 ص 1183۔ ابن عماد: شندرات ص 62۔

7۔ کلینی: کافی ص 193 اگر تاریخ ولادت 83ھ بمطابق 703/ 704 مانی جائے تو آپ کا زمانہ امامت 28 سال بنتا ہے۔ اور اگر تاریخ ولادت 80ھ بمطابق 699/700 مانی جائے تو پھر آپ کا دور امامت 31 سال بنتا ہے۔

8۔ یعقوب ج2 ص 381۔

9۔ قاضی نعمان: شرح الاخبار قلمی نسخہ فولیو 42 الف۔

10۔ ایضاً فولیو 39 الف۔

11۔ شہرستانی: ملل ج1 ص 166۔

12۔ S.Moscati : Dela Antica Sia (Rso 1955) Per una Storia

13۔ The origins of Ismailism B.Lewis---

14۔ حسین کو المدی ابن المہدی بھی کہتے تھے لیکن ابھی تک اس کے میسحا ہونا مراد نہیں لیا جا رہا تھا۔ (طبری ج2 ص546)

15۔ بلاذری ج5 ص 218۔ طبری ج2 ص 606 و بعد ص 633۔

16۔ ابن سعد ج 5 ص 94۔

17۔ بلاذری حوالہ محولہ بالا۔

18۔ طبری ج2 ص 672 تا 710۔ بلاذری ج 5 ص253۔ دوسرے خطابات کے لئے جو ان کو دیئے گئے دیکھئے طبری ج2 ص 691۔ بلاذری حوالہ محولہ بالا۔

19۔ کیسانیہ کے نام کے بارے میں کئی ایک آرا ہیں اور ابو عمرہ کیساں کی

jabirabbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ذات بھیا یک بڑا تاریخی مسئلہ بنی رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف آراء اور امکانات کا حل جائزہ لینے کے لئے ملاحظہ کیجئے شہرستانی کی ملل ج1 ص 147۔ بغدادی کی فرق ص 26 بلاذری کی ج5 ص229 اور b.Lowis کی Origins of Ismilism ص 27۔

20۔ ابن سعد ج 5 ص 115۔

21۔ ابن خالدون: عبرج 3 ص 172۔ اور اس طرح ابو ہاشم شیعوں کی اس شاخ کے باضابطہ طور پر سربراہ مانے جانے لگے ملاحظہ ہو Dogeje کی کتاب Al Baladhuri's Ansab (ZDMG) 1884ص 394۔

22۔ اغانی ج9 ص 14 پر کثیر کی شاعری ملاحظہ ہو اور اغانی ہی میں ج 7 ص 227 پر سید الحمیری کی ابن حنفیہ کی مدح سرائی ملاحظہ ہو۔

23۔ کشی: رجال ص 314۔

24۔ W.jvanow

Early Shite Movement: (JBBRAS) 1939ص 3 ملاحظہ کیجئے۔

25۔ ایضاً۔

26۔ An Introduction to Islamic Law ص 23۔

27۔ مبرد: کامل ج1 ص 710۔

28۔ جاحز: رسایل: کتاب فضل بنی ہاشم ص 99 و "رسالہ فی بنی امیہ" 66 اور دوسری تفاسیر میں قرآن کی سورۃ 17 کی آیت 50 کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

29۔ Montgomery matt

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(JRAS) "Shiism Under the ummayyads":

1960 ص 169 و بعد۔

30۔ طبری ج 2 ص 1700۔

31۔ طبری حوالہ محولہ بالا۔ لفظ رافضی کے استعمال اور معانی کے لئے منٹگمری واٹ (1963) XVI Oriens "The Rafidites" ص 116 ملاحظہ ہو۔

32۔ طبری: حوالہ محولہ بالا۔

33۔ طبری ج 2 ص 1709۔ ابوالفرج: مقاتل ص 140 بعد۔

34۔ جاحز: بیان ج 1 ص 311 و 312۔

35۔ ایضاً۔

36۔ مبرد: کامل ج 1 ص 260۔

37۔ طبری ج 2 ص 1774۔ ابوالفرج مقاتل ص 152 و بعد۔

38۔ ابو الفرج: مقاتل ص 145 و بعد۔

39۔ جاحز: بیان ج 1 ص 353۔ ابو الفرج: مقتل ص 233 و بعد۔

40۔ ابوداؤد: سنن ج 2 ص 135۔

41۔ اغانی ج 12 ص 85۔

42۔ ابوداؤد: سنن ج 2 ص 135۔ ابن ماجہ: سنن ج 2 ص 269۔

43۔ سعد الاشعری: مقالات ص 74 تا 77۔ نوبختی: فراق ص 59۔

44۔ سعد الاشعری: مقالات میں ص 77۔ نوبختی: فراق ص 43۔

45۔ نوبختی: فراق ص 52۔ بغدادی: فرق ص 36 و بعد۔ سعد الاشعری: مقالات ص 74۔

46۔ ابو الفرج: مقالات۔ ص 209 و بعد۔ 292 و بعد۔

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

47۔ ایضاً۔

48۔ طبری ج3 ص 143 و بعد۔ ابو الفرج: مقالات ص 206 و 253۔

49۔ طبری ج3 ص 52۔ ابو الفرج: مقالات ص 209 و 256 اور الابوہ کے لئے ملاحظہ ہو یاقوت: معجم البلدان ج1 ص 79۔ ایک اور اطلاع کے طابق یہ بیعت سویقہ میں کی گئی دیکھئے ابو الفرج: مقاتل ص 293 و بعد' اور EI[1] مضمون محمد بن عبد اللہ۔

50۔ ابو الفرج: مقاتل ص 208۔ 253۔ 178

51۔ مثلاً طبری ج3 ص 152۔

52۔ طبری ج3 ص 143۔ 152 اور EI[1] مضمون "محمد بن عبد اللہ"

53۔ ابو الفرج: مقاتل ص 209۔

54۔ ابو الفرج: مقاتل ص 207 و بعد۔ 254 و اگلے ص۔ EI[1] مضمون "محمد بن عبد اللہ"

55۔ اغانی ج12 ص 213 و اگلے ص۔ طبری ج2 ص 1879' 1881 منٹگمری واٹ: Shism under the ummayyads ص 170۔

56۔ طبری ج2 ص 1881۔ 1883۔ 1887۔

57۔ منٹگمری واٹ حوالہ محوالہ بالا۔

58۔ منٹگمری واٹ کا EI[2] میں مضمون "عباس بن عبد المطلب" ملاحظہ کیجئے۔

59۔ کشی: رجال ص 56 و بعد۔

60۔ کشی: رجال ص 57 و اگلے ص۔ Vaccia Vagliari EI[2] "عبد اللہ بن عباس"۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

61- مبرد: کامل ص 180 ج 1-

62- ابو الفرج: مقاتل ص 126 و کامل ج 5 ص 32 تا 39-
S.Moscati کی Testamento di Abu Hashim
(Rso) شمارہ (1952) ص 24 تا 28-

63- مسعودی: مروج ج 3 ص 238- ابو الفرج حوالہ محولہ بالا و کامل
حوالہ محولہ بالا- Moscati حوالہ محولہ بالا Bernard Lawis
EI[2] کا مضمون "ھاشمیہ"-

64- Lawis کے EI[2] مضامین "ھاشمیہ" و "عباسیہ"

65- نوبختی: فراق ص 27، 29- نشوان الحمیری: حرالعین ص 159،
160-

66- اھل بیت کی کسی بھی شاخ کی پیروی کے لئے خراسانیوں کی آمادگی
کے لئے ملاحظہ کیجئے- ابن قتیبہ عیون الاخبار ج 1 ص 204- یاقوت:
معجم البلدان ج 2 اور 352-

67- ابراہیم نے ابو سلمہ کو اھل بیت کارکن بنا لیا تھا ملاحظہ طبری ج 2 ص
1937 اور 1949 خود ابو مسلم کے مطالعہ کے لئے ملاحظہ کیجئے ابن
خلقان ج 3 ص 145 تا 155- مسعودی: مروج ج 3 ص 239- ابن
قتیبہ: معارف ص 145- دینوری ص 337- طبری ج 2 ص 1949 و
بعد، 1987 و اگلے ص- R.N. Frye کا مضمون
"The Roll of Abu Muslim" میں
Muslim World. (Jan. 1947)

68- Well Hausen Arab Kingdom ص 492 تا 566-
Leuis کا EI[2] مضمون Abbasides

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

69- طبری ج3 ص 25 و اگلے ص 42 و اگلے ص۔ دینوری ص 357۔ مسعودی: مروج ج3 ص 244۔

70- طبری ج3 ص 27۔ مسعودی: مروج ج3 ص 253۔

71- جہشیاری: الوزرا والکتب ص 83 مسعودی: مروج ج3 ص 253 ابن خلکان ج3 ص 148 و اگلے ص۔ طبری ج3 ص 27 و بعد' یعقوبی ج2 ص 345' 449۔

72- مسعودی: طبری حوالہ محولہ بالا۔ Arab Kindom: Well Housen ص 544۔ S.Mascati کا EI^2 مضمون "ابو سلمہ"

73- جہشیاری: الوزرا والکتب ص 86۔ طبری ج3 ص 27۔

74- جہشیاری حوالہ محولہ بالا۔ ابن طقطقت: الفخری ص 109۔

75- مسعودی: مروج ج3 ص 253 و بعد۔

76- یعقوبی حوالہ محولہ بالا۔ مسعودی حوالہ محولہ بالا جہشیاری حوالہ محولہ بالا۔

77- Moscati کا EI^2 مضمون "ابو سلمہ"

78- یعقوبی ج2 ص 345 جو ان کی پوشیدگی کا زمانہ دو ماہ بتاتا ہے جبکہ طبری ج3 ص 27 صرف 40 یوم بتاتا ہے۔ اور دوسرے ذرائع کوئی واضح مدت نہیں بتاتے۔

79- Lewis کا EI_2 مضمون "عباسیہ" ملاحظہ ہو۔

80- طبری ج3 ص 28 و بعد۔ جہشیاری: الوزرا ص 86 و اگلے صفحے یعقوبی ج2 ص 245 و بعد۔ مسعودی: مروج ج3۔ ص 255 و اگلے صفحے۔

81- طبری ج3 ص 22 و اگلے صفحے۔ یعقوبی ج2 ص 350 لکھتا ہے کہ ابو

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

العباس نے بخار کیوجہ سے کوئی بات نہیں کی۔ مسعودی: مروج ج3 ص 255 تقریر کا صرف دو سطروں میں خلاصہ دیتا ہے۔

82- البتہ داؤد کی تقریر کا بہت سے مؤرخوں نے ذکر کیا ہے خاص طور پر طبری ج3 ص 31 و اگلے ص۔ یعقوبی ج2 ص 350۔ مسعودی: مروج ج3 ص 256 لیکن یہ بھی تقریر کے خاص نکات کا تذکرہ کرتا ہے۔

83- طبری ج3 ص 60 و بعد' یعقوبی ج2 ص 352 و بعد' مسعودی: مروج ج 3 ص 270۔ ابن خلکان ج2 ص 196۔

84- طبری ج3 ص 58 و اگلے ص مسعودی حوالہ محولہ بالا۔

85- Lawis کا EI[2] مضمون "عباسیہ"

86- طبری ج3 ص 58 و بعد و 85' مقریزی: النزاع ص 52۔

87- یعقوبی ج2 ص 369۔ مسعودی: مروج ج3 ص 295۔ طبری ج3 ص 151 و اگلے ص۔

88- طبری ج3 ص 149' و اگلے ص۔

89- طبری ج3 ص 199۔ ابو الفرج: مقاتل ص 277 و اگلے ص۔

90- طبری ج3 ص 200۔

91- ابو الفرج: مقاتل ص 291 و اگلے ص۔

92- طبری ج3 ص 248۔ 252۔ 254۔ ابو الفرج: مقاتل ص 248' 271 شہرستانی: ملل ج1 ص 156۔

93- طبری ج3 ص 291 تا 300۔ ناموں اور ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے ابو الفرج: مقاتل ص 360 و 365 و اگلے ص۔

94- ابو الفرج: مقاتل ص 365 و اگلے ص۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

95- ایضاً ص 344 و اگلے ص۔

96- بغدادی: فرق ص 36 و اگلے ص۔

97- راوندیہ کا نام اس فرقہ کو دیا گیا جس کا خیال تھا کہ ابو ہاشم نے امامت محمد بن علی (عباسی) کے سپرد کر دی تھی۔ ملاحظہ ہو Origins of Ismailism: Lewis ص 28۔

98- خود منصور ایک کنیز کی اولاد تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ سفاح سے بڑا ہونے کے باوجود ابراہیم الامام نے اسے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔

99- مبرد: کامل ج 4 ص 114 و بعد' طبری ج 3 ص 209 و اگلے صفحے۔ ابن طقطقہ: الفخری ص 225 و اگلے صفحے۔

100- طبری ج 3 ص 189۔

101- یعنی فاطمہ ابو طالب کی والدہ۔ فاطمہ حضرت علیؑ کی والدہ۔ فاطمہ حضور نبی کریمؐ کی دختر۔ فاطمہ بنت الحسین عبد اللہ المحض کی والدہ۔ ھند بنت ابی عبیدہ جو خاندان عبد المطلب سے تھیں النفس الزکیہ کی والدہ۔ ملاحظہ ہو۔ ابو الفرج: مقاتل ص 202۔ منصور نے چونکہ خود ایک کنیز کی اولاد تھا اس لئے اس نے عورتوں کے ذریعہ سے نسل کے تفاخر کو اچھی نظر سے نہ دیکھا۔

102- قراں سورہ 33 آیت 40۔

103- طبری ج 3 ص 211 و اگلے صفحے۔ مبرد: کامل ج 4 ص 106 و اگلے صفحے۔

104- طبری ج 3 ص 200۔

105- خطیب الغدادی: تاریخ بغداد ج 13 ص 380۔ ابو الفرج: مقاتل ص 366 و اگلے صفحے۔ 365 و اگلے ص۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

106۔ خطیب البغدادی: تاریخ بغداد ج13 ص 422۔ شہرستانی۔ ملل ج1 ص 158 ابو الفرج: مقاتل ص 367 و 368۔ زور دے کر کہتا ہے کہ ابو حنفیہ کو خلیفہ کے حکم سے زہر دیا گیا۔

107۔ طبری ج3 ص 426 ملاحظہ ہو Arnold: The Caliphate ص 51 اور اسی اصول پر بعد کے خلفائے بنی عباس نے زور دیا۔ ملاحظہ ہو طبری ج3 ص 1565۔

108۔ طبری ج3 ص 426۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب یازدھم

عقیدہ امامت

خانوادہ علی مرتضیٰؑ سے تعلق رکھنے والے عہدہ امامت کے لئے سرگرم عمل دعوے داروں کو کس طرح کچلا گیا' اس بات کو تفصیل سے سابقہ باب میں بیان کیا گیا' یعنی کسی طرح ان کی مقبول عام تحریکیں یکے بعد دیگرے منہدم ہوئیں اور بنی عباس مذہب اور ریاست دونوں پر اپنے بلا شرکت غیرے اقتدار کو مضبوطی سے قائم کرنے میں بالآخر کامیاب ہوئے۔ جذب و ضم کر لینے کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا اور بہت سے متحارب و متضاد نظریات کو' جو ایسی متعدد جماعتوں کی ترجمانی کر رہے تھے۔ جو مذہبی تھے مگر سیاسی رنگ لئے ہوئے یا سیاسی تھیں مگر مذہبی رنگ لئے ہوئے' رفتہ رفتہ ان کو حکومت کی طاقت و

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اختیارات کے ماتحت ایسے شیرازے میں لپیٹا جانے لگا جو جماعت کے نام سے مشہور ہوا اور جسے خلافت عباسیہ کی حمایت کرنے کے لئے اور خلافت کو اس کی حمایت کرنے کے لئے وجود میں لایا جا رہا تھا۔

حالات کی اس ترتیب و تقویم میں امام جعفر صادقؑ کی اہم ذمہ داری یہ تھی کہ وہ شیعہ مکتب فکر کے بنیادی و اصولی مطمح نظر کو ایک طرف تو نئے ابھرتے ہوئے نظام میں مدغم ہونے سے بچائیں اور دوسری طرف اندرون تشیع' انتہا پسندانہ' حصول خلافت میں سرگرم رجحانات کی تطہیر کریں۔ پس وہ حالات و احوال جن میں امامت حضرت امام جعفر صادقؑ واقع ہوئی تھی' ان کو ایک ایسا عجیب موقع فراہم کر رہے تھے کہ وہ خلافت موروثی کے اصول مستحکم و مشرح کریں جو موقع ان سے پہلے ان کے آباؤ اجداد کو میسر نہیں ہوا تھا۔ تصور و فرائض امامت کے ابتدائی خدوخال پہلے ہی حضرت علی مرتضیٰؑ کے خطبات سے' امام حسنؑ کے معاویہ کے نام مکتوبات سے اور شیعان کوفہ و بصرہ کے نام امام حسینؑ کی خط و کتابت سے متعارف ہو چکے تھے' جن کا تذکرہ ہم گزشتہ ابواب میں کر چکے ہیں۔ تاہم امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جناب رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اپنے خاندان میں موروثی امامت کا تصور اور اس کے فرائض ملت اسلامیہ کی مذہبی و روحانی ہدایت کی حد تک امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ نے منضبط کر دیئے تھے۔ اب منظر عام سے دوسرے تمام مقابل مکاتب فکر کے محو ہو جانے کے بعد امام جعفر صادقؑ کو تدبیر احوال کے لئے بہتر حیثیت حاصل تھی اور یہ ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ عقیدہ امامت کی شرح کریں اور اس کو ایک مخصوص ہیئت میں سامنے لائیں۔

اس سعی جمیل کے سلسلے میں جعفر صادقؑ نے دو بنیادی اصولوں پر انتہائی زور دیا۔ پہلا اصول نص کا تھا یعنی منصب امامت وہ اختیار خاص ہے جو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خانوادہ پیغمبر اسلامؐ میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے منتخب افراد کو عطا ہوتا ہے اور ہر فرد اپنے انتقال سے قبل اور خدا کی ہدایت کے مطابق ایک واضح تقرر (نص) کے ذریعہ اس امامت کو دوسرے فرد میں منتقل کرتا ہے۔ لہٰذا اس نص کی سند پر امامت تمام سیاسی نشیب و فراز کے دوران اولاد علیؑ و فاطمہؑ میں سے کسی خاص فرد کے لئے مخصوص ہے چاہے وہ اقتدار مادی کا دعویٰ دار ہو یا نہ ہو۔ پس لازم ہے کہ نص کی بنیاد پر امامت کا منتقل ہونا اس وقت تک ناتمام و بے معنی ہوگا جب تک ذات علی مرتضیٰؑ تک اس کی تحقیق نہ کی جائے، جن کو یہ عہدہ امامت خود پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے بہ نفس نفیس تفویض کیا جانا چاہیئے تھا اور پھر بہ دست پیغمبر اسلامؐ کی اجرائے نص حضرت علیؑ سے حضرت امام حسنؑ تک آیا ان سے حضرت امام حسینؑ تک آیا اور پھر نہایت پابندی سے نسل امام حسینؑ میں رہا حتیٰ کہ متواتر نص کے ذریعہ امام جعفر صادقؑ تک پہنچا۔ اسی نظریہ سے جس کا ہم عنقریب جائزہ لیں گے، امام جعفر صادق کی امامت باقی دعویٰ داران امامت سے ممیز و ممتاز ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے پہلے کسی سابقہ امام سے کسی نص کا استحقاق پیش نہیں کیا۔ زید ابن علی زین العابدینؑ نے ایسی کسی واضح نص کا جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کی طرف سے حضرت علیؑ کے حق میں ہوئی ہو یا ان کی طرف سے حضرت علیؑ کی تقرری یا نامزدگی کا ہی انکار کر دیا[12]، یا یہ کہ کسی سابق امام کی طرف سے آئندہ ہونے والے امام کی تقرری یا نامزدگی ہوئی ہو۔ اسی طرح محمد نفس الزکیہ یا ان کے بھائی ابراہیم نے کبھی سابقہ مستند شخصیت سے اصولی نص کا سہارا نہیں لیا۔ اس کے برعکس بقول اشعری[13] کے اصول نص روافض کا امتیازی وصف تھا،[14] برخلاف زید کے طرف داروں یا ان کے بعد میں آنے والے نفس الزکیہ کے طرف داروں کے۔ اشعری کی یہ رائے خود اثنا عشری مورخین کی اپنی متفقہ حکایات کے عین

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اس طرح ان تمام اختیار و استناد کا حامل کیا ہو' جو ہر قسم کے مذہبی امور میں دین داروں کی راہ نمائی کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم عنقریب دیکھیں گے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی روایات میں مخصوص "علم" کی بات کا اہم قرار دیا جانا جو آئمہ اہل بیتؑ کو حاصل تھا' اس دور کے حالات و میلانات کا ایک لازمی و منطقی نتیجہ اور ایک ضروری جواب تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب احادیث نبویؐ پر ایک وسیع و عریض تحقیق ہو رہی تھی اور اسلامی پاک و پاکیزہ زندگی کے پورے نظام کو استوار کرنے کے لئے زبردست جدوجہد کی جا رہی تھی اور آخر یہ کوششیں پورے نظام قانون شریعت کی ترتیب کی صورت میں بار آور ہوئیں۔ یہ امام مالک ابن انس اور امام ابو حنیفہ کا دور تھا جو بطور امام فقہ مدینہ و کوفہ کے اپنے مراکز میں قواعد و ضوابط اسلامی کے اپنے اپنے طرز فکر کی تشکیل میں مصروف تھے۔ امام جعفر صادقؑ جو نسل رسول پاکؐ سے تھے اور اپنی اور اپنے خانوادے کی امور دین میں علمیت کے لئے شہرہ آفاق تھے' عام ملک و ملت کی نظر میں کم از کم ایک امام فقہی ضرور تسلیم کئے جاتے تھے اور امام مالک و امام ابو حنیفہ کی طرح اس مناسب تفصیل قواعد کو استوار کر رہے تھے کہ کس طرح کوئی پارسا و متقی انسان اپنے تزکیہ نفس کے مراحل کو جو اسے درپیش ہوں طے کر سکے۔ امام جعفر صادقؑ سنی روایات میں ایک حد تک' جیسا کہ ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں' امام ابو حنیفہ کے استاد ظاہر کئے گئے ہیں۔ لیکن سنی مسلمانوں کی نظر میں جو مرتبہ امام مالک یا امام ابو حنیفہ کا تھا' اہل بیت رسولؐ کے معتقدین کی نظر میں امام جعفر صادقؑ کا مرتبہ اس کے برعکس تھا' یعنی ان مسائل فقہ کے سلسلے میں منصوص من اللہ امام ہونے کی وجہ سے وہ ایک مخصوص استناد و اختیار کے مالک تھے۔ اہل تشیع کی نظر میں ان معاملات شریعہ میں زمین خدا پر ان کا فیصلہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خانوادہ پیغمبر اسلامؐ میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے منتخب افراد کو عطا ہوتا ہے اور ہر فرد اپنے انتقال سے قبل اور خدا کی ہدایت کے مطابق ایک واضح تقرر (نص) کے ذریعہ اس امامت کو دوسرے فرد میں منتقل کرتا ہے۔ لہٰذا اس نص کی سند پر امامت تمام سیاسی نشیب و فراز کے دوران اولاد علیؑ و فاطمہؑ میں سے کسی خاص فرد کے لئے مخصوص ہے چاہے وہ اقتدار مادی کا دعوٰی دار ہو یا نہ ہو۔ پس لازم ہے کہ نص کی بنیاد پر امامت کا منتقل ہونا اس وقت تک ناتمام و بے معنی ہوگا جب تک ذات علی مرتضیٰؑ تک اس کی تحقیق نہ کی جائے، جن کو یہ عہدہ امامت خود پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے بہ نفس نفیس تفویض کیا جانا چاہیئے تھا اور پھر بہ دست پیغمبر اسلامؐ کی اجرائے نص حضرت علیؑ سے حضرت امام حسنؑ تک آیا ان سے حضرت امام حسینؑ تک آیا اور پھر نہایت پابندی سے نسل امام حسینؑ میں رہا، حتیٰ کہ متواتر نص کے ذریعہ امام جعفر صادقؑ تک پہنچا۔ اسی نظریہ سے جس کا ہم عنقریب جائزہ لیں گے، امام جعفر صادق کی امامت باقی دعوٰی داران امامت سے ممیّز و ممتاز ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے پہلے کسی سابقہ امام سے کسی نص کا استحقاق پیش نہیں کیا۔ زید ابن علی زین العابدینؑ نے ایسی کسی واضح نص کا جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کی طرف سے حضرت علیؑ کے حق میں ہوئی ہو یا ان کی طرف سے حضرت علیؑ کی تقرری یا نامزدگی کا ہی انکار کر دیا[1]، یا یہ کہ کسی سابق امام کی طرف سے آئندہ ہونے والے امام کی تقرری یا نامزدگی ہوئی ہو۔ اسی طرح محمد نفس الزکیہ یا ان کے بھائی ابراہیم نے کبھی سابقہ مستند شخصیت سے اصولی نص کا سہارا نہیں لیا۔ اس کے برعکس بقول اشعری[2] کے اصول نص روافض کا امتیازی وصف تھا،[3] برخلاف زید کے طرف داروں یا ان کے بعد میں آنے والے نفس الزکیہ کے طرف داروں کے۔ اشعری کی یہ رائے خود اثنا عشری مورخین کی اپنی متفقہ حکایات کے عین

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

مطابق ہے جیسے کہ نو بختی، سعد الاشعری، کشی اور حضرت امام محمد باقرؑ کے مقلدین کی رائے جو ان کو زید کے مقابلے میں اصول نص پر واحد موروثی علوی مستند شخصیت قرار دیتے تھے، حالانکہ عقیدہ نص ان کے زمانے میں ابھی پوری طرح سے اہتمام وضاحت کو نہ پہنچا تھا۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی روایات کا حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی روایات کے ساتھ تقابل اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نص کی بنیاد پر قائم ہونے والی امامت کے عقیدہ کی تشریحات پر زیادہ سے زیادہ موثر و واضح انداز اختیار کرتے چلے گئے۔ اس کے بعد ان دونوں آئمہؑ کے عقیدت مندوں کے رویہ کا تقابل ظاہر کرتا ہے کہ وہ امام جعفر صادقؑ کو اصول نص کی بنیاد پر امام تسلیم کرنے پر مائل ہو چکے تھے۔ یہ بات کوفہ کے شیعوں کی ایک جماعت کے اس اقدام سے واضح ہو جاتی ہے جو امام محمد باقرؑ کی وفات کے بعد کچھ دیر تک زید شہید کے عقیدت مند رہے پھر جلد ہی ان کو ترک کر دیا اور امام جعفر صادقؑ کے پیروکار بن گئے، جن کو وہ امام محمد باقرؑ کے دعاوی کا ترجمان سمجھنے لگے[۴] Hodgson نے Strothmann کی یہ رائے پیش کی ہے کہ "شیعان کوفہ کے زید کو چھوڑ کر امام جعفر صادقؑ کی طرف چلے جانے کا واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ وراثت کے ذریعہ آئمہ کے سلسلے کا نظریہ پہلے ہی قبول کر چکے تھے۔"[۵] بذریعہ نص امام بننے کا نظریہ اتنا مروج طریقہ کار تسلیم کیا جا چکا تھا کہ امام جعفر صادقؑ نے تو امام محمد باقرؑ سے میراث امامت کا دعویٰ کیا ہی بلکہ اور دوسرے غالی شیعہ (غلاۃ۔ کوفہ کے انتہا پسند شیعہ جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا) جیسے بیان، ابو منصور اور مغیرہ وغیرہ[۶] امام محمد باقرؑ سے میراث امامت حاصل کرنے کا دعویٰ کر بیٹھے اور کچھ عارضی کامیابی بھی حاصل کر گئے اور ہمارے ذرائع تاریخ میں اس موضوع پر لاتعداد حوالے ملتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے متواتر ایسے جنونیوں کی تنقیص فرمائی اور اپنے عقیدت مندوں کی تنبیہہ کی کہ ایسے افراد کی روایات یا اقوال کو ہرگز تسلیم نہ کریں۔

دوسرا بنیادی اصول جو عقیدہ امامت کا جزو ہے، علم ہے، جس کی وضاحت اور تاکید امام جعفر صادقؑ نے فرمائی ہے۔ اس اعتبار سے امام وہ ہے جو علم دین کے ایک مخصوص معیار کا خدا سے براہ راست مستعفیض و مالک ہوتا ہے اور یہ علم آئندہ ہونے والے امام، کو پہلے امام کے انتقال سے قبل ہی منتقل ہو سکتا ہے۔ اس طرح اپنے دور کا امام امور دین کے علم کا بلا شرکت غیرے مستند واحد ذریعہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی اس کی ہدایت کے بغیر صراط مستقیم پر قائم نہیں رہ سکتا۔[۵۵] یہ علم خاص قرآن پاک کے باطنی اور ظاہری دونوں علوم پر مشتمل ہے۔[۵۶] موضوع امامت پر امام محمد باقرؑ سے مروی روایات اور زیادہ تر امام جعفر صادقؑ سے مروی روایات کا کوئی بھی تحقیقی تجزیہ اس حقیقت کو واضح کر دے گا کہ یہ روایات نص اور علم کے ان ہی دو اصولوں پر مبنی ہیں، جو محض ایک دوسرے سے منسلک و ملحق ہی نہیں ہیں بلکہ مذہبی قیادت کے ایک ایسے تصور واحد میں پوری طرح مخلوط و مشترک ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ پس نص کا مطلب درحقیقت مذہب کے متعلق ایک مخصوص علم کا منتقل کرنا ہے، جو حضرت علیؑ کی نسل میں خداوند تعالی کے پسندیدہ و منتخب آئمہ اہل بیتؑ کے لئے بالتخصیص و بالتوارث مرکوز ہو گیا ہے اور جو علم کہ ایک امام سے اس کے جانشین تک اس منتخب خاندان میں صرف ایک ورثہ کے طور پر منتقل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا معتقدان امام جعفر صادقؑ کی نگاہ میں ان کا دعوی صرف یہ نہ تھا کہ وہ محض امام تھے، جن کے لئے خاندان علی مرتضیٰؑ کا فرد ہونا ضروری ہے، بلکہ یہ تھا کہ نسل رسول پاکؐ سے وہ مخصوص انسان ہیں جن کو ان کے والد بزرگوار نے نامزد کیا ہو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اس طرح ان تمام اختیار و استناد کا حامل کیا ہو' جو ہر قسم کے مذہبی امور میں دین داروں کی راہ نمائی کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم عنقریب دیکھیں گے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی روایات میں مخصوص "علم" کی بات کا اہم قرار دیا جانا جو آئمہ اہل بیتؑ کو حاصل تھا' اس دور کے حالات و میلانات کا ایک لازمی و منطقی نتیجہ اور ایک ضروری جواب تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب احادیث نبویؐ پر ایک وسیع و عریض تحقیق ہو رہی تھی اور اسلامی پاک و پاکیزہ زندگی کے پورے نظام کو استوار کرنے کے لئے زبردست جدوجہد کی جا رہی تھی اور آخر یہ کوششیں پورے نظام قانون شریعت کی ترتیب کی صورت میں بار آور ہوئیں۔ یہ امام مالک ابن انس اور امام ابو حنیفہ کا دور تھا جو بطور امام فقہ مدینہ و کوفہ کے اپنے مراکز میں قواعد و ضوابط اسلامی کے اپنے اپنے طرز فکر کی تشکیل میں مصروف تھے۔ امام جعفر صادقؑ جو نسل رسول پاکؐ سے تھے اور اپنی اور اپنے خانوادے کی امور دین میں علمیت کے لئے شہرہ آفاق تھے' عام ملک و ملت کی نظر میں کم از کم ایک امام فقہی ضرور تسلیم کئے جاتے تھے اور امام مالک و امام ابو حنیفہ کی طرح اس مناسب تفصیل قواعد کو استوار کر رہے تھے کہ کس طرح کوئی پارسا و متقی انسان اپنے تزکیہ نفس کے مراحل کو جو اسے درپیش ہوں طے کر سکے۔ امام جعفر صادقؑ سنی روایات میں ایک حد تک' جیسا کہ ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں' امام ابو حنیفہ کے استاد ظاہر کئے گئے ہیں۔ لیکن سنی مسلمانوں کی نظر میں جو مرتبہ امام مالک یا امام ابو حنیفہ کا تھا' اہل بیت رسولؐ کے معتقدین کی نظر میں امام جعفر صادقؑ کا مرتبہ اس کے برعکس تھا' یعنی ان مسائل فقہ کے سلسلے میں منصوص من اللہ امام ہونے کی وجہ سے وہ ایک مخصوص استناد و اختیار کے مالک تھے۔ اہل تشیع کی نظر میں ان معاملات شریعہ میں زمین خدا پر ان کا فیصلہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آخری فیصلہ تھا جب کہ باقی دوسرے امامان فقہ، جیسا کہ مسلمہ بھی تھا، اپنے کسی بھی مقلد سے زیادہ قانونی اختیار و استناد کے مالک نہ تھے۔[9]

"یہ حق استناد اپنے والد سے علم حاصل کرنے پر ابتداً اتنا مبنی نہ تھا جتنا کہ اس علم کے بااختیار استعمال پر مبنی تھا جو موجودہ امام اس علم کے استعمال کو اپنی رائے کے مطابق کر سکتا تھا دوسرے الفاظ میں اس کو معاملات طے کرنے کا موروثی اختیار حاصل تھا۔ جیسا کہ کوئی بھی حاکم اس وقت مقتدر ہے جب کسی بھی قانونی معاملہ میں فیصلہ دینے کا اختیار اسے حاصل ہو۔ اسی طرح امام کا دعویٰ استحقاق کہ اختیار و اقتدار فیصلہ بالکل ان کا ہے۔ دراصل قانونی اور اپنی مخصوص حیثیت میں کل مذہبی امور پر آخری مقتدر شخصیت ہونے کے دعویٰ پر بھی مبنی تھا۔ البتہ اس قسم کا دعویٰ بہت سے اذہان میں بڑی آسانی سے امام کے معجزانہ علم کے مالک ہونے کے خیال میں تبدیل ہو سکتا تھا۔ لیکن کسی بھی امام میں جب اختیار حقیقتاً مقتدر نہ ہو بلکہ "علم" اصولی طور پر بنیاد اقتدار ہو، جو اس کے فیصلوں کا راہ نما ہو تو پھر اس علم کو ایک مخصوص تقدس حاصل ہو گا اور ایک امام سے دوسرے امام تک ورثہ میں ملنے والی ودیعت خاص ہو گا۔ لہٰذا امام پاکیزہ زندگی گزارنے میں مدد دینے والے واحد مستند ذریعہ علم کی حیثیت سے وہ شخصیت بن جاتی ہے جو نہایت اہمیت کی حامل ہو گی۔ چاہے وہ ظاہر حاکم ہو یا نہ ہو۔"[10]

امامت کے اس تصور کی روشنی میں جو "نص اور علم" سے متعلق ہے اور جیسا کہ توضیحات امام جعفر صادقؑ سے واضح ہے، ہمارے لئے یہ سمجھنا چنداں مشکل نہیں ہے کہ کیوں امام جعفر صادقؑ اقتدار کی اس رسہ کشی سے بالکل لاتعلق رہے جو ان کے دور امامت میں رونما ہوئی۔ ان کے نظریہ امامت کی رو سے کسی منصوص من اللہ امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خروج کرے یا علم بغاوت بلند کرے اور حاکم بننے کی کوشش کرے۔ ان کے مطابق منصب امامت سریر سلطنت سے بلند تر ہے۔ بادشاہ وقت کو تو صرف ان فیصلوں پر عمل کرنا ہوتا ہے جو امام وقت بطور حاکم دین کے صادر فرماتا ہے۔ اور یہی وہ بنیاد تھی جس پر امام جعفر صادقؑ نے زید شہید کے دعویٰ امامت کے وقت کوئی احتجاج نہ کیا بلکہ شیعان کوفہ کے ایک وفد کے سامنے زید شہید کی صلاحیتوں کی توصیف فرمائی البتہ آپؑ نے فضیل بن رسان سے فرمایا کہ اگر زید بادشاہ بھی بن جاتے تو وہ اپنے فرائض سلطنت سے پوری طرح سبک دوش نہ ہو پاتے۔[11] اس طرح انہوں نے یہ کہنا چاہا کہ زید کو صرف سیاسی اقتدار کا حق حاصل تھا۔ آپؑ نے اسی طرح کے کلمات اس وقت بھی ارشاد فرمائے جب محمد نفس الزکیہ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ امام جعفر صادقؑ نے ملت اسلامیہ کی مذہبی قیادت کے سلسلہ میں امام حسنؑ کی اولاد کے لئے ہر طرح کے استحقاق کو پر زور الفاظ میں رد کر دیا۔[12] جن سے امام حسینؑ نے ورثہ امامت پایا اور جو پھر ان کی نسل میں ہی برقرار رہی تھی۔

اس سلسلہ میں جتنی بھی روایات ہیں ان سب کے مطابق امام محمد باقرؑ نے امام جعفر صادقؑ کو کئی حیثیتوں سے امام نامزد کیا۔ انہوں نے ان کو اپنے دور کے کل انسانوں میں بزرگ ترین شخصیت اور "آل محمدؐ" کا سرپرست قرار دیا، کتابیں، مکتوبات اور پیغمبر اسلامؐ کے ہتھیار جو ان کے پاس تھے، امام جعفر صادقؑ کے سپرد فرمائے۔[13] یہ ملفوظات مقدسہ جن میں مخصوص علم دین تحریر تھا اور پیغمبر اسلامؐ کے ہتھیار وغیرہ صرف امام برحق کے قبضہ میں دیئے جا سکتے تھے، جو سابقہ امام کی طرف سے بذریعہ نص مقرر ہوا ہو۔ لہٰذا ان تبرکات کے اپنے قبضہ میں ہونے کا اعلان فرماتے ہوئے امام جعفر صادقؑ نے محمد نفس الزکیہ کے استحقاق کی تردید کی جو شمشیر رسالت مابؐ کے اپنے پاس ہونے کا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دعویٰ کرتے تھے۔[14] چاہے یہ خاندانی خزینے امام جعفر صادقؑ کے قبضہ میں تھے یا حسنی دعوی داروں کے قبضہ میں، حقیقت یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ملت اسلامیہ کی روحانی قیادت کا خود دعویٰ کیا اور انہی اصولوں کی بنیاد پر کیا، جن پر امام محمد باقرؑ نے کیا تھا، یعنی اصول نص پر۔

امام جعفر صادقؑ نے وضاحت فرمائی کہ امامت باپ سے بیٹے کو وصیت میں ملتی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ فرزند اکبر ہی کو ملے "جیسے داؤدؑ نے اپنی نسل میں سے سلیمان کا انتخاب کیا تھا" اسی طرح امام اس بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کرتا ہے جو اس منصب کا اہل سمجھا جائے۔ پاس امام جعفر صادقؑ اپنے فرزند اکبر اسمٰعیل کے تقرر کی تنسیخ کر سکتے تھے جو ان کی زندگی ہی میں وفات پا گئے اپنے چھوٹے فرزند عبد اللہ کو بھی نظرانداز کر سکتے تھے اور انہوں نے اپنے تیسرے فرزند موسیٰ کاظمؑ کو نامزد فرمایا۔[15]

منصب امامت کی وضاحت کرتے ہوئے امام جعفر صادقؑ نے نہایت قطعی و غیر مبہم الفاظ میں متعدد بیانات صادر فرمائے اور اعلان فرمایا کہ امامت خدا و بندگان خدا کے درمیان ایک میثاق مقدس ہے اور ہر دین دار پر امامت کو تسلیم کرنا فرض اولین ہے۔[16] جو بھی اپنے زمانے کے امام کو پہچانے اور تسلیم کئے بغیر مر گیا کافر کی موت مر گیا (کافر مرا)[17] آئمہ' اللہ کی زمین پر اس کی حجت ہیں۔ ان کے الفاظ اور ان کا حکم خدا کا حکم ہوتا ہے' ان کا اتباع خدا کا اتباع ہے اور ان کی نافرمانی خداوند تعالیٰ کی نافرمانی ہے اپنے تمام فیصلوں میں وہ خدا سے الہام پاتے ہیں اور وہ صاحب امر خدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا "ان کی اطاعت کا خدا نے حکم فرمایا ہے"

یایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم (النساء آیت 59)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اے ایماندارو خدا کی اطاعت کرو' اور رسول کی اور جو تم میں سے (رسولؐ نبی کی طرح) صاحبان حکم ہوں۔ ان کی اطاعت کرو۔[18]

امام جعفر صادقؑ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ امام وقت انسانوں پر گواہ ہوتا ہے اللہ تک رسائی کا دروازہ ہوتا ہے (باب اللہ)' اس تک پہنچنے کی راہ (سبیل) ہوتا ہے' خدا کی دلیل و برھان ہوتا ہے اس کے علم کا خزینہ ہوتا ہے اور ترجمان و حئی الٰہی ہوتا ہے۔ امام وقت' توحید الٰہی کا ستون ہوتا ہے' امام معصوم عن الخطا ہوتا ہے' اغلاط (ضلال) سے پاک ہوتا ہے۔ آئمہ وہ ہیں جن سے "خداوند تعالیٰ نے ہر قسم کی ناپاکی کو دور کر دیا ہے اور ان کو انتہائی پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔"

انما یریداللہ لیزھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا

اے (پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) کمزوری سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔ قرآن سورۃ ۳۳ آیت ۳۳) وہ قوت اعجاز و کرامات کے مالک ہوتے ہیں اور اللہ کی براہین قاطع (دلائل) ہوتے ہیں وہ باشندگان ارض کی حفاظت کے لئے ہیں' جس طرح ستارے باشندگان سماوات کی حفاظت کے لئے ہیں۔ ان کی مثال انسانوں میں سفینہ نوحؑ کی ہے' جو اس میں سوار ہوتا ہے نجات پاتا ہے اور در توبہ تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے۔[19] ایک اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آئمہ کو تمام دنیا پر روحانی اقتدار عطا فرمایا ہے جو کبھی بھی اس قسم کے راہبر سے خالی نہیں ہوتی ہے۔ اگر صرف دو آدمی اس کرہ ارض پر رہ جائیں تو ان میں سے ایک امام ہو گا یعنی اس کی راہنمائی از بس ضروری ہے۔"[20]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام جعفر صادقؑ کی توضیحات کی رو سے فی الحقیقت دو امام ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں، اصلی یا حقیقی امام جو امام ناطق ہوتا ہے اور اس کا وارث و جانشین فرزند جو اپنے باپ کی زندگی میں خاموش ہوتا ہے (صامت)[21] امام صامت اپنی رفیع الشان منزلات سے اپنے باپ کے وصال تک باخبر نہیں ہوتا۔ کیونکہ صرف اسی وقت اسے صحف خداوندی اور اسرار و رموز مذہب تفویض کئے جاتے ہیں جب بھی باپ کا انتقال ہوتا ہے۔ اس کا امام فرزند فوراً اس کا جانشین ہو جاتا ہے اور بنی نوع انسان پر "حجت خدا" بن جاتا ہے۔[22]

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے اپنے استحقاق امامت کو اصول نص کے مطابق ثابت کرنے کے لئے یہ بات منطقی و بدیہی تھی کہ ملت کی روحانی قیادت کے لئے سب سے پہلے علی مرتضیٰؑ کے حقوق کی بطور پیغمبر اسلامؐ کے خدا کی طرف سے پسند کئے ہوئے وصی کے زیادہ سے زیادہ اہمیت کا احساس دلایا جائے اور یہ کوئی نئی بات بھی نہ تھی۔ علی مرتضیٰؑ خود پیغمبر اسلامؐ کی وفات سے لے کر اپنی شہادت تک کے عرصہ میں بار بار اپنے استحقاق کو پیش کر چکے تھے اور اس کے بعد امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ، اور امام محمد باقرؑ نے وصایت و نیابت پیغمبر اسلامؐ کے سلسلہ میں علی مرتضیٰؑ کے حقوق و فضیلت کو بیان کرنے میں کبھی بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔ امام جعفر صادقؑ کو اپنے آباء و اجداد کے مقابلے میں چونکہ زیادہ بہتر حالات میسر تھے، اس لئے انہوں نے نظریات و معیارات کی، جن کے ابتدائی خدوخال کا پہلے ہی ان کے اسلاف تعارف کرا چکے تھے، زیادہ تشریح و تنظیم فرمائی۔ پس انہوں نے جیسا کہ بلاشبہ ان کے والد گرامی قدرؑ ان سے قبل ثبوت فراہم کر چکے تھے بے شمار اقتباسات پیش کئے، جو ان کی تاویلات کی رو سے علی مرتضیٰؑ کے حق امامت کو ثابت کرتے تھے۔ یہ بے شمار آیات جن کے

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حوالے شیعہ مورخین[23] نے دیئے ہیں، وہ ہیں، جن کو تمام مسلمانوں نے "آیات المتشابہات" میں تسلیم کیا ہے یعنی غیر واضح آیات جو محتاج تاویل ہیں۔ بمقابلہ آیات المحکمات کے یعنی وہ واضح و مضبوط آیات جن میں تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں وارد ہوا ہے:

هو الذی انزل علیک الکتب منه ایت محکمات هن ام الکتب و اخر متشبهات---- وما یعلم تاویله الا الله والرسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا (آل عمران آیت 7)

وہ (خدا) وہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس میں بعض آیتیں تو محکم (بہت صریح) ہیں، وہی (عمل کرنے کے لئے) اصل (بنیاد) کتاب ہیں اور کچھ (آیتیں) متشابہ (گول گول جس کے معنی میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں)---- حالانکہ اللہ اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے مرتبہ پر فائز ہیں ان کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا۔[24]

امام جعفر صادقؑ کے دور امامت کی بات ہے جب ملت اسلامیہ کے مذہبی قائدین کی طرف سے ان متشابہات کی تشریح کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ چونکہ امام جعفر صادقؑ اپنی اصل و نسل کے اعتبار سے دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں تاویل کلام پاک کرنے کی بہتر صلاحیتوں کے مالک تھے، اس لئے یہ بات اہل بیت النبیؐ سے وابستہ ملت کے اس طبقہ کے لئے لازمی تھی کہ وہ امام جعفر صادقؑ کی تاویلات کو زیادہ قدر و قیمت دیں، بہ نسبت ان دوسرے افراد کی تشریحات کے، جنہوں نے دنیاوی کسب کے ذریعہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علم حاصل کیا ہو۔

نص کی ہی طرح "خاص علم دین" (علم) کا سرچشمہ بھی، جس کی ملکیت کا دعویٰ امام جعفر صادقؑ نے کیا، حضرت علی مرتضیٰؑ ہی کی ذات قرار دی جا سکتی ہے، جن سے یہ علم ایک امام سے دوسرے امام تک منتقل ہوتا رہا، حتیٰ کہ امام جعفر صادقؑ کے علم امامت میں آیا۔ پس امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کو خدا کا سب سے بڑا نام تفویض کیا اور علم رسالت سے متعلق احادیث (آثار النبوۃ) کو سپرد کیا۔[25] یہ ان بے شمار روایات میں سے ایک روایت ہے جو شیعہ مورخین نے قلم بند کی ہیں اور جو حضرت علیؑ کو نبی کریمؐ کے گرد حلقہ اصحاب میں غیر معمولی علم کے ساتھ ممیز و ممتاز کرتی ہیں۔ حضرت علیؑ کے اس بے مثال و لاثانی علم کی وسیع شہرت و ناموری کی کوئی نہ کوئی اصلیت و حقیقت ضرور ہو گی۔ نہ صرف شیعہ مورخین اور احادیث امام جعفر صادقؑ سے بلکہ اکثر سنی مورخین اور ان کی مستند جمع شدہ احادیث نبویؐ سے علی مرتضیٰؑ کے فاضل ترین علم[26] کے متعلق بے شمار روایات و احادیث کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے خلیفہ حضرت عمرؓ کو اکثر کہتے ہوئے سنا گیا کہ:

"اہل مدینہ میں علیؑ بہترین صاحب بصیرت ہیں اور قرآن کے اسرار و رموز کے سب سے عظیم نکتہ سنج ہیں۔"[27]

علی مرتضیٰؑ کے تبحر علمی کے متعلق سب سے نمائندہ حدیث جو تمام سنی مورخین نے قلم بند کی ہے غالباً وہ ہے جس میں سرکار دو عالمؐ نے فرمایا:

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔"[28]

سنی و شیعہ دونوں مورخین سے ہم تک پہنچنے والی اس بڑی شہادت کی روشنی میں اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ علی مرتضیٰؑ کو امور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مذہب کے غیر معمولی علم کا مالک تسلیم کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اس خانوادے کے موروثی آئمہؑ کے مخصوص استحقاق کے دعویٰ کا سرچشمہ اسی مخصوص علم کی وراثت تھا۔

امام جعفر صادقؑ کے نص اور مخصوص علم کی وراثت کی بنیاد پر دعویٰ امامت سے متعلق ایک برجستہ مگر مشکل مسئلہ اصطلاح اہل بیت کے مفہوم اور اطلاق کا سوال تھا۔ اگر ایک طرف تمام اولاد علی مرتضیٰؑ، بی بی فاطمتہ الزہراؑ کی نسل سے یا ان کے علاوہ اور بی بیوں کے بطن سے اس "مقدس خانوادہ" (اہل بیتؑ) کی رکنیت کی دعویٰ دار تھی، تو دوسری طرف بنی عباس ہاشم کی آل ہونے کی حیثیت سے اہل بیت کے خاص اختیار و حقوق کا دعویٰ کر رہے تھے اور اپنے مقلدین کی نظر میں خدا کے فیض یافتہ امام بلکہ مہدی کے طور پر محترم قرار دیئے جا رہے تھے۔ لہٰذا امام جعفر صادقؑ نے پیغمبر اسلامؐ کی ایک حدیث پر بہت زیادہ زور دیا جو قرآن کریم کی اس آیت کے وسیع معنی کو علیؑ و فاطمہؑ اور ان کی اولاد تک مخصوص و محدود کرتی تھی۔ جس میں اہل بیتؑ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ "جن سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور کر دیا گیا تھا۔" یہ حدیث "حدیث کساء کے نام سے یا حدیث اصحاب الکساء کے نام سے معروف ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

> "محمد عربیؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کو اپنی عبا (کساء) میں داخل کیا جب کہ آپؐ اپنی ام سلمیٰؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے اور فرمایا: ہر نبیؐ کا کنبہ اور خاندان (اہل) ہوتا ہے اور اس کے گھر والے (ثقل) ہوتے ہیں یا اللہ! یہ ہے میرا خاندان اور میرے گھر والے، جب ام سلمیٰؓ نے یہ سنا تو پوچھا: 'کیا میں آپؐ کے گھر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

والوں میں سے نہیں ہوں'؟ اس پر پیغمبر خداؐ نے جواب دیا "نہیں خدا تمہارا انجام بخیر کرے، صرف یہ جو اس کملی (کساء) کے اندر ہیں یہ ہیں میرے گھر والے اور میرا خاندان۔"[29]

یہ حدیث کافی طولانی ہے۔ لیکن غالباً اس کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جب افضل ملائکہ جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور انہوں نے کملی کے نیچے ان پانچ افراد کے لئے "آیہ تطہیر"[30] خدا کی طرف سے پہنچائی[31] اور جناب رسول مقبولؐ نے ان افراد کا جبرائیل امینؑ سے تعارف کرایا:

"اس کملی کے نیچے ہیں فاطمہؑ، ان کے شوہر علی مرتضیٰؑ اور ان کے دونوں فرزند حسنؑ اور حسینؑ"

یہاں یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں مرکز اہمیت علی مرتضیٰؑ نہیں بلکہ ذات فاطمۃ الزہراؑ شیعان ہیں جن کے حوالے سے رسول خداؐ علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ چاروں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ بے شک قبل از اسلام کا ادب، افراد کو ان کی ماؤں یا بیویوں کے حوالے سے تعارف کرانے کی مثالوں سے خالی نہیں ہے۔ البتہ بی بی فاطمۃ الزہراؑ کے مسئلہ میں ہم سابقہ باب میں یہ بات تحریر کر چکے ہیں کہ نفس الزکیہ نے منصور کو اپنے ایک خط میں حضرت بی بی فاطمہؑ سے اپنے تعلق کا خاص حوالہ دیا اور زیدیوں نے بھی بی بی سیدہؑ سے اپنے رشتہ کو از بس ضروری خیال کیا۔ جنہوں نے امامت کو ان علویوں تک محدود رکھنا چاہا جو بنی فاطمہؑ تھے۔ لیکن امام جعفر صادقؑ نے اپنی توضیحات میں اس نکتہ کی انتہائی اہمیت کو نمایاں کیا اور اس وضاحت نے موروثی آئمہ کے استحقاق کے سلسلے میں یقیناً بڑی طاقتور اور موثر حمایت پیدا کی اور آخر الامر جناب فاطمۃ الزہراؑ شیعان اثنا عشری نظر میں خاص طور پر ایک بہت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

محترم شخصیت تسلیم کی جانے لگیں۔

ان احادیث نبوی ؐ سے استشہاد کرتے ہوئے امام جعفر صادقؑ نے اپنے دور امامت ہی میں اپنے انداز فکر کے آئمہ کے لئے لفظ اہل بیتؑ کا وہ تقدس قائم کر دیا تھا' جس کا مفہوم صرف اولاد بی بی فاطمۃ الزھراؑ کے ان افراد میں ایک موروثی صفت کا وجود تھا' جن کو امام مقرر کیا گیا تھا اور اس طرح باقی تمام ہاشمیوں کے دعاوی کو' خواہ وہ علوی ہوں' یا عباسی رد کر دیا گیا۔ البتہ اس قسم کا موروثی دعویٰ استحقاق امامت جو نص اور مخصوص علم پر مبنی تھا جیسا کہ امام جعفر صادقؑ اور ان کے والد بزرگوار امام محمد باقرؑ نے واضح کیا تھا' عباسیوں کے ہاتھوں ایسے تمام دعویٰ داروں کے لئے سزا و عقوبت کا خطرہ پیدا کر رہا تھا۔ اس لئے کہ خود عباسی بھی ملت کی روحانی قیادت کے دعویٰ دار تھے' اس طرح مشہور عقیدہ تقیہ (پوشیدگی خیال) جس کی اہمیت پر امام جعفر صادقؑ نے زیادہ سے زیادہ زور دیا اور تقریباً اسے ایمان کی ایک شرط تک لے گئے معرض وجود میں آیا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ امام محمد باقرؑ سے قبل ایک بھی روایت کسی بھی امام سے مروی موضوع تقیہ پر موجود نہیں ہے' جو اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ عقیدۂ تقیہ سب سے پہلے انہوں نے پیش کیا اور امام جعفر صادقؑ نے اس کی مزید وضاحت کی اور دراصل یہ اس وقت کے حالات کا ضروری تقاضہ تھا' جس میں یہ دونوں آئمہؑ زندگی گزار رہے تھے اور اپنے مقلدین کے لئے اصول عقائد قائم کر رہے تھے۔ کوئی بھی انسان اس اصل بات کو بخوبی محسوس کر سکتا ہے کہ نظریہ تقیہ' ذات آئمہ میں ودیعت شدہ غیر معمولی علم کے نظریہ سے پوری طرح ہم آہنگ ہے جو علم کے چند ایک مخصوص منتخب افراد تک محدود تھا جنہوں نے اس مخصوص علم کو بذریعہ نص ورثہ میں پایا تھا۔ اس سلسلے میں قول امام جعفر صادقؑ ہے کہ:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"یہ امر (امامت اور مذہب کے باطنی معنی) علم مخفی (مستور) ہے اور ایک مقدس عہد (میثاق) کے ذریعہ سربستہ راز (مقنع) ہے اور جو کوئی اسے فاش کرے گا وہ خدا کی طرف سے مورد عتاب گردانا جائے گا۔"[32]

معلیٰ بن خنیس سے، جو کوفہ کا ایک انتہا پسند تھا اور جس کی امام نے مذمت فرمائی تھی، سے بات چیت کرتے ہوئے امامؑ نے فرمایا:

"ہمارے معاملہ کو راز رکھنا اور لوگوں میں اس کا ذکر نہ کرنا، کیونکہ جو بھی اس کو مخفی رکھے گا اور اس کا چرچا نہ کرے گا خدا اسے اس دنیا میں سرفراز کرے گا اور آخرت میں اس کی پیشانی میں نور بھر دے گا، اس کو خلد بریں کی راہ دکھائے گا۔ اے معلی! جو بھی ہمارے معاملے کو افشا کرے گا اور اسے مخفی نہ رکھے گا، خدا اسے اسی دنیا میں ذلیل و معتوب کرے گا اور آخرت میں اسے اندھا کر دے گا اور اسے ایسی ظلمت نصیب کرے گا جو اسے جہنم میں لے جائے گی۔ اے معلیٰ! یقیناً تقیہ میرے مذہب کا حصہ ہے اور میرے والد کے مذہب کا حصہ بھی ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی مذہب ہی نہیں ہے۔ اے معلیٰ! جتنا کھلے عام عبادت کرنا فرض ہے اتنا ہی پوشیدگی میں عبادت کرنا بھی فرض ہے۔ اے معلیٰ! جو ہمارے معاملات کو افشا کرے گا ایسا ہے جیسے اس نے ہمیں ماننے ہی سے انکار کر دیا۔"[33]

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مذہب کے باطنی اسرار معرفت' وہ ولایت الہیہ تھے جو خداوند تعالیٰ نے جبرئیل امینؑ کے سپرد کئے اور انہوں نے ان کو حضرت محمد مصطفیٰؐ تک پہنچایا۔ پیغمبر اسلامؐ نے ان کو علی مرتضیٰؑ کے حوالے کیا اور یہی آئمہ ہدیٰ کی میراث بنے' جو ان کو مخفی رکھنے کے پابند ہیں۔[34] لہٰذا مومنین کا فرض اولین ہوا کہ وہ اپنے معتقدات کو ان تک نہ پہنچائیں جو ان جیسے عقیدے نہیں رکھتے۔ اس طرح امام جعفر صادقؑ نے کیسانیوں پر مذہب سے غداری کا الزام عائد کیا' جب وہ عام انسانوں میں اس کے باطنی معتقدات کی تشہیر کرنے لگے:

"ہمارے اسرار معرفت اس وقت تک محفوظ رہے جب تک کہ ابنائے کیسان (ولد کیسان) کے ہاتھوں میں نہ آ گئے (مقلدین کیسان) اور وہ ان کو سڑکوں اور سواد کے قریوں میں عام کرنے لگے۔[35]

عقیدہ تقیہ کی نشوونما کا ایک محتاط جائزہ اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ وہ اس دور کے عام حالات کا ایک منطقی نتیجہ تھا اور اس خطرہ سے بچنے کی ایک ناگزیر صورت بھی تھا' جو کسی مخصوص قسم کے مذہبی یا سیاسی نظریات کی پیروی لاحق کرتی تھی۔ عوام میں یہ اعلان کہ بعض افراد منصوص من اللہ امام ہیں اور اس لئے واحد مفترض الطاعۃ شخصیت ہیں' خلفائے بنی عباس کے اختیار و اقتدار سے براہ راست مبارزہ تھا' جو یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ان کی ذات میں مادی و مذہبی اقتدار یک جا ہو گیا ہے۔ لہٰذا شیعہ مسلک فکر کو اس مشکل صورت حال میں خود کو محفوظ رکھنے کے لئے کچھ اپنا بندوبست کرنا لازم تھا۔ یہ کام عقیدہ اخفائے مسلک کے آغاز سے سرانجام دیا گیا۔ لیکن اس دور کے نمونہ عمل کے مطابق' جہاں انداز زندگی مذہبی نقطہ نظر سے جانچا جاتا تھا' اس عقیدہ کا کسی قرآنی اقتباس یا حوالہ حدیث سے' جو ایک سابقہ نمونہ یا نظیر کے طور پر پیش کیا جا سکے' مستنبط و ماخوذ ہونا ضروری تھا۔ امام جعفر صادقؑ کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مطابق حضرت یوسفؑ اور حضرت ابراہیمؑ تقیہ پر عمل پیرا ہوئے تھے جب انہوں نے حقیقت حال کو مخفی رکھنا مناسب سمجھا پہلے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی پر سرقہ کا الزام لگا کر اور حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے بیمار ہونے کا اظہار کیا۔[36] حضور رسالت ماب جناب محمد مصطفیؐ خود تقیہ پر عمل پیرا بتائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ آیت نازل ہوئی جس میں آپؐ کو اعلانیہ دعوت اسلام دینے کا حکم دیا گیا۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں:

اے رسولؐ جو آپؐ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دیں اور اگر آپؐ ایسا نہیں کرتے تو آپؐ نے خدا کا پیغام ہی نہیں پہنچایا اور اللہ آپؐ کو شریر انسانوں سے بچائے گا۔"[37]

ایک اور آیت جو عقیدہ تقیہ کو مستحکم کرنے کے لئے استعمال کی گئی اس طرح ہے:

"اور جو اللہ پر ایمان لانے کے بعد ایمان سے انکار کرتا ہے سوائے جبرو اکراہ کی حالت میں ہونے کے اور جس کا قلب و ضمیر اپنے ایمان میں مطمئن ہے۔"[38]

حضرت امام محمد باقرؑ کے عہد امامت میں شیعہ مسلک فکر میں عقیدہ تقیہ قائم ہو چکا تھا اور اس کے مبادیات کو آپؑ کی ذات سے منسوب کر سکتے ہیں، لیکن اس کے مکمل خدخال کو استوار کرنے کا کام اور اسے ایمان خالص کی ایک شرط واجب قرار دینا امام جعفر صادقؑ کے ذمہ ٹھہرا:

"احتیاط کرو اپنے مذہب کے سلسلے میں اور محفوظ رکھو (لفظی مفہوم ملفوف کرو) اسے تقیہ سے کیونکہ جس میں تقیہ نہیں اس میں دین (ایمان) نہیں۔"[39]

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Goldhizer عقیدہ تقیہ کی تاریخ کی چھان بین کرتے ہیں اور اس کو بطور ایک اصولی فکر کے، غیر اعلانیہ انداز میں محمد حنفیہ جیسے فرد کے زیر عمل بھی پاتے ہیں۔ گو کہ اس کی تحقیقات کی رو سے امام جعفر صادقؑ نے تقیہ کی مفصل شرح کی اور وقت کی سیاسی ضروریات کے تحت شیعہ مسلک فکر کے عقائد میں سے اسے ایک عقیدہ قرار دیا۔[40]

اس بات میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ عقیدہ تقیہ نے، جسے امام جعفر صادقؑ نے عقیدہ مذہب کا ایک ضروری جزو بنا دیا اہل تشیع کو نامساعد بلکہ معاندانہ سیاسی حالات میں اپنے ضابطہ عقائد کے برقرار رکھنے کے لئے ایک انتہائی مفید آلہ کار فراہم کیا۔ یہ بات شیخ صدوق کی کتاب "رسالتہ الاعتقادات" میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ایک اور روایت سے بھی ثابت ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں:

> "لوگوں (دشمنوں) سے ظاہری طور پر ملو جلو لیکن جب تک عنوان امیر المومنینؑ متنازعہ ہے، باطنی طور پر ان کی مخالفت کرو۔"[41]

ایک اور موقع پر جب زکریہ بن صادق نے امام جعفر صادقؑ کی موجودگی میں سابقہ آئمہؑ کے نام گنے اور امام محمد باقرؑ تک پہنچے تو امام جعفر صادقؑ نے ٹوک دیا اور ارشاد فرمایا: "تمہارے لئے یہی کافی ہے، خدا نے تمہاری زبان کی تصدیق فرمائی اور تمہارے قلب کی راہبری کی۔"[42]

ہم ان تمام روایات سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تقیہ کے حقیقی معنی دروغ گوئی یا کذب بیانی نہیں ہیں، جیسا کہ اکثر تصور کیا جاتا ہے، بلکہ دین خالص کا تحفظ ہے اور اس کے پیروکاروں کی بذریعہ اخفائے مسلک ایسے حالات میں حفاظت ہے جہاں قتل ہو جانے، پکڑے جانے یا تذلیل کا خطرہ ہو۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک اور اہم نکتہ ہے جس پر مختصراً کچھ کہنا ضروری ہے یہ ہے کہ روایات کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو ابتدائی شیعہ مجموعہ احادیث جیسے "الکافی" میں پائی جاتی ہے اور جو آئمہؑ کو مافوق الفطرت یا روحانی وجود بتاتی ہے۔ ان روایات کے ماخذ کیا تھے؟ اور خود آئمہؑ کس حد تک ان روایات کے ذمہ دار ہیں؟ یہ روایات' جیسا کہ بلاشبہ باقی تمام شیعہ روایات' کسی نہ کسی امامؑ کی سند یا حوالے سے بیان کی گئی ہیں اس موضوع پر تو خاص طور پر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے زیادہ تر بیان کی گئی ہیں۔ لیکن کیا ان روایات کے موجد یا مصنف خود یہی آئمہؑ تھے جو ان کی مافوق الفطرت نوعیت کو بیان کرتی ہیں اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ مدینہ میں مقیم تھے ان کے اکثر معتقدین کوفہ میں رہتے تھے۔ یہ حقیقت ہمیں ایک نہایت سنگین مسئلہ سے دو چار کرتی ہے۔ کوفہ ایک عرصہ سے غلو کرنے والوں' (غلاۃ) قیاس آرائیوں اور مختلف تحریکوں کا مرکز رہا تھا' چاہے عبداللہ ابن سبا'[43] جس سے تاریخ غلات کی ابتدا ہوتی ہے' کوئی حقیقی شخصیت تھی یا نہیں' سبائیہ[44] کا نام اکثر کوفہ میں غلات کے لئے استعمال ہوتا ہے' جو حضرت علیؑ کے مافوق الفطرت خصائل پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ مؤلفین جنہوں نے بدعتوں کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں' ان کے نزدیک عبد اللہ ابن سبا پہلا فرد ہے جس نے عقیدہ وقف کی تبلیغ کی (حضرت علی مرتضیٰؑ کی موت کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا) اور پہلا فرد ہے جس نے حضرت عثمانؓ سمیت باقی پہلے دو خلفا کی بھی مذمت کی۔[45] بغدادی کہتے ہیں کہ فرقہ سبائیہ دراصل جنوبی عرب کے سائبین پر مشتمل تھا جو زمانہ کے تمام نشیب و فراز سے مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کے دور تک محفوظ رہا اور اس کو "اقتدار میں لانے والوں" میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ھ[46]

غلات کی یہ ابتدائی جماعت کیسانیوں میں مدغم ہو گئی جو محمد حنفیہ کے مہدی ہونے پر ایمان رکھتے تھے اور ان کے فرزند ابوہاشم عبد اللہ کے مقلدین میں سے تھے۔ تاریخ غلات میں ابوہاشم کا انتقال ایک نقطہ انقلاب ثابت ہوا کیونکہ اس نے ایک ایسا شگاف ڈالا جس کے نتیجے میں وہ دو واضح جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت نے ابو ہاشم کے مختلف جانشینوں کی طرف داری کی اور ان کی غیبت و رجعت پر ایمان رکھا اور آخر کار ایران میں قیام کیا' جہاں بنی امیہ کے زوال کے وقت وہ خرمی انقلابی تحریک کی صورت میں نمودار ہوئے۔ دوسرے گروہ نے کیسانیوں کی سرگرمی کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ یہ لوگ کوفہ ہی میں رہے اور حسینی آئمہ کیساتھ کسی نہ کسی صورت منسلک ہو گئے۔ اس دوسری جماعت میں نمایاں افراد جو امام محمد باقرؑ کے معتقد بن گئے تھے اور اس کے بعد امام جعفر صادقؑ کے یہ ہیں' حمزہ بن عمارہ البریدی' بیان بن سمعان سعید النجدی' مغیرہ بن سعید العجلی اور ان کے ہم قبیلہ ابو منصور العجلی اور محمد بن ابی زینب' مقلاص بن ابی الخطاب۔ ان افراد کی انتہا پسند تعلیمات کا مختصر بیان بھی اس مقام پر حد سے زیادہ طوالت کا باعث ہو گا۔ البتہ اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ وہ آئمہؑ کو خدا کی انسانی شکل قرار دیتے تھے اور خدائی طاقت جو حضرت علیؑ میں مجسم ہو گئی تھی' غیر مرئی اشیا کو دیکھنے میں ان کی مدد کرتی تھی آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کرا سکتی تھی اور کافروں سے جدال و قتال میں مددگار تھی اور علی مرتضیٰؑ میں غیر مرئی عالم ملکوت کی قوت اس طرح تھی جیسے کسی دیوار کے طاق میں روشن چراغ اور نور خدا' علی مرتضیٰؑ میں ایسے تھا جیسے اس چراغ کا روشن جگمگاتا ہوا شعلہ۔ ھ[47] غلات اور ان کی تبلیغات کے سلسلے میں یہاں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ امام محمد باقرؑ سے لے کر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعد میں آنے والے باقی تمام آئمہؑ نے ان افراد پر ہمیشہ لعن طعن کی اور ان کے مقلدین کو متواتر تنبیہہ کی کہ ان لوگوں کی روایات کو قبول نہ کریں۔[48]
کشی، امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے مثال دیتے ہیں کہ مغیرہ پر امام محمد باقرؑ کی غلط ترجمانی کرنے کا الزام لگاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ کے لئے جتنا بھی غلو کیا گیا ہے سب مغیرہ کا پھیلایا ہوا تھا۔[49] درحقیقت امام جعفر صادقؑ اور ان کے بعد میں آنے والے تمام آئمہؑ نے ان غلات پر شدید لعن طعن کی ہے اور ان کی تبلیغات کی مذمت کرتے ہوئے غیر مبہم الفاظ استعمال کئے ہیں۔

البتہ کوفہ میں ایک اور سرگرم گروہ تھا جو امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے نقطہ نظر کی حمایت میں مصروف عمل تھا۔ ان افراد میں سب سے اہم ایسے لوگ تھے جیسے جابر بن یزید الجعفی[50] ابو حمزہ الثمالی[51] معاذ بن فراء النحوی۔[52] یہ افراد مدینہ میں ان آئمہؑ سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرتے تھے اور ان کو آئمہؑ کا اعتماد حاصل تھا۔ انہوں نے کوفہ کے باقی غلات سے اپنے تعلقات اور انداز فکر کو منقطع کر لیا۔ آئمہؑ کی طرفداری میں انہوں نے غلات سے اعتقادات پر بحث کی اور انہوں نے امامت کی نوعیت و منصب کے سلسلے میں ان لوگوں کے انتہا پسند عقائد کے خلاف تبلیغ کی۔ آئمہ اہل بیتؑ نے اعتقادات کا جو نظام قائم کیا اس کے یہ لوگ سختی سے پابند رہے۔ جب کہ غلات بڑے جارحانہ انداز میں اس نظام عقائد کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اس کے باوجود جب ہم جابر بن یزید اور اس گروہ میں شامل ان کے دوسرے رفقاء کی بیان کردہ روایات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ لوگ بھی غلات کے پھیلائے ہوئے بعض نظریات سے متاثر دکھائی دیتے ہیں، خاص طور پر بیان بن سمعان اور مغیرہ بن سعید کے پھیلائے ہوئے خیالات سے۔

شائد امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے معتقدین میں کوئی بھی اس

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طرح اپنے معتقدات بیان کرنے میں اتنا بے باک ہو جتنا کہ جابر بن یزید تھے۔ جابر کی بیان کردہ بے شمار روایات میں سے صرف ایک کا حوالہ یہاں کافی ہو گا جو غلات کی طرح ان کے میلانات فکر کی نشان دہی کرتی ہے۔ جابر روایات کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

"اے جابر! سب سے پہلے خداوند تعالیٰ نے جنہیں پیدا کیا وہ محمدؐ و آل محمدؑ تھے معنی میں ہدایت یافتہ بھی تھے اور ھادیان برحق بھی تھے۔ وہ خدا کے سامنے نور کا ایک ھیولا تھا۔ میں نے عرض کیا یہ شبیہیں یا ھیولے کیسے تھے؟ امام محمد باقرؑ نے فرمایا! نور کے سائے' بغیر روح کے منور اجسام۔ روح القدس سے پھر ان کو مضبوط و مستحکم کیا گیا جس کے ذریعہ محمدؐ و آل محمدؑ خدا کی عبادت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سب کو صابرین' صاحبان علم' جبلی پرہیز گاری سے سرفراز اور طاہرین پیدا کیا۔ وہ نماز' روزہ' رکوع و سجود سے' اللہ کے نام کی تسبیح و تحلیل سے اور اللہ اکبر کا ورد کرنے سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔"[53]

اگر ہم علی مرتضیٰؑ کی ذات میں نور خدا کے موجزن ہونے کے متعلق غلات کے نظریات کا' جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا' جابر کے ان بیانات سے تقابل کریں' جس میں وہ آئمہؑ کو "خدا کے نور کے سائے" "منور اجسام" قرار دیتے ہیں تو دونوں میں ایک مشترک فکری رجحان دکھائی دیتا ہے اور بعد میں آنے والے غلات کے ہم فکر گروہ غالبًا اسی وجہ سے جابر کو اپنا پہلا راہبر قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ابو الخطاب اور ان کے جانشینوں کے ان تاکیدی بیانات سے ثابت ہے جو جابر کو اپنا پیش رو مانتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جاتا ہے کہ ام

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الکتاب میں، امام محمد باقرؑ، جابر بن عبد اللہ انصاری اور جابر الجوفی کی تعلیمات مندرج ہیں۔[54] ایک اور مذہبی تصنیف رسالتہ الجوفی جس میں اسمعیلی عقائد کا بیان ہے، امام محمد باقرؑ کے حوالے سے جابر کی توضیحات پر مبنی ہے۔[55] بظاہر نہ تو ام الکتاب کے عقائد اور نہ رسالتہ الجوفی کے عقائد امام محمد باقرؑ کے خیالات کے ترجمانی کرتے ہیں اور غالباً جابر کی اپنی تعلیمات بھی اس میں بہت کم ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ ایک اہم بات ہے کہ جابر، ابو الخطاب کے بعد میں ہونے والے غلات کے روحانی باپ مانے جاتے تھے۔

تاہم اس کے باوجود کہ امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور ان کے بعد آنے والے باقی حسینی آئمہؑ کے غلو کو متواتر مطعون و مذموم قرار دیا پھر بھی ایسی بہت سی روایات، جس میں غلات کے نظریات موجود تھے، شیعہ کتب احادیث میں گھل مل گئیں۔ ان میں سے اکثر روایات جابر الجوفی سے مروی ہیں لیکن یہ معلوم کرنا کسی طرح ممکن نہیں کہ جابر خود ان روایات کے مصنف تھے یا بعد کے غلات نے ان روایات کو ان کے نام سے وابستہ کر دیا اور پھر امامیہ حلقوں میں ان کو پھیلا دیا۔ شیعہ اور سنی دونوں علوم احادیث میں کسی روایت کے اصل مفہوم پر بہت کم توجہ دی گئی عام طور پر کوئی بھی حدیث یا روایت اس کے بیان کرنے والوں کے قابل اعتماد ہونے یا قابل و ثوق ہونے کے مطابق رد و قبول کر لی جاتی تھی۔ شیعہ علم حدیث میں سب سے بہتر طریقہ کار یہ تھا کہ اگر کوئی فرد اپنے زمانے کے امام کا پر خلوص معتقد یا جاں نثار عقیدت مند ثابت ہوتا تو اس کی روایت قابل قبول سمجھی جاتی تھی۔ جابر باوجود اپنے کچھ کچھ غلوی نظریات و رجحانات اور مبالغوں کے، چاہے مصدق ہوں یا مصنوع اپنی تمام عمر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے وفادار رہے۔ جب محمد بن یعقوب کلینی نے (متوفی ۳۲۸/۹۳۹) شیعہ احادیث کی پہلی کتاب "الکافی فی علم

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الدین" ترتیب دی تو ان کا بنیادی مقصد ہر وہ حدیث یا روایت جمع کر لینا تھا جو کسی نہ کسی امام کے معتقد کی سند یا حوالے سے ان کو حاصل ہو رہی تھی۔ اس طرح بہت سی ایسی روایات جو آئمہؑ سے مافوق الفطرت یا ماورائے انسان خصوصیات کو وابستہ کر رہی تھیں اور جنہیں کوفہ کے نیم غلات حلقے پیش کر رہے تھے، شیعہ ادب میں جگہ پا گئیں۔

کافی میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے واضح طور پر اس بات سے انکار کیا ہے کہ وہ مافوق الفطرت قوتوں کے مالک تھے اور ان معجزات کے مبالغہ آرائی کو غیر اہم قرار دیا ہے، جو ان سے وابستہ کئے گئے تھے۔[56] لہٰذا یہ بات بعید از قیاس و گمان ہے کہ امام جعفر صادقؑ خود ان مبالغہ آمیز بیانات کے ذمہ دار ہیں، جو آئمہؑ کے مافوق الفطرت کردار کی نشان دہی کرتے ہیں اور جو ان کے نام سے کوفہ میں آئمہؑ کے نیم غلات معتقدین نے مشتہر کئے تھے۔ بے شک امام جعفر صادقؑ نے ان کوفیوں کو حلقہ مذہب سے خارج بھی قرار نہیں دیا جیسا کہ انہوں نے ابو الخطاب کے سلسلے میں کیا اور یا جیسا کہ امام محمد باقرؑ نے بیان، ابو منصور اور مغیرہ کے سلسلے میں کیا۔ خود کافی میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے ایسی بہت سی روایات موجود ہیں، جن میں انہوں نے اپنے موقف کا اعلانیہ ذکر فرمایا کہ وہ صرف خدا ترس انسان ہیں، جو باقی دوسروں سے صرف اس وجہ سے مختلف و ممیّز ہیں کہ پیغمبر خداؐ کے قریب ترین اعزہ ہیں اس طرح ان کے پیغام دین کے امین و نگہبان ہیں، خدا کے لئے اپنی عقیدت مندی کے حوالے سے، نص و علم کے مالک ہونے کی وجہ سے اور خدا کا مکمل علم رکھنے کی وجہ سے وہ اپنی زندگیوں کو خدا کی رضا و مشیت کی عین فرماں برداری میں گزار رہے ہیں۔[57] جہاں تک آئمہؑ کی مافوق الفطرت خصوصیات

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے متعلق روایات کا تعلق ہے غالباً امام جعفر صادقؑ کا خود اپنا وہ بیان سب سے زیادہ کاشف احوال اور فیصلہ کن ہے جس میں آپؑ نے وضاحت فرمائی کہ "جو کچھ کلام خدا کے مطابق ہے وہ تسلیم کرلو اور جو بھی اس کے خلاف ہے اسے رد کردو۔"[58] جب ہمارے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ امام جعفر صادقؑ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے زمانوں سے کم از کم ایک صدی قبل تھے تو یہ بات بہت اہم ہو جاتی ہے کہ دراصل کسی حدیث کے مستند ہونے کا یہ طریقہ کار قائم کرنے والے خود امام جعفر صادقؑ ہی ہیں۔ یہ طریقہ احادیث و روایات کے جانچنے کے لئے ایک بہت اہم اصول مانا گیا ہے۔[59]

اس کے علاوہ یہ کہ غلات اور نیم غلات حلقے آئمہؑ سے اپنے خیالات و معتقدات وابستہ کر رہے تھے اور یہ کہ آئمہ خود ان خیالات و بیانات کے ذمہ دار نہیں تھے، کشی کی ایک اور روایت سے مزید واضح ہو جاتا ہے کہ امام رضاؑ کے ایک مقلد نے ایک مرتبہ آپؑ کے سامنے کچھ ایسی احادیث پڑھیں، جو اس نے ان عراقیوں کی بیاضوں سے نقل کی تھیں، جنہوں نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے خود سن کر لکھی تھی تو امام علی رضاؑ نے ان روایات مستند ہونے کو بڑی سختی سے رد فرمایا اور اعلان فرمایا کہ ابو الخطاب اور اس کے پیروکاروں نے اپنے کذب و افترا کو ان بیاضوں میں سچ قرار دلوانے کے لئے ترکیب سازی کی ہے۔ اسی طرح کی اور بھی روایات سے اس سے قبل درج کی گئی ہیں، جن میں امام جعفر صادقؑ نے مغیرہ کو امام محمد باقرؑ کی غلط ترجمانی کرنے کا الزام دیا ہے۔[60]

ہم اب تک امام جعفر صادقؑ کے حلقہ ارادت میں انتہا پسند اور نیم انتہا پسند افراد اور آئمہؑ کی ذوات مقدسہ کے لئے ان کے مبالغہ آمیز دعووں پر گفتگو کرتے رہے ہیں، لیکن امام جعفر صادقؑ کے تمام کے تمام معتقدین اتنے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

متشدد نہیں تھے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد بالکل سیدھے سادے شیعوں ہی کی تھی۔ عام مسلمانوں سے ان کا فرق صرف یہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ کی ذات سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے اور بعد رسولؐ ملت اسلامیہ کی دینی و دنیوی قیادت کے مشترک منصب کے لئے علی مرتضیٰؑ کے بہترین فرد ہونے پر اعتقاد رکھتے تھے، پس یہ لوگ امامت کو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کا حق سمجھتے تھے، جو خدا کی طرف سے ان کو تفویض کی گئی تھی۔ شیعیت کے ان اولین نمائندوں کی بہترین مثال جو بعد میں اثنا عشری کہلانے لگے، عبد اللہ ابن یعفور ہیں جو کوفہ کے رہنے والے تھے، جنہوں نے اپنے دوسرے کوفی ساتھیوں مثلاً، معلیٰ بن خنیس سے اختلاف کیا، جن لوگوں کا دعویٰ تھا کہ آئمہؑ، رسول ہی ہوتے ہیں۔ ابن ابی یعفور نے ان کے اس موقف پر اعتراض کیا اور کہا کہ وہ صرف پاکباز، خدا ترس، عالمان دین شخصیات ہیں، جو ملت مسلمہ کو خدا کی راہ دکھانے کے کام پر مامور ہوتے ہیں۔[61] اپنے مذہبی اقوال و اعمال میں بااصول ہونے کی وجہ سے ابن ابی یعفور، امام جعفر صادقؑ کی نظر میں باعزت و پسندیدہ شخصیت کے مالک بن گئے[62] اور اعتدال پسند و روایت پسند حلقوں میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ لہٰذا امام جعفر صادقؑ کے زمانہ امامت میں ان کے انتقال پر اہل حدیث اور شیعوں کے طرف دار مرجئی حلقوں نے بھی ان کے جنازے میں شرکت کی۔[63]

امام جعفر صادقؑ کے معتقدین میں ایک اور جماعت بھی تھی جو معتزلہ کی طرح اپنے دور کے علمی و منطقی مسائل میں تحقیق کر رہی تھی اور یہ امام کی قیادت ہی کا ثبوت ہے کہ امامؑ کے گرد ایسے انسان جمع ہو گئے تھے جو ان دوسرے مسلمان مفکرین کی طرح علمی کاوش کر سکتے تھے۔ جو اپنے دور کے فلسفیانہ و مابعد الطبیعاتی مسائل غور و فکر کر رہے تھے۔ شیعہ مجتہدین کا یہ پہلا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گروہ جس پر عنقریب گفتگو ہو گی اور جو امام جعفر صادقؑ کی امامت کے گرد ایک علمی و عقلی حلقہ فراہم کر رہا تھا' بدعت نویس مورخین کے اپنے خلاف معاندانہ تذکروں تک میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اشعری ان میں خاص دلچسپی رکھتا ہے اور امام جعفر صادقؑ کے حلقہ عقیدت میں انتہا پسند و نیم انتہا پسند عناصر سے ان کو واضح طور پر علیحدہ تصور کرتا ہے اور یہاں یہ مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اشعری و بغدادی جیسے بدعت نویس افراد کے تاریخی مواد کا ایک قریبی جائزہ ہی ہمیں یہ جانچنے میں مدد دیتا ہے کہ شیعہ سنی مکاتیب فکر کے ارتقائی ادوار میں ایک دوسرے سے متحارب نظریات کیا تھے اور ایک دوسرے کے لئے قابل قبول خیالات کیا تھے۔ تاہم اس گروہ کے امامؑ کے ساتھ وابستہ ہو جانے سے شیعیت کے ارتقا کو اپنی بنیادوں پر استوار ہونے کے لئے کافی آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ حلقہ امام جعفر صادقؑ کے یہ محققین علم دین' بعد میں شیعہ متکلمین میں چیدہ ترین افراد تسلیم کئے گئے اور یہی ابتدائی شیعہ متکلمین جو مستقبل کے شیعان اثنا عشر کا محو قوت بنے' علم الکلام کے ایک باقاعدہ شعبہ سائنس بننے سے پیشتر مفکرین علم دین' محدثین اور قانون دان بھی تھے۔

اسی جماعت میں ابو الحسن بن اعیان بن سوسان کا ذکر سب سے پہلے ہونا چاہئے جو اپنی کنیت الزرارہ کے حوالے سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ کوفہ کے بنو شیبان کے ایک مولیٰ اور ایک یونانی راہب تھے' جو غلام تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔[۵۵] زرارہ پہلے تو زید بن علیؑ کے طرف داروں میں سے تھے' اس لئے کہ اپنے بھائی حمران بن اعیان اور الطیار کے ہمراہ الحکم بن عتیبہ کے مرید تھے جو زید بن زین العابدینؑ کے حامی اور ایک سرکردہ معتزلی راہنما تھے۔ یہ بات خود اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ معتزلہ اثرات کے تحت

jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

زرارہ نے نظری و فکری علم دین میں دلچسپی پیدا کرلی ہو گی۔ زرارہ اور ان کے دونوں بھائیوں نے بعد میں اپنی وفاداری تبدیلی کرلی اور امام محمد باقرؑ سے وابستہ ہو گئے۔ ایسا فیصلہ کرنے میں حمران سب سے مقدم تھے۔[65]

امام محمد باقرؑ کی شہادت کے بعد زرارہ امام جعفر صادقؑ کے قریب ترین معتقدین میں شمار ہوتے تھے' جو ان کا تذکرہ بہت اچھے الفاظ میں فرماتے تھے: "چار انسان میرے پسندیدہ و محبوب افراد ہیں' خواہ بقید حیات ہیں' یا انتقال کر چکے ہیں! برید بن معاویہ العجلی' زرارہ' محمد بن مسلم اور الاحال۔"[66] ابن ابی عمیر[67] کہا کرتے تھے کہ وہ' اور ان کے معاصرین زرارہ کے سامنے ایسے ہوتے تھے جیسے بچے استاد کے سامنے۔[68] ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے مقاصد کے لئے زرارہ کی پرجوش سرگرمیاں ان کو مشکلات بلکہ خطرات تک سے دوچار کرا دیتی تھیں۔ پس زرارہ کو مشکلات سے بچانے کے لئے حضرت امام جعفر صادقؑ نے اصول تقیہ استعمال کیا یعنی بظاہر ان سے لا تعلق ہو گئے بلکہ ان کو مطعون بھی کیا۔ اس اقدام کا جواز پیش کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ زرارہ کو بچانے کے لئے انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو حضرت خضرؑ نے ایک کشتی کو ڈبونے کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا تاکہ ایک ظالم بادشاہ اس کے مالکوں سے اس کشتی کو نہ ہتھیا لے۔[69]

زرارہ جو بہت کم مدینہ میں امام جعفر صادقؑ سے ملتے تھے یا مکہ میں ملاقات کر لیتے تھے' کوفہ کے رہنے والے تھے اور وہاں ان کا ایک وسیع حلقہ ارادت تھا گو کہ زرارہ بھی ایک محدث و راوی' قانون داں اور عالم علم دین مانے جاتے تھے' لیکن علم حدیث و کلام کے شعبہ میں انہوں نے زیادہ شہرت پائی۔ در حقیقت نظری و فکری علم دین کے شیعہ مکتب فکر کے صحیح معنوں میں بانی یہی زرارہ ہیں اور غالباً حلقہ امام جعفر صادقؑ میں سے علم کلام کے پہلے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معلم بھی ہیں۔[70]

زرارہ کے شاگردوں میں جو سب کے سب امام جعفر صادقؑ کے مخلص عقیدت مند تھے، ان کے اپنے بیٹے حسن،[71] حسین[72] اور عبید اللہ[73] ان کے بھائی حمران نحوی، امام محمد باقرؑ کے اولین اصحاب میں سے،[74] حمزہ بن حمران،[75] بکیر بن اعین[76] اور ان کا بیٹا عبد اللہ،[77] محمد بن الحکم،[78] حمید بن رباح،[79] محمد بن نعمان الاحول[80] اور ہشام بن سالم الجوالقی،[81] زرارہ کا حلقہ ارادت عموماً الزراریہ یا التمیمیہ کہلاتا تھا اور علم کلام کے شعبہ میں اس کی علمی کاوشیں، مقاصد امام جعفر صادقؑ اور اس کے بعد امام موسی کاظمؑ کے نقطہ نظر کی بہت زیادہ تقویت کا باعث بنیں۔[82]

علم دین اور علم کلام کے مسائل کے ساتھ ساتھ زرارہ اور ان کے مریدوں نے ایک ایسے نظریہ کی بنیاد رکھی، جس کے مطابق علم خدا (معرفت) کی تحصیل ہر ایمان لانے والے پر فرض ہے اور یہ کام خدا کی طرف سے مقرر کردہ امام کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ لہٰذا امام کا مکمل اتباع ایک مذہبی فریضہ ہے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے آئمہؑ کو ایک خاص علم عطا کیا گیا ہے۔ پس عام انسان جو کچھ عقل استدلالی (نظر) سے حاصل کرتے ہیں، امام اپنے خاص علم، اعلیٰ ترین اور بے مثال قوت استدلال سے پہلے ہی جانتا ہے۔ زرارہ اور ان کے حلقہ ارادت نے تقریباً ان تمام موضوعات پر، جنہیں آج ہم فلسفہ علم کلام کہتے ہیں، اپنے نظریات کا پرچار کیا، جیسے خداوند تعالیٰ کے اسمائے صفاتیہ، اس کی ذات مطلق، اس کا نظام عالم، اس کا زرارہ و مشیت اور انسان کی استعداد علمی۔[83] مختلف ذرائع تاریخ سے زرارہ کا جو تاثر ہم پر قائم ہوتا ہے خاص طور پر کشی کی تحریروں سے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے موروثی شیعیت کے نقطہ نظر کی نشوونما میں بہت اہم اور نمایاں کردار ادا کیا اور معتقدات امامیہ کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تشکیل میں بہت زیادہ کام کیا۔ شیعوں کی تقریباً تمام بڑی کتب میں بطور ایک مستند، ماہر علم دین ان کا تذکرہ اکثر و پیشتر پایا جاتا ہے۔

کوفہ کے ماہرین علم کلام میں ایک اور نمایاں شخصیت ابو جعفر محمد بن نعمان الاحول کی ہے، جنھوں نے مسئلہ امامت کو دوسرے بنیادی عقلی و نظری مسائل سے منسلک کر کے دیکھا۔ ان کے حلقہ ارادت کو مختلف بدعت نویس مورخین نے النعمانیہ کا نام دیا۔ انہوں نے امام جعفر صادقؑ کے تمام عقیدت مندوں میں منطق و مناظرہ میں اور تحصیل علم دین میں برتری حاصل کر کے نمایاں مقام حاصل کیا اور اس کے علاوہ حریفوں کے بحث و تمحیص میں اپنے جوابات کی ذہانت و برجستگی کی وجہ سے ممتاز شخصیت کے مالک ہوئے۔ الاحول جو ایک انتہائی باوفا شیعہ تھے ابتدا میں امام محمد باقرؑ کے نہایت عقیدت مند حامیوں میں سے تھے، زید کے مقابلے میں ان کے حقوق کا ہمیشہ دفاع کرتے تھے، اس کے بعد وہ امام جعفر صادقؑ کے اور پھر امام موسیٰ کاظمؑ کے نہایت پرجوش طرف دار ہو گئے۔

ان کی علمی و عقلی کاوشوں کا زیادہ حصہ جو شیعہ اغراض و مقاصد کو فروغ دینے میں کام آیا، امام جعفر صادقؑ کے دور امامت میں صرف ہوا۔ وہ امام جعفر صادقؑ کے انتہائی نمایاں اصحاب میں شمار ہوتے تھے اور امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے وقت امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کو فوراً تسلیم کرنے والوں میں پیش پیش تھے اور ایسا کرتے ہوئے انہوں نے امام جعفر صادقؑ کے کسی اور فرزند کے حق امامت کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا۔[84] ابو حنیفہ کے ساتھ بہت پرجوش مناظرے کرنے کے سلسلے میں مورخین نے ان کا اکثر ذکر کیا ہے، جن کو وہ ایک مرجعی ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے اور ابو حنیفہ بھی ان سے نفرت و حقارت سے پیش آتے تھے۔[85] الاحول کے متعلق

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بتایا گیا ہے کہ وہ موروثی آئمہؑ کے حقوق کو عقلی طور پر معقول سمجھتے ہوئے ان کے متعلق اپنے اعتقادات میں نہایت بے باک اور پر جوش تھے۔[86] موقف موروثیت کے ایک سرگرم حمایتی کے طور پر انہوں نے آئمہؑ کے مکمل اتباع کے اصول کی خدا کی طرف سے مقرر کردہ ذمہ داری کے طور پر ہمیشہ پاس داری کی اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے ان کی صاحبان علم لدنی ہونے کو ہمیشہ تسلیم کیا۔ انہیں ایک بہت عظیم مصنف بھی بتایا گیا ہے اور مختلف مورخین نے ان کی بہت سی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تصانیف میں "کتاب الامامیہ" "کتاب الرد المعتزلہ فی امامتہ المفضول" اور بہت سے دوسرے رسائل شامل ہیں جو غالباً مناظرانہ نوعیت کے ہیں۔[87] مختلف کتب کے عنوانات جو ان سے وابستہ کئے گئے ہیں اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس دور کے شیعہ اور معتزلہ مفکرین کے درمیان موضوع امامت بڑے موضوعات میں شامل تھا۔ کشی نے ایسے بہت سے پر مناقشہ مناظروں کا ذکر کیا ہے جن میں الاحول حقوق امامت امام جعفر صادقؑ کے دفاع میں شریک ہوئے اور امام جعفر صادقؑ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: "الاحول خواہ زندہ ہوں یا زندہ نہ ہوں مجھے ہر صورت میں بہت عزیز ہیں۔"[88]

امام جعفر صادقؑ کے اس حلقہ اصحاب میں آپؑ کے ایک اور صف اول کے طرف دار ھشام بن سالم الجوالقی ہیں جو بچپن سے جرجان کے علاقے میں ایک غلام کے طور پر پلے بڑھے تھے اور بشر بن مروان کے مولیٰ بن گئے تھے۔ یہ بھی کوفہ میں رہتے تھے اور چارہ وغیرہ بیچ کر اپنی روزی کماتے تھے (اسی لئے ان کو "علاف" کہا جاتا تھا)۔ اپنے قریبی دوست الاحول کی طرح ان کا بھی ایک وسیع حلقہ ارادت تھا اور ذات و صفات خداوندی سے متعلق تمام موضوعات پر اپنے نظریات پیش کرتے تھے۔[89]

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام جعفر صادقؑ کے معتقدین میں غالباً سب سے بڑے شیعہ مفکر و محقق ابو محمد ہشام بن الحکم[90] اور علی بن اسمٰعیل المیثمی تھے۔[91] اول الذکر شروع میں جہم بن صفوان جبری کے مرید و مقلد تھے لیکن بعد میں عقائد شیعیت کی طرف آ گئے اور امام جعفر صادقؑ کے نہایت عقیدت مند پیروکار بن گئے۔ وہ اس وقت یقیناً نوجوان ہوں گے کیونکہ وہ امام علی رضاؑ کے زمانہ امامت تک زندہ رہے اور ان کے بہت ہی قریبی اصحاب میں سے ہوئے۔[92]

امام جعفر صادقؑ کے زمانہ امامت کے ان پانچ اہم مفکرین نے ذات خداوندی کے موضوع پر اور دوسرے عقلی و نظری عنوانات پر جو نظریات پیش کئے اتنے تفصیل طلب ہیں کہ یہاں ان کا جائزہ ممکن نہیں ہے۔

ہمارا اس وقت تعلق ان کی ان خدمات سے ہے جو انہوں نے نظریہ امامت کے لئے سرانجام دی ہیں، جس کو انہوں نے عقلی و نظری نوعیت کے ایک بنیادی اصول سے منسلک کر دیا تھا۔ ایک عجیب و غریب حقیقت یہ ہے کہ باوجودیکہ یہ پانچوں مفکرین، اکثر عنوانات پر ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں مگر امامت سے متعلق ان کے نظریات و تعلیمات تقریباً بالکل یکساں ہیں۔ اصول امامت پر ان کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو ایک نص جلی کے ذریعہ امام مقرر کیا تھا اور اسی طرح ان کے بعد ان کے فرزند امام حسنؑ اور امام حسینؑ امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہ تقرر اس اصول پر مبنی تھا کہ بنی نوع انسان کو صراط مستقیم پر رہنے کے لئے ایک امام کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ ایک فرد کو اپنے جسم کی حرکات و سکنات کو مربوط رکھنے اور راہ دکھانے کے لئے عقل و دانش کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہدایت انسان کے لئے اور اس کو بھٹکنے سے بچانے کے لئے امام کا معصوم عن الخطاء ہونا لازمی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ امام، جو مرتبہ میں رسولؐ سے کم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تر ہے' خدا کی طرف سے نزول وحی کا مستحق نہیں ہے۔ للذا چونکہ وہ خدا کی رحمت و برکت خاص کی وجہ سے ایک معصوم عن الخطاء راہ نما کے طور پر مقرر ہے اس کا اتباع خدا کا اتباع ہے اور اس کی نافرمانی کفر ہے۔[93]

جس وقت امام جعفر صادقؑ کے پیروکاروں میں سے بہت سے علم کلام کے ماہرین مذہب اپنے دور کے نظریہ و فکری مسائل کو حل کرنے میں مصروف تھے ان کے حلقہ ارادت میں ایسے بھی بہت سے افراد تھے جو اپنی مساعی کو قانون و فقہ کے مسائل پر مرکوز کر رہے تھے۔ یہ بات اس سے قبل مرکز توجہ بن چکی ہے کہ اس مرحلے پر فقیہہ و محدث میں حد امتیاز خاص طور پر اہل تشیع میں واضح طور پر قائم نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی ان کے متعلقہ مقاصد میں فرق ضرور تھا۔ ان میں سے بعض تو اصولی و اعتقادی نوعیت کی احادیث و روایات میں دلچسپی رکھتے تھے اور دوسرے وہ تھے جو ان روایات و احادیث میں کاوش کر رہے تھے۔ جو عملی مسائل سے متعلق تھیں' پس بہت سی وہ روایات جو فقہی معاملات سے متعلق تھیں۔ جمیل بن دراج' عبد اللہ بن مسکان' عبد اللہ بن بکیر' حماد بن عثمان' حماد بن عیسیٰ اور آبان بن عثمان کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔[94] یہ سب افراد امام جعفر صادقؑ کے قریبی حلقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان سب کو فقہی و قانونی روایات کے مستند راویوں کے طور پر اور امام جعفر صادقؑ کے مقلدین میں نمایاں فقہا کے طور پر تمام اثنا عشری مورخین نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے۔ کشی امام جعفر صادقؑ کے تمام مقلدین میں فقہی احادیث کی روایات پر' ان چھ کو سب سے مستند روای قرار دیتے ہیں۔ ان کے مستند و معتبر ہونے اور قانون و فقہ کے عظیم عالم ہونے پر تمام شیعہ محققین و مفکرین میں مکمل اتفاق رائے رہا ہے۔[95] کشی کے ان بیانات کی کلینی کی "الکافی" صدوق کی "من لایحضرہ الفقیہہ" اور طوسی کی "استبصار" اور

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"تہذیب الاحکام" کے مطالعہ سے تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ چاروں معیاری کتب (کتب اربعہ) اہل تشیع کے لئے وہی اہمیت رکھتی ہیں جو اہل سنت کی چھ احادیث کی اصولی کتابیں اہلسنّت کے لئے اہمیت رکھتی ہیں (صحاح ستہ)۔

امام جعفر صادقؑ کے زمانہ امامت کے ان فقہا کے ناموں کی فہرست میں جن کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے، آبان بن تغلب بن ریاح کا نام بھی شامل کرنا لازمی ہے[۹۶] جو ایک اہم اور ممتاز محدث اور فقیہ ہیں اور امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے صحابی رہ چکے ہیں۔ ۷۵۷ء/۱۴۰ھ میں ان کے انتقال پر امام جعفر صادقؑ کو کہتے ہوئے سنا گیا "میں چاہوں گا کہ میرے شیعہ آبان بن تغلب جیسے بن جائیں۔ میرے دل کو ان کی موت سے دکھ ہوا ہے۔"[۹۷]

آبان کا نام ایسی اکثر روایات میں ملتا ہے جو عملی نوعیت کی ہیں۔

یہ بات ملحوظ رکھنا اہم ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے حلقہ ارادت کے تقریباً یہ تمام محدث، فقیہہ، موروثی آئمہ، کی تین یا کم از کم دو نسلوں سے تو مسلسل مربوط رہے ہیں یا امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ، سے امام موسیٰ کاظمؑ سے، اور وہ بھی ہیں جو امام جعفر صادقؑ سے وابستہ ہوئے اور انہوں نے موروثی آئمہؑ کی امام علی رضاؑ تک خدمت کرنے کا شرف حاصل کیا۔

امام جعفر صادقؑ کی قیادت میں مذہبی تعلیم کے تمام بنیادی شعبوں میں علم حاصل کرنے والے مختلف افراد اور کام کرنے والی جماعتوں کی سرگرمیوں کے اس مختصر تبصرہ کے تحت ہم دو نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ اسلامی افکار اور اداروں کے اس تشکیلی دور میں افراد کی کارکردگی نے جو امام جعفر صادقؑ اور ان سے قبل کے آئمہ کی تعلیمات پر مبنی تھی، بعد کے اثنا عشری علماء فقہائے دین کی شیعیت کے عقائد اور قانونی نظام کی تشریحات کے لئے ایک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مضبوط و مستحکم اساس فراہم کی۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے افراد نے جو مذہبی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر کام کر رہے تھے، حضرت امام جعفر صادقؑ کی امامت کو اصول نص پر تسلیم کرتے ہوئے ان کے حلقہ بگوش ہونے کو پسند کر کے شیعیت کے امامیہ سلسلہ کو حوضہ اسلام میں اپنے ایک ممتاز و مخصوص طرز فکر پر گامزن کیا۔

مختلف ابتدائی شیعہ مورخین کے بیان کردہ بہت سے شیعہ معتقدات ہیں جیسے کہ کشی کے فراہم کردہ، جو امام جعفر صادقؑ کے زمانہ امامت کے دور میں امامیہ شیعوں کے عقائد پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے ایک عقیدہ جس کو امام جعفر صادقؑ کے سامنے عمر بن حریث نے بیان کیا، اس طرح ہے:

> "میں اپنا مذہب (دین) اور یہ کہ میرے کیا معتقدات ہیں، آپ کے سامنے بیان کرنا چاہوں گا تاکہ آپ میرے دین و ایمان کی توثیق فرما دیں۔ میرا دین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ اس کے رسول اور عبد ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ روز محشر کے آنے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ جو لوگ بھی قبروں میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ قیام نماز، ادائیگی زکواۃ اور ماہ رمضان میں روزے رکھنا فرض ہیں اور کعبتہ اللہ کا حج کرنا ان تمام انسانوں پر واجب ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔ میں پیغمبر خداؐ کے بعد ولایت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی تصدیق کرتا ہوں اور ولایت امام حسنؑ و امام حسینؑ اور ولایت علی ابن الحسین امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور ان کے بعد آپؑ کی ولایت کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپؑ سب امام ہیں۔ میں اس دین و مذہب پر زندگی گزار رہا ہوں اور اسی دین پر مروں گا اور یہی وہ دین ہے جس کے تحت میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔"

اتنا سننے کے بعد امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"قسم خدا کی لاریب، یہی میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے، جو خدا کی عبادت و اعلانیہ کرتے تھے۔ پس ڈرو خدا سے اور اپنی زبانوں کو روکو بھلائی کے علاوہ اور کچھ کہنے سے۔"[۹۸]

اس قسم کے بیانات کشی نے داؤد بن یونس اور خالد بن بجلی کے بھی تحریر کیے ہیں۔[۹۹] کل ارکان دین سے متعلق اثنا عشری عقائد کا تفصیلی بیان، چاہے بنیادی (اصول) چاہے غیر بنیادی (فروع)، شیخ ابن بابویہ القمی نے جو شیخ الصدوق (المتوفی ۹۹۲۔۹۹۱ء/۳۸۱ھ) کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ اپنے عقائد کی کتاب الموسوم بہ رسالتہ الاعتقادات میں فراہم کیا ہے۔ شیخ صدوقؒ کو تمام اثنا عشری شیعہ ہمہ گیر سطح پر اکابر علمائے دین میں تسلیم کرتے ہیں اور ان کے رسالہ کو جو قدیم ترین محفوظ و موجود دستاویز اصول عقائد ہے، اپنے عقائد کا سب سے مستند بیان تسلیم کرتے ہیں۔ ان شیعہ اصول عقائد کا معیاری سنی عقائد سے تقابل کرتے ہوئے جیسے فقہ اکبر اول، فقہ اکبر دوئم اور وصیات ابی حنیفہ، کوئی بھی فرد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ سوائے موضوع امامت کے سینوں اور شیعوں میں اختلافات اسی نوعیت کے ہیں جیسے اشعریہ اور معتزلہ کے درمیان ہیں۔ شیعہ نظریات اکثر عنوانات میں معتزلہ کے نظریات کے مشابہ ہیں جو یقیناً سنی اسلام کا جزو رہے ہیں، گو ان کے معقولیت پسند نظریات بعد میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جماعت نے رد کر دیئے تھے۔

اس بنیادی وحدت فکر کی بہترین تشریح موضوع قرآن سے ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں شیعہ عقیدہ جیسا کہ شیخ صدوق نے بیان فرمایا ہے' اس طرح ہے:

"قرآن پاک کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے' وحئی الٰہی ہے' جو اس نے نازل فرمائی ہے۔ اس کا کلام ہے۔ اس کی کتاب ہے۔ اس سے قبل (کوئی کتاب) یا اس کے بعد اس کو باطل نہیں کر سکتی (باطل اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا)۔ یہ حکمت و دانائی والے اور سزاوار حمد و ثنا کی بارگاہ سے نازل ہوئی ہے (قرآن سورۃ ۴۱ آیت ۴۲) اور ہمارا عقیدہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر اس کا خالق ہے' نازل کرنے والا ہے' مالک ہے' محافظ ہے اور منکشف کرنے والا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ قرآن جو خدا نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل فرمایا' وہی ہے جو صفتیں (بسم اللہ کی ب سے والناس کے س تک) کے درمیان ہے اور یہ وہی ہے جو عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس کے حجم سے بڑھتی نہیں ہے۔ اس کی سورتوں کی تعداد' جیسا کہ عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے' ۱۱۴ ہے۔"[100]

قرآن پاک کے موضوع پر جناب صدوقؒ کے اس بیان میں دو نکات قابل توجہ ہیں۔ پہلا یہ کہ شیعہ' معتزلہ کی طرح خلق قرآن میں ایمان رکھتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اشعریہ کا ایمان ہے اور اصول اعتبار سے سنی العقیدہ مسلمانوں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا مسلمہ ہے کہ قرآن غیر خلق شدہ اور دائمی ہے' شیعوں کے نزدیک یہ غلط ہے۔ دوسرا اور زیادہ اہم نکتہ یہ ہے کہ پورا متن قرآن جسے قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہے' جو لوگوں کے ہاتھوں میں ایک کتاب کی صورت میں موجود ہے' کل کا کل شیعوں کو تسلیم ہے' جیسے کہ اہل سنت کو تسلیم ہے' پس یہ کہنا کہ شیعہ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اس مقبول عوام قرآن میں قرآن کا ایک جزو شامل نہیں ہے' غلط الزام ہے۔

نہ تو ہم اس کتاب میں شیعوں کے اصول عقائد یا شیعہ نظام فقہ و نظام دین کے ارتقاء سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں' جو مختلف ادوار میں رفتہ رفتہ رونما ہوا اور جیسا کہ سنی اسلام کے سلسلہ میں بلاشک یونہی ہوا اور نہ اس کتاب کا مقصد امام جعفر صادقؑ کے بعد میں آنے والے چھ آئمہؑ کی کارکردگی پر گفتگو کرنا ہے' جن کے بعد شیعہ امامیہ' اثنا عشریہ یا بارہ اماموں کے ماننے والے کہلانے لگے۔ ہمارا مقصد صرف یہ رہا ہے کہ ہم ان مذہبی میلانات کے آغاز و ارتقا کی تحقیق کریں جن سے گزر کر بالآخر شیعہ باقی ملت اسلامیہ سے خود کو منفرد و ممیز قرار دینے لگے۔

اس تمام تفصیل کو ذہن میں رکھتے ہوئے' جو اس کتاب میں مندرج ہے اور ان افراد کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے جو امام جعفر صادقؑ کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے' ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ کی شہادت (۱۴۸ھ/۷۶۵ء) کے وقت تک امامیہ شیعہ اپنا ایک علیحدہ تشخص حاصل کر چکے تھے۔ علم دین کی بعض تفاصیل میں اور فقہی فیصلوں کے سلسلہ میں شیعہ و سنی کے درمیان حقیقی اختلافات اتنے اہم نہ تھے جتنا کہ وہ جذبہ اور روح عمل اہم تھی جو ان معمولی انحرافات کے پیچھے کارفرما تھی۔ یہ جذبہ اور روح جو اسلام کی تعبیر اور اسلام کے متعلق بنیادی انداز فکر میں اختلافات سے ابھر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رہی تھی، جیسا کہ باب اول میں گزارش کی گئی پیغمبر اسلامؐ کے بعد ملت اسلامیہ کی قیادت کے متعلق شیعہ نقطہ نظر کی صورت میں نمودار ہوئی۔ حوضہ اسلام میں شیعوں کو سینوں سے جو چیز ممیّز کرتی ہے وہ یہی منصوص من اللہ قیادت کا نقطہ نظر ہے۔ للہذا ان صفحات میں جس حقیقت پر ہماری توجہ مرکوز رہی ہے وہ اسی نقطہ نظر کا ظہور پذیر ہونا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حواشی و حوالہ جات — باب نمبر 11

1۔ ابن حزم کے موضوع پر ملاحظہ کیجئے Friedlander کا مضمون "The Hetrodoxies of the Sheites in the Presentation of Ibn Hazm" JAOS XXVIII (1907) ص 84

2۔ اشعری: مقالات الاسلامین تدوین Helmut Ritter (استنبول 1929) ص 16، 17۔

3۔ سنی بدعث نویس جس نام سے اثنا عشری شیعوں کا بیان کرتے ہیں۔ اس اصطلاح کے معانی اور استعمال سے متعلق ملاحظہ ہو Walt کا مضمون "Rafidites: A Preliminary Study" Oriens XVI (1963)

4۔ طبری ج2 ص 1700۔

5۔ Hodgson: کی کتاب "Hows Did the Early Shia become sectarian?" JAOS (1955) ص10

6۔ غلات کے ایسے دعووں کے سلسلہ میں نوبختی کی فراق ملاحظہ کیجئے ص 30، 25، 36، 39، 52 تا 55، سعد الاشعری: مقالات ص 33۔ 35۔ 37 شہر ستائی: ملل ج1 ص 178۔ 176۔ سعد الاشعری: مقالات ص 37 میں لکھتا ہے کہ بیان کا دعوی تھا کہ امامت ابو ہاشم کی وراثت ہے نہ کہ امام محمد باقرؑ کی۔

7۔ کلینی: کافی ج1 ص 208۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

8۔ ایضاً ج1 ص 261۔

9۔ Hodgson حوالہ محوالہ بالا ص 11۔

10۔ ایضاً۔

11۔ کشی: رجال ص 285۔

12۔ کلینی: کافی ج1 ص 274۔

13۔ کلینی: کافی ج1 ص 356۔

14۔ ایضاً ص 265 و بعد، کشی: رجال ص 427۔

15۔ کلینی: کافی ج1 ص 318۔

16۔ کلینی: کافی۔

17۔ ایضاً۔۔۔ ص 462۔

18۔ ایضاً ص 214 تا 220۔

19۔ کلینی: کافی ج1 ص 207 و اگلے صفحے۔

20۔ کلینی: کافی ج1 ص 205۔ 207 و 304 بعد۔

21۔ ایضاً ص 205۔

22۔ ایضاً۔

23۔ کلینی: کافی "کتاب الحج" (مسلسل) مفید: ارشاد ج1 ص 304، تا 313،۔

24۔ قرآن سورۃ 3 آیت 6۔

25۔ کلینی: کافی ج1 ص 262۔

26۔ Hand book of early Mohammadon tradition: Wednisk (لنڈن 1960) زیر عنوان "Ali"

27۔ ابن سعد ج2 ص 101۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

28۔ ایضاً۔

29۔ کلینی: کافی ج1 ص 330 و بعد۔

30۔ اور خدا تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے (ہر قسم کی) ناپاکی کو دور رکھے اے اہل بیت (نبوت) اور تمکو مکمل پاکیزہ کر دے۔"

31۔ ثعلبی: تفسیر ص 402۔

32۔ کلینی: کافی ج2 ص 488۔

33۔ ایضاً۔

34۔ ایضاً ص 487۔

35۔ ایضاً ص 486۔

36۔ کلینی: کافی ج1 ص 483۔

37۔ قرآن سورۃ 5 آیت 67۔

38۔ قرآن سورۃ 16 آیت 106۔

39۔ کلینی: کافی ج1 ص 483۔

40۔ "Das Prinzipder Takija im Islam" ص 213 تا ZDMG, Lx (1906) 220۔

41۔ صدوق: ص 110۔

42۔ کشی: رجال ص 419۔

43۔ ملاحظہ کیجئے EI 2 مضمون "عبد اللہ بن سبا"

44۔ سعد الاشعری: مقالات ص 20۔ نوبختی: فراق ص 22۔

45۔ سعد الاشعری حوالہ محولہ بالا۔ نوبختی حوالہ محولہ بالا۔

46۔ فرق۔ ص 32۔

47۔ کشی: رجال ص 296۔ شہرستانی: ملل ج1 ص 152۔ اشعری:

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقالات ص 6 تا 9۔

48۔ کشی: رجال ص 148 و مسلسل۔ نوبختی: فراق ص 34۔

49۔ کشی: رجال ص 223۔

50۔ سمعینی: انساب ص 113 ب۔ کشی: رجال ص 191 و اگلے صفحے۔
نجاشی: رجال ص 93 و بعد۔

51۔ باب 9 ملاحظہ کیجئے۔

52۔ حائری: منتہی۔ ص 220 و بعد۔ ابن ندیم: فہرست ص 66۔

53۔ کافی ج 1 ص 279۔

54۔ Iranow Kitab: Notes sur ummal (REI۔1932)

55۔ Salis hury E.E. Resala Arabic
Translation of an unpublished (ص 167 تا
JAOS (1853) (193

56۔ مثلاً کافی ص 365 و اگلے صفحے۔ کشی: رجال ص 324 و اگلے صفحے۔

57۔ مثلاً کافی ج 1 ص 308 و مسلسل۔

58۔ یعقوبی ج 2 ص 381۔ کشی: رجال ص 224۔

59۔ ملاحظہ کیجئے The Shiite Religion:Doneldson ص
135۔

60۔ کشی: رجال ص 224۔ Hodgson۔ حوالہ محولہ بالا ص 13۔

61۔ کشی: رجال ص 247۔

62۔ ایضاً۔

63۔ ایضاً۔

64۔ طوسی: فہرست۔ ص 141 و اگلے صفحے۔ حائری منتہی ص 135 و 136۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علامہ حلی: رجال ص 76

65۔ حائری: منتہی ص 120۔

66۔ کشی: رجال ص 135۔ طوسی: فہرست ص 146۔ حائری: منتہی ص 136۔

67۔ ابو احمد محمد بن ابی عمیر زیاد بن عیسیٰ جو ایک مشہور راوی ہیں حضرت موسیٰ کاظمؑ اور حضرت علی رضاؑ کے صحابی ہیں انہوں نے چار کتابیں لکھی ہیں۔ دیکھئے نجاشی ص 228 حائری: منتہی ص 254۔

68۔ کشی: رجال ص 135۔

69۔ کشی: رجال ص 138 اور خضر کے حوالے کے لئے ملاحظہ ہو قران سورۃ 18 آیت 71۔

70۔ ابن ندیم: فہرست ص 220۔ حائری: منتہی ص 136۔

71۔ حائری: منتہی ص 93۔ ابن ندیم حوالہ محولہ بالا۔

72۔ حائری: منتہی ص 110۔ ابن ندیم حوالہ محولہ بالا۔

73۔ حائری۔ منتہی ص 99۔۔ ابن ندیم۔ محولہ بالا۔ طوسی۔ فہرست ص 202 جسکو وہ عبید بن ضرارا کہتے ہیں۔

74۔ ابن ندیم حوالہ محولہ بالا۔ کشی: رجال ص 176۔

75۔ حائری: منتہی ص 131۔ طوسی: فہرست ص 117۔

76۔ کشی: رجال ص 181۔ حائری: منتہی ص 68 ابن ندیم: حوالہ محولہ بالا۔

77۔ طوسی: فہرست ص 188۔ حائری: منتہی ص 182۔ ابن ندیم۔ حوالہ محولہ بالا۔

78۔ ہشام بن الحکم کا ایک بھائی۔ ملاحظہ ہو حائری: منتہی ص 271۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

79۔ اشعری: مقالات ج1 ص 43۔

80۔ آخری دو کے لئے دیکھئے درج ذیل ص 307 و 308۔

81۔ اشعری: مقالات ج1 ص 28 بحوالہ ا تیمیہ۔

82۔ زرارا کی سرگرمیوں کا ایک تفصیلی تذکرہ اور اس کے ساتھیوں کی حرکتوں کا دیکھئے کشی: رجال ص 133۔ 161۔

83۔ مفصل بیان اشعری: مقالات ج2 ص 36۔ و بعد' میں دیکھئے۔ بغدادی0: فرق ص 43 شہرستانی: ملل ج1 ص 186۔

84۔ کشی: رجال ص 184 و اگلے صفحے۔ نجاشی: رجال ص 228۔ سعد الاشعری: مقالات ص 88۔ طوسی: فہرست ص 223۔ ابن ندیم: فہرست ص 176 حائری: منتہی حق 295۔ حلی: رجال ص 138۔

85۔ نجاشی: رجال ص 228۔ کشی: رجال ص 187۔

86۔ کشی: رجال ص 135 وبعد۔ ابن عبد الربیہ عقد ج2 ص 465

87۔ ابن ندیم: فہرست ص 176۔ نجاشی: رجال ص 228۔ شہرستانی ملل ج1 ص 187۔

88۔ کشی: رجال ص 185۔

89۔ کشی: رجال ص 280 و اگلے صفحے۔ نجاشی: رجال ص 305 طوسی: فہرست ص 354 حائری: منتہی ص 323 و 324 اس کے نظریات کے لئے ملاحظہ ہو اشعری: مقالات ج1 ص 34۔ بغدادی: فرق ص 139۔ شہرستانی: ملل ص 184 و بعد' فخرالدین رازی: اعتقادات ص 64۔ نوبختی فراق ص 66۔ ابن ندیم: فہرست ص 177۔

90۔ کندا کا ایک غلام جو کہ بنو شیبان کا ایک Client کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے اس قبیلہ سے وابستہ کر لیا تھا۔ ملاحظہ ہو کشی: رجال ص

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

475 و اگلے صفحے طوسی: فہرست ص 353۔ نجاشی: رجال ص 304۔ ابن ندیم: فہرست ص 175۔ حائری: منتی۔ ص 322 و اگلے صفحے۔

91۔ بنی اسد کا ایک غلام جو کہ بصرہ میں رہتا تھا جہاں وہ مقامی معتزلہ کے حلقوں میں اٹھا بیٹھا کرتا تھا جنہیں متکلمین کہا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو نجاشی ص 176۔ حائری: منتی ص 207 و 208۔ طوسی: فہرست ص 212۔ کشی: رجال ص 213۔

92۔ کشی: رجال ص 214۔

93۔ اشعری: مقالات ج 1 ص 48 اور اس کی فہرست مضامین۔ شہرستانی: ملل ج 1 ص 184 و اگلے صفحے۔ اور فہرست مضامین۔

94۔ کشی: رجال ص 375 اور ان کے سوانحی معلومات اور مفصل حالات پر دیکھئے کشی: رجال و فہرست مضامین نجاشی: رجال و فہرست مضامین۔ حائری۔ منتی جگہ بہ جگہ۔

95۔ کشی: رجال ص 375۔

96۔ کشی: رجال ص 330۔ حائری: منتی ص 17۔ نجاشی رجال: ص 7 تا 10 ذہبی: میزان ج 1 ص 4 و 5۔

97۔ کشی: رجال ص 330

98۔ کشی: رجال ص 418۔

99۔ کشی: رجال ص 419۔ و بعد۔

100۔ صدوق: Creed: ص 84 و بعد۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فہرست کتب

ان بنیادی ذرائع کو درج ذیل ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ مصنف' کتاب' مقام و تاریخ اشاعت و تدوین

الف: بنیادی ذرائع

ابو داؤد سلیمان ابن الاشعث سنن المصطفے قاہرہ تاریخ نامعلوم

ابو الفرج الصفہانی (1) کتاب الاغانی بیروت 1973

----- (2) مقاتل الطالبین تہران 1949

ابو المحاسن یوسف بن النجوم الظاہرہ قاہرہ 1929۔ فولیوز

ابو نعیم الاصبحانی حلیہ الاولیا قاہرہ 1933

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم کتاب الخراج قاہرہ 1933

علی المتقی کنز العمال حیدر آباد 1364ھ

العنبری ابو بکر محمد بن قاسم شرح القصاید السبا تدوین عبد السلام ہارون قاہرہ 1963

الاشعری ابو الحسن علی بن اسمٰعیل مقالات الاسلامین تدوین Helmut-Ritter استنبول 1929

الاشعری محمد بن یحییٰ بن ابی بکر التمہید و البیان فی مقتل الشہید عثمان تدوین محمود زید بیروت 1964

الاشعری سعد بن عبد اللہ القمی المقالات و الفراق تدوین محمد جواد مشکور تہران 1963

الازرقی محمد بن عبد اللہ اخبار مکہ تدوین رشدی الصالح مکہ 1352ھ

بغدادی ابو منصور عبد القاہر (1) الفرق بین الفراق تدوین الکوثری قاہرہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

1948
----- (2) اصول الدین استنبول 1928
البلاذری احمد بن یحیی بن جابر (1) انساب الاشراف ج1 تدوین محمد حمید اللہ قاھرہ 1955
----- ج4 الف۔ ب تدوین Max Scholessinger یروشلم 1971۔ 1938
----- ج 5 تدوین S.D.F.Goitein یروشلم 1936
----- (2) فتوح البلدان ترجمہ the Islamic States of Philipk. Hitte Origins of نیویارک
البیضاوی عبد اللہ بن عمر انوار التزیل تدوین Fleischer 1848۔ 1846
البیہقی محمد بن ابراہیم المحاسن و المساوی تدوین Friedrich Giessen Schwally 1920
البخاری محمد بن اسمٰعیل جامعہ الصحیح قاھرہ 1932
الامیری کمال الدین حیات الحیوان 1284ھ Bulaq
الذہبی ابو عبد اللہ محمد (1) تاریخ الاسلام قاھرہ 1367ھ
----- (2) تذکرۃ الحفاظ حیدر آباد 1333ھ
----- (3) میزان الاعتدال تاریخ نامعلوم
الدینوری ابو حنیفہ احمد بن داؤد کتاب الاخبار قاھرہ 1960
الدیار بکری حسین بن محمد تاریخ الخمیس قاھرہ 1309ھ
فرزدق دیوان تدوین عبد اللہ اسمٰعیل الساوی قاھرہ 1936
الحائری محمد بن اسمٰعیل منتہی المقال تہران 1302ھ
الحلی حسن بن یوسف (1) الباب الھادی عشر ترجمہ W.M. Miller لندن 1928

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ـــــــ (2) منہاج الکرامہ فی معرفتہ الامامہ تہران 1880

ـــــــ کشف الیقین فی فضائل امیرالمومنینؑ تہران 1880

ـــــــ (3) رجال تدوین محمد صادق نجف 1961

ابن عبدالبر کتاب الاستیعاب قاهره تاریخ نہ معلوم

ابن عبد الربیہ احمد بن محمد العقد الفرید تدوین احمد امین قاهره 1952ـ 1956

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ تدوین محمد ابوالفضل ابراہیم قاهره 1959

ابن عساکر علی بن الحسین (1) کذب المفتری دمشق 1347ھ

ـــــــ (2) التاریخ الکبیر دمشق 1347ھ

ابن الاثیر ابو الحسن علی بن کریم الکامل فی التاریخ بیروت 1975

ابن الاثیر علی بن محمد اسد الغابہ قاهره تاریخ نامعلوم

ابن درید محمد بن الحسن کتاب الاشتقاق تدوین Ferdinand 1858 Gottengen Wustenfeld

ابن الحبیب محمد بن حبیب کتاب المحبر تدوین Listen Stater حیدر آباد 1942

ابن حجر عسقلانی (1) لسان المیزان حیدر آباد 1329ھ

ـــــــ (2) تہذیب التہذیب حیدر آباد 1325ھ

ابن حجر احمد بن محمد صواعق المحرقہ تدوین عبد الوهاب قاهره 1375ھ

ابن حنبل احمد بن محمد المسند قاهره 1895

ابن حزم ابو محمد علی بن احمد الفصل فی الملل و النحل قاهره 1347ھ

ابن ہشام ابو محمد عبد الملک سیرت رسول اللہ تدوین مصطفےٰ سقا قاهره Alfried Guillaume Life of Muhammad ترجمہ 1936

ابن عماد الحنبلی شذرات الذہب قاهره۔ 1350

ابن الجوزی ابو فرج عبد الرحمٰن (1) کتاب صفوۃ صفوہ حیدر آباد 1355ھ

ـــــــ (2) تبلیس ابلیس قاهره 1340۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابن کثیر اسمٰعیل بن عمر (1) البدایہ والنہایہ قاہرہ 1932 فولیو۔
------ (2) تفسیر القرآن العظیم قاہرہ تاریخ نامعلوم
ابن خلدون عبد الرحمٰن (1) العباد قاہرہ 1867 فولیو
------ (2) المقدمہ تدوین علی عبد الواحد وفی ابن خلکان احمد بن محمد
وفیات الاعیان تدوین احسان عباسی بیروت 1972
ابن ندیم محمد بن اسحاق کتاب الفہرست تدوین
Gustor Flugel Leipzig 1971
ابن نشوان الحمیری حرالاعیان کمال مصطفےٰ قاہرہ 1948
ابن قتیبہ محمد بن عبد اللہ (1) عیون الاخبار قاہرہ 1925
------ (2) کتاب المعارف قاہرہ تاریخ نامعلوم
------ (3) الامامہ والسیاسہ (منسوب) قاہرہ 1957
ابن لبساغ نور الدین المالکی الفصول المہمہ فی معارفتہ الائمہ ایران 1886
ابن سعد محمد بن علی الفخری فی آداب السلطانیہ قاہرہ 1921
الجاحظ ابو عثمان عمر بن بحر (1) البیان و البیان مدیر عبد السلام ہارون قاہرہ
1960
------ (2) رسائل الجاحظ مدیر حسن سندوبی قاہرہ 1933
الجشیاری محمد بن عبدوس کتاب الوزرا والکتب قاہرہ 1938
الجیلانی عبد القادر غنیتہ الطالبین دہلی 1300ھ
الکلبی ہشام بن محمد کتاب الاصنام مدیر احمد زکی پاشا قاہرہ 1914
الکشی عمر بن محمد معرفت اخبار الرجال مشہد تاریخ نامعلوم
خلیفہ بن خیاط تاریخ مدیر سہیل ذکار قاہرہ 1967
الخطیب البغدادی تاریخ بغداد قاہرہ 1931
الخیاط عبد الرحیم کتاب الانتصار مدیر Nyberg بیروت 1957
الکلینی محمد بن یعقوب (1) الاصول الکافی کراچی 1965

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

-----(2) الفروع الکافی تہران 1890
الکمیت الحاشمیہ مدیر الصیدادی قاھرہ 1950
المقری ابوالاعلی الغفران رسالتہ قاھرہ 1950
المجلسی محمد باقر بحار الانوار ایران 1301-1315ھ
مالک بن انس الموطا قاھرہ 1862
المقریزی احمد بن علی التراع و التخاصم بین النبی امیہ و بنی ہاشم نجف 1368ھ
المسعودی علی بن حسین (1) مروج الذہب بیروت 1966
------(2) کتاب التبیہ و لاشراف لیڈن 1894
المنقری نصر بن مزاحم واقعات صفین قاھرہ 1365ھ
المبرد محمد بن یزید کتاب الکامل قاھرہ تاریخ نامعلوم
المفضل بن محمد مفضلیات
مدیر Charles James Lyall اکسفورڈ 1921
المفضل بن عمرا الجعفی کتاب الورا منسوب
المفید محمد بن محمد (1) آمالی نجف 1351ھ
-----(2) کتاب الارشاد تہران 1344
محمد الخطیب مشکوۃ المصابیح لکھنؤ 1924
مرتضے بن تبصرۃ العوام تہران 1313ھ
مسلم ابو الحسین الصحیح قاھرہ تاریخ نامعلوم
نابغہ الذبیانی دیوان مدیر شکری فیصل۔ بیروت 1968
النجاشی احمد بن علی کتاب الرجال تہران تاریخ نامعلوم
النسائی احمد بن شعیب السنن قاھرہ 1894
النوبختی حسن بن موسی فراق الشیعہ نجف 1959

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قاضی نعمان ابو حنیفه (1) شرح الاخبار دائم الاسلام

Soas MS No 25732 مدیر A.A.A.Fyzee قاہرہ 1951۔ 1961

الرازی فخر الدین (1) اعتقادات الفراق المسلمین و المشرقین قاہرہ 1338ھ

------ (2) مفاتیح الغیب قاہرہ تاریخ نامعلوم

صدوق شیخ ابن بابویہ (1) من لایحضر الفقیہ ایران 1342ھ

------ (2) رسالتہ الاعتقادات مترجم

A. Fyzee A Sheite Creed کلکتہ 1942

---- (3) عیون اخبار الرضا ایران 1858

اسمعینی عبد الکریم بن محمد کتاب الانساب لندن 1912

الشہر آشوب محمد بن علی مناقب علی ابن طالب نجف 1956

الشہر ستانی محمد بن عبد الکریم الملل والنحل مدیر محمد سعید کیلانی قاہرہ 1961

شمس الدین محمد بن طولان الائمتہ الاثناعشری مدیر صلاح الدین المنا جید بیروت 958

التسبکی ابو نصر عبد الوہاب طبقات الشافعیہ مدیر احمد بن عبد الکریم قاہرہ تاریخ نامعلوم۔

سیوطی جلال الدین تاریخ الخلفا قاہرہ 1351ھ

الطبری ابو جعفر (1) تاریخ الرسل و الملوک مدیر Degoeje etal لندن

1879۔ 1901ھ ----- (2) المختصر

----- (3) جامعہ البیان فی التفسیر القران قاہرہ 1328 فولیو۔

الطبرسی فضل بن حسن الاحتجاج تہران 1302ھ

الطوسی نصیر الدین محمد بن حسن الاستبصار نجف 1956۔

---- (2) کتاب الفہرست مدیر A.Spranger کلکتہ 1855۔

---- (3) تہذیب الاحکام نجف 1959 فولیو۔

الیعقوبی احمد بن علی یعقوب الوادیہ التاریخ بیروت 1960۔

یاقوت شہاب الدین معجم البلدان بیروت 1955۔

زید بن علی مجمع الفقہ مدیر Griffini Corpus Juris di Zahid Ibn Ali

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas